بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم اسلام کا معاشی بحران

اور

اس کا حل

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (اسلامیات)

مقالہ نگار:

عبدالشکور چوہدری

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سنہ ۲۰۰۷ء

عالم اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل

مقالہ نگار:

عبدالشکور چوہدری

یہ مقالہ

پی ایچ۔ڈی (اسلامیات)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ

(اسلامیات)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر ۲۰۰۷ء

اقرار نامہ

میں، عبدالشکور چوہدری حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے پی ایچ۔ڈی سکالر کی حیثیت سے جناب ڈاکٹر ضیاء الحق کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

ڈاکٹر ضیاء الحق
نگران مقالہ

عبدالشکور چوہدری
مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر ۲۰۰۷ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: عالمِ اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل

پیش کار: عبدالشکور چودھری رجسٹریشن نمبر: 147-PhD/IS/2003(Jan)

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: اسلامک سٹڈیز

ڈاکٹر ضیاء الحق

نگران مقالہ

Shazra Mannawar

ڈاکٹر شذرہ منور

ڈین فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ

ڈاکٹر عزیز احمد خان

ریکٹر

تاریخ: 04-03-2010

فہرست موضوعات

۞ خاتمہ:

۞ الفہارس ۴۸۰تا۵۰۸

☆......☆......☆

رموز واشارات

مقالہ ہذا میں درج ذیل رموز واشارات کا استعمال کیا گیا ہے:

ص	=	صفحہ نمبر کے لئے
﴿ ﴾	=	آیات کیلئے
(( ))	=	احادیث کیلئے
" "	=	دیگر اقتباسات کیلئے
/	=	اس مختصر لکیر کے دائیں طرف جلد نمبر اور بائیں طرف صفحہ نمبر درج ہے۔
......	=	الی اخرہ

......☆......☆......☆......

پیش لفظ

الحمد اللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ

اجمعین -واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق -

اس میں کوئی شک نہیں کہ کائنات کے ذرے ذرے پر اللہ کا کنٹرول ہے اور رب ذوالجلال کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔لیکن دنیا چونکہ آخرت کی کھیتی ہے اور خدا نے اچھائی اور برائی کی پہچان کروا کر حضرت انسان کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔اس لئے خدا نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ﴿لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ انسان کے کام اُس کی کوشش اور محنت ہی آئے گی۔﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ﴾۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

لہٰذا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا اور محنت نہ کرنا، خدا کے قانون اور فطرت کے مطابق علم و تحقیق اور تدبر و تفکر نہ کرنا اور پھر کہنا کہ خدا نے قسمت ایسی ہی لکھی تھی، جہالت، حماقت اور ناعاقب اندیشی اور علم دین سے ناآشنائی ہے۔

موضوع پر تحقیق کا پس منظر:

عالمی معشیت کا مطالعہ اور عالم اسلام کا معاشی، سیاسی، تعلیمی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر مقابلتاً پسماندہ رہنا اور پھر اس کے اسباب کا کھوج لگانا، مدت سے میرا شوقِ مطالعہ ہے۔اس لئے میں نے عالم اسلام کی معاشی پسماندگی، تعلیمی میدان میں غیر سنجیدگی، اجتہادی جمود، سیاسی افراتفری اور معاشرتی عدم مساوات اور ناانصافیوں کا حتی المقدور مطالعہ کیا ہے۔میرے خیال میں مسلمانوں کے پڑھے لکھے طبقے میں سے بھی 90% نے نہ تو اس پر کبھی غور کیا ہے اور نہ انہیں کماحقہ ادراک ہے کہ ترقی یافتہ، ترقی پذیر اور پسماندہ قوموں کے درمیان ان میدانوں میں کتنا بعد اور فرق ہے اور اس کے اسباب کیا ہیں۔میں انہیں حقائق کو عالم اسلام کے ہر صاحب فکر و دانش اور باشعور فرد کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں تاکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اس پر غور و فکر کیا جاسکے اور عالم اسلام کو معاشی، سیاسی اور تعلیمی بحران سے نکلنے میں مدد مل سکے۔اسطرح شاید دنیا کی ترقی یافتہ قوموں میں اعلیٰ مقام حاصل کیا جاسکے۔

موضوع کا تعارف:

میرے اس تحقیقی مقالے کا موضوع معیشت سے متعلق ہے اور اس میں عالم اسلام کی معیشت اور معاشی نشیب وفراز کو ہی زیر بحث لایا گیا ہے۔ اختصار کے ساتھ اسلام سے پہلے عربوں کی معیشت کا تحقیقی جائزہ لیا گیا اور پھر اسلام کے آنے سے عربوں کے اندر جو بنیادی معاشی تبدیلیاں رونما ہوئیں اُن کا قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام اور اُس وقت کے مالی اداروں کا جامع تعارف پیش کیا گیا ہے پھر مسلمانوں کے معاشی اور سیاسی غلبے کے اسباب کو بڑے تحقیقی انداز میں بیان کیا گیا ہے اور تعلیمی اور تحقیقی میدان میں مسلمانوں کی غیر معمولی سرگرمیوں اور بے مثال ترقی کو اس غلبے کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اسی طرح عالم اسلام کے زوال اور پسماندگی کے اسباب کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا جس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں نے جب سے تعلیم، تحقیق، غور وفکر ،اجتہاد، جہاد اور بھائی چارے سے منہ موڑا ہے اس وقت سے تاریکی، جہالت، معاشی بدحالی، تعلیمی پستی، معاشرتی ناانصافی اور سیاسی انتشار نے مسلمانوں کی ترقی کے تمام دروازے بند کردیئے ہیں۔

اسی طرح ترقی یافتہ قوموں کی ترقی کے اسباب کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا گیا جس سے یہ چیز روزِ روشن کی طرح واضح ہوئی کہ اُن کی ترقی کا راز صرف اور صرف اُن کی تعلیمی اور تحقیقی میدان میں ترقی ہے۔ کسی ملک میں جس معیار اور تعداد میں اعلیٰ تعلیمی اور تحقیقی ادارے ہوں گے اسی تناسب سے اس ملک میں ترقی ہوگی۔ امریکہ آج اگر پوری دنیا کی ہر میدان میں قیادت کر رہا ہے تو اس کے پیچھے امریکہ کی 5900 یونیورسٹیاں اور اعلیٰ معیار کے تعلیمی اور تحقیقی ادارے ہیں۔ جاپان اگر دنیا کی دوسری بڑی معیشت (Second largest economy in the world) ہے تو اس کی وجہ جاپان میں ایک ہزار (1000) یونیورسٹی سطح کے تعلیمی وتحقیقی ادارے ہیں۔ نتیجتاً ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ 2007 کے مطابق امریکہ کا GDP 12500 بلین ڈالر اور جاپان کا 4500 بلین ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ اس کے مقابلے میں عالم اسلام کے 57 ممالک میں یونیورسٹی سطح کے تعلیمی اداروں کی تعداد تقریباً 600 ہے اور مجموعی طور پر اسلامی دنیا کا GDP تقریباً 2300 بلین ڈالر ہے۔ اس طرح میں نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں عالم اسلام کے علاوہ ترقی یافتہ دنیا (Developed Countries) کی معیشتوں اور اُن کی اس قدر ترقی کا بھی تحقیقی طور پر تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اور پھر عالم اسلام اور ترقی یافتہ ممالک کا تقابلی جائزہ پیش کیا اور مسلم ممالک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹوں اور کوتاہوں کی نشاندہی کی۔ پھر دلائل کے ساتھ اس کا حل (اپنی تحقیق کے مطابق) پیش کیا۔ اس لحاظ سے یہ موضوع بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس پر تفصیل کے ساتھ لکھنے کی اشد ضرورت تھی تاکہ عالم اسلام کے باشعور اور دانش ور طبقے سے لے کر حکومتی سطح کے ذمہ دار افراد تک اس کا مطالعہ کریں اور اپنے اندر پائی جانے والی کوتاہوں کو دور کریں۔

موضوع کی اہمیت:

موجودہ دور کی جنگ معاشی جنگ ہے۔ جو ملک معاشی میدان میں آگے ہے وہی اندرونی اور بیرونی طور پر مستحکم ہے اور عزت اور وقار کے ساتھ گردن کو اونچا کر کے دنیا میں کھڑا ہے۔ نہ اُس کے خلاف کوئی سازش ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کو اُس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت ہے۔ چاہے وہ ملک سویٹزرلینڈ، ناروے، ڈنمارک، نیدرلینڈ اور سنگاپور کی طرح چھوٹا ہو یا جاپان اور جرمنی کی طرح بڑا۔

2006ء میں ڈنمارک کے ایک اخبار نے شرانگیز کارٹون چھاپ کر ہمارے پیغمبر ﷺ کی توہین کی تھی۔ پورے عالم اسلام اس 54لاکھ آبادی کے چھوٹے سے ملک کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور نہ ہی کسی عالمی طاقت نے مسلمانوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کر کے اُس کا بائیکاٹ کیا۔ عالم اسلام کے 57 ممالک کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کے طور پر اقوام متحدہ میں بھی کوئی متفقہ مذمتی قرارداد پاس نہ کروائی جاسکی۔ کیونکہ ڈنمارک عالمی سطح پر ایک مضبوط معاشی طاقت ہے۔ اس کا GDP 254 بلین ڈالر سے زائد ہے۔ آبادی صرف 54لاکھ ہے۔ دنیا کے اکثر اہم ممالک کے معاشی مفادات اس سے وابستہ ہیں۔ عالم اسلام کے 57 ممالک کا GDP(2007-WDR کے مطابق) 2300بلین ڈالر اور ان ممالک کی آبادی تقریباً 120 کروڑ ہے۔ امریکہ کی آبادی 30 کروڑ اور GDP 12500 بلین، جاپان کی آبادی 13 کروڑ اور GDP 4500 بلین، جرمنی کی آبادی 8 کروڑ اور GDP 2781 بلین، برطانیہ کی آبادی 6 کروڑ اور GDP 2192 بلین اور فرانس کی آبادی 6 کروڑ اور GDP 2110 بلین ڈالر ہے۔ یعنی ان ترقی یافتہ ممالک میں سے ایک ایک ملک ہی معاشی طور پر عالم اسلام کے 57 ممالک سے زیادہ طاقت ور ہے۔

میں نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کیلئے یہ موضوع "عالم اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل" اس لئے منتخب کیا ہے تا کہ عالم اسلام کی معاشی ترقی کے آگے جو رکاوٹیں ہیں اُن کا تحقیقی جائزہ لیا جائے، اس کی معاشی پسماندگی کی نشاندہی کی جائے اور پھر اس پسماندگی کا حل تلاش کیا جائے۔ عالم اسلام کو بتایا جائے کہ ترقی یافتہ قوموں نے کس بنیاد پر ترقی کی تا کہ مسلم دنیا کو معلوم ہو سکے کہ معاشی ترقی کی شاہراہ پر چڑھنے کیلئے کونسے اسباب حالات اور ماحول کی ضرورت ہے اور اس کے حصول کیلئے کیا کچھ کرنا چاہیے جو ہم نہیں کر پا رہے۔

مقاصد تحقیق:

میں عالم اسلام کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ معاشی میدان میں کتنا پسماندہ ہے؟ تعلیمی، تحقیقی، سیاسی، معاشی، قانون کی حکمرانی اور حقوق انسانی واخلاقی لحاظ سے باقی ترقی یافتہ اور مہذب دنیا سے کتنا پیچھے ہے؟ عالم اسلام اور ترقی یافتہ ممالک کا تعلیمی، تحقیقی، معاشی اور معاشرتی میدان میں تقابل پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ عالم اسلام کو اپنی پسماندگی اور پستی اور پھر اس کے اسباب کا پتہ چل سکے اور ترقی یافتہ قوموں کی ترقی اور اس کے اسباب کا علم ہو سکے۔ اس طرح مسلم امہ کا فرد ہونے کی حیثیت سے میں نے اپنا ایک فرض ادا کیا ہے۔ ہوسکتا ہے میری اس تحقیقی کاوشوں کی وجہ سے امت مسلمہ میں شعور بیدار ہو جائے اور وہ اپنی مذکورہ کوتاہوں کو دور کرنے کی کوشش کرے اور اپنی عظمت رفتہ کی طرف لوٹ آئے۔

موضوع پر ہونے والے سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ:

اس موضوع پر اس سے پہلے تفصیلی تحقیق تو نہیں ہوئی جس میں عالم اسلام کے معاشی، سیاسی، تعلیمی، تحقیقی اور معاشرتی مسائل کی اسطرح تحقیق کی گئی ہو اور پسماندگی اور تنزل کے جائزے کے ساتھ ساتھ ترقی یافتہ قوموں سے تقابل کیا گیا ہو اور پھر اتنا تفصیل کے ساتھ حالات کے مطابق حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہو لیکن مختلف حوالوں سے بڑے بڑے علماء، سکالرز اور دانشوروں نے مسلم اُمہ کے مسائل پر سیر حاصل تبصرہ کیا اور مسائل کی چھان بین کے بعد اپنے اپنے انداز میں حل بھی تلاش کیا۔ ان دانشوروں میں ایم عمر چھپرا (M. Umar Chapra) کا تحقیقی کام "Islam Economic Development and Islamic Approach to Development" اور پروفیسر خورشید احمد کا " ترقیاتی پالیسی کی اسلامی تشکیل" (Some Policy Implications) ڈاکٹر یوسف تمیمی اور ڈاکٹر احمد محی الدین کا تحقیقی کام "جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں" Patrik.J.Buchanan کی کتاب "Rising Islam may overwhelm the west" Ralph Braibanti کی کتاب "Islam and the west " مفتی محمد تقی عثمانی کی کتاب اسلام اور جدید معیشت و تجارت، سابق بوسنیائی صدر علی جاعزت بیگووچ کی کتاب (ترجمہ ایوب منیر) "اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش"، ڈاکٹر عبد السلام کی "پاکستان: سائنس، تعلیم اور معشیت" مولنا مودودی کی "اُمت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل" ، "اسلام اور جدید

معاشی نظریات "، پروفیسر خورشید احمد کی کتاب "امریکہ: مسلم دنیا کی بے اطمینانی" اور ڈاکٹر محمد ممتاز علی کی "تہذیبی تصادم یا بقائے باہمی"، مہاتیر محمد کی "ایشیا کا مقدمہ" اور بہت سی دوسری کتابیں اور تحقیقی کام شامل ہیں۔ لیکن یہ ساری کتابیں اعلیٰ معیار کی ہونے کے ساتھ ساتھ مخصوص مسائل کے متعلق بحث کرتی ہیں۔

دوران تحقیق مشکلات:

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی کام کو آسانی سے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا جاسکتا ہے بلکہ اس کے لیے بے شمار مشکلات اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ تاہم اگر عزم صمیم اور عمل پیہم ہو تو کٹھن سے کٹھن کام بھی آسانی سے مکمل ہو جاتا ہے۔

۱۔ نمل لائبریری میں پی ایچ ڈی لیول کی ریسرچ کیلئے کتابیں اور مواد نہ ہونے کے برابر ہے جس کی وجہ سے زیادہ بھاگ دوڑ کرنا پڑی اور مشکلات پیش آئیں۔

۲۔ عالم اسلام کے معاشی مسائل، تعلیمی اور تحقیقی سرگرمیوں، سیاسی نظاموں کی خرابیاں، اُن کے اسباب اور حل کے بارہ میں مواد کم ہے جس کی وجہ سے کافی مشکلات پیش آئیں۔

۳۔ مسلم سکالرز اور علماء نے معاشی مسائل پر بہت کم قلم اٹھایا ہے۔ جو کتابیں اور ریسرچ ورک موجود ہے وہ روایتی اور قدیم ہے جس کی وجہ سے مواد اکٹھا کرنے میں دشواری پیش آئی۔

۴۔ میرے مقالے کا موضوع کچھ اسطرح کا ہے کہ اس میں عالم اسلام کی معاشی سرگرمیوں کا تاریخی جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ تازہ ترین معاشی سرگرمیوں (Current Economic activites) اور بحران کے اسباب اور اُن کے حل کا جائزہ پیش کرنا ہے۔ اس کے لئے تازہ ترین مواد اور کتابوں کی ضرورت تھی جو عام لائبریریوں میں آسانی سے میسر نہیں تھیں۔

۵۔ اکثر یونیورسٹیوں کی لائبریریوں اور معاشیات کے شعبوں میں تازہ ترین مواد تو کیا UNO کی تازہ یعنی ایک دو سال کی رپورٹس اور World Development Reports تک موجود نہیں تھیں۔

انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی لائبریری، فیصل مسجد کی لائبریری انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز کی لائبریری، پنجاب یونیورسٹی کی مین لائبریری اور اسلامک سنٹر کی لائبریری، ذکریا یونیورسٹی کی لائبریری میں اور شعبہ جاتی لائبریریوں کے علاوہ بورے والا کالج کی طرح کی کئی لائبریریوں میں سے تھوڑا تھوڑا مواد اکٹھا کیا۔

۶۔ لاہور کی اردو بازار کی اہم دوکانوں اور فیروزسنز سمیت بہت سی دوکانوں سے بہت سی کتابیں خریدیں اور مواد اکٹھا کیا۔

مجھے اپنے تحقیقی مقالے میں سب سے زیادہ مشکل یہ پیش آئی کہ پاکستان کے کسی بھی سکالر یا معیشت دان (Economist) نے عالم اسلام کے معاشی، سیاسی، تعلیمی و تحقیقی اور معاشرتی نظام، معیار اور پسماندگی کا مجموعی طور پر جائزہ پیش نہیں کیا اور نہ ہی صحیح طور پر ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ اس کا تقابل کیا تاکہ عام پڑھا لکھا مسلمان مسلم قوم کی صحیح تصویر بنا سکے۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان، چیئرس، HEC پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر اختیار بیگ اور ڈاکٹر شاہد کی طرح کئی دانشوروں نے اپنے طور پر کافی کچھ لکھا ہے۔ اور عالم اسلام کو اصل حقائق سے آگاہ کرنے کی بہت عمدہ کوشش کی ہے۔ لیکن اُن کا کام بہت اچھا اور معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ پرانا ہے اور معیشت کی تازہ صورتحال (Current Situation) کافی تبدیل ہو چکی ہے۔ پچھلے دس سالوں میں، 2007 تک، دنیا بہت بدل چکی ہے۔ لیکن عام طور پر ہمارے دانشور اپنے مقالوں اور مضامین میں پانچ دس سال پہلے والا نقشہ ہی پیش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے مجھے عالم اسلام اور ترقی یافتہ ممالک کا تازہ ترین نقشہ کھینچنے میں دقت پیش آئی۔ میری یہ پریشانی اقوام متحدہ (UNO) کی رپورٹس، ورلڈ بنک اور World Development Report کے تحقیقی کاموں سے دور ہوئی۔ اب اس مقالہ میں پرانی رپورٹس بھی باقاعدہ حوالوں سے شامل ہیں۔ اور تازہ ترین معلومات بھی (2007) شامل کر دی گئی ہیں۔ اب عالم اسلام اور ترقی یافتہ قوموں کی تازہ ترین معاشی صورتحال کے بارہ میں بخوبی آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اس تحقیقی مقالے میں تین سال پہلے تک کی معلومات (یعنی 2003 تک) بھی ہیں، جب یہ مقالہ شروع کیا تھا، اور WDR رپورٹ 2007 کی اقتصادی اور معاشی معلومات بھی شامل کر دی گئی ہیں اور بعض جگہوں پر تبدیلی بھی کر دی گئی ہے۔

میں نے اپنی ریسرچ کے دوران اخبارات، رسالوں، میگزین اور تازہ مقالا جات اور مضامین سے بھرپور فائدہ حاصل کیا اور جو تازہ ترین مواد مجھے ان سے حاصل ہوا وہ بہت کوشش کے باوجود کتابوں سے نہ مل سکا تھا۔ تازہ ترین صورتحال کا پتہ چلانے کیلئے انٹرنیٹ کے استعمال سے بھی میری مشکلات کم ہوئیں۔

ہماری بڑی بڑی لائبریریوں میں بھی بین الاقوامی سطح کے اخبارات، رسائل اور میگزین کی آمد نہ ہونے کے برابر ہے۔ کسی بڑی سے بڑی لائبریری میں بین الاقوامی سطح کے ماہانہ 50 میگزین یا رسالے بھی نہیں آتے جبکہ امریکہ کی کانگرس لائبریری (The Library of Congress) میں روزانہ 22000 اخبارات، میگزین اور رسالے وغیرہ آتے ہیں۔ لہٰذا ہماری لائبریریوں

میں تازہ ترین اور معیاری مواد کی بہت کمی ہے۔ اس کیلئے مجھے بہت سے اداروں میں جا کر مختلف لوگوں سے مل کر معلومات حاصل کرنا پڑیں۔ میں اس کیلئے انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز گیا۔ انسٹیٹیوٹ آف سٹریٹجک سٹڈیز میں گیا۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے شعبہ اکنامکس میں گیا۔ ملتان اور پنجاب یونیورسٹیوں کے اساتذہ سے ملا۔

اور بھاگ دوڑ کی اور خدا کے فضل و کرم سے کامیاب ہوا۔ لاہور سے آگے ساہیوال، بورا، وہاڑی اور ملتان بلکہ سارے جنوبی کالجوں اور لائبریریوں میں مواد نہ ہونے کے برابر ہے جس کی وجہ سے تحقیقی مواد حاصل کرنے میں مشکلات پیش آئیں۔ اس لئے مجھے اپنے تحقیقی مواد کے حصول کیلئے اکثر لاہور اور اسلام آباد کا ہی رخ کرنا پڑا۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے بلند و بالا دعووں کی عملی تصویریں ان علاقوں میں نظر نہیں آتی ہیں جس کیلئے حکومت کی توجہ ادھر مبذول کروانے کی ضرورت ہے۔

نوٹ: میرا پی۔ ایچ۔ ڈی کا سیشن 2005-2003 تھا اور 2005 تک کے ہی معاشی اعداد و شمار دیے گئے تھے۔ اب چونکہ 2007 کے تازہ ترین معیشت کے اعداد و شمار میسر آ گئے تھے۔ لہٰذا میں نے اہم اعداد و شمار 2007 کے مطابق کر دیئے۔ لیکن بعض جگہوں پر، حوالوں کے ساتھ، 2005 یا اُس سے پہلے کے اعداد و شمار بھی درج ہیں۔

خلاصۂ بحث:

زیر نظر تحقیق کا مقصد عالم اسلام کے معاشی بحران اور سیاسی، معاشرتی، تعلیمی، فکری اور تحقیقی پسماندگی کے اسباب کو ڈھونڈنا اوران کا حل تلاش کرنا ہے۔ مقالہ ہذا آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں اسلامی معیشت کے بنیادی خدوخال پر تبصرہ کیا گیا اور ساتھ ساتھ دنیا کے مختلف معاشی نظاموں سوشلزم، سرمایہ داری اور اسلام کا تعارف اور تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں مسلم امہ کا معاشی پس منظر بیان کیا گیا۔ تیسرے باب میں مسلمانوں کے معاشی عروج اور طاقت بننے کے اسباب پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے جس میں اُس وقت کے تعلیمی و تحقیقی، سیاسی، انتظامی اور دفاعی نظام کو بنیاد بنا کر تحقیق کی ہے۔ چوتھے باب میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے جس میں سرفہرست تعلیمی انحطاط، اجتہادی جمود، اخوت و بھائی چارے کا فقدان، جدید تحقیق میں عدم دلچسپی، مغرب کی اندھی تقلید اور قیادت کے فقدان کو بنیاد بنایا گیا ہے اور یورپی قوموں کی تعلیمی و تحقیقی میدان میں ترقی کا بھی تفصیلی جائزہ لے کر عالم اسلام سے تقابل کیا گیا ہے۔ پانچویں باب میں جدید دور کی معاشی طاقتوں کی ترقی کا جائزہ لیا گیا اور اُن کی تعلیمی و تحقیقی ترقی کو اُن کی معشیتوں کی ترقی کی بنیاد

بننے کا جائزہ لیا گیا ہے۔

چھٹے باب میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ عالم اسلام کی موجودہ تنزلی کی وجوہات کیا ہیں؟ یورپ، امریکہ، یہود اور ہنود کا اس میں کیا کردار ہے؟ یو این او (UNO)، آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کس طرح اسلام کو اپنے شکنجے میں لئے ہوئے ہیں؟ عالم اسلام میں یورپ، امریکہ اور یہود کی پالیسیاں کس طرح کامیاب ہوتی ہیں اور کس حد تک ہمارے ملکوں میں اُن کا اثر و رسوخ ہے؟ ساتویں باب میں عالم اسلام کی معاشی بدحالی میں اُن کے اپنے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور آخری باب میں عالم اسلام کو معاشی بدحال سے نکالنے کے مختلف طریقوں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ہماری اس بحث کو سنجیدگی سے بڑھا جائے تو عالم اسلام کو ایک طرف تو اپنے مقام اور حیثیت کا پتہ چل جائے گا کہ ہم معاشی، سیاسی، تعلیمی، تحقیقی، معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے کس چوراہے پر کھڑے ہیں اور دوسرا یہ کہ ترقی یافتہ قومیں اس وقت کہاں کھڑی ہیں؟ اُن کی ترقی اور عظمت کا راز کیا ہے؟ ہماری ذلت، پسماندگی اور بے چارگی کے اسباب کیا ہیں؟ اور پھر اس بند گلی سے کیسے نکلا جا سکتا ہے؟

اس مقالہ میں اگر کوئی خوبی نظر آئے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے ہے اور اگر اس میں کوئی کمی یا کوتاہی نظر آئے تو وہ میری بشری لغزشوں اور کمزوری کے سبب سے ہے۔

و أخيراً أسأل الله عز و جل أن يجعل التوفيق حليفي والتيسير عوني والسداد جهدي والصواب منهجي و النور دليلي والحق غايتي فإنه و لي ذلک والقادر عليه و صلى الله وسلم على رسولنا محمد و على آله تسليما كثيراً

اظہار تشکر

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی رسولہ الکریم و بعد!

علمی اور تحقیقی کام کا تعلق مسلسل جدوجہد سے ہے اور پھر ڈاکٹریٹ لیول کی تحقیق اور چھان پھٹک کا مرحلہ تو بڑا مشکل اور صبر آزما ہوتا ہے۔ تحقیقی مطالعہ کرنے اور معلومات حاصل ہونے کے بعد اپنی علمی تحقیق، احساسات اور معلومات کو لفظوں میں بیان کرنا اور اچھی تحریر لکھنے کے ساتھ ساتھ اختصار کا بھی بھرپور خیال رکھنا اس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ ان ساری مشکلات کا اس دوڑتی بھاگتی دنیا میں بیک وقت میسر آجانا کسی معجزے کم نہیں۔ یہ معجزہ سچے جذبے اور کام کی لگن سے وجود میں آتا ہے۔ اسی صداقت اور خلوص کے جذبے نے تحصیل علم کیلئے مجھے یکسوئی بخشی اور نصب العین کے حصول کے ذرائع فراہم کیے۔

سب سے پہلے میں اللہ عزوجل کے سامنے سربسجود ہوں جس کی رحمت اور فضل کے بغیر اس تحقیقی مقالے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ناممکن تھا۔ اس کے بعد کروڑوں رحمتیں اور درود و سلام ہوں اس ہستیٔ اقدس و مقدسؐ پر جس کی، کائنات میں بکھری ہوئی روشنی نے، انسانیت کے سینوں میں شمع نور جلائی۔

میں اپنے نگران مقالہ اور بہت ہی شفیق استاد محترم پروفیسر **ڈاکٹر ضیاء الحق صاحب** کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جن کی شفقت، تعاون اور حوصلہ افزائی اگر میری مساعی میں شامل نہ ہوتی تو شاید یہ کام اس خوش اسلوبی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ پاتا۔ آپ بین الاقوامی سطح کے سکالر، محقق اور اعلیٰ پائے کے استاد ہیں۔ حصول علم کیلئے آپ جیسے اساتذہ کی ضرورت ہے جن کا علم پختہ اور دل بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ ظرف بھی وسیع ہے۔ کیونکہ ہر بڑا استاد بڑا آدمی ہوتا ہے اور بڑے آدمی کی پہچان یہ ہے کہ وہ چھوٹوں کو بڑا بناتا ہے۔ میرے اظہار تشکر کے یہ چند جملے اُن کی عنایات اور خلوص کا ہرگز بدل نہیں ہو سکتے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ اُن کے بعد میں **ڈاکٹر علی انور صاحب** چیئرمین شعبہ عربی (NUML) کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے راہنمائی فرمائی۔ پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر اور میرے محترم استاد **ڈاکٹر مظہر معین**، **ڈاکٹر اکرم چوہدری**، زکریا یونیورسٹی ملتان کے پروفیسر **ڈاکٹر نور الدین جامی**، **ڈاکٹر اصغر علی سلیمی** اور **ڈاکٹر شفقت اللہ** کا ممنون ہوں جنہوں نے خصوصی شفقت کی اور اس تحقیقی کام میں میری معاونت اور راہنمائی کی۔ میں نمل (NUML) لائبریری، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی لائبریری، فیصل مسجد لائبریری، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز،

انسٹی ٹیوٹ آف سٹریٹیجک سٹڈیز لائبریری، پنجاب یونیورسٹی کی مین لائبریری، اسلامک سنٹر کی لائبریری اور ذکریا یونیورسٹی کی مین اور اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کی لائبریری کے انچارج صاحبان اور عملے کا بھی خصوصی طور پر شکر گزار ہوں جنہوں نے کتابوں کے معاملے میں وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا۔ میں انسٹی ٹیوٹ آف سٹریٹجک سٹڈیز اسلام آباد میں اپنے کزن جناب **محمد شہباز** کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے بین الاقوامی حوالے سے بہت سی معاشی اور جیولوٹیکل معلومات فراہم کیں اور تحریری مواد اسلام آباد سے بورے والا بھیجتے رہے۔ میں اپنی اہلیہ کا بھی شکر گزار ہوں جس نے پروف ریڈنگ اور مقالے کی ترتیب، تصحیح اور تالیف میں میری بھرپور مدد کی اور میرا بوجھ ہلکا کیا۔ میں اپنے ننھے منھے بیٹوں اور بیٹیوں .... **احمد، قاسم، آمنہ اور فاطمہ** کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں جن کا کھیلنا کودنا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنا اور کتابوں کو الٹ پلٹ کرنا میرے لیے تفریح مہیا کرنے اور تھکاوٹ دور کرنے کا باعث بنتا تھا۔ اپنے چھوٹے اور بہت ہی پیارے بھائی **عبدالصبور**، اپنے پیارے بھتیجے **سیف الرحمٰن رضا** (جنہوں نے مقالے کی ترتیب میں عملی طور پر حصہ لیا) اور ہر دم تازہ اور انتھک پیارے دوست **محمد ارشد سدھو** کا بھی ممنون ہوں جن کا تعاون بھی شامل حال رہا۔

میں اپنے دوست اور کمپیوٹر کمپوزر جناب **اسلم شیخ** کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے بھرپور محنت اور باریک بینی کے ساتھ اس تحقیقی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ آخر میں اپنے والدین کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کی مہربانیوں، کوششوں اور دعاؤں کے نتیجے میں، باقی سعادتوں کے ساتھ ساتھ، مجھے یہ سعادت نصیب ہو رہی ہیں۔

ABSTRACT

Alam-e-Islam ka Muashi Buhran Aur Us ka Hal

(Economic decline of the muslim world & its solution)

Almost every 5th person in this world is follower of the Prophet Muhammad (SAW). Within a century after the Prophet, the muslims became the masters of am empire extending from the shores of the atlantic Ocean to the Confines of China, an empire greater than that of Rome at its Zenith. The muslims not only produced an empire but a culture as well. The muslims, heirs of the ancient civilization observed and assimilated the main features of the Greeco-Roman culture, and subsequently acted as a medium for transmitting to medieval Europe many of those intellectural influences which ultimately resulted in the awakening of the western world and in setting it on the road towards its modern renaissance. No people in the middle Ages contributed to human progress so much as did the muslims. Between the 9th and the 12th centuries more works, philosophical, medical, historical, religious, astronomical and geographical were produced through medium of Arabic than through an other language. My this dissertation is about economic ups and downs of this community, the muslims, in different periods of the history. The muslim world has 57 independent countries, 1.5 billion population out of 6.5 billion of the word, (23% of the world), out of 103 million km Area of the world the muslim world covers 30.51 mk (22.80%). It produces more than three quarters of the world's rubber and jute, two thirds of its oil, two thirds of all palm oil, two thirds of its spice, half of the tin and phosphate, vast number of gas reserves, large quantity of world cotton, tea, cofee, wool, uranium, manganese, cobalt and many other commodities and minerals. But,

unfortunately its GDP is hardly 2300 billion dollar out of world's 44384 billion dollar, The only 5% of world's GDP. In this dissertation I have discussed the oconomic decline of the Muslim world particularly and its political, soical intellectual an educational downfal in general, and tried my best to explore the reasons. This Thesis consists of ten chapters first of all I endeavoured to throw light on Islamic economic system and other systems. The background of the muslim Ummas' economic system is discussed in the second chapter. In the third I have discussed in detail the zenith of the Muslims prosperity and development and its factors i.e. research, education and intellectuality, political stability, quality of good governance and strong defence etc. In chapter 4, the causes of decline are discussed in which the top most are educational backwardness, abolition of Ijtehad, absence of brotherhood, disinterest in modern research and blind imitation of the west. In the fifth chapter, economic development and great achievements of advanced countries are discussed. Basic factors (education, research etc.) of their development and prosperity have also been discussed. In the 6th chapter the causes of economic decline and destruction of the muslim word are also discussed. The involvement of Europe, America, Jews and Hindus and their policies in the Muslim world are also discussion. The part played by UNO, world bank and IMF etc. in the destruction of the muslim world is also viewed. I have also written about the part played by the muslims in their own devastation. At the end I have suggested some possible soluations to get rid of this economic destruction. If this research is studied and taken seriously, it will enable us to know the causes of economic backwardness of the muslim word and secrets of prosperity and development of the western world. The thesis will also help us to know how to come out from the economic blind alley.

انتساب

(DEDICATION)

اپنی والدہ محترمہ کے نام

جن کی دعائیں

ہمیشہ میرے ساتھ رہیں

باب اوّل

معیشت کی تعریف۔اسلامی معیشت کے بنیادی پہلو

فصل اوّل

معاشی ترقی کا مفہوم قرآن حدیث کی روشنی میں:

معیشت: معیشت یا Economy کسی ملک کا ایسا نظام یا سسٹم ہے جس کے ذریعے اس کی دولت کی پیدائش اور اس کا استعمال عمل میں آتا ہے۔

Economy is " The System by which a country's wealth is produced and used "

معیشت یا معاشی نظام سے مراد وہ تمام قوانین، ادارے، روایات اور رسم و رواج ہیں جن کے تحت کسی معاشرے یا ملک کو یہ بنیادی معاشی فیصلے کرنے ہوتے ہیں کہ کونسی اشیاء و خدمات پیدا کی جائیں اور کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں اور کن کے لئے یہ اشیاء پیدا کی جائیں۔ یہ بنیادی معاشی فیصلے دراصل معاشی مسائل ہیں جو ہر معاشرے کو درپیش ہیں۔

مختلف ممالک اور معاشروں نے مختلف اداروں، طریقوں اور روایات کو استعمال کرتے ہوئے ان بنیادی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

معاشی مسائل:

اس دنیا میں اشیاء اور خدمات کو حاصل کرنے کے لیے انسانی خواہشات لامحدود ہیں جبکہ وسائل اس کے مقابلہ میں کم ہیں۔ ہر انسان یا معاشرے کے لیے ہر چیز پیدا کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے بنیادی قانون کمیابی (Fundamental Law of Scarcity) کی بناء پر معاشی مسائل (Economic Problems) جنم لیتے ہیں۔ یہی قانون کمیابی کہتا ہے" کہ خواہشات کے مقابلے میں اشیاء اور خدمات کی کم دستیابی" "انتخاب کی ضرورت" "(Necessity of Choice)" کے

ذریعے پوری کی جا سکتی ہے۔ان معاشی مسائل کو حل کرنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایک ایسا نظام دیا ہے جس کو اپنا کر نہ صرف معاشی مسائل کا بہترین حل نکلتا ہے بلکہ دنیا میں محبت اور بھائی چارے کی بھی فضا پیدا ہوتی ہے جہاں ہر جگہ ہمدردی ہی ہمدری ہے۔اس کے بنیادی مقاصد یہ ہیں۔

اسلامی نظام معیشت کے مقاصد:

اسلامی نظام معشیت کا سب سے اہم مقصد اسلامی حدود و قیود میں رہتے ہوئے تمام انسانوں کی فلاح و بہبود ہے۔ترمذی کی حدیث ہے۔"ابن آدم کا بنیادی حق ہے کہ اس کے لئے ایک گھر ہو جس میں وہ رہ سکے۔کپڑا ہو جس میں وہ اپنا جسم ڈھانپ سکے اور کھانے کے لئے روٹی اور پینے کے لئے پانی ہو (ترمذی)۔یعنی روٹی، کپڑا، مکان، تعلیمی اور طبی سہولتیں فراہم کرنا اسلام کا اولین مقصد ہے۔

دوسرا اہم مقصد انسانوں کے درمیان عدل و انصاف کا قیام ہے ۔ارشاد باری تعالی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى﴾ ۲۔اسلام اس سلسلے میں صالح معاشرہ، اعلیٰ اخلاق، معاشرتی انصاف، باہمی تعاون اور افراد کو مساوی مواقع فراہم کرنے پر زور دیتا ہے تا کہ اسلامی ریاست میں تمام لوگ مل جل کر خوشحال اور پر مسرت زندگی بسر کر سکیں۔

اسلام کے معاشی نظام کا تیسرا مقصد دولت کی منصفانہ تقسیم ہے۔یعنی فطرت کی تقسیم مساوی (Equal) نہیں بلکہ منصفانہ Equitable ہے۔اسلام نے دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہونے کو پسند نہیں کیا۔ ﴿كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً م بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ ۳۔ بلکہ اس کی منصفانہ تقسیم کے لیے مختلف قانونی اور اخلاقی طریقے وضع کیے ہیں تا کہ دولت پورے معاشرے میں گردش کرے۔اس کے لئے اسلام نے زکوۃ، صدقات وخیرات، انفاق فی سبیل اللہ اور وراثت جیسے قوانین وضع کیے ہیں۔ اسلامی معاشی نظام کا چوتھا اہم مقصد حصول رزق کی جائز اور حلال کوشش ہے۔اسلام بنی نوع انسان کو جائز اور حلال رزق کی تلاش میں نکلنے پر زور دیتا ہے۔قرآن کہتا ہے۔ ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ ۴۔اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو ۔﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ ۵۔اسلام صرف جائز اور حلال رزق کی کوشش کو فروغ دے کر ایک صالح معاشرہ کا قیام چاہتا ہے۔

پانچواں اہم مقصد یہ ہے کہ اسلام کا معاشی نظام حدوداللہ کی پابندی اور اخلاقی ضابطوں کو حصول رزق کیلئے بنیاد قرار دیتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں معاشی سرگرمیاں مذہب واخلاق سے جدا نہیں۔ خدا کا فرمان ہے۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ﴾ ﴿۶﴾۔ دوسری جگہ پرارشاد ہے۔ ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ ﴿۷﴾ اس طرح اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان تجارت اور کاروبار کے ساتھ خدا کو بھی یاد کرتے رہیں تاکہ معاملہ میں عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

اسلامی معیشت کے بنیادی پہلو اور اصول:

آج کے دور میں ہر چیز معیشت کے گرد گھومتی ہے۔ جس قوم یا ملک کی معیشت مضبوط ہے وہ باوقار اور ہر لحاظ سے مضبوط ہے اور جو معاشی طور پر کمزور ہے اس کا وقار، عزت وناموس اور آزادی وجینے کا حق اس کے اپنے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے معاشی آزادی کے بغیر سیاسی آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

موجودہ دور تاریخ کا ترقی یافتہ ترین دور ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ دنیا میں دولت کی فراوانی اور محیر العقول ترقی کے باوجود غربت، افلاس، بے روزگاری، استحصال اور معاشی اور معاشرتی ظلم وناانصافی کی جڑیں ماضی سے زیادہ حال میں مضبوط ہورہی ہیں۔ جو نقشہ جوسوکاسترو (Josue Castro) نے 60,50 سال پہلے دنیا کا کھینچا تھا آج بھی وہی نقشہ سامنے ہے اور کوئی تبدیلی نہیں رونما ہوئی۔ "آج بھی انسانی زندگی کا 60% حصہ نان شبینہ کا محتاج ہے۔ افلاس ونکبت اس کا اوڑھنا بچھونا ہے اس کے پاس نہ پیٹ بھرنے کو روٹی ہے نہ بدن چھپانے کو کپڑا اور نہ سر ڈھاپنے کو معقول مسکن"۔ ﴿ ۸ ﴾

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں اس قدر معاشی ترقی کے باوجود معاشی پسماندگی اور مجموعی طور پر انسانی تذلیل اور بے بسی کیوں ہے آج 2007ء میں امریکہ کا دفاعی بجٹ تقریباً 450 بلین (ارب) ڈالر ہے ﴿۹﴾۔ دوسری طرف سونامی طوفان سے 160,000 (ایک لاکھ ساٹھ ہزار) انسان اس لئے مارے گئے ہیں کہ سمندری طوفان کا قبل از وقت پتہ لگانے کے لئے یہ غریب ممالک ایک کروڑ ڈالر کی لاگت سے پیشگی انتباہ کا سسٹم قائم نہیں کرسکتے تھے۔ تمام تر ترقی کے باوجود ہم مجموعی طور پر حقیقی انسانی فوز وفلاح کیلئے کوئی صحیح معاشی نظام قائم نہیں کرسکے۔ اصل معاشی ترقی صحیح اسلامی اور فلاحی نظام معیشت میں پنہاں ہے۔ ہمارا ملک خاص طور پر اور پورا عالم اسلام عام طور پر گھمبیر قسم کے معاشی مسائل سے دوچار ہے۔

اسلامی معیشت کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں۔

اسلامی معاشرہ کی بنیادی قدریں:

اصل میں اسلامی معاشرہ ایک فلاحی معاشرہ ہے اس لئے ہر قدم انسانی اور معاشرہ کی فلاح و بہبود اور اخروی زندگی میں نجات کو مدنظر رکھ کر اٹھایا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ﴾ ﴿۱۰﴾۔ " اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ اس مختصر قرآنی جملے میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے معاشرے کا انحصار ہے۔

۱۔ پہلی چیز عدل ہے:

عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو اور دوسرا ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ یہاں بات عدل اور توازن کی ہے نہ کہ مساوات کی۔ توازن کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور تمدنی حقوق پوری ایمانداری سے ادا کیے جائیں۔

۲۔ دوسری چیز ہے احسان:

احسان سے مراد حسن سلوک اور اچھا برتاؤ ہے۔ فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی اور آپس میں تعاون اور باہمی لحاظ کا نام ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا حسن و جمال وکمال۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوشگوار اور شیرانیاں پیدا کرتا ہے۔

۳۔ تیسری چیز ہے صلہ رحمی:

صلہ رحمی رشتہ داروں کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں کہ اپنے رشتے داروں کے ساتھ انصاف کرے بلکہ اصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو ان کے قریب کرے اور اپنی دولت اور مال میں اپنے بیوی بچوں کے علاوہ رشتہ داروں کو بھی حصہ دار سمجھے۔ اس طرح ہر خاندان کے غریب افراد کا پہلا حق اپنے خاندان کے خوش حال افراد پر

ہے۔ تین بھلائیوں (عدل، احسان اور صلہ رحمی) کے مقابلہ میں اسی طرح خدا تعالیٰ تین برائیوں سے بھی روکتا ہے جو انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے انسان اور معاشرہ کو پراگندہ کرنے والی ہیں۔

۱۔ پہلی چیز فحشاء ہے جس کا اطلاق تمام بے پردہ اور شرمناک افعال سے ہوتا ہے۔ مثلاً زنا، عریانی، فعل لوط اور بخل وغیرہ ۔شراب نوشی، برسر عام برے کام کرنا، چوری کرنا، گالیاں بکنا وغیرہ۔

۲۔ دوسری چیز منکر ہے جس سے منع کیا گیا ہے مثلاً جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، اور بدکلامی کرنا وغیرہ تمام ایسی باتیں جنہیں انسان بالعموم برا جانتے ہیں اور تمام شرائع الہیہ میں ممنوع قرار دی گئی ہیں۔

۳۔ تیسری چیز بغی ہے جس کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرنا خواہ وہ حقوق خالق کے ہوں یا مخلوق کے۔ یہ وہ بنیادی قدریں اور اسلامی روایات ہیں جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہے اور جن کی حفاظت فرد اور حکومت دونوں کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ اسلام کا تصور رزق اور تقسیم رزق:

اسلام کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دوسرے سے مختلف بنایا ہے اور پھر معاشی، معاشرتی، علمی اور سیاسی حیثیت سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے یہ فضیلت اور معاشرتی اونچ نیچ قدرتی اور فطرتی ہے خدا کا فرمان ہے۔ ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾﴿۱۱﴾ یعنی خدا کے پاس آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں جس کیلئے چاہتا ہے رزق میں وسعت پیدا کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

۲۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ﴾ ﴿۱۲﴾ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے اوپر بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ بھی تم لوگوں کو اس نے دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے"

۳۔ پھر فرمایا! ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ ﴿۱۳﴾۔ دیکھو

کس طرح ہم نے بعض لوگوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور آخرت تو فرق اور فضیلت میں اور آگے ہے

۴۔ پھر فرمایا: ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾﴿۱۴﴾" کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کی ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر مالی فضیلت دی گئی ہے تا کہ ان میں سے کچھ لوگ کچھ دوسرے لوگوں سے کام لیں اور رب کی رحمت تو اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

۵۔ ﴿قُلْ اِنَّ رَبِّىْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ﴾﴿۱۵﴾" اے نبی کہہ دو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے نپا تلا کر دیتا ہے یعنی کم کر دیتا ہے۔

۶۔ ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ﴾﴿۱۶﴾ اور اللہ تعالیٰ نے رزق کے حوالے سے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ اسلامی نظام معیشت کا اہم اصول یہ ہے کہ وہ سرمائے کی مساوی (Equal) تقسیم کی بجائے منصفانہ (Equitable) تقسیم چاہتا ہے خدا جو ساری کائنات کا مالک ہے، ہرگز نہیں چاہتا کہ تمام انسانوں کے درمیان وسائل اور ذرائع زندگی برابر تقسیم کیا جائے۔ قرآن کریم کو جو بھی پڑھے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی اس کائنات میں کہیں بھی مساوی تقسیم نہیں پائی جاتی۔ اس لئے کہ اگر سارے انسانوں کو برابر کر دیا جائے تو کائنات کا نظام چلنا ناممکن ہے اصل میں مساوی تقسیم ہے ہی غیر فطری۔ کیا تمام انسانوں کو ایک جیسی صحت دی گئی ہے؟ کیا تمام انسان یکساں ذہین ہیں؟ کیا تمام انسان حسن میں، طاقت میں ،قابلیت میں اور دانائی میں برابر ہیں؟ کیا تمام انسان ایک ہی طرح کے حالات میں پیدا ہوتے ہیں اور انہیں زندگی میں کام کرنے کے لئے یکساں مواقع مہیا ہیں؟ اگر ان ساری چیزوں میں مساوات نہیں تو تقسیم دولت اور ذرائع پیداوار میں مساوات کے کیا معنی ہیں؟ یہ عملاً ممکن ہی نہیں اور جہاں کہیں بھی اس کی مصنوعی کوشش کی گئی یا کی جائے گی تو ناکام رہے گی اور سوویت یونین (USSR) کی طرح غلط نتائج پیدا کرے گی۔ اس لئے اسلام یہ نہیں چاہتا کہ وسائل اور پیداوار میں تمام انسان مساوی اور برابر ہوں بلکہ یہ کہتا ہے کہ ان میں تقسیم منصفانہ اور عادلانہ ہو کہ کوئی بھی دوسرے کا استحصال نہ کرے اور فرمایا کہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ﴿۱۷﴾۔

۲۔ دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے ہے:

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز انسان کے لئے پیدا کی ہے۔ خدا کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ ﴿۱۸﴾ وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا! ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ﴾ ﴿۱۹﴾ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے سے تمہارے رزق کے لئے پھل نکالے اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا اور سورج اور چاند کو تمہارے مفاد میں ایک دستور پر قائم کیا کہ پیہم گردش کر رہے ہیں اور دن اور رات کو تمہارے مفاد میں ایک قانون کا پابند کیا اور وہ سب کچھ دیا جو تم نے مانگا اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ (ابراہیم ۳۲،۳۴)

اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے نا کہ رہبانیت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بار بار فرمایا کہ میری نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ نہ کہ ان سے کنارہ کشی و رہبانیت، البتہ شرط ایک ہی لگاتا ہے کہ میری نعمتوں اور رزق کو حلال طریقے سے کھاؤ اور جائز اور ناجائز میں فرق کرو۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ (البقرة: ۲۹) " وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے "۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حسن و جمال اور خوبصورتی جو خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور پاکیزہ رزق اور حلال چیزیں ان کو کیوں اپنے اوپر حرام کرتے ہو؟ کیوں ان سے اجتناب کر کے رہبانیت اختیار کرتے ہو؟ اللہ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾ ﴿۱۹﴾ اے نبی ان سے (ذرا) پوچھو کہ اللہ کی اس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے اور رزق کی عمدہ اور پاک چیزوں کو کس نے حرام کر دیا؟ سورۃ المائدہ میں اللہ نے فرمایا ﴿وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴾ ﴿۲۱﴾۔ اور کھاؤ ان چیزوں کو جو اللہ نے تم کو بخشی ہیں حلال اور پاکیزہ اور بچے رہو اس اللہ کی ناراضگی سے جس پر تم ایمان لائے ہو۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں فرمایا۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًاز وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ ﴿۲۲﴾ لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں ہے حلال اور

پاک اور شیطان کے طریقوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے سورۃ اعراف میں فرمایا ﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ ﴿۲۳﴾ کھاؤ اور پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ رہبانیت کے بارے میں فرمایا ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ﴾ ﴿۲۴﴾ اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کی ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔ مگر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش (ان پر لازم تھی) لیکن انہوں (عیسائیوں) نے اس کا لحاظ نہ کیا جیسا کہ اس کا حق تھا۔

۳۔ دولت کا حصول صرف حلال طریقوں سے:

اسلامی نظام معیشت میں دولت کا حصول اور کاروبار صرف اور صرف حلال اور جائز طریقوں سے ہوسکتا ہے حلال طریقے اختیار کئے جائیں اور حرام طریقوں سے ہر حالت میں اجتناب کیا جائے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ ﴿۲۵﴾ "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر رضا مندی سے تجارت (کاروبار) کے ذریعے ﴿۲۶﴾۔ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک مت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بہت مہربان ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے امانت دار تاجروں کا حشر قیامت کے دن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ ﴿۲۷﴾

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ ﴿۲۸﴾ اے ایمان والو سود کے کئی کئی حصے بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

۴۔ حصول دولت کے حرام طریقے حصول دولت کے باطل طریقے بہت سے ہیں۔ قرآن میں حرام اور باطل طریقوں کی تفصیل ہے۔ البتہ اسلامی قوانین کی کتابوں میں فقہا نے تفصیلاً بتایا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ ﴾ ﴿۲۹﴾ " اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ ان کو حکام کے سامنے پیش کرو تا کہ جان بوجھ کر لوگوں کے مال گناہ کے طریقوں سے نہ کھاؤ" دوسری

جگہ فرمایا ﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ج ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ (آل عمران ۱۶۱) " اور جو کوئی غلول (پبلک کے مال میں خیانت) کرے وہ اپنے خیانت کیے ہوئے مال سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا اور ہر ایک کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ ملے گا۔

سورۃ المائدہ میں ہے۔﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ ﴿۳۰﴾"چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو" ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ ﴿۳۱﴾"جو لوگ یتیموں کے مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جلیں گے" پھر فرمایا ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝﴾ ﴿۳۲﴾ "تباہی ہے کم تولنے والوں کے لیے جو دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا پیمانہ بھر کر لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں" ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط﴾ ﴿۳۳﴾ اور اپنی بیویوں کو قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ بچنا چاہتی ہیں محض اس لئے کہ تم دنیاوی فائدے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ سورۃ المائدہ میں ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ (المائدہ ۹۰)

" اے ایمان والو! شراب اور جوا، بت فال کے تیر یا پانسے تو گندے شیطانی کام ہیں ان سے بچو۔

سودی کاروبار کے بارے میں فرمایا ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط﴾ ﴿۳۴﴾"اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔

بخل اور اکتناز کی ممانعت:

اسلام نے دولت کو جمع کر کے روکنے، خزانہ جمع کرنے اور جمع شدہ دولت کو خدائی معاشی اصول کے تحت خرچ نہ کرنے کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے اور اس مذمت کو باعث ہلاکت اور عذاب الیم قرار دیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ ﴿۳۵﴾۔

اور جو لوگ سونا اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں

۔قیامت کے دن اس (مال) کو گرم کیا جائے گا جہنم کی آگ سے پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلو اور بیٹھ کو داغا جائے گا۔ کہ یہ ہے جس کو تم اپنے لئے جمع کرتے تھے۔(اب) جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

دوسری جگہ فرمایا ﴿ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً م بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ﴾ ﴿۳۶﴾ تاکہ ایسا نہ ہو کہ دولت دولتمندوں میں ہی گردش کرتی پھرے۔ پھر فرمایا ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ط ﴾ ﴿۳۷﴾۔ بے شک صدقات تو صرف فقیروں کے لئے، مساکین کے لئے، عاملین کے لئے، مولفۃ قلوب کے لئے، غلامی سے آزاد کروانے کے لئے، قرضہ داروں کے لئے، خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اور مسافروں کے لئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فریضہ ہے۔ اللہ ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔ ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ (بقرۃ) نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔ ﴿وَأَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ﴾ ﴿۳۸﴾ اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے۔ ﴿وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ ﴿۳۹﴾۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو (اپنے ہاتھوں سے) ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ o نِ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ o يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ o﴾ ﴿۴۰﴾ بڑی ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو عیب چین اور اور بدگو ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا اور سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔

حرص مال اور زر پرستی کی مذمت:

اسلام نے حرص مال و زر کی بھی سخت مذمت کی ہے۔ اسلام کے نزدیک دنیاوی جاہ جلال کا اللہ کے نزدیک کوئی فخر نہیں۔ ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ط﴾ مالی حوالے سے فخر و تکبر ہمیشہ تباہی و بربادی کا موجب ہوتا ہے جس طرح قارون کے ساتھ ہوا۔ قرآن پاک میں ہے ۔ ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ o حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ o كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ o ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ o﴾ ﴿۴۱﴾ تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی فکر نے مستغرق کر دیا ہے قبر میں جانے تک تم اسی فکر میں غرق رہتے ہو۔ ہرگز تمہارے لئے نفع نہیں۔

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ م بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا﴾ ﴿۴۲﴾۔ کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو اپنی معیشت پر اترائیں۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ لا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ o وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا لا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ o﴾ ﴿۴۳﴾۔

ہم نے جس بستی میں بھی ڈرانے والا بھیجا اس کے دولت مند لوگوں نے اس سے کہا جو پیغام رسالت تم لے کر آئے ہو ہم اس کے منکر ہیں اور انہوں نے کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اور اولاد رکھنے والے ہیں ہم ہرگز عذاب پانے والے نہیں۔

بے جا خرچ کی مذمت:

اسی طرح اگر دولت آ بھی جائے تو اسلام اندھادھند فضول جگہوں پر خرچ کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس کے لئے بھی کچھ حدود (Limitations) ہیں۔ فضول خرچی سے اسلام سخت منع کرتا ہے خدا کا فرمان ہے۔ ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ﴿۴۴﴾۔ خرچ کرنے مین حد سے نہ گزرو۔ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا o اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا o﴾ ﴿۴۵﴾ فضول خرچی نہ کر و فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا منکر ہے۔ ﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ﴿۴۶﴾ اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ ﴿۴۷﴾۔ جو مال اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے اس کے ذریعے آخرت کی بہتری کے لئے کوشش کر و اور اپنا دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کر۔ اور (خلق خدا کے ساتھ) احسان کر جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور اپنی (دولت کے ذریعے سے زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش نہ کر۔

دولت خرچ کرنے کے صحیح طریقے:

اپنی ضروریات زندگی اور زیر کفالت لوگوں کی احسن طریقے سے ضرورت پوری کرنے کے بعد بھی اگر مال و دولت بچتا ہے تو خدا کی راہ میں مختلف طریقوں سے مختلف لوگوں پر خرچ کرنے کے خدا نے بہت سارے مستحسن طریقے بنائے ہیں۔ خدا کا فرمان ہے۔ ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۵ۭ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ ﴿۴۸﴾ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کیا خرچ کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔ پھر فرمایا ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ﴾ ﴿۴۹﴾ نیکی اس چیز کا نام نہیں کہ تم نے اپنا منہ مشرق کی طرف کیا یا مغرب کی طرف پھیر لیا۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی ایمان لائے۔ اللہ پر اور یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر، نبیوں پر، اور مال دے اللہ کی محبت میں اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور مدد مانگنے والوں کو اور لوگوں کو غلامی سے چھڑانے پر خرچ کریں۔ ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى ﴾ ﴿۵۰﴾۔ ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ہ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴾ ﴿۵۱﴾۔

زکوٰۃ اور اس کی شرح۔ اسلامی معیشت کی بنیاد:

زکوٰۃ اسلامی معیشت کی بنیاد ہے۔ زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالٰی نے جن فرائض کے ادا کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ نماز اور زکوٰۃ ہیں۔ ایمان اور اسلام کی سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ نماز پڑھی جائے اور زکوٰۃ ادا کی جائے یہ فرض ہے۔ خدا کا فرمان ہے: ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ط ﴾ ﴿۵۲﴾ "پس نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھو۔ " قرآن پاک کے پہلے ہی رکوع میں متقی اور مومن حضرات کی نشانی بتائی گئی وہ ﴿وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ ﴿۵۳﴾ (وہ مومن اور متقی) نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق

میں سے خرچ کرتے ہیں۔ زکوٰۃ اسلام کی ایسی اساس ہے کہ یہ سابقہ امتوں پر بھی اسی طرح فرض تھی جس طرح امت محمدیہ پر۔ مثلاً سورۃ الانبیاء میں ہے ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ﴾ ﴿۵۴﴾ اوران کو (یعنی ابراہیم، لوط، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو) ہم نے پیشواء بنایا جو ہمارے حکم سے لوگون کی (پیشوائی کرتے تھے) راہنمائی کرتے تھے اوران کی طرف ہم نے نیک کاموں کا اور نماز قائم کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔ اہل کتاب کے بارے میں قرآن پاک میں ہے: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ﴾ ﴿۵۵﴾ اور اہل کتاب کو اس کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی دین ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حوالے سے قرآن میں ہے: ﴿وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۝ وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا ۝﴾ ﴿۵۶﴾ اور ذکر کر اس کتاب میں اسمٰعیل کا وہ وعدے کا سچا اور رسول نبی تھا اور وہ اہل خانہ (متعلقین) کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ آدمی تھا۔ بنی اسرائیل کے حوالے سے قرآن میں ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ﴾ ﴿۵۷﴾ اور یاد کرو ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو گے اور یہ کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ یعنی زکوٰۃ کا فریضہ اتنا اہم ہے کہ اس سے کوئی امت اور قوم مستثنٰی نہیں یہ نماز کی طرح ہر زمانے میں ہر امت پر فرض رہی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے اوپر بھی لازم کیا کہ ان سے خاص صدقہ یعنی مالدار لوگوں سے ایک خاص مقدار میں صدقہ لیا کرو۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ ﴿۵۸﴾ اے نبی ان کے اموال میں سے ایک صدقہ وصول کرو۔ اس خاص مقدار کے صدقے کے لئے حضور علیہ السلام نے مختلف قسم کے اموال اور جائیداد کے بارہ میں کم از کم حد اور نصاب مقرر کر دیا جس سے کم پر زکوٰۃ فرض نہ ہو گی ان مختلف قسم کے اموال اور دولت پر حسب ذیل شرح سے زکوٰۃ مقرر فرمائی۔

1۔ سونے چاندی پر زکوٰۃ: ﴿۵۹﴾

۱۔ سونا جب ساڑھے سات سولہ، اور چاندی باون تولہ ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اڑھائی فیصد کے حساب سے سالانہ وصول کی جائے گی۔

۲۔ اگر نقدی ہو تو بھی سالانہ اڑھائی فیصد زکوٰۃ ہوگی۔

۳۔ زرعی پیداوار جبکہ وہ بارانی زمینوں سے ہو تو 10%

۴۔ زرعی پیداوار اگر مصنوعی پانی سے آبیاری ہو تو 5%

۵۔ معدنیات جبکہ وہ نجی ملکیت میں ہوں اور دفینوں پر 20%

۶۔ اسی طرح بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے وغیرہ پر بھی مختلف مقدار سے مثلاً اگر ۴۰ بکریاں ہوں تو زکوٰۃ ایک بکری سالانہ

قرآن پاک میں ۳۷ مرتبہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے وہ مقام درج ذیل ہیں۔

البقرۃ ۷۷،۱۶۲۔ المائدہ ۱۲،۵۵۔ الانفال ۳۔ التوبہ ۵،۱۱،۱۸،۱۷۔ الرعد ۲۲۔ ابرہیم ۳۱

مریم ۳۱،۵۵۔ الانبیاء ۷۳۔ الحج ۳۵،۴۱،۷۸۔ المومنین ۳۔ النور ۳۷،۵۶

النمل ۳۔ لقمان ۴۔ الاحزاب ۳۳۔ فاطر ۲۹۔ الشوریٰ ۳۸۔ المجادلۃ ۱۳۔ المعارج ۲۳۔

المزمل ۲۰۔ المدثر ۴۳۔ البینۃ ۵۔ الماعون ۵۔

خدا اپنے ماننے والوں سے بھی یہی توقع رکھتا ہے کہ اگر انہیں اقتدار دیا گیا تو وہ نماز بھی پڑھیں گے اور زکوٰۃ بھی دیں گے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط﴾ ﴿۶۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں اگر انہیں زمین میں ہم نے اقتدار بخشا تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی کے کاموں سے روکیں گے۔

سود سے پاک معیشت:

اسلامی معیشت کا ایک اور بنیادی پہلو سود سے پاک ہونا ہے اسلام میں سود لینا اور دینا دونوں حرام اور سودی تجارت کو حرام اور باطل تجارت کا نام دیا گیا ہے سود کے لئے عربی زبان میں ربوا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ربوا کا مطلب کسی شے کا بڑھنا یا زیادہ ہونا ہے اس کا مادہ رب ہے جس کے معنی ہیں نمو، زیادت اور بڑھوتری عربی میں کہتے ہیں ربا فلاں الرابیۃ یعنی وہ ٹیلے پر چڑھ گیا۔ ربا فی حجرہ وہ اس کی گود میں پروان چڑھا۔ قرآن پاک میں ہے۔ ﴿وَّاٰوَيۡنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبۡوَةٍ﴾ (المومنین) (۵۰) ہم نے مریم اور مسیح کو ایک اونچی جگہ پر پناہ دی۔ قرآن پاک میں سود کے بارہ مختلف مقامات پر مختلف سخت وعیدیں آئی ہیں۔

۱۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴾ ﴿۶۱﴾ اے ایمان والو! تم سود در سود کو ہرگز ذریعہ معاش نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔

۲۔ ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ﴾ ﴿۶۲﴾ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے اعلان حرمت سود کے ساتھ ساتھ گزشتہ واجب الادا سودی رقوم کے متعلق بھی یہ بتا دیا کہ اب تک جو کچھ کر چکے ہو وہ کر چکے ہو مگر حرمت سود کے بعد اب قرضہ داروں پر جو واجب الادا سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی ہی سچے مومن ہو۔

۳۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ﴾ ﴿۶۳﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور بقیہ سود جو رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی ہی تم مومن ہو تو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔

۴۔ ﴿وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَـكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ﴾ ﴿۶۴﴾۔ پس اگر تم توبہ کر لو تمہیں اپنا راس المال یعنی اصل رقم لینے کا حق ہے نہ تم لوگوں پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

۵۔ ﴿يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ﴾ ﴿۶۵﴾ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کی پرورش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کافر بدکار کو کسی طرح پسند نہیں کرتا۔

۶۔ ﴿وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّيَرۡبُوَا۟ فِىۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ﴾ ﴿۶۶﴾ اور جو سود تم نے دیا ہے تا کہ لوگوں کے

اموال بڑھیں تو اللہ کے نزدیک اس سے مال نہیں بڑھتا۔ یہ ہے سود جس کو اللہ تعالیٰ نے مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اسلامی معیشت (Islamic Economy) میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

رزق کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے:

مسلمان کا عقیدہ ہے کہ رزق کے تمام معاملات خدا کے ہاتھ میں ہیں وہ جسے چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے خدا خود کہتا ہے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ ﴿۶۷﴾ اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کی ذمہ داری، رزق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اور فرمایا: ﴿وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ ﴿۶۸﴾ اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم وعدہ دیئے گئے ہو آسمان میں ہے قرآن پاک میں ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ﴾ ﴿۶۹﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا ہے اور مضبوط قوت والا ہے پھر فرمایا۔ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ ۚ﴾ ﴿۷۰﴾ افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالو۔ ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ق﴾ ﴿۷۱﴾ وہ خدا (وہ ذات) ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ بیدار کیا جو زمین میں ہے۔

ان آیات سے واضح ہے کہ معیشت واسباب معیشت خدا تعالیٰ کے خزانہ وقدرت میں ہیں وہ جسے چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے وہ کسی کا پابند نہیں ہے ہر جاندار کی روزی اس کے ہاتھ میں ہے انسان کو صرف محنت کرنی چاہیے۔ نتائج خدا کے ہاتھ میں ہیں جتنی روزی اور دولت دینی ہے اس نے اپنے حساب سے دینی ہے۔ لہٰذا حلال طریقے اختیار کرنے چاہییں حرام سے بچنا چاہیے

معاشی ترقی کا مفہوم، قرآن وحدیث کی روشنی میں:

کے۔ کے ڈیوٹ (K.K.Dewett) کے نزدیک معاشی ترقی کا مفہوم یہ ہے۔

" It implies an increase in the net national product in a given period"

﴿۷۲﴾ یعنی کسی دیئے ہوئے معینہ وقت میں قومی آمدن میں اضافے کا نام معاشی ترقی ہے۔

میئراور بلڈون (Mair and Baldwin) کے الفاظ ہیں۔

Economic Development is the process whereby an Economys' real income increases over a long period of time and if the rate of development is greater than the rate of population then per capita real income will increase.﴿۷۳﴾

پروفیسر خورشید کے خیال میں ہے کہ: معاشی ترقی اور خوشحالی کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ محض پیداوار میں اضافہ ہو جائے۔ معاشی خوشحالی کا اصل مفہوم ایک بہتر اور خوشحال معاشرے کی تشکیل و تعمیر ہے۔ ﴿۷۴﴾

اس چیز کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ حقیقی معاشی ترقی ایک ایسا ہمہ پہلو، انفرادی اور سماجی عمل ہے۔ جس کے تحت افراد کے رویے اور اعتقادات اس طور پر نئے سانچوں میں ڈھالے جاتے ہیں کہ وہ اپنی روزمرہ کی کثیر تعداد سرگرمیوں میں بھی ایک نئی آزادی محسوس کرنے لگتے ہیں اور ان میں سے کئی سرگرمیاں ایسی ہوتی ہیں جنہیں کسی بھی معاشی یا مالی اصطلاح سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔﴿۷۵﴾

اس لئے معاشی ترقی کو صرف مادی ترقی سے ہی تعبیر نہیں کرنا چاہے بلکہ اصل معاشی خوشحالی یہ ہے کہ پورا معاشرہ ہی اخلاقی، تعلیمی، معاشرتی، معاشی اور مادی لحاظ سے ایک فلاحی معاشرہ بن جائے اور ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص ﴾﴿۷۶﴾ کے مصداق ہو جائے۔ جس طرح ڈونر (Donar) نے کہا ہے:

معاشی ترقی کا انحصار معاشرے کی روح پر ہوتا ہے اور ترقی کے کسی بھی تشریحی نظریئے کو اپنے اندر معاشرے کے طبعی ماحول، سیاسی ڈھانچے، ترغیبات تعلیمی نظام اور قانونی نظام کو جگہ دینی چاہیے۔ نیز اس کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ اس معاشرے کے افراد کا سائنسی معاشرتی تبدیلیوں اور ارتکاز دولت کے بارہ میں رویہ کیا ہے؟ ﴿۷۷﴾

معاشی ترقی کے حوالے سے میخائل ٹوڈیرو (Michail Todero) کہتا ہے:

> "Development must be conceived of as a multidimensional process involving major changes in social structures, popular attitudes and national institutions as well as the accelaration of Economic growth, the reduction of inequality and the eradication of povety". ﴿۷۸﴾

اسلام کا خوشحالی یا معاشی ترقی کا تصور:

اسلام کے معاشی نظام میں ترقی صرف صنعتی اور مادی ہی نہیں ہوتی بلکہ اصل ترقی یہ ہے کہ خوشحالی کے ساتھ ساتھ امن و سکون، روحانیت، باہمی تعاون وانصاف، رزق حلال کے مواقع اور اچھا نظام حکومت (Good Governance) ہو، اور ایسی ترقی یا معاشی حاصل کی جائے جو صحیح سمت پر ہو، تیز رفتار ہو اور نتائج کے لحاظ سے معاشرے کیلئے تعمیری کردار ادا کرے۔ حضرت عمرؓ عام خوشحالی کے لئے یہ جذبات رکھتے تھے:

اما واللہ لئن بقیت لا رامل اھل العراق لا وعنھم لا یفترون الی امیر بعدی ۔خدا کی قسم !اگر میں زندہ رہا تو اہل عراق کی بیوہ عورتوں کو ایسا کر جاؤں گا کہ میرے بعد وہ کسی امیر کے پاس حاجتمند بن کر پیش نہ ہوں۔ حضرت عمرؓ پوری اسلامی دنیا کے خلیفہ تھے اور دنیا کے طاقتور ترین حکمران تھے دنیا کا امیر ترین ملک بھی فتح ہو کر ان کے قبضے میں آ گیا تھا یعنی ایران جس کو کسریٰ کہا جاتا تھا لیکن حضرت عمرؓ اس کے باوجود بیت المال سے اتنا ہی خرچ لیتے تھے جس سے آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا گزارہ چل سکتا ہے آپ نے فرمایا قال عمر: **انما انا وما لکم مولی الیتم ان استغیت استعففت و ان افتقرت اکلت بالمعروف** ۔﴿۷۹﴾

حضرت عمرؓ نے عوام الناس سے اپنی بیت المال سے ضروریات زندگی لینے کے حوالے سے فرمایا کہ مجھ کو تمہارے بیت المال میں سے اتنا ہی حق ہے جس قدر کہ یتیم کے ولی کو یتیم کے مال میں اگر میں رفاہت میں ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر حاجتمند ہوں گا تو دستور کے مطابق کھانے کے لئے لوں گا۔ یہ تھا دنیا کے طاقتور ترین حکمران مسلمان خلیفہ کا بیت المال سے اپنے اخراجات کے لئے پیسہ لینے کا تصور معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ امن وسکون بھی اہم ترقی ہے۔ ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ دوپہر کے وقت مسجد نبوی میں کچی اینٹ کا تکیہ سر کے نیچے رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے میں نے گھر جا کر اپنے والد سے دریافت کیا کہ ایسا حسین وجمیل شخص اس حالت میں کون تھا جو مسجد میں لیٹا ہوا تھا والد صاحب نے کہا کہ یہ امیر المومنین حضرت عثمان ہیں ﴿۸۰﴾۔ حضرت عثمان نے اپنے غلام کا کان پکڑ کر غصے سے مروڑ دیا۔ مگر فوراً ہی بعد غلام سے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے تم بھی میرا کان پکڑو اور مروڑ دو تا کہ بدلہ پورا ہو جائے۔ بار بار اصرار کرنے پر غلام نے کان پکڑ کر معمولی طور پر ہلایا کان کو ہاتھ لگایا۔ آپؓ نے فرمایا کہ خوب زور کے ساتھ مروڑو پھر فرمایا **یا مبدا قصاص فی الدنیا لا قصاص**

فی الآخرۃ ﴿۸۱﴾۔ وہ بدلہ کس قدر اچھا ہے کہ دنیا میں ہی لے لی جائے اور آخرت میں اُس کا بدلہ نہ دینا پڑے۔

حضرت عمر کا معاشی ترقی کے حوالے سے ایک خط:

وکتب عمرا بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ الی ابی موسیٰ اما بعد فان اسعد الرعاۃ عند اللّٰہ من سعدت بہ رعیتہ و ان اشقیٰ الرعاۃ من شقیت بہ رعیتہ و ایاک ان تذیغ فتزیغ عمالک ﴿۸۲﴾۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ کو لکھا: حمد صلوٰۃ کے بعد یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر والی وہ ہے جس کی رعایا خوشحال ہو اور امن کے ساتھ رہتی ہو اور سب سے بدبخت والی وہ ہے جس کی رعایا بدحال اور پریشان ہو۔ تجھکو کج روی سے بچنا چاہیے تا کہ تیرے کارندے (ماتحت افسر) بھی کج روی سے باز رہیں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: **الخلق کلھم عیال اللّٰہ فاحبھم الی اللّٰہ انفعھم لعیالہ** ﴿۸۳﴾

تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے پس اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ شخص ہے جو اس کے کنبے کے حق میں مفید ہو۔ مولنا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں:

اسلام نے سوسائٹی کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے نہ مفلس اور محتاج طبقے ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی۔ ﴿۸۴﴾

بہرحال اسلام نے نظام حکومت کا جو ڈھانچہ اور نقشہ تیار کیا ہے وہ نہ تو سرمایہ داری نظام کی طرح ہے کہ غریب دن بدن غریب تر اور امیر زیادہ امیر، نہ ہی اشتراکی نظام کی طرح اقتصادی جبر اور قید ہے نہ اس میں طبقاتی جنگ ہے نہ افراد کے حقوق سلب ہوتے ہیں اسلام کا معاشی نظام فقط نفع بازی کی بنیادوں پر نہیں بلکہ انسانوں کی حالت روائی کی بنیاد پر قائم ہے اس کی معیشت کا دستر خوان فاتح مفتوح آزاد و غلام اور مسلم و کافر سب کیلئے وسیع ہے وہ عوام اور زیر دستوں پر سرمایہ داروں جاگیرداروں اور دوسرے ارباب قوت کو مسلط نہیں ہونے دیتا اور نہ ہی انہیں اسطرح آزاد چھوڑتا ہے کہ وہ غریبوں کو اپنا آلہ کار بنائیں۔ وہ جماعت کے ہر فرد

کے درمیان اخوت عام اور عالمگیر مساوات کو قائم کرتا ہے۔

سرمایہ داری نظام:

سرمایہ داری نظام چونکہ یورپ (مغرب) کی کوکھ سے نکلا ہے لہٰذا اس کے پس منظر میں قرون وسطیٰ میں یورپ کی سیاسی معاشرتی مذہبی اور اخلاقی حالت کا جائزہ لینا اور معلوم کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔

قرون وسطیٰ (Middle Ages) میں یورپ کی سیاسی حالت:

قرون وسطیٰ میں یورپ کی سیاسی، معاشی اور مذہبی حالت بہت ابتر ہو چکی تھی۔ جبکہ اس سے پہلے گریک یا رومن تہذیب (Greek or Roman Culture) کا بول بالا تھا۔ کبھی دور تھا کہ رومی سلطنت یا قیصر روم کا دنیا میں راج تھا اور ان کا سکہ اسی طرح ہی چلتا تھا جس طرح آج امریکہ کا۔ لیکن پانچویں صدی میں جو کمزوری شروع ہوئی۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں رومی سلطنت کا شیرازہ بکھرنے اور ساتویں صدی میں ان کے اہم اور زرخیز علاقے مصر، شام فلسطین اور شمالی افریقہ وغیرہ ان کے ہاتھوں سے نکلنے پر منتج ہوا۔ رہی سہی کسر محمد دوم نے 1453ء میں قسطنطنیہ کو فتح کر کے نکال دی۔ رومی سلطنت جس مصیبت میں گرفتار ہوئی اور جو زوال اس کا مسلمانوں کی آمد سے پہلے شروع ہو چکا تھا اس سے دوبارہ وہ نکل نہ سکی اور ایک طرف زرخیز صوبے اس کے ہاتھوں سے تیزی سے نکلے دوسری طرف اس میں باہمی حسد و رقابت کی آگ، لاقانونیت اور خانہ جنگیوں نے اس کی رہی سہی قوت و جبروت کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح ماضی کی یہ عظیم سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور جاگیروں میں بٹ گئی حتیٰ کہ آج اس کرہ ارض (Globe) پر روم نام کی کوئی سلطنت اور ملک موجود نہیں۔

☆ ☆ ☆

فصل دوم

دنیا کے مختلف معاشی نظام (سوشلزم، سرمایہ داری اور اسلام)

قرون وسطی میں یورپ کی معاشی حالت:

یورپی اور مغربی انحطاط اور پسماندگی میں جا گیرداری نظام کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ اس پورے عہد میں یورپ کی معاشی زندگی پر جا گیرداری نظام مسلط تھا اور معاشی زندگی کا سارا نظام زراعت پر منحصر تھا صنعت و تجارت معدوم تھے۔ ﴿۸۵﴾ اس دور میں صنعت کی ویسے بھی کم تھی اور مذہبی پیشواؤں کی اجارہ داری کی وجہ سے تجارت کی تمام راہیں مسدود تھیں۔ کیونکہ عیسائی کیتھولک مذہب میں تجارت اور کاروبار کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔" دوسری وجہ یہ تھی کہ یورپ اس وقت دنیا کے دوسرے براعظموں سے کٹا ہوا تھا اس کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ بیرونی ممالک سے تجارتی تعلقات کو پیدا کر سکے۔ کیونکہ تمام سمندری راستوں پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ تھا ﴿۸۶﴾۔ اس لئے کہ امریکہ اس وقت دریافت نہ ہوا تھا اور ہندوستان کا موجودہ راستہ بھی اس وقت تک یورپ دریافت نہ کر سکا تھا ان وجوہات کی بناء پر یورپ میں تجارت کا فروغ نہ ہو سکا اور لامحالہ زراعت پر انحصار تھا اور کرنا پڑتا تھا زمینوں کے حقوق اور کاشت کا جو ایک مخصوص نظام (System) اس وقت پروان چڑھا (develop) ہوا تھا اسے جا گیرداری نظام کہا جاتا ہے۔

جا گیردار یا زمیندار تھوڑی تھوڑی زمین کاشتکار کو دیتے تھے اور انتہائی بنیادی اور حقیر قسم کی سہولتیں دے کر زمین پر بٹھا دیتے اور پھر چھوٹے موٹے قرضے دے کر نفسیاتی طور پر انہیں اپنا غلام بنا لیتے۔ زمین کی پیداوار میں سے کاشتکار کو طریقے سے اپنا غلہ یا خرچہ دیتے کہ وہ نہ تو خوشحال بن سکتا اور نہ ہی فاقے سے مرتا۔ بس اسے زندہ رہنے کے لئے نان نفقہ دیا جاتا۔ اس نظام کے تحت نہ کاشتکار بھاگ سکتا تھا اور نہ ہی زمیندار زمین واپس لیتا تھا اور کاشتکار پشت در پشت جا گیردار یا زمیندار کی زمین کاشت کرتا اور معمولی بچت سے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتا۔ جبکہ جا گیردار دولت میں سے کچھ حصہ ٹیکس وغیرہ دیتا، کچھ نذرانہ مذہبی پیشواؤں کو دیتا اور باقی خود عیاشی کرتا۔ شہزادوں جیسی زندگی گزارتا۔ اس طرح چھوٹی سی اقلیت ایک غالب اکثریت سے ہمیشہ خدمت لیتی رہتی۔

عملی طور پر کاشتکار اور جاگیردار کا تعلق بالکل آقا اور غلام کا تھا۔ مرکزی حکومت اس قدر کمزور تھی کہ رعایا کے حقوق اور جان و مال کی براہ راست حفاظت نہیں کر سکتی تھی۔ اس طرح جاگیردار طبقہ آہستہ آہستہ طاقتور ہوتا چلا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ قانون کے نفاذ کا کام بھی جاگیرداروں سے متعلق ہو گیا اور جاگیردار اپنی جاگیر میں خود ہی قانون بناتے اور خود فیصلے کرتے اور کوئی طاقت ان کو پوچھنے والی نہ ہوتی۔ عملی طور پر یہ جاگیرداری یا Land Lords کسانوں کے سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے اور کسانوں کے لئے جاگیردار اور زمیندار کا ہر ظلم و ستم خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

مذہبی حالت:

اس دور میں عیسائی کیتھولک کلیسا پورے یورپ کا مذہبی پیشوا بلکہ اجارہ دار تھا۔ کلیسا کی مذہبی اجارہ داری حکومت اور جاگیرداروں سے بھی زیادہ طاقت ور تھی یورپ اگر چہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا لیکن کلیسائی مرکزیت اب بھی قائم تھی اور وہ مذہبی و روحانی، حتیٰ کہ دنیاوی و اخروی معاملات میں سیاہ و سفید کا مالک تھا جسے چاہتا جنت کا پروانہ دے دیتا اور جس کو چاہتا جہنم کا۔ زمینداروں کی زمینوں سے اور کاشتکاروں کے خون پسینہ سے جو پیداوار حاصل ہوتی اس میں سے ایک معقول حصہ کلیسا کے لئے مختص تھا۔ "قرون وسطیٰ میں ایک دور ایسا آیا کہ پوپ کی قوت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہو گئی تھی" ﴿۸۷﴾

اس طرح ایک طرف تو سیاسی قوت، اور دوسری طرف مذہبی اثر اور پھر دولت ان چیزوں نے چرچ یا کلیسا کو وقت کا اہم ترین ادارہ بنا دیا۔ لیکن عیسائی پیشواؤں اور مذہبی راہنماؤں نے اس طاقت کا الٹ استعمال کیا۔ عیش و عشرت میں پڑ گئے پھر مزید دولت حاصل کرنے کے لئے برے سے برے اور اخلاق سے گرے ہوئے ذرائع اختیار کرنے لگے۔ انتہا یہ کہ جنت کے سرٹیفکیٹ بیچنے شروع کر دیئے۔ کفر کے فتوے لگانے لگے۔ "اور معمولی سا اختلاف رکھنے والے کو موت کی سزا دے دی جاتی۔ اس مقصد کے لئے خاص عدالتیں قائم کی گئیں۔ جنہیں احتسابی عدالت کہتے ہیں ایک اندازے کے مطابق 1481ء سے لے کر 1818 تک ان عدالتوں نے تین لاکھ چالیس ہزار (340,000) آدمیوں کو مختلف سزائیں دیں۔ ان میں سے 32000 وہ تھے جنہیں دہکتی ہوئی آگ کی نظر کر دیا گیا جن لوگوں کو سزا دی ان میں گلیلیو (Galileo) جیسے ماہرین سائنس بھی شامل ہیں۔ اٹلی کے مشہور سائنسدان برونو کو بھی اشاعت علم کے جرم میں آگ کی نظر کر دیا گیا۔ ﴿۸۸﴾ فلکیات پر کوپر نیکس کی کتاب مدتوں ممنوع رہی۔ ﴿۸۹﴾

"لہٰذا پوپ کا اختیار صرف مذہبی امور تک محدود نہیں تھا بلکہ در حقیقت اس زمانہ میں یورپ کی سب سے بڑی طاقت ہی تھا"۔

پوپ اس زمانے میں انتہائی طاقتور ہو گیا تھا کہ خدائی اختیارات نعوذ باللہ اس نے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ انسان کسی کو قتل کرے، چوری یا زنا کرے، یا کسی سنگین گناہ میں مبتلا ہو جائے، وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو سکتا ہے کہ پوپ کو ایک مقررہ قیمت دے کر مغفرت نامہ حاصل کر لے اور اس کے ذریعے وہ دوزخ کی آگ سے بچ سکتا ہے صلیبی جنگوں میں تو ان مغفرت ناموں کی تجارت عام ہو گئی تھی۔ مالدار لوگ دھڑا دھڑ مغفرت کے پروانے لینے لگے۔ اس طرح مالدار لوگ غریبوں، مزدوروں اور کسانوں وغیرہ پر ظلم بھی کرتے، دنیا میں دل کھول کر اچھے برے کاموں اور تجارت سے پیسہ بھی کھاتے اور عیاشی بھی کرتے اور پروانوں کے ذریعے بخشش بھی حاصل کر لیتے۔ جو ان کے خلاف آواز بلند کرتا یا عقلی دلائل دینے کی کوشش کرتا وہ "بدعتی" کہلاتا اور سزا پاتا۔ جب بیکارڈی فرقے نے دیسی زبان میں انجیل کے ترجمے کی کوشش کی تو ان کو بدعتی قرار دے دیا گیا۔ ان "بدعتیوں" کو کلیسا سے خارج کیا جاتا اور حتیٰ کہ ملک بدر کر دیا جاتا۔ انگلینڈ کے دو فلسفی فرقوں کے مبلغین کو ۱۱۶۶ء میں اسی جرم میں شہر سے باہر برف پر دھکیل دیا گیا تا کہ ابدی نیند سو جائیں۔ شاہ فرانس نے تیرہ کاتھریوں (فرقے کا نام) کو زندہ جلایا اور بعض کو پھانسی پر لٹکایا۔ ﴿۹۰﴾

سرمایہ داری نظام معیشت (Capitalism):

اٹھارہویں صدی کے صنعتی انقلاب نے بڑی تیزی کے ساتھ دنیا کا نقشہ بدلا۔ جہاں ہاتھ سے کام ہوتے تھے وہاں اب صنعتیں لگ گئیں۔ روزگار بہتر ہوا۔ ذرائع آمدورفت بڑھے نئے علوم خاص طور پر سائنس اور ٹیکنالوجی نے دھوم مچا دی۔ انہیں کارخانوں کی وجہ سے لوگ دیہات چھوڑ کر دھڑا دھڑ شہروں میں آئے اور چھوٹے شہروں کی جگہ بڑے بڑے شہر وجود میں آئے۔ اسی تیز ترقی کی کوکھ سے سرمایہ دارانہ نظام نے جنم لیا جس کی بے رحم چکی میں پسنے والے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ ہماری اذیت اور بے بسی جاگیرداری نظام میں تھوڑی تھی یا اب سرمایہ دارانہ نظام میں اس صنعتی ترقی کے نتیجے میں جو خوش حالی آئی اس پر سود سے اور قمار وغیرہ کے ذریعے چند سرمایہ داروں نے بے رحمانہ طریقے سے قبضہ جما لیا انہوں نے صنعت و تجارت کا جو نظام قائم کیا اسے سرمایہ داری نظام کہتے ہیں سرمایہ بذات خود کوئی بری چیز نہیں نہ ہی اسلام نے اس کے ہونے یا طلب کرنے میں رکاوٹ پیدا کی ہے۔ خدا کا بھی یہ اصول ہے اور دنیا میں بھی موجود ہے کہ دولت ہر بندے کے پاس برابر نہیں۔ قدرت نے پیداوار اور دولت کی تقسیم کوئی

مساویانہ نہیں کی کہ ہر ایک کو برابر برابر ملے۔ بلکہ " **فضلنا بعضهم علی بعض** " کہا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ دولت کا استعمال کیسے کرتے ہو اور مزید دولت کمانے کے لئے کونسے جائز یا ناجائز راستے نکالتے ہو۔ اگر ناجائز استحصالانہ طریقے سے دوسروں پر معاشی ظلم کر کے سرمایہ میں اضافہ کیا جائے تو اسلام کو اس پر اعتراض ہے۔ مگر یورپ کی نئی سرمایہ داری ایک استحصالی نظام ہے۔ اس نظام کا مقصد صرف اور صرف پیسہ اور دولت کمانا ہے اس میں طریقے نہیں دیکھے جاتے کہ کونسے ہیں یہ ایک ایسا نظام ہے جس کے ذریعے تمام پیداوار اور وسائل دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہو جاتے ہیں اور وسائل، پیداوار اور دولت کو بنانے والے مزدور اور زمیندار، جو دن رات محنت کے ذریعے دولت اور پیداوار کو بڑھانے کے ذمہ دار ہیں انہیں معمولی مزدوری ملتی ہے اور استحصال کا شکار ہیں۔

اشتراکیت (Socialism):

غریب کسان اور مزدور کا ہر دنیاوی اور معاشرتی نظام میں استحصال ہوا۔ وہ جاگیرداری نظام کے چنگل سے نکل کر پاپائیت کی دنیاوی اور اختیارات کے لحاظ سے خدائی ہوس کا شکار ہوئے۔ پھر سرمایہ داری نظام آیا تو اس کی فیکٹری کے پرزے بنے اور دو وقت کی روٹی کے اس حد تک محتاج ہوئے کہ گھر کے سارے افراد، مرد و خواتین محنت مزدوری کرتے پھر کہیں جا کر جسم اور روح کے رشتے کو برقرار رکھتے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے ہی مجبوراً گھریلو خواتین فیکٹریوں اور ملوں، بازاروں اور گلیوں کی زینت بنیں۔ ورنہ اس سے پہلے عام طور پر خواتین گھر کی زینت تھیں اور اکثر گھریلو ہوتی تھیں۔ ہر طرف معاشی افراتفری تھی۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے وسط تک دنیا میں جنگ و جدل اور مادی دوڑ نے سرمایہ دارانہ نظام میں غریب اور مزدور طبقہ کا جینا حرام کر دیا۔

افزائش دولت کے اس بحرانی دور میں چند نفع اندوزوں نے حکومت اور سرمایہ کے نشے میں بدمست ہو کر غریب اور مفلس انسانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنا شروع کئے تو ہر طرف صدائے احتجاج بلند ہونے لگی۔ دانشوروں اور معاشی فلسفیوں نے مختلف تجاویز پیش کیں اور یہ تجاویز ویسے تو کئی صدیوں سے چلتی آ رہی تھیں۔ ان تجاویز میں ایک تجویز، جو حالات کے لحاظ سے زیادہ جاذبیت (Attraction) رکھتی تھی اور اس مسلسل استحصال میں زیادہ کارآمد ثابت ہوئی وہ تھی اشتراکیت۔ یعنی سرمایہ داروں اور حکومت کے ان اجارہ داروں سے وہ قوت چھین لی جائے جس کے بل بوتے پر یہ مفلوک الحال انسانوں پر دست ظلم دراز کرتے ہیں۔ چنانچہ

معاشی انصاف کے ان علمبرداروں نے اپنی جدوجہد کا مقصد واحد یہی بنالیا کہ کسی نہ کسی طریقے سے سرمایہ، دولت، جاگیر، زمین اور ذرائع پیداوار کو انفرادی ملک سے نکال کر حکومت کی تحویل میں دے دیا جائے۔

اشتراکی فکر کا آغاز:

تاریخ اور اقتصادی فلسفے کا ہر طالبعلم واقف ہے کہ تاریخ انسانیت میں ہر دور میں معاشی استحصال اور ظلم وجور کو روکنے کے لئے اور زیر دستوں پر زبردستوں کے ظلم اور چیرہ دستیوں کے خاتمے کے لئے اسی طریقہ کار یعنی اشتراکیت کو تجویز کیا کہ سرمایہ اور پیدائش دولت اور وسائل حکومت کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔

۱۔ افلاطون:

چنانچہ فلاسفہ کے ابوالاباء (Father of Philosophers) افلاطون (Plato) نے اس تصور کو یوں پیش کیا "ریاست، حکومت یا قانون کی بہترین شکل وہی ہے جس سے ہر شخص پوری آزادی سے سماج کی ہر چیز میں شریک ہوسکے۔﴿۹۱﴾

۲۔ ایمبورس (Amborse):

ایمبورس اپنی کتاب" پادری کے فرائض" (Duties of the Clergy) میں معاشی استحصال (Exploitation) کی مذمت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ " فطرت نے سارے انسانوں کے لئے اپنی آغوش کھول رکھی ہے اس لئے سارے افراد پوری آزادی کے ساتھ اس سے متمتع ہوسکتے ہیں لیکن برا ہو اس ہوس کا کہ اس نے اسے چندلوگوں کی میراث بنادیا۔ ﴿۹۲﴾

عبدالحمید صدیقی اپنی کتاب "انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام "میں لکھتے ہیں کہ "سینٹ سائمن(Saint Simon) نے صنعتی انقلاب کی تباہ کاریوں کو ختم کرنے کے لئے اس بات پر زور دیا کہ دولت کی پیداوار کے تمام ذرائع حکومت کے قبضے میں دے دیئے جائیں۔

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں فوریر (Fourier) نے انسانوں کی ایک عظیم اکثریت کی اقتصادی بدحالی.............
سے متاثر ہوکر امداد باہمی کا اصول وضع کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ چار پانچ خاندانوں کی بستیاں بسائی جائیں جو معاشی اور سیاسی اعتبار سے بالکل آزاد ہوں۔ فرانس کے "لوئی بلانس" (Lious Blance) کا نظریہ تھا کہ مزدوروں کے لئے کام فراہم کرنا حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ لہٰذا ریاست کو چاہیے کہ وہ اپنے سرمایہ سے قومی کارخانے کھولے۔ ان کا کل سامان فراہم کر دیا جائے۔ اشتراکیت کے انہیں پیشروؤں میں ایک شخص سینٹ ایمنڈ بیزرڈ Saint Amond Bazard (۱۷۹۱ء،۱۸۹۱) بھی ہے اس نے طبقاتی کشمکش کا تصور پیش کیا اور اس کے بعد بتایا کہ دنیا کا دولت مند طبقہ کس طرح غریبوں کو لوٹ رہا ہے اور آخر میں پورے زور کے ساتھ قومی ملکیت کی حمایت کی۔ ﴿۹۳﴾ اسی طرح قباد، جو کہ ایران کا حکمران اور نوشیروان بادشاہ کا باپ تھا، کے زمانہ میں مزدک نے ایران میں یہ نظریہ پیش کیا۔ "ہر قسم کی خونریزی اور عداوتیں عموماً دولت یا عورت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کی انفرادی ملکیت اور تصرف کو ختم کر دینا چاہیے"۔ اس نے کہا کہ تمام اموال سب انسانوں کے لئے اور تمام عورتیں سب مردوں کے لئے حلال ہیں۔ ﴿۹۴﴾

کارل مارکس۔ سوشلزم کا بانی:

کارل مارکس کا اصل نام کارل ہائن ریخ مارکس تھا۔ رائن لینڈ، جرمنی کے شہر ٹرائر (Trier) میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق یہودی خاندان کے ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ مارکس کے دادا "ربی" یعنی یہودیوں کے فقیہ تھے اور ماں کے آباؤ اجداد بھی سو سال سے زیادہ مدت سے "ربی" کے عہدے پر رہے ہیں۔ مارکس کی عمر ابھی چھ سال کی تھی جب اس کے وکیل (Advocate) والد نے "پروٹسٹنٹ عیسائی" مذہب قبول کرلیا۔ ﴿۹۵﴾

۱۸۳۵ء میں ۱۷ سال کی عمر میں مارکس کو بون یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا موقع ملا جہاں اس نے قانون کا مطالعہ شروع کیا۔ مارکس قانون کے علاوہ یونیورسٹی میں فلسفے میں بھی خاصی دلچسپی لینے لگا۔ ۱۸۳۵ء میں مارکس کے داخلے سے 10 سال قبل ہی ہیگل کا انتقال ہوا تھا اور ابھی ہیگل کا فلسفہ تازہ تھا۔ جرمنی کی یونیورسٹیوں میں اس فلسفے کا طوطی بولتا تھا۔ چنانچہ مارکس بھی ہیگل کے فلسفے سے بہت متاثر ہوا اور اس کے فلسفے سے خوب فائدہ اٹھایا۔ ﴿۹۶﴾ یونیورسٹی میں مارکس اس زمانے میں "انجمن شعراء" اور "مجالس ے

خوران" کارکن بھی رہا بلکہ بون یونیورسٹی کے ریکارڈ میں ہے کہ پوری رات شراب میں دھت رہنے کی وجہ سے مارکس کو اس جرم میں یونیورسٹی حکام نے ایک دن قید کی سزا دی کہ اس حرکت کی وجہ سے امن وسکون پامال ہوا۔ ﴿۹۷﴾ اسی دوران مارکس سخت بیمار ہوا۔ بیماری کے دوران مارکس نے ہیگل کے فلسفے کا خوب مطالعہ کیا ﴿۹۸﴾۔ ہیگل کے تنقیدی انداز یا جدلیاتی نظریہ کو پڑھ کر مارکس نے جو نظریہ قائم کیا وہ ہیگل سے مختلف ہی نہ تھا بلکہ الٹ تھا کہ " کسی عہد کے نظریات اس عہد کے سماجی اور معاشی کردار کو متعین نہیں کرتے بلکہ خود معاشی اور سماجی حالات ہی کسی عہد کے فلسفے اور نظریے کا تعین کرتے ہیں" تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مارکس اخباروں اور رسالوں میں حکومت کے مخالف باغیانہ مضامین لکھتا تھا۔ ہیگل کے پیروکاروں میں شامل تھا جو اکثر حکومت کے مخالف لکھتے۔ دوستوں سے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ پیرس سے ایک اخبار نکالا جائے اور خفیہ طور پر اسے جرمنی میں تقسیم کیا جائے۔ اس خیال سے مارکس پیرس میں منتقل ہوگیا اور یہیں سے اس کی طویل جلاوطنی کا دور شروع ہوا۔ ۱۸۴۴ء میں مارکس کو فرانسیسی سوشلسٹوں سے آگاہی کا موقع ملا اور اسی زمانہ میں اسے ریکارڈ، میک کلاک، آدم سمتھ، جیمس مل اور "سے" کی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا۔

اینجلز سے دوستی:

پیرس سے خفیہ اخبار تو مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ایک شمارے کے بعد ہی بند ہوگیا۔ لیکن ۱۸۴۴ء میں مارکس کی اینجلز سے دوستی ہوگئی۔ جو ایک متمول کارخانہ دار کا بیٹا تھا۔ اینجلز کا ہیگل کے پیروؤں سے بھی برلن میں قریبی رابطہ تھا۔ مارکس کو بھی اینجلز کی صورت میں ایک اچھا اور ہم خیال دوست مل گیا جس کی وجہ سے اس کی معاشی حالت بھی قدرے بہتر ہوگئی۔

جلاوطنی:

۱۹۴۵ء میں حکومت نے مارکس کو پیرس سے نکال دیا اور اسے بروسیلز (بیلجیم) میں پناہ لینی پڑی۔ یہاں سے اس نے اینجلز کے ساتھ انگلستان کا دورہ کیا۔ ﴿۹۹﴾

کمیونسٹ لیگ اور کمیونسٹ مینوفیسٹو(Communist Manifesto):

۱۸۴۷ء میں مارکس نے پھر انگلستان کا دورہ کیا اور یہاں خفیہ کمیونسٹ لیگ کے جلسہ میں شرکت کی۔ یہ ایک بین الاقوامی ادارہ تھا۔اسی نے مارکس اور انجلز کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ اس جماعت کا منشور تیار کریں۔ایک سال میں منشور تیار رہوا۔ یہی وہ مشہور منشور ہے جسے تاریخ میں کیمونسٹ مینوفیسٹو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس منشور میں کائنات کا جدید تصور، مادیت،طبقاتی تصادم اور پرولتاریہ طبقے کے تاریخی کام اور دوسرے مارکسی نظریات کی توضیح وتشریح کی گئی ہے۔یہ اس وقت مزدوروں کے لئے پیامِ عمل اور سرمایہ داروں کے خلاف اعلانِ جنگ کی حیثیت رکھتا تھا۔اصل میں " کیمونسٹ مینوفیسٹو" اور داس کیپٹل (Das Kapital) ہی دوعظیم کام تھے۔جن کی بدولت جدید دنیا کا اتنا بڑا انقلاب برپا ہوااور پھر اس کیمونزم کے انقلاب نے آدھی دنیا کو نصف صدی سے زائد اپنی لپیٹ میں رکھا۔

مارکس کو۱۸۴۸ء میں بیلجیم کی حکومت نے بھی بروسیلز سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور وہ پیرس چلا گیا اور پھر یہاں سے انجلز کے ساتھ جرمنی کے شہر کولون چلا گیا۔یہاں بھی ایک حکومت مخالف اخبار میں کام کرنے کے جرم میں جرمنی سے نکلنا پڑا اور اخبار بھی بند کرنا پڑا۔حکومت نے 24 گھنٹے کے اندر بروشیا(جرمنی) سے نکلنے کا حکم دیا تھا۔مارکس بیوی بچوں سمیت پیرس منتقل ہو گیا اور نام بدل کر مقیم ہو گیا پولیس نے جلد ہی مارکس کا پتہ چلا لیا اور وہ جلد ہی فرار ہو کر لندن چلا گیا اور پھر مستقل ہی وہاں مقیم ہو گیا اپنی بقیہ عمر کے تیس سال مارکس نے یہاں بسر کئے۔

افلاس اور فاقہ کشی:

شروع شروع میں لندن کی قیام گاہ ساز وسامان سے آراستہ تھی لیکن جلد ہی فاقہ کشی کی وجہ سے سامان کی ضبطی تک نوبت آ گئی۔لہٰذا دوسرے چھوٹے مکان میں منتقل ہونا پڑا جو دو کمروں پر مشتمل تھا جن میں ایک باورچی خانہ تھا۔اس زمانے میں مارکس کا ذریعہ آمدنی اخبارات میں مضامین تھے اور "نیویارک ٹرائیون" کا لندن میں نمائندہ تھا۔ایک بار اس نے نیویارک ٹرائیون اخبار کے صدر دفتر کو درخواست بھیجی کہ اس کی ہر خبر کا معاوضہ 2 ڈالر کی بجائے 4 ڈالر کیا جائے جو منظور نہ ہوا۔امریکہ کے صدر کینڈی نے ایک دفعہ کہا تھا" اگر امریکہ کا سرمایہ دار اخبار مارکس کے مطالبے کو مان لیتا تو ممکن ہے تاریخ کا رخ اب سے مختلف ہوتا"۔اس کے

علاوہ مارکس اپنی سسرال کی چاندی اور کوٹ کو گروی رکھ کر اور اینجلز کی مسلسل مدد کے ذریعے اپنے اخراجات چلاتا رہا۔ مارکس کے خاندان کے لئے یہ سخت مفلسی کا دور تھا جس کی وجہ سے اس کی بیوی بیمار رہنے لگی اور فاقہ کشی کی وجہ سے ایک لڑکی اور دو لڑکے انتقال کر گئے۔ ان میں مارکس کا بڑا لڑکا بھی شامل تھا جس کی عمر 9 سال تھی۔ مارکس کے پاس اس وقت تجہیز و تکفین کے لئے بھی پیسے نہیں تھے۔ چند دنوں بعد مارکس شدید بیمار ہو گیا اور اینجلز کو خط لکھا کہ میرے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہیں کہ میں دوا خرید سکوں۔ آخر میں لکھا کہ پچھلے آٹھ دس روز میں اتنی تنگی رہی کہ میں اپنے بیوی بچوں کو صرف روٹی اور آلو ہی مہیا کر سکا۔ مگر آج تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اتنا بھی مہیا نہ ہو سکے۔

لیکن اس تمام مدت میں مارکس صبح 9 بجے سے شام 7 بجے تک برٹش میوزیم میں مطالعہ میں مستغرق رہتا۔ لندن میں قیام کے دوران پہلے دس سال انتہائی مالی مشکلات میں گزرے۔ تاہم آخری بیس سال قدرے آسان تھے۔ ایک دفعہ تو تنگ آ کر مارکس نے بڑی مشکل سے ریلوے میں کلرک کی نوکری حاصل کر لی مگر خط اچھا نہ ہونے کی وجہ سے کمپنی نے ملازمت دینے سے انکار کر دیا۔

۱۸۷۰ء کے قریب اینجلز نے 5000 پاؤنڈ سالانہ دینے طے کئے۔ خود مارکس کے قریب ایک مکان میں رہنے لگا۔ مگر مارکس کی صحت خراب ہوگئی۔ بیوی کو سرطان ہو گیا اور ۱۸۸۱ء میں اس کا انتقال ہو گیا جس کے غم میں مارکس کی صحت نے بالکل جواب دے دیا۔ چھ ماہ بعد بڑی لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد لندن کی شدید سردی نے مارکس پر بھی حملہ کیا۔ پہلے پہلے نرخرے کی نالیوں میں ورم ہوا پھر ایک پھیپھڑے میں پھوڑا نکل آیا اور بالآخر ۱۴ مارچ ۱۸۸۳ء کو شدید بیماری کی حالت میں مر گیا۔ دفن کے بعد اس کی قبر پر اینجلز نے تقریر کی جس کو سننے کے لئے وہاں صرف 12 آدمی موجود تھے۔ لندن ٹائمز نے موت پر دو انچ کی خبر شائع کی۔

اشتراکی فلسفہ حیات:

"مارکسی فکر کی اساس یہ ہے کہ اس کائنات کی اصل حقیقت مادہ ہے جو جواہر کے مجموعے سے عبارت ہے جنکی تشریح طبیعات کے اصول موضوعہ کے ذریعے سے ہی کی جا سکتی ہے عالم میں جو کچھ بھی موجود ہے وہ ان قوانین کا پابند ہے اس طرزِ خیال کے حامیوں کے نزدیک کسی بالاتر ہستی کا وجود یا اس کی فرماں روائی پر یقین نہ صرف خلاف عقل ہے بلکہ انسانیت کے لئے نہایت خطرناک اور مہلک بھی ہے۔ خدا خود کوئی قائم بالذات ہستی نہیں بلکہ اسکے وجود کا اقرار انسان کی درماندگی اور عاجزی کا اعتراف ہے نوع انسانی

جب کائنات کے اسباب اور اثرات کے وسیع اور پیچیدہ طلسم کو سمجھنے سے عاجز آ جاتی ہے تو وہ مجبور ہو کر ایک بالاتر ذات کو تسلیم کر لیتی ہے۔﴿۱۰۰﴾

کارل مارکس کی تعلیمات کی بنیاد اس کا "مادی فلسفہ" ہے جسے اصطلاحی زبان میں جدلی مادیات (Dialectical Materialism) کہا جاتا ہے۔ مارکس کے مطالعہ کا طریقہ جدلی ہے اور قدرت کے متعلق اس کا بنیادی تصور مادی ہے۔ یہ جدلی مادیت لینن (Lenin) کے نزدیک مارکسیت کی زندہ روح ہے Dialectic یونانی لفظ Dialego سے مشتق ہے جدلیات سے مراد ہے مخالف کی دلیلوں میں تضاد کے پہلو نکال کر اسے قائل کرنا۔ عہد قدیم میں فلسفی یہ سمجھتے تھے کہ خیالات اور دلیلوں میں تضاد کے پہلو نکال کر حقیقت تک پہنچنے کا بہترین طریقہ تلاش کیا جا سکتا ہے۔ یہ "جدلی طریقہ" بعد میں قدرت کے مظاہر کو سمجھنے میں استعمال کیا جانے لگا۔ مارکس ہیگل کا خوشہ چین اور ایک معنی میں اس کا شاگرد ہے۔ مارکس نے اپنے مادی فلسفے کی اساس ہیگل ہی سے مستعار لی ہے۔ ہیگل کے نزدیک کائنات تصورات کی ارتقائی حرکت کا نام ہے۔ یہ ارتقاء تصورات کی باہمی کشمکش اور تضاد کے ذریعے صورت پذیر ہوئی ہے ہر تصور اپنے اندر ایک ضد لئے ہوئے ہے اور ہر اثبات اپنے دامن میں نفی پوشیدہ رکھتا ہے۔ کائنات کے ارتقاء میں یہ ایجابی اور سلبی طاقتیں ٹکراتی ہیں جن سے ایک نیا اثبات پیدا ہوتا ہے جو پہلے اثبات سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ اسی طرح ارتقاء کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہیگل مادہ کا وجود تسلیم نہیں کرتا۔ وہ ذہنی عین یا تصور ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔

مارکس نے اگرچہ اپنے فلسفے کی بنیاد ہیگل کے تصورات پر رکھی ہے۔ مگر مادہ، روح اور تصور کے حوالہ سے اس کے نظریات ہیگل سے بالکل الٹ ہیں۔ ہیگل کے نزدیک ذہنی عین ہی آخری تصوری حقیقت ہے اور مادہ اور خارجی دنیا سب اسی تصور یا ذہنی عین کے مظاہر ہیں۔ جبکہ مارکس کے اس کے بالکل الٹ کہتا ہے کہ مادہ ہی سب کچھ ہے اور تصورات کی کشمکش ہماری اس مادی دنیا کی کشمکش کا محض عکس ہے۔ مارکس روح یا کسی ان دیکھی دنیا کا یکسر منکر ہے۔ مارکس نے دنیا کے انقلابات اور کشمکش حیات، حتی کہ مذہب اور تمام تحریکات کو مادی اور معاشی تحریکات کے عمل اور رد عمل سے تعبیر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی مادی جدلیات (Dialectical Materialism) مارکس کے فلسفے کی بنیاد ہے۔

گویا کی "جدلیت" میں تاریخ کے ایک مخصوص دور میں تصورات کا ایک خاص مجموعہ غالب ہوتا ہے جو اس دور کے مذہبی، سیاسی اور اخلاقی تصورات کی اساس مہیا کرتا ہے جس پر ایک معاشرہ خاص وقت تک چلتا ہے اور آگے بڑھتا ہے لیکن کچھ ہی مدت

کے بعد اس کا ردعمل شروع ہوتا ہے اور ایک نیا تصور جنم لیتا ہے جو پرانے تصورات سے برسر پیکار ہو جاتا ہے اور آخر کار پرانے تصورات حیات پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے اور تصورات کی یہ کامیابی تاریخ کے ایک نئے دور کو جنم دیتی ہے۔ یہ تصورات کی کشمکش اور نئے تصورات کی پیدائش کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک رہے گا۔

ہیگل کے برعکس مارکس کہتا ہے کہ ہر چیز، ہر نظریہ اور ہر تحریک مادہ سے شروع ہوتی ہے اور اسی پر ختم ہوتی ہے مادی دنیا سے الگ تصورات کوئی حقیقت نہیں۔ تبدیلی کا حقیقی محرک ایک مخصوص سوسائٹی کی معاشی ضروریات ہیں۔ یہ مادی اور معاشی ضروریات ہماری سماجی زندگی کے اہم تعبیرات کو متعین کرتی ہیں۔ تاریخ کے عمل ارتقاء میں سب سے بڑا اور مؤثر عامل وسائل پیداوار کی روز افزوں ترقی ہے۔ یہی معاشی ترقی اور وسائل پیداوار ہی اصل حقیقت ہیں اور لوگوں کے باہمی تعلقات پر اثر انداز ہوتے ہیں ہر شخص زیادہ سے زیادہ وسائل پیداوار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے جو تصادم کی بنیاد ہے یہی وہ نظریہ ہے جس کو وہ طبقاتی تصادم (Class Struggle) کا نام دیتا ہے۔

طبقاتی تصادم (Class Struggle):

مارکس کے نزدیک ایک معاشی نظام (Economic System) جب ترقی کرتے کرتے ایک خاص منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے نظام کے اندر سے ایک نئی پیداواری طاقت جنم لیتی ہے جو مروجہ نظام کو بدل کر ایک نیا معاشی نظام لانا چاہتی ہے اور طبقات کی ازسرنو تقسیم چاہتی ہے۔ موجودہ برسراقتدار طبقہ جو وسائل پیداوار اور حکومت پر قابض ہے وہ نئے نظام کو ہر ممکن کوشش سے دبانا چاہتا ہے لیکن مظلوم اور پسا ہوا طبقہ (Oppressed or Exploited Class) جو مروجہ معاشی نظام میں پیٹ بھر کر دو وقت کا کھانا بھی نہیں کھا سکتا، وہ ان نئی پیدواری قوتوں کا خیر مقدم کرتا ہے کیونکہ اس کو ان نئی قوتوں میں اپنی فلاح اور کامیابی نظر آتی ہے اس طرح ظالم و مظلوم، غالب و مغلوب کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔

اس کشمکش کو مارکس طبقاتی تصادم (Class Struggle) کا نام دیتا ہے مظلوموں کی فتح کے ساتھ ایک نیا معاشی نظام بنتا ہے طبقات کی نئی تقسیم سامنے آتی ہے نئے نظام اور نئی تقسیم سے نئے تقاضوں کے مطابق مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی نظام کی بنیاد رکھی جاتی ہے ﴿۱۰۱﴾۔ لیکن جب یہ نظام کچھ دیر چلنے کے بعد ترقی کرتا ہے اور پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے تو اس پر بھی وہی جدلی عمل

شروع ہو جاتا ہے اس نئے نظام کے اندر سے نئی پیداواری قوتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں اور مروجہ نظام سے برسر پیکار ہو جاتی ہیں تا آنکہ کشمکش شروع ہو جاتی ہے جسے طبقاتی کشمکش یا (Class Struggle) کہتے ہیں تا آنکہ یہ نظام بھی آہستہ آہستہ کمزور ہو جاتا ہے آخر میں غیر متعلقہ فریق بھی اس طبقاتی کشمکش میں شریک ہو کر کسی ایک فریق کا ساتھ دینا شروع کر دیتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ نظام بھی تباہ ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ نیا نظام لیتا ہے! مارکس کہتا ہے کہ یہ تصادم اسی طرح عرصہ دراز سے جاری ہے پہلے غلامی کا دور تھا پھر مذہبی اور جاگیرداری نظام کے بعد سرمایہ دارانہ نظام قائم ہوا۔ Feudal System کے بعد جب انیسویں صدی میں تاجروں اور کاریگروں کی فتح ہوئی اور سرمایہ داری (Capitalism) کا نیا دور شروع ہوا تو غریب اور مزدور طبقہ پسنے لگا اسی سرمایہ دارانہ نظام کے اندر سے ایک مزدور طبقہ یعنی پرولتاریہ (Proletariat) ﴿۱۰۲﴾ کا ظہور ہوا اور کمیونزم کا انقلاب آیا جس نے تقریباً آدھی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور بری طرح متاثر کیا پھر اس نئے نظام میں ایسی ہی دراڑیں پڑیں اور بیسویں (پچھلی) صدی کے آخر میں کمیونزم کا بھی بستر گول ہو گیا۔ لیکن اس مارکسزم کی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام میں اصلاحات بہت ہوئیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے دنیا میں اشتراکی اور اشتمالی نظریات، مختلف فلسفوں اور فکری علماء (Intellectuals) کی وجہ سے موجود تھے مگر بکھرے ہوئے تھے۔ اشتراکی (Communists) کوئی منظم کوشش نہیں کر رہے تھے۔ مارکس اور انجلز کے دنیا کی مختلف اشتراکی تنظیموں سے مسلسل رابطے تھے اور ان مزدور اشتراکی تنظیموں پر ان کے گہرے اثرات تھے۔ حتیٰ کہ ۱۸۴۸ء میں مارکس کا مرتب کیا ہوا وہ مشہور منشور (Communist Manifesto) شائع ہوا جو آج تک کمیونسٹوں کا دستور الحیات ہے۔ ۱۸۴۹ء سے مارکس نے لندن میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور پھر انجلز کے ساتھ مل کر دنیا کے مزدوروں اور اشتراکیوں کو عملی جدوجہد کی دعوت دیتا رہا تا آنکہ مزدوروں کی بین الاقوامی انجمن قائم ہوئی۔ جو ان کی اصلاح میں "پہلی بین الاقوامی (First International)" کے نام سے مشہور ہے اس کے ذریعے مختلف ملکوں کے مزدور ایک رشتہ سے منسلک ہو گئے۔ ان کی پہلی چار سالانہ کانفرنسیں جنیوا ۱۸۶۶ء، لوزان ۱۸۶۷ء برسلز ۱۸۶۸ء باسل ۱۸۶۹ء بہت کامیاب رہیں۔ آگے چل کر اختلاف کا شکار ہوئیں۔ روسی انارکسٹ بکونن اور کارل مارکس کے اختلافات شدید ہو گئے۔ ۱۸۸۹ء میں دوسری بین الاقوامی (Second International) قائم ہوئی۔ اسکی مرکزیت کمزور تھی۔ جنگ عظیم اول تک اس کا وجود قائم رہا۔ مگر دنیا کے مختلف ملکوں کے اشترا کی جنگ عظیم کے دوران اپنے اصولی نظریات سے منحرف ہو گئے اور اپنے اپنے ملکوں میں کئی اشتراکی حکومت سے مل گئے اور

وزارتیں وغیرہ قبول کرلیں اور مزدوروں کی بین الاقوامی حیثیت عارضی طور پر ختم ہوگئی۔ مارکس ۱۸۸۳ء میں فوت ہوااور انجلز ۱۸۹۰ء میں۔ ان کے بعد کارل کاٹسکی (Karl Kautsky) جنگ عظیم تک اشتراکیوں کا امام مانا جاتا رہا۔ ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بعد تحریک کی مرکزیت روس کو منتقل ہوگئی اور مارچ ۱۹۱۹ء میں تیسری بین الاقوامی (Third International) قائم ہوئی جو کمیونسٹ انٹرنیشنل (Communist International) کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ﴿۱۰۳﴾

روسی انقلاب کے بعد:

داس کیپیٹل (Das Kapital) کا ترجمہ روسی زبان میں ۱۸۷۲ء میں ہوا۔ اس زمانہ میں روسی اہل فکر روسی مزدوروں کی طرف توجہ کرنے لگے تھے۔ ۱۸۹۸ء میں روس میں باضابطہ طور پر ایک اشتراکی پارٹی بھی بن گئی جس کا نام "جمہوری اشترا کی پارٹی (Social Democratic Party) تھا۔ ۱۹۰۳ء میں برسلز میں پارٹی کی کانفرنس ہوئی جس میں آپس میں طریق کار پر سخت اختلاف سامنے آیا۔ اور پارٹی دو ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ ایک جماعت جو انقلاب اور خون ریزی سے گھبراتی تھی، اقلیت میں تھی، اسلئے وہ منشویک (Manshevic) یعنی اقلیت کہلائی۔ اور دوسرا دھڑا جو انقلاب اور خون ریزی کے حق میں تھا۔ اس لئے اسے بالشویک (Bolshevic) یعنی اکثریت کہا جانے لگا۔ بالشویک کی قیادت لینن (Lanin) کے ہاتھ میں تھی اور وہ انقلاب روس کا بانی تھا اور مرتے دم تک پارٹی پر چھایا رہا۔ انقلاب کے بعد ٹراٹسکی (Trotskei) لینن کا دست راست بنا۔ لیکن لینن کی موت کے بعد سٹالن (Stalin) پارٹی پر حاوی ہوگیا اور سربراہ بن گیا۔

نظریہ "قدر زاید": ﴿۱۰۴﴾

قدر زاید (Theory of Surplus Value) یہ ہے کہ " کسی شے کی اصل قدر محنت کی وہ مقدار ہے جو اسے پیدا کرنے میں صرف ہو۔ چنانچہ مارکس کے نزدیک قیمت کا واحد حقدار مزدور ہے"۔ ﴿۱۰۵﴾

اشیاء کی پیدائش تو تنہا ان کی محنت کا ثمر ہے ایک شے کی اصل قیمت مزدور کو دی جانے والی اجرت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ جسے قدر زاید (Surplus Value) کہا جاتا ہے۔ حقیقتاً تو یہ مزدور کا حصہ ہے لیکن صنعتکار اسے قانونی ڈاکہ زنی کے ذریعے

سے ہڑپ کر جاتا ہے۔

مارکس اس کی مثال دیتا ہے کہ فرض کیجئے کہ ایک مزدور ایک روپیہ روزانہ کے معاوضہ پر روزانہ آٹھ گھنٹے کام پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ اپنی محنت کو ایک روپیہ روزانہ میں سرمایہ دار کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے مارکس سوال کرتا ہے کہ اجرت کی یہ شرح کس طرح متعین ہوئی ہے؟ کیا واقعہ ہی آٹھ گھنٹے کی محنت ایک روپیہ ہے؟ پھر جواب دیتا ہے کہ یہ اجرت محنت کی حقیقی قیمت کے لحاظ سے مقرر نہیں ہوئی۔ جو چیز اس اجرت کے تعین میں فیصلہ کن ہے وہ مزدور کی بے بسی اور فاقہ مستی کا وہ خوف ہے جو معاشرہ میں کمزور ہونے کی وجہ سے ہمیشہ اس کے دل و دماغ پر چھایا رہتا ہے اس لوٹ گھسوٹ اور ڈاکہ زنی سے بچاؤ یا اسے ختم کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ذرائع پیداوار کو ان ظالم سرمایہ داروں کے ہاتھوں سے نکال کر حکومت کی تحویل میں دے دیا جائے۔

اشتراکی تصورِ ریاست:

مارکس سرمایہ دارانہ نظام کو "دولت مندوں اور برسر اقتدار طبقوں کے مخصوص مفادات کی پاسبانی اور حفاظت سمجھتا ہے" اس کے وجود کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ جن افراد کے ہاتھوں میں دولت آ جانے کی وجہ سے اقتدار کی باگیں بھی ہیں، انہیں زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا جائے۔ ﴿۱۰۶﴾

مارکس اور انجلز نے اشتمالی منشور میں سرمایہ دار ریاست کا ذکر یوں کیا ہے "ریاست ایک طبقہ کا پامال کرنے کا ایک ذریعہ ہے یہ ایک گروہ کو مٹانے اور اس پر مظالم ڈھانے کی ایک تنظیم ہے" لہٰذا اصلاح حال کی اگر کوئی صورت ہے تو وہ یہ ہے کہ اقتدار کو سرمایہ داروں سے چھین کر محنت کشوں کی ایک ایسی جمہوریت قائم کی جائے جس میں پوری مملکت کا انتظام "معصوم اور منزہ عن الخطاء" "پرولتاریہ" کے ہاتھوں میں ہو۔ ﴿۱۰۷﴾

روس میں کمیونسٹ انقلاب اور قتل و غارت و مظالم:

روسی انقلاب کے سب سے بڑے علمبردار اور روس کے کمیونسٹ اقتدار کے پہلے سربراہ لینن (Lenin) نے پورے زور و شور سے بیان کیا کہ تشدد اس انقلاب کا ضروری جزو ہے اور اس کے بغیر اس نظام کو نافذ نہیں کیا جا سکتا وہ کہتا ہے "اشتراکی آمریت

غیر محدود قوت ہے جس پر قوانین کوئی پابندی نہیں لگا سکتے۔ اس کا سارا دارومدار تشدد پر ہے۔" دوسری جگہ وہ کہتا ہے۔ ریاست تو ایک ادارہ ہے جو ظلم و تشدد کے لئے معرض وجود میں آتا ہے۔ انقلاب سے پہلے روپے پیسے کے چند تھیلے عوام پر ظلم کرتے تھے۔ مگر اب ہم عوام کے مفاد کے لئے اس استبداد کو منظم کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ ﴿۱۰۸﴾

روس میں اشتراکی انقلاب کے بعد ظلم کی انتہا یہ تھی کہ جو لوگ گلی کوچوں میں جمع ہوتے انہیں بھی بغیر انتباہ کے گولی ماردی جاتی۔ جو لوگ فوجی ٹیکس ادا نہ کرتے یا نہ کر سکتے تھے وہ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ کالوگا صوبے میں بہت سے لوگوں کو فوجی ٹیکس ادا نہ کرنے کی وجہ سے گولی ماردی گئی۔ دوسرے صوبے ژمیرٹ میں جن لوگوں سے ٹیکس کے معاملہ میں کوتاہی ہوئی انہیں ان کی گردنوں کے ساتھ پتھر باندھ کر دریا میں برسرعام ڈبو دیا گیا۔ ﴿۱۰۹﴾

روسی اکابرین:

روس میں تطہیر (Cleansing) کے اس عمل سے روسی اکابرین بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ ۱۹۲۰ سے ۱۹۳۰ تک مختلف الزامات اور شکوک وشبہات کی بناء پر گیارہ وزراء میں سے نو کا خاتمہ کیا گیا۔ اشتراکی پارٹی کی مرکزی تنظیم کے ۱۱۵۲ ارکان میں سے ۱۴۳ ارکان کو مختلف الزامات اور شک کی بناء پر گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ ﴿۱۱۰﴾

27 میں سے 15 وہ اشتراکی جنہوں نے روس کے دستور کا مسودہ تیار کیا تھا، روس کی جنگی کونسل کے 80 میں سے 70 ارکان، فوج کے 05 میں سے 03 مارشل، 60% جرنیل اور 30,000 آفیسر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ 1917ء کے انقلاب کے بعد لینن نے انتہائی ذمہ دار افراد پر مشتمل جو کابینہ بنائی تھی اس میں اسٹالن کے سوا کوئی نہ بچا۔ ﴿۱۱۱﴾

مارچ 1953 میں اسٹالن کی موت کے بعد ملک کی زمام کار مالنکوف، بیریا اور مولوٹوف کے ہاتھ میں آئی۔ چار ماہ بعد بیریہ پر غداری پر الزام لگا کر اُسے ٹھکانے لگا دیا گیا۔ ﴿۱۱۲﴾

قتل وغارت کا کچھ اندازہ مسٹر جان وائن ہرڈ John Whynne Herd کے اعداد وشمار سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو انہوں نے اپنے تیس سالہ قیام روس کے زمانہ میں فراہم کئے اور جو ڈیلی گزٹ کراچی کی اشاعت مورخہ 5، 6 جون 1934ء میں شائع ہوئے۔

تعداد مقتولین: ﴿۱۱۳﴾

۱۔	اساقیف (لاٹ پادری)	۳۱
۲۔	اہل خدمات کلیسا	۱۵۶۰
۳۔	جج۔ وکلاء اور مجسٹریٹ	۳۴۵۸۵
۴۔	اساتذہ وطلبہ	۱۶۳۶۷
۵۔	سول حکام	۷۹۹۰۰
۶۔	امراء وروساء	۶۵۸۹۰
۷۔	فوجی آفیسر	۵۶۳۴۰
۸۔	مزدور	۱۹۶،۰۰۰
۹۔	سپاہی اور ملاح	۳۶۰۰۰
۱۰۔	کسان اور کاشتکار	۸۹۰،۰۰۰

ان اعداد وشمار پر نگاہ ڈالیں تو یونانیوں کے ظلم وستم ایرانیوں کی لشکر انگیزیاں، چنگیز اور ہلاکو خاں کے ظلم کی داستانیں حقیر لگتی ہیں ۔ یہ ظلم وتشدد اصل میں اشترا کی تعلیم اور نظریے کا حصہ ہے ۔ مارکس کی Kapital اور منشور (Communist Manifesto) کے بعد تحریک اشترا کیت میں سب سے اہم کتاب لینن کی "ریاست اور انقلاب" ہے۔﴿۱۱۴﴾

اس میں درج ہے۔ "سرمایہ داری نظام حکومت کی جگہ اشترا کیوں کی حکومت کا برسر اقتدار آ جانا تشدد امیز انقلاب کے بغیر ممکن نہیں۔ مزدوروں کی جماعت کی آزادی تشدد امیز انقلاب اور موجودہ حکومت کی مشینری کی مکمل تباہی کے بغیر ممکن نہیں۔

اشترا کیت اور معاشی مساوات:

اشترا کیت کی تحریک طبقاتی نظام (Class System) اور عدم مساوات کے خلاف شروع کی گئی اور معاشی مساوات کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کی گئی اور آخر کار کامیاب ہوئی۔ لینن کا یہ قانون ہے: کسی اعلیٰ افسر کی تنخواہ کسی صورت میں ایک عام

مزدور کی تنخواہ سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ لیکن جب اشتراکی یا سوشلسٹ انقلاب آ گیا تو پھر بھی مزدوروں اور غریبوں کی حالت وہی رہی اور معاشی عدم مساوات بھی آخر تک قائم رہی۔ بلکہ سوشلسٹ لیڈروں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "اشتراکیت کے پیش نظر ذاتی ضروریات اور احتیاجات زندگی میں برابری پیدا کرنا نہیں بلکہ صرف طبقہ داری تقسیم کو ختم کرنا ہے۔ ﴿۱۱۵﴾

ٹراٹسکی Trotsky اپنی کتاب "فریب انقلاب (Revolution Betrayed) " میں روس کے استحصالی معاشرہ کا ذکر یوں کرتا ہے "جہاں تک عوام کا تعلق ہے نہ ان کے پاس مویشی ہیں نہ باغات اور اکثر تو مکانوں تک سے محروم ہیں۔ ایک مزدور کی سالانہ آمدنی بارہ سو سے پندرہ سو روبلز ہے۔ روس میں یہ آمدنی ضروریات زندگی کی گرانی مقابلے میں اس قدر کم ہے کہ اس سے سانس تک کو برقرار رکھنا محال ہے۔ لوگوں کی بود و باش نہایت ہی پست ہے محنت کشوں کی اکثریت چھوٹے چھوٹے اور خستہ جھونپڑوں میں جانوروں کی طرح رہتی ہے۔ ﴿۱۱۶﴾

اسی طرح فینر براک وے (Fenner Brock Way) نے اپنی کتاب "محنت کشوں کا محاذ (Worker Front " میں یوں کہا: روس جہاں مزدوروں نے 1917ء میں عدیم المثال فتح حاصل کی تھی، آمدنی میں تفاوت روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اشتراکی سماج جس کی زندگی کا ساز معاشی مساوات کی تاروں پر چھیڑا گیا تھا اب .... طبقہ واریت اور معاشی ناہمواری پر ٹوٹ رہا ہے۔ ﴿۱۱۷﴾

ایک فرانسی کمیونسٹ کامریڈیان (Yuon) کی رائے قابل غور ہے وہ سوشلزم اور روسی انقلاب اور روس میں اشتراکی حکومت اور معاشرے کا گہرا مطالعہ رکھتا ہے وہ کہتا ہے: "روس کے اندر طبقہ واریت پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہے۔ یہاں امراء بھی ہیں اور غرباء بھی، غالب بھی ہیں اور مغلوب بھی۔ ان کے معیار زیست میں نمایاں تفاوت ہے۔ ریل کے ڈبوں، جہازوں اور ہوٹلوں میں مختلف درجوں کا پایا جانا طبقہ واریت کی بین دلیل ہے۔ پہلے جس مقام پر سرمایہ دار فائز تھا اب وہاں بڑے بڑے حکام اور اعلیٰ افسران متمکن ہیں۔ غریب مزدوروں نے غلامی کی زنجیروں کو توڑا نہیں بلکہ بدلا ہے اور یہ نئی زنجیریں پہلی زنجیروں سے کہیں زیادہ مضبوط اور وزنی ہیں۔ ﴿۱۱۸﴾

کامریڈیون (Yun) نے روسی باشندوں کے معاوضوں کے بارے میں جو تفصیلات دی ہیں۔ وہ قابل غور ہیں۔

تنخواہیں : ﴿۱۱۹﴾

۱۔	عام مزدور پیشہ لوگ	۸۰روبل سے	۴۰۰روبل
۲۔	معمولی ملازمین	۸۰روبل سے	۳۰۰روبل
۳۔	گھریلو نوکرانیاں	۵۰روبل سے	۶۰ روبل مع خوراک
۴۔	ماہر صنعت	۳۰۰روبل سے	۸۰۰روبل
۵۔	ذمہ داران منتظمین اور ماہرین	۱۵۰۰روبل سے	۱۰۰۰۰روبل
۶۔	بڑے بڑے پروفیسر، آرٹسٹ اور مصنفین	۲۰۰۰۰روبل سے	۳۰۰۰۰روبل

یہ اعداد وشمار اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ روس میں آمدنی کے لحاظ یا معاوضہ کے فرق کے حساب سے ہر وہ طبقہ موجود ہے جس کو کوئی برے سے برا سرمایہ دار نظام جنم دے سکتا ہے۔ روسی کمیونسٹ کامریڈ سکیمس نے اس طبقاتی تفاوت کا اسطرح اعتراف اور ذکر کیا ہے۔ جنگ سے پیشتر ایک عام مزدور ۲۵۰ روبل سے ۳۰۰۰ روبل تک پہنچ گیا ہے یعنی ایک ماہر یا آفیسر ایک مزدور کے مقابلہ میں پانچ گنا زیادہ تنخواہ لیتا ہے۔

ڈاکٹر بیزلی (Bezzly) اپنی تصنیف "روس سوویٹ عہد حکومت میں" میں لکھتا ہے۔﴿۱۲۰﴾ پنشن کی جو رقم روسی مزدور کو اپنی قوت زائل ہو جانے کے بعد دی جاتی ہے وہ بہت قلیل ہے۔ یہ عام طور پر ۲۵ اور ۵۰ روبلز کے درمیان ہوتی ہے جو شخص روس میں ۵۰ سے ۲۰۰ روبل ماہانہ کماتا ہے وہ نہایت ہی افلاس کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اشتراکی نظام کا ماحصل:

آخر میں ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کمیونسٹ انقلاب سے دنیا نے کیا کھویا کیا پایا۔ عام طور پر ابتدائی چالیس سالوں میں یہ حاصل ہوا۔

۱۔ املاک کا منافع افراد کی جیبوں میں جانے کی بجائے حکومت کے خزانے میں جانے لگا۔

۲۔ معیشت (Economy) کا انتظام وانصرام حکومت کے ہاتھ آ گیا اور حکومت نے ابتدائی سالوں میں بہتر معاشی

منصوبہ بندی کی۔

۳۔ ہر آدمی کو روزگار اور کام مل گیا۔ بے روزگاری کا تقریباً خاتمہ ہو گیا۔

۴۔ مجموعی منافع کا ایک حصہ سوشل انشورنس کی مد میں صرف ہونے لگا۔

۵۔ وقتی طور پر طبقاتی نظام ختم ہو گیا اور امیر غریب میں فرق بہت کم ہو گیا۔

۶۔ سرمایہ دارانہ نظام میں اصلاحات ہونے لگیں اور مزدور اور غریب طبقہ کے لئے پہلے سے بہتر معاوضے اور سہولتیں میسر ہونے لگیں۔ اس کے مقابلے میں لوگوں کو جو قیمت ادا کرنا پڑی وہ یہ ہے:

۱۔ تقریباً انیس لاکھ (۱۹۰۰۰۰۰) جانیں اس انقلاب کی نظر ہو گئیں۔

۲۔ بیس لاکھ افراد کو نہایت ہی وحشت ناک سزائیں برداشت کرنا پڑیں۔

۳۔ پچاس لاکھ (۵۰۰۰۰۰۰) کے قریب انسانوں کو ملک بدر کیا گیا۔

۴۔ مذہب و اخلاق کی ساری اقدار کو دلوں سے مٹانے کے لئے ظلم و تشدد کے بدترین طریقے استعمال کئے گئے۔

۵۔ لوگوں نے روٹی کے چند نوالوں کی خاطر آزادی جیسی نعمت کو قربان کر دیا۔

۶۔ خدا سے غافل و عاری اور مذہب و اخلاق کے دشمن ایک مختصر گروہ نے عوام پر ایک ایسا ظالمانہ اور غلامانہ اقتدار اور جبر مسلط کر دیا جس کی مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔

۷۔ وکٹر کریوشنکو (V.Krevchenko) کے مطابق ہماری صنعت کا سب سے بڑا سہارا قیدیوں کی ایک بہت بڑی فوج تھی جس میں ہر آن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سرکاری حلقوں کا کہنا تھا کہ یہ تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ تھی ﴿۱۲۱﴾۔

۸۔ ڈیوڈ آئی ڈالن (Daved I. Dallin) کے مطابق "یہ لوگ ایک نہ ختم ہونے والی غلامی میں گرفتار ہیں۔ انہیں سماج اور زندگی دونوں سے محروم کر دیا گیا۔ امید کی کوئی کرن بھی ان کی زندگی کے اندر حرارت اور حرکت پیدا نہیں کر سکتی۔ ان کے پاس سوائے غلامی کی زنجیروں کے اور کوئی چیز باقی نہیں۔" ﴿۱۲۲﴾

۹۔ قیدیوں کو صبح چار، پانچ بجے کے درمیان معمولی خوراک دے کر کام پر بھیج دیا جاتا ہے۔ یہاں وہ سات بجے شام تک کام کرتے ہیں۔ دن بھر کی محنت اور بھوک سے وہ اس قدر نڈھال ہو جاتے ہیں کہ ان کے لئے اپنی بارکوں میں واپس آنا مشکل ہو جاتا

ہے۔﴿۱۲۳﴾

۱۰۔ ایک ہی خطے میں، ایک ہی علاقے میں بلکہ اگر کسی ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں اور ایک اشتراکی (Socialist) اور دوسرا سرمایہ دار (Capitalist) ہے تو اشتراکی اور سرمایہ دار (Free marketting) ملک میں معاشی خوشحالی اور سہولیات یا آسائشوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔﴿۱۲۴﴾

مزدوروں کی اصل جماعت آٹھ یا اس سے بھی زیادہ درجوں میں بٹی ہوئی ہے۔ یہ درجے کام کے لحاظ سے نہیں بلکہ مہارت اور صلاحیت کے لحاظ سے ہیں۔ یہ اصل میں شرح اجرت کے درجے ہیں یہ شرح اجرت ایک سے لے کر آٹھ گنا تک بڑھتی ہے۔﴿۱۲۵﴾ یہ ہے کمیونزم کا مختصر تعارف۔

لیکن اب یہ کمیونزم قصۂ ماضی بن چکا ہے USSR یعنی انقلاب کی جنم بھومی اور سوشلزم کا بابائے آدم اب 1991ء میں دنیا سے رخصت ہو گیا اور دوسرا بڑا سوشلسٹ چائنہ ہے۔ اس نے Free Marketting کو اپنی Economic & Business Policy بنالیا ہے اور عملی طور پر سوشلزم کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ اب سوشلزم اور کمیونزم گالی بن گئی ہے اور بورس یلسن جیسے سابق روسی صدر نے بھی بڑے افسوس کے ساتھ کہا کہ کاش یہ تجربہ ہمارے ملک کی بجائے کسی بھی چھوٹے افریقی ملک میں کیا ہوتا اور ہم 72 سال اس کا خمیازہ نہ بھگتے اور سوشلزم کے تجربات سے نہ گزرتے۔

☆☆☆

فصل سوئم

جدید دور کی جنگ: صرف اور صرف معاشی جنگ (Economic War) ہے

دورِ جدید میں قوموں اور ملکوں کے درمیان فسادات، کشمکش اور تمام جدو جہد جس نقطے کے گرد گھومتی ہی وہ معاشی جدو جہد یا مادی اور معاشی سرگرمیاں ہیں۔ جدید دور میں جنگ وجدل، امن وسکون پیار محبت اور نفرت وعداوت سب پر معاشی مفادات کا قبضہ ہے۔ قوموں اور ملکوں کے تعلقات، خارجہ پالیسیاں علاقائی بین الاقوامی معاہدے اور ہمہ قسم کی دوستی اور دشمنی کا تعلق اور وابستگی صرف اور صرف ملکوں اور قوموں کے معاشی اور مادی مفادات سے وابستہ ہیں۔ اگر چہ یہ معاشی اور مادی مفادات نئے نہیں۔ سینکڑوں سال پہلے بھی لڑائی اور فسادات کی جڑ، اکثر یہی مال وزر ہوتے تھے۔ لیکن موجودہ دور میں معاشی مفادات ہر قسم کے مفاد اور تعلق یا مذہب اور تہذیب پر بھاری ہوگئے ہیں۔ دنیا کے سب سے اعلیٰ جمہوری یعنی برطانیہ کے متعلق پروفیسر جوڈ کا بیان ہے: صدیوں سے انگلستان کے تخیل پر دولت اندوزی کا اصول غالب ہے۔ حصول دولت کی خواہش پچھلے دوسوسال سے دیگر محرکات عمل سے زیادہ بڑھ رہی ہے۔ کیونکہ دولت حصول ملکیت کا ذریعہ ہے اور ذاتی ملکیت کی بہتات اور عظمت وشان سے انسان کی قابلیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سیاسیات، ادب سینما، ریڈیو اور کبھی کبھی گرجا گھروں کے ممبروں سے سال بسال سامعین کو یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ مہذب قوم وہی ہے جس میں تملیکی جذبہ انتہائی ترقی کر چکا ہو۔ ﴿۱۲۶﴾

ایک چینی مفکر لن یوٹانگ (Lin Yutong) نے دورِ جدید کی مادہ پرستی کا نقشہ اپنی کتاب "اشک وتبسم ک درمیان (between tears and laughter) میں ان الفاظ مین کھینچا ہے۔ "اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ معاشی طرزِ فکر نے تمام دوسرے افکار پر غلبہ پا لیا ہے اور اس زمانہ میں معاشی معاملات دوسرے تمام معاملات کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہیں۔................ ہماری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ یہ حقیقت ہے کہ نفع اندوزی اور حصول قوت کا یہ نصب العین آئندہ جنگ کا اہم ترین محرک ہے۔ ہمارا دور ایک ایسا دور ہے جس میں اخلاقی اور روحانی قدروں کا بالکل دیوالیہ نکل چکا ہے ہمارے افکار پر مادیت پرستی کا غلبہ ہے۔ ﴿۱۲۷﴾ یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے: ہمارے افکار کا تانا بانا مادیت ہی سے بنایا گیا ہے ہمارے ذہنوں میں جنت کا تخیل بھی اس کی سوا کچھ نہیں ہوتا کہ یہ ایک ایسا گودام ہے جس میں مال ہی مال بھرا ہوا ہے اس وقت پوری دنیا ایک کاروبار ہے سیاسی کاروبار یا معاشی کاروبار اور سیاستدان اس کارخانہ کے سیلز مین ہیں جو ہروقت اس ٹوہ میں رہتے ہیں کہ اپنے مال کو دوسری

منڈیوں میں اوروں کی نسبت زیادہ فروخت کریں۔﴿۱۲۸﴾اس مادیت پرستی کا اثر یہ ہے کہ ہر طرف مادہ ہی بنیاد ہے اس کے گرد دنیا گھوم رہی ہے۔ دنیا میں ہر لڑائی کی بنیاد مادہ اور معاشی پہلو ہے۔ پروفیسر جوڈ نے سچ ہی کہا ہے: جو نظریہ حیات اس زمانہ میں مستولی ہے اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ ہے دوسرے لفظوں میں ہر مسئلے کو پیٹ یا جیب کے نقطہ نظر سے دیکھنا اور جانچنا۔ ﴿۱۲۹﴾ الیکسس کیریل (Alexis Carrel) نے اپنے کتاب انسان نامعلوم میں لکھا ہے: ہماری تہذیب کی یہ مادہ پرستی نہ صرف فکر انسانی کی صحیح پرواز میں حائل ہے بلکہ اس نے غور وفکر کو بھی ختم کر دیا ہے۔ ﴿۱۳۰﴾ لوئس فشر نے بھی اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے: "عہد جدید کے فتنہ کی اصل جڑ یہی ہے کہ انسان کے پیش نظر کوئی اصول نہیں بلکہ فوری نفع ہے اسلئے وہ ظلم وعدوان کے ہاتھوں بک گیا ہے۔ ﴿۱۳۱﴾ اسی طرح پروفیسر ساروکن (Sorokin) نے لکھا ہے:

اخلاقی قدریں بالکل مٹ چکی ہیں .... مسیحت کے اصول "الفت" کی جگہ اب "نفرت" نے لی ہے۔ یہاں فرد اور فرد کے درمیان منافرت ہے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے خلاف برسرپیکار ہے۔ قومیں قوموں کے خلاف، ریاستیں ریاستوں کے خلاف اور نسلیں نسلوں کے خلاف صف آراء ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" ایسے مزموم اصول کی پوری دنیا پر فرماں روائی ہے۔ ﴿۱۳۲﴾ پروفیسر ساروکن ہی دوسری جگہ جنگ وجدل کا تجربہ پیش کرتا ہے اور مستقبل کی مادی جنگ کا نقشہ پیش کرتا ہے۔

" حسی خواہشات کی کوئی حد نہیں ہوتی اس لئے اس کی تسکین کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ جہاں جسمانی لذت کے چند لوازم فراہم کرنے کے لئے ان گنت لوگ بیتاب ہوں۔ وہاں ان کا کمیاب ہو جانا ناگزیر ہے اور ان کی کمیابی ہی عہد حاضر کی جنگ وجدل کا سب سے بڑا سبب ہے۔ ان حالات میں یہ ضروری ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ جنگ وجدال زیادہ شدت اختیار کرے گا۔ ﴿۱۳۳﴾

شروع دن سے، جب سے جدید دور نے آنکھ کھولی ہے (بلکہ قدیم دور سے ہی) ،لڑائی کے اردگرد مادہ پرستی ہی گھومتی ہے۔ سپین اور امریکہ کی 1898ء کی جنگ جس میں امریکی عوام نے پہلی دفعہ اپنے آپ کو عالمی طاقت منوایا اور ہسپانوی، امریکی لڑائی امریکہ کی تاریخ میں ایک اہم انقلاب تھا۔ "Neverthless, The Spanish- American war did mark a Turning point in American history". ﴿۱۳۴﴾

اس جنگ میں امریکہ نے فلپائن، کیوبا، پیورٹو (Puerto) ریکو (Rico) اورتھوڑی دیر بعد مانا پر قبضہ کیا تھا۔ان جنگوں کی اصل جڑ معاشی اور تجارتی مسئلہ تھااور امریکہ اپنے لئے بحری راستے ہموار کرنا چاہتا تھا کہ اپنی تجارت کو وسعت دے سکے۔ 1894-95ء میں جب جاپان نے چین کو شکست دی تو جاپان کے معاشی اور تجارتی فوائد کو دیکھ کر مغربی اور امریکہ بھی ان معاشی، مادی اور تجارتی مفادات کے لئے بے تاب ہوگئے ۔ روس نے مینشوریہ (Manchuria) ، جرمنی نے پورٹ کیو چوو (Kiaochow) کو لیز پر لیتے ہوئے شان ٹنگ Shantung صوبے پر قبضہ کرلیا۔فرانس نے بھی بہت سے فوائد حاصل کئے۔﴿۱۳۵﴾ امریکہ بھی اس تجارتی کھیل میں داخل ہوااور 1914ء میں اوپن ڈور پالیسی (Open Door Policy) مسلط کی۔﴿۱۳۶﴾ جنگ عظیم اوّل میں 28 جولائی 1914ء میں آسٹریا نے سربیا کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تو مادی مفادات کی خاطر روس اور فرانس نے سربیا جبکہ جرمنی نے آسٹریا کا ساتھ دیا جس سے آسٹریا اور سربیا کی جنگ نے عالمی جنگ کی شکل اختیار کرلی ۔جرمنی نے بیلجیئم کی طرف سے فرانس پر حملہ کیا تو انگلینڈ نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔12 مارچ 1917ء کو جرمنی نے امریکہ کا بحری جہاز ڈبودیا جس میں 25 امریکی مر گئے۔امریکہ کوئی بہانہ ڈھونڈتا تھا کہ جنگ میں کودے۔لہٰذا امریکی کانگریس نے 6 اپریل 1917ء کو جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔یہ ساری جنگ مادی مفادات کے گرد گھومتی ہے۔

جنگ کے خاتمے کے لئے جو 14 نکات پر مشتمل فارمولا صدر (امریکہ) ولسن نے پیش کیا تھا جسے "ولسن کے 14 نکات" کہتے ہیں۔وہ بھی مادی معاشی اور تجارتی مفادات پر مشتمل تھا۔یعنی بحری راستے کھلے رکھنا Freedom of the sea in the world معاشی پابندیوں کو آپس میں اٹھانا Removal of the Economic Barriers between the Nations پھر 1917ء میں ہی روس میں اشتراکی انقلاب آیا جس کی بنیاد صرف اور صرف مادی تھی۔1899-1900 میں برطانیہ اور امریکہ کی چین میں اوپن ڈور پالیسی (Open Door Policy) ہو یا امریکی صدر W.H. TAFT کی Dollar Diplimacy (1909-13) سب مادہ کے گرد گھومتی ہیں۔دوسری جنگ عظیم بھی پہلی جنگ عظیم کی طرح تجارتی اور مفادات کی جنگ تھی۔

دوسری جنگ عظیم میں جولائی 1940ء سے اگست 1945ء تک امریکی فیکٹریوں نے تین لاکھ (300,000) جنگی جہاز، 86000 ٹینک 30,00,000 (تیس لاکھ) مشین گنیں، 71,000 بحری جہاز اور باقی بہت سارا ساز وسامان تیار کیا۔

﴿۱۳۷﴾ 4اپریل 1949ء کو امریکہ، برطانیہ، فرانس اور دوسری نو ریاستوں نے مل کر NATO کے نام سے جو معاہدہ اور Allaince بنایا اس کی ساری تاریخ بھی مادی اور حفاظتی ہے تا کہ مغرب کو ہر قسم کا تحفظ مل سکے۔ 1950ء کو کوریا کی جنگ میں امریکی مداخلت کی وجہ سے جو تباہی ہوئی اس کے محرکات بھی مادی ہیں۔ اس جنگ میں جنوبی کوریا کے 260,000، امریکہ کے 1,35,000 دوسری قوموں کے 12,000 ہلاک یا غائب (Miss) ہوئے اور کمیونسٹوں کے تقریباً 15,00,000 ہلاک ہوئے۔ ﴿۱۳۸﴾

امریکہ کوریا سے تقریباً 7000 میل دور ہے اس کے اس جنگ میں کودنے کے لئے مادی اور تجارتی مفادات تھے۔ اسے پتہ تھا کہ اگر اس ریجن میں کمیونسٹوں کا مکمل کنٹرول ہو گیا تو اس کے مفادات کو ٹھیس پہنچے گی۔

1990ء کی پہلی خلیجی جنگ یا اس سے پہلے افغانستان میں روس کا قبضہ اور امریکی مداخلت، معاونت نائن الیون کے بعد افغانستان پر چڑھائی یا عراق پر قبضہ یہ سارے ڈرامے مادی مفادات کے حصول کے لئے ہیں۔ افغانستان کے ذریعے وسط ایشیائی ریاستوں تک رسائی جو (یعنی قازقستان، ازبکستان، ترکمانستان وغیرہ) قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ عراق پر قبضہ اس لئے تا کہ مشرق وسطیٰ کے وسائل کو اپنے ہاتھ میں لیا اور رکھا جا سکے اور اسرائیل کا چاروں اطراف سے تحفظ ہو سکے۔ ورنہ صدر صدام کے عراق میں عام تباہی (mass destructive) یا ایٹمی اسلحہ نہیں تھا۔

عراق کی جنگ ایک ایسی جنگ تھی جس کے لئے امریکہ کو پوری دنیا نے روکا۔ چین نے عراق کے خلاف قرارداد منظور ہونے سے 38 بار روکا۔ تاریخ کی یہ ایک ایسی جنگ تھی جس کو دنیا کے کسی ملک نے تسلیم یا پسند نہیں کیا۔ دنیا بھر میں وسیع تر مظاہرے ہوئے۔ یورپ جو اس جنگ میں امریکہ کا اتحادی تھا اس نے اس جنگ کی بھرپور مخالفت کی یورپ میں تاریخ کے بے مثال مظاہرے اور جنگ کی بھرپور مخالفت ہوئی۔ چین اور روس بھی جنگ کو روکنے میں پیش پیش تھے۔ سلامتی کونسل میں بھرپور مخالفت کی گئی۔ پھر جس کسی نے امریکہ کی حمایت میں عراق میں اپنی فوجیں بھیجیں سیاسی نقصان اٹھایا سپین کے وزیر اعظم انتخابات ہار گئے اور اپنا عہدہ گنوا بیٹھے۔ برطانیہ میں ٹونی بلیئر سیاسی قد اور شخصیت گنوا بیٹھے۔ اور قوم میں اعتبار کھو بیٹھے۔ حالیہ ضمنی انتخابات اس کا بین ثبوت ہے۔ پولینڈ کے صدر نے اعتراف کیا کہ کسی نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی کہ انہوں نے فوج عراق بھیجی۔ تھائی لینڈ، فلپائن اور اسپین اپنی فوجیں واپس بلا بیٹھے ہیں۔ ﴿۱۳۹﴾

جنگ کا جو جواز بنا تھا وہ جھوٹا ثابت ہو چکا۔اقوام متحدہ کے نمائندے "ہینس بلیکس" کی تحقیقاتی رپورٹ کو تسلیم نہیں کیا گیا کہ عراق میں وسیع تر تباہی کے کوئی ہتھیار نہیں ہیں۔ اندرونی رپورٹیں بتا رہی ہیں کہ صدر بش، وزیر خارجہ رمز فیلڈ، کونڈ ولیزا رائس، نائب صدر ڈک چینی کو جنگ کا جنون تھا۔قصہ تیل پر قبضہ کرنے کا تھا۔ایک لاکھ فوج مشرق وسطیٰ میں تعینات کرنا تھی۔ تاکہ عربوں کو بے بس کیا جاسکے۔ جو امریکہ کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں اور امریکی ڈکٹیشن کو قبول نہیں کرتے۔ اور سب سے اہم اسرائیل کا تحفظ کرنا تھا۔اس جنگ سے تقریباً 15 لاکھ عراقی اقوام متحدہ یا امریکہ کی پابندیوں کی وجہ سے فاقے سے مر چکے ہیں۔ اب لاکھوں لوگ جنگ میں مارے گئے ہیں۔ افغانستان اور عراق تباہ ہو چکا ہے۔لیکن امریکہ اور بعض مغربی ممالک، برطانیہ وغیرہ کو اس کی پرواہ نہیں۔ انہیں اپنے مادی مفادات عزیز ہیں۔ یہ ساری جنگ مادی مفادات کی ہے۔لہٰذا آج کی جنگ مفادات کی جنگ ہے۔ مادی اور معاشی جنگ ہے، اس کے ساتھ اصولوں کا کوئی تعلق نہیں۔

......☆......☆......☆......

حوالہ جات

۱۔ Longman Dictionary, page: 405

۲۔ النحل: ۹۰

۳۔ الحشر: ۷

۴۔ القصص: ۷۷۔

۵۔ النساء: ۲۹۔

۶۔ الجمعہ: ۹۔

۷۔ النور: ۳۷۔

۸۔ Castro, Josue De, "Geography of Hunder" (London)

۹۔ ۲۰۰۷ء میں۔

۱۰۔ النحل: ۹۰۔

۱۱۔ الشوریٰ: ۱۲۔

۱۲۔ الانعام: ۱۶۶۔

۱۳۔ بنی اسرائیل: ۲۱۔

۱۴۔ الزخرف: ۳۲۔

۱۵۔ سبا: ۳۹۔

۱۶۔ النحل: ۷۱۔

۱۷۔ النساء: ۲۹۔

۱۸۔ البقرہ: ۲۹۔

۱۹۔ ابراہیم: ۳۲ تا ۳۴۔

۲۰۔ الاعراف: ۳۲۔

۲۱۔ المائدہ: ۸۸۔

۲۲۔ البقرہ: ۱۶۸۔

۲۳۔ الاعراف: ۳۱۔

۲۴۔ الحدید: ۲۷۔

۲۵۔ النساء: ۲۹۔

۲۶۔ تجارت سے مراد ہے اشیاء اور خدمات کا تبادلہ بالعوض الخصائص لا حکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۰ مطبعہ الھبہ مصر ۱۳۴۷۔

۲۷۔ ترمذی بحوالہ اسلامی نظریہ حیات، خورشید احمد، ص: ۴۵۸۔

۲۸۔ آل عمران: ۱۳۰۔

۲۹۔ البقرہ: ۱۸۸۔

۳۰۔ المائدہ: ۳۸۔

۳۱۔ النساء: ۱۰۔

۳۲۔ المطففین: ۱ تا ۳۔

۳۳۔ النور: ۳۳۔

۳۴۔ البقرہ: ۲۷۵۔

۳۵۔ التوبہ: ۳۴۔

۳۶۔ الحشر: ۷۔

۳۷۔ التوبہ: ۶۰۔

۳۸۔ المنافقون: ۱۰۔

۳۹۔ البقرہ: ۱۹۵۔

۴۰۔ الہمزہ: ۱ تا ۳۔

۴۱۔ التکاثر: ۱ تا ۴۔

۴۲۔ القصص: ۵۸۔

۴۳۔ سبا: ۳۴ تا ۳۵۔

۴۴۔ الانعام: ۱۴۱۔

۴۵۔ الاسراء: ۲۶۔۲۷

۴۶۔ الاعراف: ۳۱

۴۷۔ القصص: ۷۷

۴۸۔ البقرہ: ۲۱۹

۴۹۔ البقرہ: ۱۷۷

۵۰۔ النساء: ۳۶ تا ۳۸

۵۱۔ الدھر: ۸ تا ۹

۵۲۔ الحج: ۷۸

۵۳۔ البقرہ: ۳

۵۴۔ الانبیاء: ۷۳

۵۵۔ البینۃ: ۵

۵۶۔ مریم: ۵۴تا۵۵

۵۷۔ البقرہ: ۸۳

۵۸۔ التوبہ: ۱۰۳

۵۹۔ تفصیلات کیلئے مولانا سوہاروی کی کتاب اسلام کا اقتصادی نظام

۶۰۔ الحج: ۴۱

۶۱۔ آل عمران: ۱۳۰

۶۲۔ البقرہ: ۲۷۵

۶۳۔ البقرہ: ۲۷۸

۶۴۔ البقرہ: ۲۷۹

۶۵۔ البقرہ: ۲۷۶

۶۶۔ الروم: ۳۹

۶۷۔ ہود: ۶

۶۸۔ الذاریٰت: ۲۲

۶۹۔ ایضاً: ۵۸

۷۰۔ الانعام: ۱۵۲

۷۱۔ البقرہ: ۲۹

۷۲۔ K.K Devit, Modern Economic Theory P.# 640

۷۳۔ Saeed A Nasir, Economics of Pakistan Page: 1

۷۴۔ خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات ص: ۴۴۷

۷۵۔ S.H. Frenkle, The Economic impact on under developed contries P:78

۷۶۔ المائدہ: ۲

۷۷۔ E.D Donar "Economic growth on Economic approach, American Economic review, Vol, XVII, No.2 May 1952 Page: 481

۷۸۔ میخائل ٹوڈیرو بحوالہ اکنامکس آف پاکستان، ناصر، ص: ۲

۷۹۔ الاسلام والحضارۃ العربیۃ، ج،۲ ص : ۱۲۸

۸۰۔ ابن کثیر، ج:۷، ص : ۲۱۳

۸۱۔ اشہر مشاہیر الاسلام، ج: ۴، ص : ۷۴۹

۸۲۔ سیرت عمر بن الخطاب، بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام، مولنا حفظ الرحمٰن سوہاروی، ص ۱۰۳

۸۳۔ ابن کثیر، سورۃ حجرات۔ مجمع الذوائد، باب البر والصلۃ

۸۴۔ ترجمان القرآن، ج: ۲

۸۵۔ تاریخ معاشیات (جامعہ عثمانیہ دکن کی چھپی ہوئی ترمیم شدہ)، از کیلس اگرام ص : ۳۴

۸۶۔ یورپ کے تین معاشی نظام، مفتی محمد رفیع عثمانی، ادارہ المعارف، کراچی، ص : ۱۳

۸۷۔ خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات ص : ۶۳

۸۸۔ اٹلی کا مشہور ماہر فلکیات، حسابدان اور طبیعات کا ماہر تھا۔ ۱۶۳۳ء میں اسے مجبور کیا گیا کہ اپنے نظریہ سے انکار کرے۔

۸۹۔ تاریخ انقلاب، ابوسعید بزمی اور ایچ جی ویلز

۹۰۔ تاریخ کلیسا، رومۃ الکبریٰ، پادری خورشید عالم، تفصیلات ص ۱۴۰ تا ۱۴۲

۹۱۔ Plato, Republic Book V

۹۲۔ Amborse, Duties of the Clergy

۹۳۔ عبدالحمید صدیقی، انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام ص : ۱۰۴ تا ۱۰۵۔ مودودی، اشتراکیت اور اسلام ص :۲۷

۹۴۔ تاریخ ابن خلدون اور الملل والنحل، بحوالہ "یورپ کے تین معاشی نظام"، مفتی محمد رفیع عثمانی ص : ۵۳

۹۵۔ کارل مارکس اور اس کے نظریات، ص : ۳

۹۶۔ انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام، ص : ۱۰۷

۹۷۔ یورپ کے تین معاشی نظام، ص : ۶۶

۹۸۔ ایضاً

۹۹۔ مارکس کی زندگی کا زیادہ تر مواد کارل مارکس اور اس کے نظریات، لینن اور سلور ڈوری کی کتاب "The rise of communism" سے لیا گیا ہے

۱۰۰۔ خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، ص : ۸۹، انسانی کی تعمیر نو اور اسلام ص:۱۰۸

۱۰۱۔ جس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے آنے سے اور پھر اشتراکی انقلاب کے بعد، نئے نئے نظام زندگی متعارف ہوئے

۱۰۲۔ Class of works who won little or no property and have to work for wages.

۱۰۳۔ مسعود عالم ندوی، اشتراکیت اور اسلام ص : ۷۲

۱۰۴۔ قدر زائد (Surplus Value)

۱۰۵۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، ص : ۹۵

۱۰۶۔ عبدالحمید صدیقی، انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام، ص : ۱۱۶

۱۰۷۔ Socialist Manifesto

۱۰۸۔ Lenin, by David Shub, Page:316

۱۰۹۔ Lenin, Page:348

۱۱۰۔ انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام، ص : ۱۴۳

۱۱۱۔ ایضاً

۱۱۲۔ ایضاً

۱۱۳۔ ڈیلی گزٹ کراچی، مورخہ ۵،۶ جون، ۱۹۳۴ء

۱۱۴۔ State and Revolution

۱۱۵۔ Stalen's Seventeenth Congress of C.P.N.S.I.W, 1934

بحوالہ انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام، ص : ۱۵۴

۱۱۶۔ Trotsky, "Revolution Betrayed"

۱۱۷۔ (ورکس فرنٹ) بحوالہ انسانیت کی تعمیرنو اور اسلام، ص :۱۵۶

۱۱۸۔ ایضاً ص : ۱۵۲

۱۱۹۔ ایضاً

۱۲۰۔ Russia Under Soviet Rule

۱۲۱۔ وکٹر کریوشنکو، I Choose Freedom

۱۲۲۔ D.I.Dallin " Forced Labour in Russia"

۱۲۳۔ ایضاً

۱۲۴۔ مثلاً شمالی کوریا (اشتراکی) اور جنوبی کوریا (سرمایہ دار)، کیوبہ اور امریکہ، مشرقی یورپ اور مغربی یورپ

۱۲۵۔ سوویٹ کمیونزم، ص : ۱۴۴

۱۲۶۔ Jode, The Philisophy of our Time

۱۲۷۔ Linyuton, Between tears and laughter

۱۲۸۔ ایضاً

۱۲۹۔ Jode, The Philisophy of our Time

۱۳۰۔ Carel, Man the Unknown

۱۳۱۔ لوئس فشر، (The great challanges)

۱۳۲۔ The crisis of our age

۱۳۳۔ ایضاً

۱۳۴۔ Allen Nevins, Pocket history of the united states

۱۳۵۔ ایضاً

۱۳۶۔ ایضاً ص : ۳۶۸

۱۳۷۔ Allen Nevins, Pocket history of the united states Page: 440

۱۳۸۔ ایضاً

۱۳۹۔ یہ سارے واقعات ۲۰۰۴ء کے آخر تک کے ہیں۔

.....☆.....☆.....☆.....

باب دوم

مسلم اُمہّ کا معاشی پس منظر

فصل اوّل

اسلام سے پہلے عربوں کی معشیت:

"عرب ان اقوام میں سے ایک ہے جن کو مؤرخین اپنی اصطلاح میں "سامی" اقوام ﴿۱﴾ (سام بن نوح کی اولاد) کہتے ہیں جو بابلیون، اشوریوں، عبرانیون، فینقیوں، آرامیوں اور حبشیوں پر مشتمل ہے ﴿۲﴾۔

اکثر کے نزدیک اس کی جڑ عراق ہے، یہ قومیں بہت قدیم زمانہ میں منتشر ہوگئی تھیں، پھر بابلیوں اور اشوریوں نے عراق میں سکونت اختیار کر لی فینقیوں نے شام اور عبرانیوں نے فلسطین جبکہ حبشیوں نے حبشہ میں سکونت اختیار کر لی عرب اقوام کو مؤرخین تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ بائدہ ۲۔ عاربہ ۳۔ مستعربہ

۱۔ بائدہ: عاد۔ ثمود طسم اور جدیس۔ اس کے مشہور قبیلے ہیں۔

۲۔ عاربہ: یمنی باشندے جن کا نسب یعرب بن قحطان سے ملتا ہے۔ انہیں یمنیوں میں حمیر کے قبیلے ہیں۔ قبائل کہلان جن میں ہمدان، طئی، ندحج، کندہ اور لخم مشہور ہیں۔ لخم کی اولاد میں منذر اور حیرہ ہیں۔ ازد سے اوس اور خزرج مدینہ میں اور غسانہ شام میں سکونت پذیر ہوئے۔ یمن میں حمیر کی حکمرانی تھی۔

۳۔ مستعربہ: یہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد تھی۔ ان کے مشہور قبائل ربیعہ، مضر، انمار اور ایاد ہیں۔ اسی سے آگے چل کر قریش اور پھر عبدالمطلب اور پھر آنحضرت ﷺ۔

معاشی سرگرمیاں:

عرب میں دو قسم کے لوگ رہتے تھے۔ ۱۔ شہری۔ ۲۔ خانہ بدوش

شہری (Settled) لوگوں کا ذریعہ معاش عام طور پر تجارت تھا اور وہ آس پاس کے ملکوں میں تجارت کی غرض سے آتے جاتے تھے۔ جبکہ خانہ بدوش لوگوں کا ٹھکانہ ایک نہ تھا۔ وہ پانی اور جنگلی گھاس اور چارہ کی تلاش میں سارا سال گھومتے رہتے اور جہاں پانی اور سبزہ ملتا وہ وقتی طور پر ٹھہر جاتے۔ خود بھی گزارہ کرتے اور اپنے جانوروں کو بھی پالتے۔ دوسرا کام اُن کا لوٹ مار تھا۔ تجارت کے حوالے سے یمن کے باشندے ایک زمانہ میں مشہور تھے۔ اس کے بعد اس میں قریش مکہ بھی داخل ہو گئے۔ قدیم زمانہ میں یمنی حضرموت، ظفار ہندوستان، افریقہ اور بحرین سے سامان تجارت لا کر مصر، شام اور آس پاس کی منڈیوں اور بازاروں (عکاظ وغیرہ) میں بیچتے تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں یمنی کمزور ہو گئے۔ حالات ناموافق ہو گئے۔ قریش تجارت میں آگے نکل گئے اور یمنیوں کی جگہ لے لی۔ چنانچہ یہ لوگ اب یمنیوں اور حبشیوں سے سامان تجارت خریدتے اور مصر کے بازاروں میں بیچتے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

لایلف قریش الفهم رحلة الشتاء والصيف "۔

اصل میں کسی علاقے کے لوگوں کی عادتیں اور اخلاقی و معاشی سرگرمیوں وہاں کی آب وہوا سے بہت متاثر ہوتی ہیں۔ عرب ایک جزیرہ نما ہے۔ جہاں کی زمین خشک اور بنجر ہے۔ بارش کی قلت اور چشموں اور نہروں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ زمین نہ تو زراعت کے قابل ہے نہ شہری زندگی کے قابل۔ اسی لئے فطری تقاضوں کے مطابق وہاں کے باشندے دیہاتی اور خانہ بدوش زندگی گزارتے تھے۔ خیموں میں رہتے اور مویشی پال کر ان کے دودھ اور گوشت سے زندگی کی گاڑی چلاتے۔ ان کی اون اور بالوں سے لباس و پوشاک تیار کرتے اور جانوروں کو چرانے کی خاطر سبزہ زاروں اور بارانی علاقوں کی تلاش میں پھرتے رہتے تھے۔ البتہ قریش اور قحطانی اس سے مستثنیٰ تھے۔ یہ شہری زندگی گزارتے تھے۔ قریش کی خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے اپنے بیرونی تجارتی سفر میں بے خوفی تھی۔ ان کے سامان کی عزت اور احترام کی وجہ سے عام طور پر لوٹ مار نہیں ہوتی تھی۔ اور قحطانی اس لئے کہ ان کا علاقہ سرسبز و شاداب تھا۔ وہاں پھلوں اور غلہ کی فراوانی تھی لیکن جب کبھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط کا وقت ہوتا تو وہ آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور لوٹ لیتے۔ ان کی طبیعتیں بگڑ گئی تھیں۔ ایرانی اور رومی سلطنتوں کی سرحدیں عربوں سے ملتی تھیں۔ یہ عرب لوگ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے اور موقع پا کر ایرانی اور رومی علاقوں میں حملہ کرتے اور مال لوٹ لیتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ صحرا میں رہتے تھے لوٹ مار کر کے صحرا میں غائب ہو جاتے اور یہ حکومتیں ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتی تھیں۔ اس لئے ایران نے حملوں سے بچنے کے لئے اپنی

سرحد سے متصل "حیرہ" کی عربی ریاست قائم کی اور رومیوں نے "غسانیوں" کی۔ تا کہ عربوں سے یہ ریاستیں نپٹ لیا کریں اور وہ محفوظ رہیں۔ حیرہ کی ریاست کوفہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی۔ ایران کا بادشاہ اس کا والی مقرر کرتا اور معمولی رقم بطور خراج وصول کرتا۔ حیرہ کے پہلے والی "عمرو بن عدی" کو ساپور اول بن اردشیر نے ۲۶۸ء میں مقرر کیا۔ ﴿۳﴾

رومیوں نے شام کی سرحدوں پر غسانی ریاست قائم کی۔ پایہ تخت "جلق" تھا۔ حضرت حسان نے شاہان غسان اور جلق کی تعریف میں والہانہ شاعری بھی کی۔ ﴿۴﴾

اس کا سب سے مشہور والی الحارث بن جبلہ ہے جس کو شہنشاہ کوستیان نے ۵۲۹ء میں والی مقرر کیا۔ ﴿۵﴾

عربوں کی زندگی میں اونٹ سب سے زیادہ اہم چیز تھی بلکہ اونٹ ان کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی تھی۔ خانہ بدوش زندگی میں تو اونٹ ہی ان کی تجارت، روزگار حتیٰ کہ ان کی بقاء کا ذریعہ ہے۔ پی۔ کے۔ ہٹی (P.KHitti) کہتا ہے۔

If The horse is The most noble of The conquests of man, The camel is certainl from The Nomad's point of view The most useful. Without it The desert could not be conceived of as a habitable place. The camel is The Nomad's mourisher, his vehicle of transportations and his medium of exchange. ﴿۶﴾

آگے چل کر ہٹی کہتا ہے کہ "عربوں کی معاشی زندگی میں اونٹ کے کردار کا اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتاہ کہ عربی زبان میں اونٹ کیلئے تقریباً ایک ہزار لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں صرف تلوار ہی ہے جس کیلئے اس قدر تعداد میں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ﴿۷﴾

اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا تھا: عربی صرف وہاں خوشحال ہوتا ہے جہاں اونٹ خوشحال ہوتا ہے Arab prospers only where The camel prospers اس طرح عمان اور خلیج فارس میں نمک کی کانیں اور اونٹ انڈسٹری وہاں کی آمدن کے اہم ترین وسائل تھے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ گھوڑا اور اونٹ عربوں کی معیشت اور زندگی میں اہم ترین باب ہیں۔

عرب معیشت میں میلے اور بازار کا کردار:

عرب والے تجارتی غرض کیلئے سال کے مختلف مہینوں میں مختلف مقامات پر میلے اور بازار لگایا کرتے تھے اور ایک بازار سے دوسرے بازار میں آمدورفت کرتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپس میں تبادلہ خیال بھی رہتا تجارت بھی پروان چڑھتی رہتی، کاروبار اور لین دین کا لوگوں کا فائدہ ہوتا اور ساتھ ادبی یعنی شعروشاعری کی مجلسیں بھی جمائی جاتی تھیں۔ خطبے بھی دیئے جاتے تقریریں بھی کی جاتی تھیں مقدمات بھی بڑے بڑے لوگوں کے سامنے پیش ہوتے اور ان کا فیصلہ ہوتا۔ یہ میلے تجارتی لحاظ سے اسی طرح ہوتے جس طرح آجکل یورپ خاص طور پر جرمنی اور جاپان میں لگتے ہیں جنہیں Exhibition کہتے ہیں۔ ان تجارتی منڈیوں اور بازاروں میں سب سے اہم ۱۔ عکاظ ۲۔ مجنۃ ۳۔ ذوالمجاز کے میلے تھے۔

1۔ عکاظ:

عکاظ کا میلہ ان میں سب سے اہم ہوتا تھا۔ یہ نخلہ اور طائف کے درمیان مکہ سے تین منزل دور مسافت پر ایک بستی ہے۔ ۵۴۰ء میں یہ شروع ہوا تھا۔ اسلام کے بعد بھی جاری رہا۔ ۱۲۹ھ میں خوارج کی لوٹ مار سے یہ سلسلہ بند ہوا۔ ﴿۸﴾

۲۔ ذوالمجاز:

ذوالمجاز عرفات کے پیچھے ایک مقام ہے۔ ﴿۹﴾

مجنۃ مکہ سے کچھ میلوں کے فاصلے پر نشیبی علاقہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ ﴿۱۰﴾

مکہ کی مرکزیت اور قریش کا کاروبار:

عربوں کی معاشی اور کاروباری ترقی میں مکہ کا بہت ہاتھ ہے مکہ ہی کی وجہ سے قریش باقی عربوں اور علاقوں سے زیادہ خوشحال تھے چھٹی صدی عیسوی کے وسط سے یہ علاقہ ان قافلوں کے پڑاؤ کی جگہ تھی جو ہندوستان اور یمن کا تجارتی مال لے کر جنوبی سمت سے آتے تھے مکہ والے ان سے تمام مال خرید کر خود اس مال کو مصر اور شام کے بازاروں میں کھپاتے تھے۔ خانہ کعبہ کی حرمت، عزت اور قریش کی بزرگی پر تمام قبائل کے اتفاق نے مکہ کے تجارتی راستے ان کے لئے پرامن بنادیئے تھے۔ چنانچہ قریش اپنے مال

کے لدے ہوئے قافلے بے خوفی سے لے جاتے تھے۔ ﴿۱۱﴾

آہستہ آہستہ قریش مکہ تجربہ کار بن گئے۔ دور دراز سے لوگ حج کرنے کیلئے مکہ آتے۔ ایک وقت آیا کہ مکہ ہی تجارتی مرکز بن گیا لوگ حج کرنے آتے اور اپنی ضرورتوں کا سامان بھی وہاں سے خریدتے جس کا زیادہ تر فائدہ قریش کو ہوتا قریش اور مکہ کی تجارت کو زیادہ ترقی ہاشم نے دی۔ عبدالدار کے خاندان کے ساتھ ہاشم اور اس کے بھائیوں نے جنگی تیاریوں کے بعد جب صلح کی تو سقایہ اور رفادہ کے شعبے ہاشم کے سپرد ہوئے۔ ہاشم نے اپنے فرائض نہایت ہی خوبی سے سرانجام دیئے۔ حجاج کو نہایت ہی اچھے طریقے سے کھانا کھلاتے اور چرمی حوضوں میں پانی بھر کر منی اور کعبے کے پاس سبیل رکھتے تھے۔

قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش کے لوگ جب اس کے ملک میں اسباب تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ ﴿۱۲﴾

حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی طرح کا فرمان لکھوایا۔ چنانچہ اہل عرب خاص طور پر مکہ والے قریش، جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیا کوچک تک تجارت کیلئے جایا کرتے تھے اس زمانہ میں انگوریہ (انقرہ) جو ایشائے کوچک کا مشہور شہر ہے، قیصر کا پایہ تخت تھا۔ قریش کے تاجر انگوریہ میں جاتے تو قیصر نہایت عزت و حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔ ﴿۱۳﴾

عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل سے ملاقاتیں کیں۔ خانہ کعبہ کی وجہ سے عرب کے قبائل، قریش مکہ کی عزت و توقیر کرتے تھے۔ ہاشم نے ان قبائل کے ساتھ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروان تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں اس کے بدلے قریش ان قبائل کے پاس اشیاء تجارت خود لے کر جائیں گے اور ان سے خرید و فروخت کریں گے۔ اسی وجہ سے عرب میں باوجود لوٹ مار کے، قریش کا تجارتی مال لوٹ مار سے محفوظ رہتا۔ ایک دفعہ مکہ میں شدید قحط پڑا اور ہاشم نے روٹیوں کا چورا کر کے لوگوں میں تقسیم کیا۔ عربی میں چورا کرنے کو ہشم کہتے ہیں جس کا اسم فاعل ہاشم ہے۔ ﴿۱۴﴾

اسلام سے پہلے سود (ربٰو) کا لین دین :

قرآن پاک میں: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ ﴿۱۵﴾

پھر فرمایا: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ

مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج ﴾ ﴿۱۶﴾۔ حجۃ الوداع میں (۱۰ ہجری) آپ ﷺ نے فرمایا میں جاہلیت کے تمام سود ساقط کرتا ہوں سب سے پہلے میں خود اپنے چچا عباس کا سود ساقط کرتا ہوں۔

سود کیا ہے؟:

حضرت مجاہد فرماتے ہیں: **قال فی الربوا الذی نهی الله عنه كانوا فی الجاهلية يكون للرجل على الرجل الذی فيقول لک کذا و کذا تو خر عنی فيوخر عنه** یعنی (مراد ربوا سے یہ ہے کہ اللہ نے جس ربوا سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جاہلیت میں ایک شخص کا کسی ایک شخص کے ذِمہ قرضدار کہتا کہ میں تجھے اتنا زیادہ دوں بشرطیکہ کہ تو مجھے مہلت دے۔

زمانہ جاہلیت میں کاروباری سود یعنی تجارتی بھی تھا۔اور زراعت پر بھی سلمان ندوی بحوالہ امام مالک فرماتے ہیں: قریش تجارت پیشہ تھے ان میں جو امیر اور دولت مند سوداگر تھے وہ غریبوں اور کاشتکاروں کو بھاری شرح سود پر قرض دیتے تھے اور جب تک قرض وصول نہ ہو جاتا اصل سرمایہ کو بڑھاتے جاتے۔ ﴿۱۷﴾ مفتی شفیع فرماتے ہیں کہ بنو ثقیف بڑا مالدار تھا اور تاجر پیشہ تھا۔ سودی کاروباری میں مصروف تھا۔اس قبیلے کا کاروبار سود کے ساتھ بنو مغیرہ کے ساتھ چلتا تھا۔ وہ بھی ایک تاجر پیشہ متمول قبیلہ تھا۔اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ یہ سب لین دین تجارتی اغراض کیلئے تھا ﴿۱۸﴾۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں: اس امر کا ذکر ضرور ملتا ہے کہ مدینہ کے زراعت پیشہ لوگ یہودی سرمایہ داروں سے سود پر قرض لیتے تھے اور خود یہودیوں میں باہم بھی سودی لین دین تھا۔ نیز قریش کے لوگ جو زیادہ تر تجارت پیشہ تھے، باہم سود لیتے دیتے تھے قرض کی ضرورت لازماً نادار آدمیوں ہی کو اپنی ذاتی ضروریات پوری کرنے کیلئے پیش نہیں آتی تھی بلکہ زراعت پیشہ افراد زرعی کاموں کیلئے اور سوداگروں کو اپنے کاروبار کیلئے بھی آتی تھی۔ ﴿۱۹﴾ امام واحدی نے بنی ثقیف اور بنو مغیرہ کا، حضرت عباس اور خالد بن ولید اور حضرت عباس اور حضرت عثمان کے سودی کاروبار کا ذکر گیا کہ یہ سودی لین دین کرتے تھے۔ ﴿۲۰﴾ اور حرمت والی آیت آئی۔

☆☆☆

فصل دوم

حضور ﷺ کی معاشی سرگرمیاں اور اصول

عرب خصوصاً قریش یعنی بنی اسمٰعیل ظہور اسلام سے سینکڑوں برس پہلے تجارت پیشہ تھے۔ آنحضرت کے جد اعلیٰ ہاشم نے قبائل عرب سے کئی تجارتی معاہدے کر کے اس خاندانی طریقہ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم کر دیا تھا۔ حضور ﷺ کے مہربان چچا ابو طالب بھی تجارت پیشہ تھے اور اکثر شام کو تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کو جب فکر معاش ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا۔ ﴿۲۱﴾ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ بھی آپ ﷺ بچپن میں ملک شام کا تجارتی سفر کر چکے تھے۔ اپنے چچا کی صحبت میں آپ ﷺ ہر قسم کا تجارتی تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ آپ ﷺ کے حسن معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی اور آپ ﷺ کو لوگ صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے۔ آپ ﷺ کو ہر کوئی اپنا شریک تجارت بنانا چاہتا تھا۔ ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے۔ مجاہد بن جبر جو مشہور مفسر گزرے ہیں، انہیں کے غلام تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ شرکاءِ تجارت کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت ہی صاف رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔ ﴿۲۲﴾

حضرت خدیجہ کے چچا زاد حکیم بن حزام قریش کے نہایت ہی معزز رئیس تھے۔ حضور ﷺ کے نبوت سے پہلے خاص دوست تھے۔ ہجرت کے آٹھویں سال تک ایمان نہیں لائے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کی خدمت میں، مدینہ منورہ میں ایک عمدہ حلہ لائے۔ آپ نے حلہ لینے سے انکار کر دیا کہ میں مشرکوں کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہوں۔ پھر مجبور ہو کر انہوں نے قیمت لی اور آپ ﷺ نے وہ حلہ لیا۔ ﴿۲۳﴾

اچھے تاجر کے محاسن میں سب سے اہم چیز اچھی ڈیل، ایفائے عہد اور اتمام وعدہ ہوتا ہے۔ منصب نبوت سے پہلے مکہ کے یہ تاجر اس اخلاقی نظیر کے بہترین نمونہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن حمساء ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ نبوت سے پہلے میں نے حضور علیہ السلام سے کوئی خرید و فروخت کا معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ باقی تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہ رہا۔ تیسرے دن جب میں وعدہ کی جگہ پر پہنچا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام اسی جگہ منتظر کھڑے ہیں۔ لیکن اس وعدہ خلافی پر آپ ﷺ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف یہ فرمایا کہ آپ نے مجھے زحمت دی۔ میں تین دن سے اسی مقام پر کھڑا

ہوں۔ ﴿۲۴﴾

کاروبار اور تجارت کے معاملہ میں آپ ﷺ ہمیشہ اپنا معاملہ صاف رکھتے۔ دوست تو دوست دشمن بھی آپ ﷺ کی دیانت اور امانت پر انگلی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ سائب نامی صحابی جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو لوگوں نے ان کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا میں تم سے زیادہ انہیں جانتا ہوں۔ سائب نے کہا آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ﷺ میرے شریک تجارت تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ ((فکنت لا تداری و لا تماری)) ﴿۲۵﴾

حضرت خدیجہؓ سے شادی:

حضرت خدیجہؓ قریش کی ایک معزز اور مالدار خاتون تھیں۔ ان کی دو شادیاں پہلی ہو چکی تھیں۔ اب بیوہ تھیں۔ نہایت ہی شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کے لئے روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔ ﴿۲۶﴾

آپ ﷺ چونکہ تجارت کے حوالے سے، لین دین، امانت و دیانت، شرافت اور صداقت و پاکیزہ اخلاقی عادات میں مشہور ہو چکے تھے۔ لہٰذا حضرت خدیجہؓ نے ان وجوہات سے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر ملک شام کو جائیں۔ جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی۔ حضور ﷺ نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر بصریٰ، شام تشریف لے گئے۔ پی۔ کے۔ ہٹی (P.K.Hitti) کے نزدیک یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو باقاعدہ نوکری دی۔

"Khadija".....had taken Muhammad into her employ" ﴿۲۷﴾

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ جب نبی علیہ السلام جوان ہوئے تو آپ کا خیال پہلے تجارت کی طرف گیا۔ مگر گھر کا روپیہ پاس نہ تھا۔ مکہ میں نہایت ہی شریف خاندان کی ایک بیوہ عورت خدیجہؓ تھی۔ آنحضرت ﷺ اس کا مال لے کر تجارت کو گئے۔ اس تجارت میں بہت نفع ہوا۔ ﴿۲۸﴾

واپسی پر خدیجہؓ کے غلام میسرہ نے حضور ﷺ کے سفر اور تجارت کے واقعات تمام محاسن اور خوبیوں کے ساتھ بیان کئے جس طرح اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے واپس آنے کے تقریباً تین مہینے بعد آنحضرت ﷺ کو نکاح

کا پیغام بھیجا چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے چچا کے مشورے سے قبول کیا اور ابو طالب اور تمام روسائے خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے اور شادی ہوگئی۔ نکاح حضرت ابو طالب نے پڑھایا۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ شادی کے بعد آپ کی معاشی پریشانیاں ختم ہوئیں۔ آپ مسلسل تجارت کرتے رہے اور کئی علاقوں کا تجارتی سفر کیا۔

آنحضرت ﷺ نے تجارت کی غرض سے بہت سارے علاقوں کا سفر کیا۔ شام اور بصریٰ کے علاوہ بھی آپ تجارتی غرض سے مختلف مقامات، بازاروں اور میلوں میں گئے۔ جن میں "حباشتہ" کا ذکر ابن سید الناس نے کیا ہے۔ یمن میں مقام جرش بھی آپ گئے۔ اس کی تصدیق علامہ ذھبی نے بھی کی ہے۔ جرش میں آپ ﷺ دو دفعہ تشریف لے گئے ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا۔ ﴿۲۹﴾

بحرین سے جب عبدالقیس کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔ ﴿۳۰﴾

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط﴾

اور بے شک ہم ہی نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے سامان معاش پیدا کیا۔ (الاعراف۔۱۰)

حضور ﷺ علیہ السلام نے بے عملی بے روزگاری اور گداگری کو سخت ناپسند کیا اور اس پر سخت وعید سنائی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو زیب نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور رزق کی تلاش نہ کرے۔ اور یہ کہتا رہے کہ اللہ مجھے رزق عطا فرما تم کو اس کے لئے جدوجہد بھی کرنی چاہیے۔ ﴿۳۱﴾

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تمہارے لئے کام کرنا بہتر ہے بجائے اس کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر سوال کا داغ لئے ہوئے آؤ۔ ﴿۳۲﴾

کنز العمال میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنی روزی کی تلاش سے غافل ہو کر سوئے نہ

رہو۔ ﴿۳۳﴾

کنز الحقائق میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی شرافت غنا اور فراغ دستی میں ہے اور آخرت کی شرافت تقویٰ اور پرہیزگاری ہے دوسری جگہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة)) کہ حلال روزی تلاش کرنا اللہ کے فرض کے بعد (سب سے بڑا) فرض ہے۔ ﴿۳۴﴾

حضرت عمر رضی اللہ کا فرمان ہے: روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو ﴿۳۵﴾

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ صنعت وحرفت کے ذریعے روزی کی تکمیل انسان پر فرض کفایہ ہے۔ پھر فرمایا کہ بعض گناہوں کا کفارہ روزی کمانے میں مغمول ومتفکر رہنا ہے۔ ﴿۳۶﴾

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَاللّٰہِ الرِّزْقَ﴾ ﴿۳۷﴾

جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں۔ سو تم اللہ کے پاس سے روزی تلاش کرو۔

حضور ﷺ کے معاشی اصول:

اسلامی معیشت کے اصول جو قرآن وحدیث اور اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں ہمارے سامنے آتے ہیں ان کے مطابق کیا ایک شخص اپنی کسب معاش میں بالکل آزاد ہے کہ وہ جو طریقے چاہے اختیار کرے؟ یا اس کو بعض اصولوں کا پابند کیا گیا ہے یقیناً ایک انسان کو معاشی جدوجہد میں بعض اصولوں کا پابند کیا گیا ہے تاکہ اس کی معاش یا روزی کو فاسد ہونے سے بچایا جاسکے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دو اہم اصول بتائے ہیں۔

۱۔ ایک جو روزی حاصل کی جائے وہ حلال ہو۔

۲۔ دوسرا یہ کہ جن طریقوں سے یہ روزی حاصل کی جائے وہ طیب ہوں۔

قرآن میں ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ط﴾ ﴿۳۸﴾

اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ (البقرہ)

پھر فرمایا: ﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ ﴿۳۹﴾

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ط﴾ ﴿۴۰﴾

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ ﴿۴۱﴾

حضور علیہ السلام نے فرمایا: ((لا تشربوا فی آنیة الذهب والفضة)) ﴿۴۲﴾ سونے اور چاندی کے برتنوں میں مت پیو۔

حضور علیہ السلام نے مردوں کو ریشمی لباس سے منع فرمایا اور دیبا اور قز (موٹے ریشم) کے لباس سے، ریشمی گدوں پر بیٹھنے سے اور ارغوانی رنگ سے۔ ﴿۴۳﴾

حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس شخص کا گوشت پوست ظلم اور سود سے بنا ہے تو اس جسم کیلئے جہنم کی آگ زیادہ بہتر ہے۔

کسب معاش میں اسلامی نظام معیشت اس بات پر زور دیتا ہے۔ کہ "حلال" ہو، "حرام" نہ ہو اور روزی اور معیشت "طیب" ہو "خبیث" نہ ہو۔

خدا کا فرمان ہے: ﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج﴾ ﴿۴۴﴾

کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط﴾ ﴿۴۵﴾

اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو بے شک حد سے تجاوز کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ میں بہت مالدار ہوں اور میرے اہل وعیال بھی ہیں اور مہمان بھی بہت آتے ہیں تو آپ مجھے بتایئے کہ مال کس طرح خرچ کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مال میں سے پہلے زکوٰۃ نکال اگر نصاب زکوٰۃ میں آتا ہے اسلئے کہ زکوٰۃ مال کو خباثت سے پاک کر دیتی ہے پھر اقرباء کے ساتھ مالی صلہ رحمی کر۔ اور سائل، پردیسی اور مسکین کے حقوق کی نگاہ داشت کر۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس تمام تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں بیان فرما دیجئے کہ میں اس کو دستور زندگی بنالوں۔ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنادی۔

﴿فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ ط وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا ﴾ ﴿۲۶﴾ سائل نے سن کر عرض کیا یہ میرے لئے کافی ہے۔ (غریبوں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دواور ناحق ہر گز خرچ نہ کرو)

فصل سوم

ہجرت مدینہ اور اہل مدینہ کی معاشی حالت

اسباب۔ بیعت عقبہ اول:

جولائی ۶۲۰ء نبوت کے گیارہویں سال، رات کی تاریکی میں مکہ شہر سے چند میل کے فاصلے پر مقام عقبہ ﴿۴۷﴾ پر حضور ﷺ نے لوگوں کو باتیں کرتے سنا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ چھ آدمی تھے۔ ۳؎ خدا کے رسول نے انہیں دین اسلام کی باتیں سنائیں اور قرآن پاک کی آیات بھی سنائیں جن سے ان کے سینے روشن ہو گئے۔ ان لوگوں نے اپنے شہر (یثرب) کے یہودیوں سے بار بار سنا تھا ایک نبی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے۔ ﴿۴۹﴾ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مدینہ جا کر انہوں نے گھر گھر یہ خوشخبری سنانی شروع کر دی کہ وہ نبی جس کا سارے عالم کو انتظار تھا، آ گیا ہے۔ ان چھ آدمیوں نے حضور ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی قوم میں جا کر رسالت کی تبلیغ کریں گے۔ ﴿۵۰﴾ یہ یثرب کے عقلاء الرجال تھے۔ حال ہی میں ۶۱۶ء میں جنگ بعاث گزر چکی تھی جس نے مدینہ والوں کو چور چور کر دیا تھا انہوں نے کہا کہ "ہم اپنے پیچھے اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ کسی اور قوم میں ایسی عداوت اور دشمنی نہیں پائی جاتی۔ امید ہے کہ اللہ آپ کے ذریعے انہیں یکجا کر دے گا۔ ﴿۵۱﴾

نبوت کے گیارہویں سال میں یثرب کے جن چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا انہوں نے جا کر گھر گھر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال یعنی ۱۲ء نبوی کو بارہ آدمی یثرب سے حج پر تشریف لائے اور آپ سے عقبہ کے مقام پر بیعت کی۔ اسے بیعت عقبہ اول کہا جاتا ہے۔ ان اشخاص نے اس بات کی بھی درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کوئی معلم بھی بھیجا جائے۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر کو اس خدمت کیلئے بھیجا گیا ان بارہ آدمیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے۔ چوری نہ کرو، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، کسی پر بہتان نہ باندھو گے اور کسی بات پر میری نافرمانی نہ کرو گے۔ ﴿۵۲﴾ یثرب اسلام پھیلنے کے لئے زیادہ زرخیز (Fertile) تھا۔ مدینہ کے لوگ مکہ کی نسبت زیادہ نرم دل، بات زیادہ توجہ سے سننے والے اور جلدی ماننے والے تھے۔ جبکہ مکہ کے لوگ سخت دل، اکھڑ اور اپنے دین پر زیادہ پکے تھے۔ حالانکہ مکہ اور مدینہ کے بلکہ تقریباً تمام عرب کے باشندے زیادہ تر، مکہ والوں کی طرح بت

پرست تھے۔ مکہ میں تیرہ سالوں میں اسلام نے جتنی جگہ بنائی اتنی جگہ ایک سال میں مدینہ میں بن گئی۔ جب آپ نے حضرت مصعب بن عمیر کو اسلام کا معلم بنا کر بھیجا جس کو مدینہ والے "المقری" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر نے مدینہ میں حضرت اسعد بن ضرار کے گھر قیام کیا اور ان کا معمول تھا کہ وہ اور حضرت اسعد بن ضرار جو کہ مدینہ کے رئیس تھے، اور روزانہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، اُن لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور انہیں قرآن پڑھ کر سناتے۔ روزانہ ایک دو نئے آدمی مسلمان ہو جاتے۔ ﴿۵۳﴾

ایک دن مصعب نے انصار مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر میں کیسے دعوت دیں۔ ﴿۵۴﴾ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان قبائل کے سردار تھے۔ انہیں بھی ان کی سرگرمیوں کا علم تھا۔ چنانچہ سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا: تم کس غفلت میں پڑے ہو۔ دیکھو یہ دونوں (مصعبؓ اور اسعدؓ) ہمارے گھر میں آ جا رہے ہیں۔ اور ہمارے بے وقوفوں کو بہکانے لگے ہیں۔ تم جاؤ انہیں جھڑک دو کہ ہمارے محلوں میں پھر کبھی نہ آئیں۔ میں خود ایسا کرتا مگر اس لئے خاموش ہوں کہ اسعد میری خالہ کا بیٹا ہے۔ اسید بن حضیر اپنا ہتھیار لے کر روانہ ہوا۔ اسعد نے مصعب سے کہا کہ دیکھو یہ قبیلے کا سردار آ رہا ہے۔ خدا کرے کہ وہ تیری بات مان جائے۔ مصعب نے کہا کہ اگر وہ آ کر بیٹھ گیا تو میں ضرور اس سے بات کروں گا۔ اتنے میں اسید آ پہنچا اور گھوڑا کھڑا کر کے گالیاں دیتا رہا کہ تم ہمارے احمق نادان آدمیوں کو پھنسانے آئے ہو۔ مصعب نے کہا کہ کاش آپ بیٹھ کر کچھ سن لیں۔ اگر پسند آئے تو مان لیں اور اگر پسند نہ آئے تو چھوڑ جائیں۔ اسید نے کہا کہ خیر، کیا مضائقہ ہے۔ مصعب نے سمجھایا کہ اسلام کیا ہے؟ اور پھر اسے قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا۔ اسید نے سب کچھ چپ چاپ سنا بالآخر کہا کہ بتاؤ کہ جب کوئی تمہارے میں داخل ہونا چاہے تو تم کیا کرتے ہو۔۔۔۔ پھر اسید اٹھا، نہایا، کپڑے دھوئے۔ کلمہ پڑھا اور دو رکعت نفل پڑھے۔ پھر کہا کہ میرے پیچھے ایک اور آدمی ہے اگر وہ تمہارا پیروکار ہو گیا تو پھر تمہارا مخالف کوئی نہیں رہے گا۔ ﴿۵۵﴾ پھر اس طریقے سے مصعب کی وعظ پر سعد بن معاذ بھی مسلمان ہو گیا اور پھر سارا قبیلہ ہی اسلام لے آیا۔ ﴿۵۶﴾

مدینہ چونکہ مکہ کی نسبت نہایت زرخیز شہر تھا۔ لہٰذا مصعب بن عمیر کی دن رات کی تبلیغ سے مدینہ کے گھر گھر اسلام پھیلنے لگا۔ اور اسلام انصار کے تمام قبیلوں میں پھیل گیا۔

بیعت عقبہ ثانیہ۔ حضور ﷺ کے بارہ نقیب:

اگلے سال ۱۳ء نبوت میں ۷۳ مرد اور ۶ عورتیں یثرب کے قافلے میں مل کر مکہ روانہ ہوئے۔ انہیں یثرب کے اہل ایمان نے اس لئے بھی بھیجا تھا۔ کہ رسول ﷺ کو یثرب آنے کی دعوت دیں۔ حضور ﷺ نے اس گروہ سے اسی جگہ رات کی تاریکی میں اپنے چچا حضرت عباس (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کیساتھ ان سے ملاقات فرمائی۔ حضرت عباس نے یثرب والوں سے کہا کہ حضور ﷺ کو اپنے ساتھ سوچ سمجھ کر لے جانا یہ آسان کام نہیں۔ حضرت محمد ﷺ سے عہد و پیمان کرنا سرخ و سفید لڑائیوں کو دعوت دینا ہے۔ اگر تم حفاظت نہ کر سکو تو حضور ﷺ مکہ میں اپنی قوم میں محفوظ ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے یثرب والوں کو وعظ سنایا اور قرآن پاک کی تلاوت بھی فرمائی۔ جس کے سننے سے یثرب والے ایمان و ایقان سے بھرپور ہو گئے۔ اب سب نے عرض کی کہ خدا کا نبی ہمارے شہر میں جابسے تاکہ ہمیں پورا پورا فیض حاصل ہو۔

نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تم دین حق کی اشاعت میں میری مدد کرو گے؟ کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل وعیال کی طرح کرو گے؟ یثرب والوں نے پوچھا کہ ایسا کرنے پر ہمیں کیا اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت۔ ایمان والے یثربیوں نے کہا کہ ہماری تسلی کروا دیں۔ کہ آپ ہمیں کبھی چھوڑیں گے نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں: میرا مرنا اور جینا تمہارے ساتھ ہوگا۔ آخری فقرے پر عاشقان صداقت آگے بڑھے اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر جانثاری کی بیعت کی ﴿۵۷﴾۔

پھر حضور نے ان میں سے بارہ اشخاص کا انتخاب کیا۔ ان کا نام نقیب رکھا کہ یہ حضرت عیسیٰ کی طرح میرے نقیب ہیں اور مدینہ میں جا کر تبلیغ کریں۔ ﴿۵۸﴾

ہجرت سے پہلے مدینہ کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات:

مکہ میں صرف ایک طاقتور گروپ تھا اور وہ تھا قریش کا گروہ۔ اس کے پاس حکومت اور اختیار تھا اور تقریباً سارے مکہ والے بت پرست تھے۔ جبکہ مدینہ میں چھوٹے گروہوں کے علاوہ بڑے بڑے تین گروہ تھے یعنی ا۔ مسلمان، ۲۔ یہودی، ۳۔ مکہ کے بت پرست جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے عیسائی مذہب کے ماننے والے بھی تھوڑی تعداد میں تھے۔

انصار:

حضورعلیہ السلام کے آنے کے بعد یثرب کا نام مدینۃ الرسول رکھا گیا۔ پہلے اس کا نام یثرب ہی تھا۔ مکہ سے شمال مغرب کی طرف شام کے راستے تقریباً تین صد میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے تھے اور قحطان خاندان سے تعلق تھا یمن میں جب مشہور سیلاب آیا تو یہ لوگ اس سیلاب، جس کو "سیل عرم" کہتے ہیں، سے بچنے کے لئے یمن سے نکل کر یثرب آ گئے۔ اس خاندان کے بڑے دو بھائی تھے جن کا نام اوس اور خزرج تھا۔ تمام انصار انہی دو خاندانوں، اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ ﴿۵۹﴾

یہ خاندان جب یثرب میں آیا تو یہودی ان سے پہلے نہایت ہی اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ یہود مالدار تھے اور کاروبار عروج پر تھا اس خاندان نے اولاد کی کثرت کی وجہ سے دور بستیاں بنالیں اور دور دراز یہودیوں سے الگ رہنے لگے۔ لیکن آخرکار یہود کے زیادہ اثر و رسوخ کی وجہ سے ان کے قریب ہوئے اور ان کے حلیف بن گئے۔ ﴿۶۰﴾

اوس اور خزرج ایک مدت تک اکھٹے رہے۔ آخرکار آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہتے اور خون خرابہ اُن کا معمول بن گیا۔ ہجرت کے صرف چھ سال پہلے بعاث کی لڑائی ان دونوں کے درمیان لڑی گئی ﴿۶۱﴾۔ اس لڑائی میں دونوں خاندانوں کے نامور اشخاص لڑلڑ کر مر گئے ﴿۶۲﴾۔ انصار اب اتنے ضعیف ہو چکے تھے کہ انہوں نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہمیں حلیف بنالیجئے۔ ﴿۶۳﴾

آپس میں لڑائیوں کی وجہ سے انصار نحیف ہو گئے۔ چھوٹے موٹے کاروبار تھے۔ زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ یہودیوں سے بہت مرعوب تھے۔ ان کے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے۔ منتیں مانتے۔ انہیں سے ایک پیغمبر کے آنے کی معلومات تھیں اور جب انہوں نے مکہ میں پیغمبر دیکھ لیا جلد ہی اسلام قبول کر لیا اوس اور خزرج کے آپس میں معرکوں میں جب اوس کو شکست ہوئی تو وہ مکہ میں قریش کے پاس گئے تا کہ خزرج کے مقابلے میں ان کو حلیف بنائیں۔ حضور ﷺ کو جب ان کے آنے کی خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں قرآن پاک کی آیات پڑھ کر سنائیں اور وہ بہت متاثر ہوئے اور ان میں ایک شخص ایاس نے کہا" کہ تم جس کام کے لئے آئے ہو خدا کی قسم یہ کام اس سے بھی بہتر ہے۔" ﴿۶۴﴾

انصار کے جلد اسلام لانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ یہودیوں کی طرف سے ذلت اور رسوائی اور ان کی پالیسیوں کی وجہ سے

تنگ آئے ہوئے تھے۔ مظہر الحق کہتے ہیں۔ ﴿۶۵﴾

The immidiate reason which drew their attention to the preachings of the Holy Porphet in Mecca, was their fear of the jewish domination."

یہود:

دوسرا گروپ یہودیوں کا تھا۔ مؤرخین عرب کا خیال ہے کہ مدینہ کے یہودی نسلاً یہودی تھے اور اس تقریب سے عرب میں آئے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو عمالقہ کے مقابلے کے لیے بھیجا تھا۔ ﴿۶۶﴾

یہودی گو تمام دنیا میں پھیلے لیکن انہوں نے کبھی اپنے نام نہیں بدلے۔ لیکن عرب میں خاص طور پر مدینہ کے یہودیوں نے اپنے نام عربوں جیسے رکھے نضیر، قینقاع، حارث اور مرحب وغیرہ ورنہ یہودی دنیا میں ہر جگہ اسرائیلی نام رکھتے ہیں۔ یہودی بزدل ہوتے ہیں مگر مدینہ کے یہودی بڑے دلیر تھے۔ نامور مؤرخ یعقوبی کے نزدیک مدینہ کے یہودی اور بنونضیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے۔ ﴿۶۷﴾

مؤرخ مسعودی نے بھی کتاب الاشرف والتنبیہ ﴿۶۸﴾ میں ایک روایت لکھی ہے جس کی روح سے یہ جزام قبیلے سے تھے کسی زمانہ میں بنو عمالقہ کی بت پرستی سے تنگ آ کر حضرت موسیٰ پر ایمان لائے۔ اور شام سے نقل مکانی کر کے حجاز چلے آئے۔ یہ تین قبیلے تھے۔ ۱۔ بنوقینقاع ۔۲۔ بنونضیر اور بنوقریضہ۔ انہوں نے مدینے کے گرد مضبوط قلعے اور برج بنالئے تھے۔ ﴿۶۹﴾

الرحیق المختوم کے مطابق یہ لوگ اشوری اور رومی ظلم و ستم و جبر سے بھاگ کر حجاز میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ ﴿۷۰﴾

ان یہودیوں میں نسلی عصبیت موجود تھی باوجود اس کے کہ عربوں میں بیاہ شادی کرتے اور عربی نام بھی رکھ لیتے تھے۔ اسرائیلی قومیت پر ہمیشہ فخر کرتے اور عربوں کو انتہائی حقیر سمجھتے حتیٰ کہ انہیں "اُمی" کہتے جس کا مطلب ان کے نزدیک تھا جاہل، گنوار، بدھو، وحشی، پسماندہ رذیل اور اچھوت تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عربوں کا مال ان کے لئے مباح ہے جسے چاہیں کھائیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

قالو لیس علینا فی الامیین سبیل ۔ ﴿۷۱﴾

انہوں نے کہا کہ ہم پر امیوں کے معاملے میں کوئی راہ (پکڑ) نہیں۔

ان یہودیوں میں اپنے دین کی اشاعت کے لئے کوئی سرگرمی نہیں پائی جاتی تھی۔ فال گیری۔ جادو اور جھاڑ پھونک وغیرہ ان کا خاص علم تھا۔ تاہم باقی تمام قوموں سے زیادہ پڑھے لکھے، ہوشیار چالاک اور کاروباری تھے اوس اور خزرج آپس میں لڑتے مرتے رہتے۔ آخری لڑائی (جنگ بعاث) نے ان کی کمر توڑ دی تھی۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ مدنظر رکھتے کہ انصار کبھی متحد نہ ہوں ﴿۷۲﴾

مدینہ کے مشرکین، خاص طور پر منافقین:

عام مشرکین تو کمزور تھے مسلمانون کے مدمقابل آنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اور پھر آہستہ آہستہ مسلمان بھی ہو رہے تھے۔ مگر کچھ مشرکین ایسے تھے جو اپنے سینے میں مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف سخت کینہ وعداوت رکھتے تھے۔ لیکن انہیں مدمقابل آنے کی جرات نہ تھی۔ یہ بظاہر مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ لیکن یہودیوں اور دوسرے دشمنوں کے پاس بھی جاتے اور ان کے سامنے ان کے بن جاتے۔ قرآن پاک میں ان کے متعلق ارشاد ہے: ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ﴿۷۳﴾

ان کا قائد عبداللہ بن ابی بن سلول تھا اس کو رأس المنافقین کہا جاتا تھا۔ جنگ بعاث کے بعد متفقہ طور پر اسے بادشاہ بنایا جانا تھا۔ اور اس کے ساتھ اس کے وہ سردار عام ساتھی تھے جن کو امید تھی کہ اس کی حکومت میں انہیں کوئی پرکشش عہدے ملنے ہیں۔ لیکن حضور ﷺ کی آمد سے اس کے سارے منصوبے پر پانی پھر گیا اور حضور ﷺ مدینہ کے سربراہ بن گئے۔

اہل مدینہ کی معاشی حالت اور کاروبار:

مدینہ کے انصار یا اوس اور خزرج اکثر کھیتی باڑی کرتے تھے ان کے کھجوروں کے باغ تھے۔ مدینہ کا علاقہ دوسرے علاقوں اور شہروں سے مختلف تھا۔ مدینہ کے گرد باغات تھے۔ چراگاہیں تھیں۔ درخت اور پانی تھا۔ لوگوں کا کاروبار عام طور پر کھیتی باڑی تھا اوس اور خزرج کی آپس میں لڑائیوں کی وجہ سے کاشتکاری کا نظام بھی بری طرح متاثر ہوا۔ دن بدن یہ لوگ غریب ہوتے گئے اس کے

مقابلے میں یہودی کاروباری اور تجارت پیشہ تھے۔ بنکنگ کا شعبہ بھی ان کے پاس تھا۔ یعنی لوگوں کو بھاری سود پر قرض دیتے۔ یہ قرضے تجارتی بھی تھے اور کاشتکاری کیلئے بھی۔ مولنا مودودی کے مطابق مدینے کے زراعت پیشہ لوگ یہودی سرمایہ داروں سے سود پر قرض لیتے اور خود یہودیوں میں باہم بھی سودی لین دین ہوتا تھا۔ ﴿۷۴﴾

مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں "بنوثقیف بڑا مالدار تجارت پیشہ سودی کاروبار میں مصروف قبیلہ ہے "اس کا سود بنومغیرہ کے ذمے ہے۔ وہ بھی تجارت پیشہ متمول لوگ ہیں۔ ﴿۷۵﴾

یہودی بیک وقت دو محاذوں پر لڑ رہے تھے ایک یہ کہ وہ تجارت اور کاروبار کے ذریعے اپنے آپ کو ترقی دے رہے تھے اکثر کاروبار اور تجارت انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ تجارت اور کاشتکاری کے لئے بھی سود پر قرض دیتے تھے۔ دوسرا یہ کہ بنو اوس اور خزرج کو آپس میں لڑاتے اور نفرت پیدا کرتے تا کہ ان کی معیشت تباہ ہو جائے۔ ان کی کھیتی باڑی اور باغات برباد ہوں اور جب وہ کمزور ہوں گے تو خود بخود ہی یہودیوں کے مرہون منت ہوں گے۔ کچھ قبائل اوس کی طرف ہو جاتے اور بقیہ خزرج کے طرفدار۔ نتیجہ انصار اور عربوں کی تباہی اور بربادی ہوتا۔ جیسے ۶۱۶ء میں بعاث کی جنگ کی صورت میں ہوا جس میں بنی نضیر اور بنی قریضہ نے اوس قبیلے کو اشیر باد دی۔ جنگ ہوئی اگرچہ خزرج تعداد میں زیادہ تھے مگر شکست کھائی اور فاتح اوس نے ان کے کھجور کے باغات اور کھیت جلا ڈالے۔ ﴿۷۶﴾

یہود کو دولت کمانے میں بڑی مہارت تھی۔ غلے، کھجور، شراب اور کپڑے کا کاروبار انہیں کے ہاتھوں میں تھا۔ یہ لوگ غلے کپڑے، شراب اور کھجور برآمد کرتے۔ ﴿۷۷﴾

شروع شروع میں اوس اور خزرج کے باہمی فسادات سے پہلے یہ لوگ متحد تھے۔ انہوں نے یہود کے مقابلے میں اپنی اجارہ داری قائم بھی کر لی تھی۔ انصار کے سردار نے جب ایک یہودی رئیس فطیون نامی عیاش اور بدمعاش کو قتل کیا تو ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس وقت غسانی حکمران جن کا نام ابوحیلہ تھا، نے ایک لشکر بھیجا جس کی مدد سے انصار نے روساء یہود کو قتل کیا اور ان کا زور توڑا۔ اس طرح انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی۔ ﴿۷۸﴾

اس کے بعد انصار نے مدینہ کے اطراف میں کثرت سے چھوٹے بڑے قلعے بنائے۔ زمینیں ہموار کیں باغات لگائے اور اپنی معیشت کو خوب ترقی دی لیکن پھر آخر کار عرب کی فطرت کے مطابق لڑائیاں شروع ہوئیں۔ یہود نے سازشیں شروع کیں اور

آخر کار عرب کے یہ دو گردہ آپس میں جنگوں کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ اور یہودیوں کی اجارہ داری (Supermacy) قائم ہو گئی۔ جنگوں میں تباہی کے بعد عرب اپنی قیادت کے لئے کسی مضبوط آدمی کو اپنا رئیس بنانا چاہتے تھے۔ دونوں قبیلے بنی خزرج کے ایک رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول کی قیادت پر متفق ہو گئے کہ آئندہ ہمارا سربراہ وہ ہوگا۔ اسی دوران حضور ﷺ کی نبوت کا معلوم ہوا۔ مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ گھر گھر حضور ﷺ اور ان کی مدینہ میں آمد کا چرچا شروع ہو گیا۔ لوگوں کی توجہ عبداللہ بن ابی سے تبدیل ہو کر حضور ﷺ کی طرف ہو گئی اور جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کو متفقہ طور پر اپنا سربراہ تسلیم کر لیا گیا اور مدینہ کو ایک مستقل ریاست کو درجہ دے دیا۔ مواخات قائم ہو گئی اور جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کو متفقہ طور پر اپنا سربراہ تسلیم کر لیا گیا اور مدینہ کو ایک مستقل ریاست کا درجہ دے دیا۔ مواخات قائم ہو گئی۔ عربوں کو عروج ملنے لگا تجارت نے ترقی کی۔ لوگ خوشحال ہونے لگے اور ساتھ ساتھ حضور کی سربراہی میں عرب اور خاص طور پر مسلمان آہستہ آہستہ ایک طاقت بننا شروع ہو گئے۔ لیکن عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی جن کے ہاتھ میں اقتدار آتا آتا رہ گیا، اندر ہی اندر حضور ﷺ اور مسلمانوں کے دشمن ہو گئے۔ بظاہر کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ یہود سے مل کر حضور ﷺ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور آخر کار اسلام کو فتح ہوئی اور منافقین اور یہود کا نام و نشان مٹ گیا۔

ہجرت سے پہلے مکہ کے اطراف میں بعض رئیس قسم کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ انہوں نے بھی حضور ﷺ کو اپنے ہاں ایک محفوظ قلعے کی پیش کش کی تھی۔ قبیلہ دوس (Tribe Daws) ایک محفوظ قلعے کا مالک تھا۔ اس کے رئیس طفیل بن عمر نے پیشکش کی کہ آپ ہجرت کر کے ہمارے قلعے میں آ جائیں۔ لیکن آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ ﴿۷۹﴾ بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش ظاہر کی تھی۔ ﴿۸۰﴾

ہجرت سے قبل حضور ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ دارالہجرہ ایک پر باغ و بہار مقام ہے۔ خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا ﴿۸۱﴾

☆☆☆

اسلام کے بدترین دشمن بن گئے۔ اسلام کے آنے سے ان کا سودی کاروبار ختم ہوتا تھا اور انہیں خدشہ تھا کہ وہ اس سودی دولت سے محروم ہو جائیں گے جو ان کی تجارت اور معیشت کی بنیاد ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عرب قبائل معاشی طور پر ان کے پنجے سے آزاد ہو جائیں گے بلکہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں یہ قبائل بیدار ہو کر اپنے حساب میں وہ سودی اموال بھی داخل نہ کر لیں جنہیں یہود نے ان سے بلا عوض، صرف سودی لین دین میں حاصل کیا تھا۔ اس طرح وہ ان زمینوں اور باغات کو واپس نہ لے لیں۔ جنہیں سود کے عوض میں یہودیوں نے ہتھیا لیا تھا۔ ایسا ہی ہوا۔ اسلام آہستہ آہستہ مدینہ میں پھیلتا گیا۔ یہودیوں کا مذہبی وقار جو انہوں نے صدیوں سے حاصل کیا تھا، آہستہ آہستہ زوال کا شکار ہو رہا تھا۔ یہودیت کی بجائے اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگا۔ مقروض لوگ یہودیوں کے شکنجوں سے آزاد ہونے لگے۔ نئی نئی فتوحات کی وجہ سے عرب قبائل خاص طور پر اوس اور خزرج خوشحال ہوتے گئے اور یہودیوں سے معاشی آزادی حاصل کرنے لگے۔ یہودیوں کے وہ اخلاق بد جن پر ان کی دولت اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈالا ہوا تھا اب ان کا راز فاش ہونے لگا تھا۔ قرآن پاک میں ان کی بدکرداری سے پردہ اس طرح اٹھتا ہے۔

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ط﴾ ﴿۹۰﴾

یعنی وہ جھوٹ باتوں کے سننے والے اور مال حرام کے بڑے کھانے والے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ﴿۹۱﴾

اور تو ان میں سے اکثر کو دیکھے گا کہ گناہ اور بدی کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ط﴾ ﴿۹۲﴾

اور چونکہ یہ سود خوری کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو سود سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔ ایک انسائیکلو پیڈیا کے مطابق یہود زراعت پیشہ تھے۔ ﴿۹۳﴾

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں "یہ بات کسی میں صراحت سے تو نہیں لکھی گئی کہ عرب جاہلیت میں تجارتی سود رائج تھا لیکن اس امر کا ذکر ضرور ملتا ہے کہ مدینہ کے زراعت پیشہ لوگ یہودی سرمایہ داروں سے سود پر قرض لیا کرتے تھے اور خود بھی یہودیوں میں باہم لین دین ہوتا تھا۔ نیز قریش کے لوگ جو زیادہ تر تجارت پیشہ تھے، باہم سود قرض لیتے دیتے تھے قرض کی ضرورت لازماً دار آدمیوں ہی کو اپنی ذاتی ضروریات پوری کرنے کے لئے پیش نہیں آتی بلکہ زراعت پیشہ لوگوں کو زرعی کاموں کے لئے اور سوداگروں

فصل چہارم

یہود کا معاشی کردار اور ان کا سودی کاروبار

یہودی قوم اوس اور خزرج کے یثرب آنے سے مدت پہلے وہاں پر فرماں روا تھی مدینہ کے آس پاس اور شہر میں اکثر کاروبار انہیں کا تھا اور اطراف میں سرسبز و شاداب علاقوں اور باغات پر تقریباً انہیں کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ اشوری اور رومی ظلم و ستم سے بھاگ کر حجاز آگئے اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہ اصلاً عبرانی تھے۔ ﴿۸۲﴾

یہود کے تین قبیلے تھے۔ ۱۔ قینقاع ۲۔ بنونضیر ۳۔ بنوقریضہ

عموماً زمیندار، تاجر پیشہ اور صناع تھے۔ قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ اسی لئے ان کے پاس ہمیشہ اسلحہ رہتا تھا۔ انصار ان کے مقروض اور زیر بار رہتے تھے۔ ملکی اور تجارتی اجارہ داری اور تسلط کے ساتھ ساتھ ان کا مذہبی اور علمی اثر بھی کافی تھا۔ انصار ہمیشہ ان کے مراتب کی وجہ سے ان سے مرعوب رہتے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انصار یعنی اوس اور خزرج عموماً بت پرست اور جاہل تھے۔ اور یہودی بھی انہیں امی یعنی (اس وقت کی اصطلاح میں) جاہل، بدو، تنگ دل و نظر، وحشی اور اچھوت خیال کرتے تھے۔ ﴿۸۳﴾

انصار بھی ان کی اس برتری کو تسلیم کرتے تھے۔ اگر کوئی مشکل یا مصیبت ہوتی تو انہیں کی طرف دیکھتے خاص طور پر جن لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے۔ وہ منت مانتے کہ اگر ہمارا بیٹا زندہ رہا تو ہم اسے یہودی بنا دیں گے۔ چنانچہ مدینہ میں اس قسم کے بہت سے "جدید الیھودیۃ" تھے۔ ﴿۸۴﴾

وقت کے ساتھ ساتھ یہود میں نہایت ہی رزیل قسم کے خصائل پیدا ہو گئے تھے۔ مثلاً سودی تجارت اور قرضے جن کی وجہ سے تمام آبادی زیر بار تھی۔ چونکہ تنہا وہی سوداگر اور ساہوکار تھے۔ سرمایہ انہیں کے پاس تھا لہٰذا لوگ مجبور تھے۔ اور یہود بڑی بے رحمی سے سود کی شرحیں اور شرائط مقرر کرتے تھے۔ قرض کی کفالت میں لوگوں کی جائیداد، گھر، زمین حتیٰ کہ مقروض لوگوں کے بال بچوں اور مستورات کو بھی رہن رکھواتے تھے ﴿۸۵﴾۔ قرض واپس نہ کرنے کی وجہ سے گروی رکھی ہوئی اشیاء اور پراپرٹی کے خود مالک بن جاتے ﴿۸۶﴾۔ اس طرح "مختلف طریقوں سے لوگوں کے مال اور جائیداد پر تصرف کرتے تھے"۔ طماعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی کہ معصوم بچوں کو دو چار روپے کے زیور کے لئے پتھر سے مار ڈالتے تھے۔ ﴿۸۷﴾

یہود قوم بڑی مکار تھی۔ یثرب میں اپنے کاروبار اور تجارت کو فروغ دینے اور اجارہ داری قائم کرنے کے ساتھ ساتھ دوسری قوموں کو کمزور کرنے میں بھی ہمہ تن گوش مصروف رہتے تھے تا کہ دوسری کوئی عرب قوم ان کے مدمقابل نہ آ سکے۔ یہ لوگ سازشوں اور فتنوں میں ہمیشہ مصروف رہتے اور اپنی سرگرمیوں کے ذریعے جنگ اور فسادات کی آگ کو اس طریقے سے بھڑکاتے اور اس باریکی سے ہمسایہ قبائل میں دشمنی کے بیج بوتے اور ایک دوسرے کے خلاف اسطرح بھڑکاتے کہ ان قبائل کو احساس ہی نہ ہوتا۔ ان کی سازشوں کی وجہ سے قبائل کی آپس میں پیہم جنگ رہتی۔ اور اگر کہیں جنگ سرد پڑتی نظر آتی تو یہ پھر متحرک ہو جاتے۔ ان کا طریقہ کار یہ ہوتا کہ یہودیوں کے کچھ قبائل اوس کی طرف ہو جاتے اور کچھ خزرج کی طرف پھر ان کی قرضوں کے ذریعے مدد کرتے اور جائیداد رہن رکھ لیتے آخرکار اس جائیداد کے مالک بن جاتے اور چپ چاپ کنارے بیٹھ کر عربوں کی تباہی و بربادی کا نظارہ کرتے۔

دولت کی بہتات کی وجہ سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا۔ چونکہ اس کے مرتکب صرف عام طور پر امیر لوگ اور صاحب حیثیت لوگ ہوتے تھے عام طور پر انہیں ان کے اثر ورسوخ کی وجہ سے سزا نہیں دی جاتی تھی۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے کسی یہودی سے پوچھا کہ کیا تمہارے مذہب میں زنا کی سزا درّہ مارنا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں بلکہ سنگسار ہے۔ لیکن ہمارے شرفاء میں زنا کی کثرت ہوگئی ہے اور ہم اسے چھوڑ دیتے اور عام آدمیوں کو سزا دیتے ہیں۔ بالآخر یہ قرار پایا گیا ہے کہ سنگسار کو درے میں بدل دیا جائے۔ ﴿۸۸﴾

اپنی دولت کے بل بوتے پر یہود دوسرے لوگوں پر اپنا اثر قائم رکھتے۔ عرب کے قبیلے مجبوراً یہودی قبائل میں سے کسی کے حلیف بن جاتے جیسے بنو قینقاع بنی خزرج اور بنو نضیر اور بنی قریضہ اوس قبیلے کے حلیف اور مددگار تھے۔ ایک مدت سے یہی قبائل اوس اور خزرج کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکا رہے تھے۔ اور جنگ بعاث میں اپنے اپنے حلفاء کے ساتھ خود بھی شریک تھے۔

اسلام آیا تو فطری طور پر یہود اسلام کے دشمن بن گئے حالانکہ حضور ﷺ نے ان سے معاہدہ بھی کیا تھا۔ اور بھائی چارے کی فضا بھی قائم کی۔ لیکن ان کا کاروبار اور تجارت جو مذکورہ بالا طریقے پر قائم تھی۔ وہ اسلام کی وجہ سے برقرار نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر اسلام کی دعوت صالح تھی۔ ٹوٹے دلوں کو جوڑتی تھی۔ بغض و عداوت کو ختم کرتی تھی۔ ایمانداری اور پاکیزگی اور حلال مال کھانے کی پابند بناتی تھی۔ ﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ﴿۸۹﴾۔

اس کا مطلب تھا کہ یثرب کے مختلف قبائل آپس میں جڑ جائیں گے۔ یہ چیز یہودیوں کے وارے میں نہیں تھی۔ لہٰذا وہ

اسلام کے بدترین دشمن بن گئے۔ اسلام کے آنے سے ان کا سودی کاروبار ختم ہوتا تھا اور انہیں خدشہ تھا کہ وہ اس سودی دولت سے محروم ہو جائیں گے جو ان کی تجارت اور معیشت کی بنیاد ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عرب قبائل معاشی طور پر ان کے پنجے سے آزاد ہو جائیں گے بلکہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں یہ قبائل بیدار ہو کر اپنے حساب میں وہ سودی اموال بھی داخل نہ کر لیں جنہیں یہود نے ان سے بلاعوض، صرف سودی لین دین میں حاصل کیا تھا۔ اس طرح وہ ان زمینوں اور باغات کو واپس نہ لے لیں۔ جنہیں سود کے عوض میں یہودیوں نے ہتھیا لیا تھا۔ ایسا ہی ہوا۔ اسلام آہستہ آہستہ مدینہ میں پھیلتا گیا۔ یہودیوں کا مذہبی وقار جو انہوں نے صدیوں سے حاصل کیا تھا، آہستہ آہستہ زوال کا شکار ہو رہا تھا۔ یہودیت کی بجائے اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگا۔ مقروض لوگ یہودیوں کے شکنجوں سے آزاد ہونے لگے۔ نئی نئی فتوحات کی وجہ سے عرب قبائل خاص طور پر اوس اور خزرج خوشحال ہوتے گئے اور یہودیوں سے معاشی آزادی حاصل کرنے لگے۔ یہودیوں کے وہ اخلاق بد جن پر ان کی دولت اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈالا ہوا تھا اب ان کا راز فاش ہونے لگا تھا۔ قرآن پاک میں ان کی بدکرداری سے پردہ اس طرح اٹھتا ہے۔

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ط﴾ ﴿۹۰﴾

یعنی وہ جھوٹ باتوں کے سننے والے اور مال حرام کے بڑے کھانے والے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ﴿۹۱﴾

اور تو ان میں سے اکثر کو دیکھے گا کہ گناہ اور بدی کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ط﴾ ﴿۹۲﴾

اور چونکہ یہ سودخوری کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو سود سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔ ایک انسائکلو پیڈیا کے مطابق یہود زراعت پیشہ تھے۔ ﴿۹۳﴾

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں "یہ بات کسی میں صراحت سے تو نہیں لکھی گئی کہ عرب جاہلیت میں تجارتی سود رائج تھا لیکن اس امر کا ذکر ضرور ملتا ہے کہ مدینہ کے زراعت پیشہ لوگ یہودی سرمایہ داروں سے سود پر قرض لیا کرتے تھے اور خود بھی یہودیوں میں باہم لین دین ہوتا تھا۔ نیز قریش کے لوگ جو زیادہ تر تجارت پیشہ تھے، باہم سود قرض لیتے دیتے تھے قرض کی ضرورت لازماً نادار آدمیوں ہی کو اپنی ذاتی ضروریات پوری کرنے کے لئے پیش نہیں آتی بلکہ زراعت پیشہ لوگوں کو زرعی کاموں کے لئے اور سوداگروں

کو اپنے کاروبار کے لئے بھی آتی تھی اور یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی بلکہ زمانہ قدیم سے چلی آ رہی ہے"۔ ﴿۹۴﴾

مختصراً یہ کہ مدینہ کے یہودی بہت بڑے تاجر تھے اور اپنے سرمائے اور علم اور ذہانت کے زور پر مدینہ میں ان کی مکمل اجارہ داری تھی۔ کپڑا، شراب اور دوسری چیزوں کی درآمدات اور کھجور وغیرہ کی برآمدات انہیں کے ہاتھوں میں تھی۔ مدینہ اور گرد و نواح کے سرمایہ دار ساہوکار اور کاروباری یہی تھے۔ یہی لوگوں کے ساتھ کاروبار کرتے اور بھاری شرائط پر لوگوں کو قرض دیتے اور معاشی اجارہ داری رکھے ہوئے تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کی مثال ایسی ہے جیسی آجکل امریکہ میں یہودی قوم۔ معیشت کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے معاملات آجکل امریکہ میں یہود کے ہاتھ میں ہیں اور امریکہ یہودیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا حتی کہ اسرائیل کے لئے امریکہ عالم اسلام کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ پوری دنیا ایک طرف ہو اور یہود ایک طرف ہوں تو بھی امریکہ یہودیوں اور اسرائیل کی ہی حمایت کرتا ہے اس طرح ہٹلر سے پہلے جرمنی میں یہودیوں کو اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ہر قسم کے معاملات ان کے ہاتھ میں تھے۔ لیکن ہٹلر نے تو جرمنی کو یہودیوں سے بزور شمشیر نہ صرف ہر لحاظ سے آزاد کروالیا بلکہ ہمیشہ کے لئے ان کی طاقت پارہ پارہ کر دی۔

اسی طرح اسلام سے پہلے مدینہ میں یہودیوں کا اثر و رسوخ اور اجارہ داری تھی۔ باقی عرب صرف ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھے۔ چاروں طرف سے یہودیوں نے یثرب کے عربوں کو معاشی اور ہر قسم کے دنیاوی اور مذہبی معاملات میں زیر اثر کیا ہوا تھا۔ اسلام نے آ کر عربوں کو یہودیوں کے چنگل سے آزاد کروایا۔ بکھری ہوئی، باہم دست و گریباں قوم کو یکجا اور متحد کر دیا اور دنیا کی عظیم قوم بنا دیا جس نے کئی صدیوں تک دنیا میں اپنی عظمت اور شان کو برقرار رکھا۔ ﴿فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ ﴿۹۵﴾ خدا نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی اور وہ خدا کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

......☆......☆......☆......

فصل پنجم

بیت المال اور حکومتی ادارے

اسلامی ریاست میں حکومتی نظام کو چلانے کے لئے اسلام نے ایک شعبہ قائم کیا ہے جس کو بیت المال کہتے ہیں ۔ چونکہ ہمہ قسم کے معاملات کو چلانے کے لئے روپے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ پہلے پیسہ اکٹھا (Revnue Collect) کیا جاتا ہے اور پھر اس کو صرف میں (Consume) لایا جاتا ہے ۔ اس مالی نظام کو اسلام نے بیت المال کا نام دیا ہے ۔ اسے سرکاری خزانہ (Govt. Treasury) بھی کہا جاتا ہے ۔ حکومت ربانی یا خلافت کو چلانے کے لئے اس کا وجود ضروری ہے ۔ عام اصطلاح میں مرکزی خزانہ کے محفوظ مقام کو ہی بیت المال کا نام دیا گیا ہے ۔ مرکزی بیت المال کی صوبہ اور ضلع وار شاخیں بھی ہوتی ہیں اور ان سے مقامی ضروریات کا بندوبست احکامات اور ہدایات کی روشنی میں کیا جاتا ہے ۔ بیت المال حکومت کی تمام آمدنیوں کا حاصل ہوتا ہے جو اسلامی احکام کے مطابق خزانہ میں داخل ہونی چاہئیں ۔ اور اسی طرح ان حاجات اور ضروریات کا بھی بیت المال ہی ذمہ دار ہوتا ہے جو انفرادی اور اجتماعی طور پر اسلامی معاشرے کے لئے پورا کرنا ضروری ہوتا ہے ۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بیت المال نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ مال کو ذخیرہ ہی نہیں کرتے تھے ۔ **وکان من سیاتہ النبی ﷺ ان لا یوخر تقسیم الا موال او انفاقھا لوجھا ، لذلک لم یکن ھناک مال مدخر﴿۹۲﴾**

یعنی رسول اللہ ﷺ کی سیاست یہ تھی کہ مال کو تقسیم اور خرچ کرنے میں تاخیر نہیں کرتے تھے ۔ اسی وجہ سے مال کا ذخیرہ نہیں ہوتا تھا ۔ بیت المال کی آمدنی اور مصارف کو اسلامی اصولوں کے مطابق متعین کر دیا گیا ہے اور تفصیلات کو مسلمانوں کے سربراہ اور مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیا گیا ہے ان مدات کی فہرست اس طرح بنتی ہے جو بیت المال میں بطور آمدن آتے ہیں اور بطور مصارف و اخراجات جاتے ہیں ۔

مدات آمدنی:

۱۔ عشر ۲۔ خراج ۳۔ زکوۃ ۴۔ جزیہ

۵۔ صدقات ۶۔ خمس ۷۔ فئ ۸۔ ضرائب

۹۔ کراء الارض ۱۰۔ عشور ۱۱۔ وقف ۱۲۔ اموال فاصلہ

مدّات صرف، اخراجات:

۱۔ رفاہ عامہ ۲۔ وظائف ۳۔ فوجی اخراجات ۴۔ مصارف ثمانیہ (مشہور آٹھ مصارف)

۵۔ شعبہ ہائے حکومت کے مصارف ۶۔ انفرادی وظائف

مدّات آمدنی کا مختصر تعارف:

۱۔ مسلمانوں کی آمدنی جو کہ ان کی مملوکہ اراضی سے حاصل ہوتی ہے اس پر حکومت کی طرف سے دسواں حصہ ٹیکس لگتا ہے اسے عشر کہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی مملوکہ اراضی پر سالانہ مالگزاری ہے۔

۲۔ زمینوں کی سالانہ مالگزاری کا نام خراج ہے۔

۳۔ سرکاری اراضی کی آمدنی کراء الارض کے نام سے موسوم ہے۔

۴۔ مسلمانوں کے نقد اموال، روپیہ پیسہ، دولت اور مویشی وغیرہ پر جو اڑھائی فیصد سالانہ وصول کیا جاتا ہے اسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔

۵۔ غیر مقررہ خدا کے راستے پر دینے کو صدقات کہتے ہیں۔

۶۔ زمینوں پر سالانہ ٹیکس کو جزیہ کہتے ہیں۔

۷۔ بغیر جنگ کے حاصل شدہ مال کو فئی کہتے ہیں۔

۸۔ جنگ کے ذریعے حاصل شدہ مال کو مال غنیمت کہتے ہیں۔

۹۔ معدنیات اور پوشیدہ خزانہ کی مقررہ رقم خمس ہے۔

۱۰۔ مستامن حربی، ذمی یا مسلمان کے اموال تجارت کی درآمد یا برآمد پر محصول یا ٹیکس کو عشور کہتے ہیں۔

۱۱۔ رفاہ عامہ اور وقتی ضروریات کے لئے عائد شدہ ٹیکسوں کا نام ضرائب ہے۔

۱۲۔ مذہبی اوقاف کی آمدنی اموال وقف کہلاتی ہے۔

۱۳۔ سرکاری معدنیات اور متفرق آمدنی کو اموال فاضلہ کہا جاتا ہے۔

یہ تمام مدات بیت المال کی آمدن شمار ہوتی ہیں اور بیان کردہ انواع مصارف پر خرچ ہوتی ہیں۔ ﴿۹۷﴾

بیت المال کے ذرائع آمدنی:

۱۔ زکوٰۃ:

ساڑھے باون تولے چاندی اور ساڑھے سات تولے سونا یا اس کے برابر یا زیادہ مال ہو تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے لیکن سال گزرنے کے بعد اس چالیسواں (1/40) حصہ خدا کے راہ میں دینے کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ یہ اسلام کے پانچ اہم ارکان میں سے ایک ہے۔قرآن پاک میں ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط﴾ ﴿۹۸﴾

نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔

﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ o الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ ﴿۹۹﴾

زکوٰۃ نہ دینے والے مشرکین پر ہلاکت ہے اور جو زکوٰۃ نہیں دیتے وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔

اسی طرح جانوروں پر بھی زکوٰۃ ہے۔ بھیڑ، بکریوں اور اونٹوں پر بھی جن کی تفصیل "بخاری کتاب الزکوٰۃ" میں موجود ہے۔

۲۔ صدقات:

زکوٰۃ یا نصاب کے علاوہ بھی خدا کے راستے میں دینا صاحب حیثیت لوگوں پر فرض ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ﴿۱۰۰﴾

دوسری جگہ قرآن میں ہے:

﴿وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ ﴿۱۰۱﴾

اوران کے مالوں میں مانگنے والوں اور تنگ دستوں کا حق ہے اس مالی امداد کا نام اسلام نے صدقہ رکھا ہے اس قسم کے راہ خدا میں خرچ کرنے کا بھی خدا حکم دیتا ہے جیسے............

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ ﴿۱۰۲﴾

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ﴿۱۰۳﴾

۳۔ فئی:

فئی وہ مال ہے جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھ لگے یا جنگ کے بعد ان کی زمینوں کو مقررہ ٹیکس پر ان ہی کے حوالے کر دیا جائے یا ان پر خراج یا جزیہ مقرر کیا جائے۔ تو ان صورتوں میں اس حاصل شدہ آمدنی کو فئی کہتے ہیں۔ ﴿۱۰۴﴾

قرآن میں فئی کے متعلق ہے: ﴿وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ﴾ ﴿۱۰۵﴾

فئی کا مال بھی بیت المال کا حق ہے اور غانمین اور مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ بغیر جنگ کے حاصل ہوا ہے۔

۴۔ خمس:

مال غنیمت کی تقسیم، دفینہ اور کانوں سے نکلے ہوئے سونے چاندی میں پانچواں حصہ نکال کر حکومت کے خزانے میں، بیت المال میں جمع کروانا ضروری ہوتا ہے اسے خمس کہتے ہیں۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ ﴿۱۰۶﴾

اور جان لو کہ جو بھی چیز تمہیں بطور غنیمت ملے تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے، قریبیوں، یتیموں،

مسکینوں اور مسافروں کے لئے مخصوص ہے۔ بخاری کی حدیث ہے: **وفی الرکاز الخمس** ﴿۱۰۷﴾

رسول اللہ سے کسی نے پوچھا: **ما الرکاز یارسول اللہ ﷺ؟ فقال الذھب والفضۃ الذی خلق اللہ فی الارض یوم خلقت** ﴿۱۰۸﴾۔ کہ رکاز کیا ہے؟ آپ نے کہا: سونا اور چاندی جس کو اللہ تعالی نے زمین میں اس وقت پیدا کر دیا تھا جس وقت زمین کو پیدا کیا گیا۔

۵۔ عشر:

مسلمان ہونے والی قوم کی زرعی زمین، مجاہدین اور غانمین کے حصے میں آئی ہوئی زمین یا مسلمان نے آباد کی ہوئی ہو وغیرہ عشری زمین کہلاتی ہے۔ اور عشر اس مقررہ حصہ کا نام ہے جو زکوۃ کی طرح اس زمین پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ ہے جو وصول کیا جاتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ز وَلَا تُسْرِفُوْا ط﴾ اور تم زمین کا حق اس کے کٹ جانے کے وقت ادا کرو۔

حدیث میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے: آپ ﷺ نے فرمایا جس زمین کی آب پاشی بارش، چشموں یا ندیوں سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جس کسی کی پانی کو کھینچ کر (یعنی کنویں وغیرہ کے ذریعے) آبپاشی کی گئی ہو اس کا بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ ﴿۱۰۹﴾

۶۔ خراج:

مفتوحہ علاقوں کی زمین جو فتح کے بعد انہیں مفتوحین کے قبضے میں رہے ایسی زمین خراجی زمین کہلاتی ہے۔ خلیفہ یا حکومت اس زمین پر جو لگان وصول کرتا ہے اسے خراج کہتے ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ امام ابو یوسف کے نزدیک خراج فئی کی ہی ایک قسم ہے ﴿۱۱۱﴾ کیونکہ معمولی جنگ کے بعد کفار اگر صلح کر لیں اور خراج دینا شروع کر دیں تو وہ بھی فئی ہی میں شمار ہوتا ہے۔

۷۔ جزیہ:

کفار اگر مغلوب ہو کر اسلامی اقتدار تسلیم کر لیں اور ٹیکس دینا شروع کر دیں جس کے بدلے ان کی جان و مال کی حفاظت اسلامی حکومت اپنے ذمے لے لیتی ہے تو اس ٹیکس کو جزیہ کہتے ہیں یہ معمولی سا ٹیکس ہوتا ہے یہ ٹیکس عام آدمی کی پہنچ میں ہوتا ہے۔

غرباءاس سے مستثناء ہوتے ہیں۔قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:﴿مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ اوران لوگوں میں سے جواہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہوکر۔ ﴿۱۱۲﴾

۸۔ کراءارض:

اسلامی حکومت جن زمینوں کو سالانہ اجرت پر دے دیتی ہے کہ لوگ کاشت کریں تو ان سے وصول شدہ محاصل کا نام کراء الارض ہے۔﴿۱۱۳﴾ ایسی زمین کو ارض المملکۃ کہتے ہیں ان میں اکثر زمینیں ایسی ہوتی ہیں جو لاوارث ہوکر بیت المال کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں

۹۔ عشور:

جب مسلمان تجارتی مال لے کر دوسرے ملکوں میں خاص طور پر فارس اور روم جاتے تو انہیں ان ملکوں میں ٹیکس یا کسٹم ڈیوٹی دینا پڑتی جبکہ غیر مسلم مسلمان ملکوں میں تجارتی مال لے کر جاتے تو ان سے یہ ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی قسم کا ٹیکس غیر مسلموں پر بھی عائد کیا جو تجارتی مال لے کر حکومت کی حدود میں آتے یہ مسلمانوں اور ذمیوں پر بھی ٹیکس لگتا تھا جو دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ یہ سال میں ایک ہی مرتبہ لگایا جاتا تھا چاہے وہ کتنی ہی مرتبہ سامان تجارت لے کر آئیں۔اس حاصل شدہ مال کا نام عشور ہے۔ نیز یہ تجارتی مال دوصد درہم یا بیس مثقال سے کم نہ ہو۔ ورنہ تو محصول معاف ہوگا ۔﴿۱۱۴﴾ یہ محصول مسلمانوں کے مال سے چالیسواں اور ذمی کے مال تجارت سے بیسواں اور حربی کے مال تجارت سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔﴿۱۱۵﴾

۱۰۔ وقف:

جواملاک یااشیاءذاتی املاک سے نکال کر فی سبیل اللہ دے دی جاتی ہیں اسلامی اصطلاح میں انہیں وقف کہا جاتا ہے اور یہ آمدنی جو وقف للہ ہوتی ہے وہ بیت المال کا حق تصور کی جاتی ہے۔ اسلام میں غیر منقولہ جائیداد کے پہلے "واقف" حضرت عمر ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ ﴿۱۱۶﴾۔ تم ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے جب تک تم اپنی پسندیدہ اشیاء خرچ نہ

کروگے۔ تو حضرت طلحہ نے اپنا ایک پیارا باغ اپنی قوم کے لئے وقف کردیا۔ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۔ اموال فاضلہ:

مذکورہ بالا آمدنیوں کے علاوہ متفرق آمدنیاں بیت المال کی ملکیت ہوتی ہیں۔ مثلاً لاوارث ذمی یا مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اسکی جائیداد یا کسی باغی کی جائیداد وغیرہ اموال فاضلہ کہلاتے ہیں اور بیت المال کی ملکیت ہوتے ہیں۔

بیت المال کے مصارف:

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ (الانفال)

دوسری جگہ فرمایا:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ﴾ (توبہ)

یعنی زکوٰۃ وصدقات پر حق ہے فقراء کا، مسکینوں کا، عاملین (Collectors) کا، مؤلفۃ قلوب کا (یعنی جن کو خوش کرنا مقصود ہوتا کہ اسلام کے قریب ہوں) اور گردنوں کے آزاد کروانے میں (یعنی قیدیوں اور غلاموں کی مدد کے لئے) اور تاوان کے بوجھ سے دبے ہوئے لوگوں کے لئے اللہ کے راستے میں اور مسافروں کے لئے یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ صدقات اور زکوٰۃ کے علاوہ بیت المال کا تعلق جس طرح مسلمانوں کی ضروریات سے وابستہ ہے اور اس مال سے مسلمانوں کی جس طرح حاجات اور ضروریات پوری کی جاتی ہیں اسی طرح غیر مسلم غرباء اور مساکین کی حاجت بھی پوری کی جاسکتی ہیں چنانچہ حضرت عمر نے فقراء اور مساکین میں غیر مسلموں یعنی ذمیوں کو بھی شامل کیا ہے۔ ﴿۱۱۸﴾

مصارف کے متعلق قرآن اور حدیث کی نص وارد ہو چکی ہے وہ اسی کے مطابق صرف ہوں گے یعنی زکوٰۃ اور صدقات تو

قرآنی نص کے مطابق۔ باقی جہاں تک فئی اور خراج اور جزیہ وغیرہ کا تعلق ہے تو اس میں خلیفہ اور مجلس شوریٰ کو اختیار ہے وہ جس طرح چاہیں رفاہ عامہ کے کام بھی کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ بھی غیر مسلموں اور ذمیوں کے غرباء اور مساکین پر بھی خرچ کر سکتے ہیں۔ نہریں، پل، سرائے اور دوسرے رفاہ عامہ کے کام بھی کر سکتے ہیں۔ حکومتی اخراجات بھی بیت المال سے لئے جاتے ہیں۔ تعلیمی وظائف بھی اور انفرادی وظائف بھی بیت المال سے لے کر دیئے جاتے ہیں فوج کے وظائف اور ان کے اسلحہ وغیرہ کا بجٹ بھی یہاں سے لیا جاتا ہے۔

بیت المال سے وظائف:

اسلامی حکومت میں رعایا کی کفالت حکومت کے ذمے ہوتی ہے۔ حکومت اپنی قوم کے افراد سے مختلف شعبوں میں خدمات لیتی ہے اور اس کے عوض ان کے اور ان کے اہل خانہ کے اخراجات برداشت کرتی ہے اور ان کے لئے تنخواہیں اور وظائف مقرر کرتی ہے اگر کوئی معزز اور بوڑھے افراد ہوں تو ان کی کفالت کا بار خود اٹھاتی ہے۔ حضرت عمر کے زمانہ میں مال کی بہتات ہوگئی تھی اور اعداد شمار کے رجسٹر بنائے گئے۔ حکومت کے افسروں، کارکنون اور فوجیوں اوان کے اہل خانہ حتیٰ کہ ان کے غلاموں کے بھی رزینے اور وظائف مقرر کر دیئے تاکہ وہ اپنی ڈیوٹی مستعد طریقے سے ادا کریں۔

بیت المال سے غیر مسلموں کی مدد:

فتوح البلدان میں علامہ بلازری نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن زیاد نے جب بخارا پر چڑھائی کی تو بخارا کی ایک بڑی جماعت کو اس بات کی دعوت دی کہ اگر تم امن وامان سے ہنسی خوشی اسلام کی امان میں آجاؤ تو تمہیں معاف بھی کر دیا جائے گا اور معاشی وظیفہ بھی مقرر کر دیا جائے گا چنانچہ انہوں نے بخوشی اسے قبول کر لیا اور بصرہ میں قیام پزیر ہو گئے۔ ﴿۱۱۹﴾

حضرت عمرؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر ایک مکان میں تشریف لے گئے آپ نے دیکھا کہ ایک بوڑھا نابینا بھیک مانگ رہا ہے حضرت عمر کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ میں یہودی ہوں حضرت عمر نے دریافت کیا کہ کس چیز نے تمہیں بھیک مانگنے پر مجبور کیا؟ اس نے کہا کہ جزیہ کی ادائیگی معاشی ضرورت اور ضعف و پیری۔ حضرت عمر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے مکان

پر لے گئے اور جو موجود تھا اسے دے دیا۔ پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس بھیجا اور فرمان جاری کیا کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے حاجتمندوں کو دیکھو خدا کی قسم ہم ہرگز انصاف پسند نہیں ہو سکتے اگر ہم ان ذمیوں کی جوانی کی محنت تو کھائیں (جزیہ کے طور پر) اور ان کی پیری کے وقت بھیک کے لئے انہیں چھوڑ دیں۔

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ﴾ (التوبہ:۶۰)

میرے نزدیک فقراء سے مسلمان مفلس مراد ہیں اور مساکین سے مراد اہل کتاب غرباء و فقراء۔ ﴿۱۲۰﴾

اس کے بعد حضرت عمر نے تمام ایسے لوگوں سے جزیہ بھی معاف کر دیا اور ان کا وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر کر دیا۔ ﴿۱۲۱﴾

حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں حضرت خالد بن ولید نے حیرہ والوں سے معاہدہ کیا تھا کہ اگر زمینوں والوں میں سے کوئی ضعیف، ناکارہ یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے اور محتاجی کی وجہ سے بھیک مانگنے تک چلا جائے تو اس کا جزیہ معاف اور بیت المال سے ایسے اشخاص اور ان کے اہل خانہ کی کفالت کی جائے۔ ﴿۱۲۲﴾

حضرت حذیفہ عراق میں عمال بن کر گئے جب خراج لے کر واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے اہل عراق کے احوال پوچھے اور کہا کہ شاید تم ذمیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ وصول کرتے ہو؟ پھر فرمایا کہ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہ گیا تو اہل عراق کی بیواؤں کو ایسا کر کے چھوڑوں گا کہ میرے بعد کسی امیر کی محتاج نہ رہیں۔ ﴿۱۲۳﴾

اس طرح اسلامی حکومت میں بیت المال سے عوام کی ہر قسم کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں چاہے اسلامی ریاست میں رہنے والے لوگ مسلمان ہوں یا غیر مسلم انسان ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں۔

بیت المال ایک امانت ہے:

بیت المال ایک امانت ہے اسلامی ریاست کا حکمران اس کو امانت سمجھتا ہے اس کا غلط استعمال کسی کے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں بلکہ عوام کا مال ہے رعایا پر ہی خرچ ہوتا ہے۔ خلیفہ بننے کے بعد حضرت ابو بکر حسب دستور کندھے پر کپڑا اٹھا کر بیچنے چلے گئے راستے میں حضرت عمرؓ ملے پوچھا کہاں جا رہے ہو ابو بکر نے کہا اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں حضرت عمر نے کہا کہ اب آپ خلیفہ ہیں حکومتی کام سرانجام دیں بیت المال آپ کی اور آپ کے اہل و عیال کی کفالت کرے گا حضرت ابو بکر کو ناظم بیت المال ابو عبیدہ کے

پاس لے گئے انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے لئے مہاجرین میں سے ایک عام آدمی کی آمدنی کا معیار سامنے رکھ کر ایک وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں جو نہ ان کے سب سے زیادہ دولت مند کے برابر ہوگا اور نہ سب سے غریب کے برابر۔ اس طرح ان کے لئے ایک وظیفہ مقرر کر دیا گیا جو تقریباً چار ہزار درہم سالانہ تھا مگر جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ میرے ترکے میں سے آٹھ ہزار بیت المال کو واپس کر دیئے جائیں یہ مال جب حضرت عمر کے پاس لایا گیا تو انہوں نے فرمایا: خدا حضرت ابوبکر پر رحمت فرمائے اپنے بعد آنے والوں کو انہوں نے مشکل میں ڈال دیا۔ ﴿۱۲۴﴾

حضرت عمر اپنی تقریر میں بیان کرتے ہیں کہ بیت المال میں خلیفہ کا حق کیا ہے؟: میرے لئے اللہ کے مال میں سے اس کے سوا کچھ حلال نہیں ہے کہ ایک جوڑا کپڑے گرمی کے لئے اور ایک جاڑے کے لئے۔ اور قریش کے ایک اوسط آدمی کے برابر معاش اپنے گھر والوں کے لئے لوں پھر میں بس ایک آدمی ہوں مسلمانوں کے لئے۔ ﴿۱۲۵﴾ میرا تعلق یتیم تمہارے اس مال کے ساتھ وہی ہے جو یتیم کے والی کا تعلق کے مال کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر میں محتاج (ضرورت مند) نہ ہوں تو اس میں سے کچھ نہ لوں اور اگر محتاج ہوں تو معروف طریقے سے کھاؤں گا۔ ﴿۱۲۶﴾

امیر معاویہ کے ساتھ مقابلہ کے دوران حضرت علیؓ کو کسی نے مشورہ دیا کہ آپ بھی امیر معاویہ کی طرح اپنے حامی پیدا کرنے کے لئے بیت المال کا منہ کھول دیں حضرت علیؓ نے کہا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں ناروا طریقوں سے کامیابی حاصل کروں۔ ﴿۱۲۷﴾ حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں بیت المال باقاعدہ نہیں تھا آپ ﷺ مال کو ذخیرہ کرتے ہی نہیں تھے جو نہی آتا تھا تقسیم کر دیتے تھے حضرت ابوبکر کے دور میں بھی نہیں تھا۔ ۶ حضرت عمر پہلے شخص تھے جنہوں نے بیت المال بنایا۔ ابن خلدون کہتے ہیں: **واول من وضع الدیوان فی الدولة الاسلامیة عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ** ﴿۱۲۸﴾

بنی امیہ نے بیت المال کو اپنی ملکیت سمجھنا شروع کر دیا جس سے اس کے اسلامی تصور کو شدید نقصان پہنچا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب ۹۹ھ میں خلیفہ بنے تو انہوں نے بیت المال کا وہ تشخص بحال کر دیا جو خلفاء الراشدین کے زمانہ میں قائم ہوا تھا۔ ﴿۱۲۹﴾

☆......☆......☆

باب دوئم

حوالہ جات

۱۔ سب سے پہلے اس اصطلاح "سامی" کو جرمن مؤرخ "فریڈرک شلوسر" نے اپنی کتاب التاریخ العالم میں استعمال کیا جس کی وفات ۱۸۶۰ء میں ہوئی۔

۲۔ احمد حسن الزیات (ترجمہ سورتی) ص : ۵۳

۳۔ عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ، ص : ۴۷

۴۔ لله در عصابة نادمتهم يوما بجلق فى الزمان الاول

۵۔ ایضاً

۶۔ P.K. Hitti، History of the Arabs ص : ۲۱

۷۔ ایضاً

۸۔ تاریخ ادب عربی، الزیات ص : ۶۱.

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ،۱ ص : ۱۰۷

۱۳۔ ایضاً ص : ۱۲

۱۴۔ طبری، ج، ۳ ، ص :۱۰۸۸،۱۰۸۹ بحوالہ شبلی

۱۵۔ آل عمران، ص : ۱۳۰

۱۶۔ البقرہ ، ص : ۷۸

۱۷۔ شبلی، سیرت النبی، ج،۲ ص: ۱۴۲

۱۸۔ مفتی محمد شفیع، مسئلہ سود، ص: ۲۲

۱۹۔ مودودی،سود،ص: ۲۱۴

۲۰۔ اسباب النزول، ص : ۶۴

۲۱۔ شبلی، سیرت النبی ص : ۱۱۷

۲۲۔ استیعاب ج ، ۲ ص : ۵۳۷

۲۳۔ مسلم امام احمد ج، ۳ ص : ۴۰۳

۲۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الوعد ج ، ۲ ص : ۳۲۶

۲۵۔ سنن ابوداؤد، ج : ۲ ص : ۳۱۷

۲۶۔ شبلی سیرت النبی ص : ۱۱۸

۲۷۔ Hitti, History of the Arabs Page: 112

۲۸۔ سلمان منصور پوری، رحمۃ العالمین ص : ۳۷

۲۹۔ شبلی سیرت النبی

۳۰۔ مسند امام احمد بن حنبل ج ، ۴،ص : ۲۰۶

۳۱۔ اساس تہذیب بحوالہ اسلامی نظریہ حیات،خورشید احمد،ص : ۴۵۱۔

۳۲۔ ابوداؤد بحوالہ مذکور

۳۳۔ کنز العمال ج ، ۲ بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام، سوہاروی ص : ۶۲۔

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ اسلامی نظریہ حیات، ص: ۴۵۶

۳۷۔ العنکبوت: ۱۷

۳۸۔ البقرہ: ۱۶۸۔

۳۹۔ المائدہ: ۸۸۔

۴۰۔ المؤمنون: ۵۱

۴۱۔ الاعراف: ۱۵۷۔

۴۲۔ التاج الجامع ج ، ۲ ص : ۱۳۲ بحوالہ سوہاروی ص : ۲۶۔

۴۳۔ الصحیح البخاری کتاب اللباس۔

۴۴۔ الاعراف: ۳۱۔

۴۵۔ بنی اسرائیل: ۲۶، ۲۷

۴۶۔ الروم: ۳۸، تفسیر ابن کثیر ج ۴، ص : ۴۳۔

۴۷۔ عقبہ کا یہ مقام حرا اور منیٰ کے درمیان واقع ہے

۴۸۔ یہ چھ آدمی تھے: ابوامامہ، اسعد بن ضرارہ، عوف بن حارث، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن فابی، سعد بن ربیع

۴۹۔ زادالمعاد ج ، ۱ ص : ۳۰۳۔

۵۰۔ ابن ہشام، ج، ۱ ص : ۴۲۸

۵۱۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم

۵۲۔ صحیح بخاری، باب وفود الانصار

۵۳۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ص : ۱۵۸

۵۴۔ قاضی سلمان، رحمۃ اللعالمین ص : ۷۲

۵۵۔ ایضاً ص : ۷۳

۵۶۔ ایضاً

۵۷۔ زادالمعاد ج ، ۱ ص : ۳۰۴

۵۸۔ رحمۃ اللعالمین

۵۹۔ اس کی پوری تفصیل وفاء الوفاء، ج،۱ ص : ۱۱۶ تا ۱۵۲ میں مذکور ہے

۶۰۔ سیرت النبی، ج، ا ص : ۱۵۵

۶۱۔ Mazher-ul-Haq, A short histroy of Islam Page: 43

۶۲۔ سیرت النبی، شبلی ج ،ا ص : ۱۵۶

۶۳۔ ایضاً

۶۴۔ ایضاً

۶۵۔ Mazher-ul-Haq, A Short history of Islam

۶۶۔ شبلی ج ، ا ص : ۱۷۴

۶۷۔ یعقوبی ج ، ۲ ص : ۴۹

۶۸۔ کتاب الاشرف والتنبیہ (مطبوعہ یورپ)، ص : ۲۴۷

۶۹۔ شبلی ج : ا ص : ۱۷۵

۷۰۔ الرحیق المختوم ص : ۲۹۹

۷۱۔ آل عمران : ۷۵

۷۲۔ شبلی ج : ا ص : ۱۷۵

۷۳۔ البقرہ : ۱۴

۷۴۔ یعقوب شاہ، چند معاشی مسائل اور اسلام، ص : ۴۸

۷۵۔ مفتی محمد شفیع، مسئلہ سود ص : ۲۲

۷۶۔ A short history of Islam ص : ۵۰

۷۷۔ الرحیق المختوم، ص : ۳۰۰

۷۸۔ وفاء الوفاء، بحوالہ شبلی

۷۹۔ الصحیح المسلم، ج، ا ص : ۵۸

۸۰۔ مستدرک ج : ۲ ص : ۶۱۳

۸۱۔ الصحیح البخاری باب ہجرۃ النبی

۸۲۔ الرحیق المختوم، ص : ۲۹۹

۸۳۔ ایضاً

۸۴۔ ابوداؤد، ج ۲، ص : ۹

۸۵۔ بخاری و مسلم ذکر قتل کعب بن اشرف

۸۶۔ الرحیق المختوم، ص : ۳۰۰

۸۷۔ ایضاً

۸۸۔ واحدی اسباب النزول ، ص : ۱۴۵ (مطبوعہ مصر)، الصحیح المسلم ، ذکر رحم الیہود

۸۹۔ النساء : ۲۹

۹۰۔ المائدہ : ۴۲

۹۱۔ ایضاً : ۶۲

۹۲۔ النساء : ۱۶۱

۹۳۔ Encyclopaedia of Relagia and Ethics Page: 555-557

۹۴۔ مودودی، سود ص : ۲۱۴

۹۵۔ آل عمران : ۱۰۳

۹۶۔ تاریخ الحضارۃ الاسلامیۃ للصف الثالث، وزارت المعارف السعودیۃ، ص : ۷۱

۹۷۔ تفصیلات کیلئے التاریخ الحضارہ الاسلامیہ ص : ۶۹ تا ۹۳، ابوعبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص: ۷ تا ۴۶۲ اور سوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام ص : ۱۰۷ تا ۱۶۰

۹۸۔ البقرہ : ۸۳

۹۹۔ حٰمٓ سجدہ ۶، ۷

۱۰۰۔ البقرہ ۱۹۵

۱۰۱۔ الذاریٰت: ۱۹

۱۰۲۔ البقرہ : ۲۶۷

۱۰۳۔ ایضاً : ۲۵۴

۱۰۴۔ سوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام

۱۰۵۔ الحشر : ۶

۱۰۶۔ الانفال

۱۰۷۔ الصحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ

۱۰۸۔ ابو یوسف، کتاب الخراج

۱۰۹۔ الصحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ

۱۱۰۔ ابو یوسف، کتاب الخراج

۱۱۱۔ ایضاً

۱۱۲۔ التوبہ :۲۹

۱۱۳۔ سوہاروی

۱۱۴۔ ایضاً

۱۱۵۔ کتاب الخراج، ص : ۱۳۲، کتاب الاموال، ص : ۵۳۳ تا ۵۳۴

۱۱۶۔ النساء : ۹۲

۱۱۷۔ الصحیح البخاری، کتاب الاموال

۱۱۸۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد بھی اس کے قائل ہیں کہ یہ صدقات مال غیر مسلموں کو بھی دیا جاسکتا ہے

۱۱۹۔ سوہاروی : ۱۵۰

۱۲۰۔ کتاب الخراج، ص : ۱۲۶

۱۲۱۔ ایضاً ، ص : ۱۴۴

۱۲۲۔ ایضاً

۱۲۳۔ کنز العمال، ج ، ۵

۱۲۴۔ ابن کثیر، بدایۃ والنہایۃ، ج ، ۷ ص : ۱۳۴، مطبوعہ السعادۃ، مصر

۱۲۵۔ کتاب الخراج، ص : ۱۱۷

۱۲۶۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغۃ، ج ، ۱ ص : ۱۸۲، دار الکتب العربیۃ، مصر ۱۳۲۹ھ

۱۲۷۔ تاریخ الحضارۃ الاسلامیۃ ص : ۸۵

۱۲۸۔ مقدمہ ابن خلدون، بحوالہ تاریخ الحضارۃ الاسلامیہ

۱۲۹۔ حمید الدین، ڈاکٹر، تاریخ اسلام، باب حضرت عمر بن عبد العزیز

☆☆☆

باب سوئم

مسلمانوں کے معاشی عروج اور عالمی طاقت بننے کے اسباب

فصل اوّل

تعلیمی عروج اور جدید تعلیم حاصل کرنے کا طریقہ کار:

سب سے پہلی بات جس کی طرف اسلام نے سب سے پہلے اشارہ کیا وہ تعلیم ہے۔ نبی کی حیثیت سے حضور علیہ السلام کو سب سے پہلا حکم یہ ملا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ٥ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ ﴿ ۱ ﴾

جاہل، بدو اور جنگلی درندوں کی طرح آپس میں لڑنے مرنے اور لوٹ مار کرنے والی قوم کو اگر کسی چیز نے دنیا کی عظیم ترین قوم بنایا اور زمین کی پستیوں سے نکال کر ثریا کی بلندیوں تک پہنچایا تو وہ تعلیم ہے۔

عمر بن خطاب جیسے لوگ جو قدر با شعور سمجھے جاتے تھے، معمولی بات پر لڑ پڑتے تھے۔ دوسرے کی جان لینے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ لیکن اسلام آنے کے بعد یہی لوگ اسلامی تاریخ اور اسلام کے ایسے درخشاں ستارے بنے کہ اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں ان جیسی مثالیں نہیں ملتی ہیں۔ اسی عرب میں اسلام سے پہلے کوئی ایسا انسان یا شخصیت نظر نہیں آتی جو تاریخی یا عالمی حیثیت کی حامل ہو۔ لیکن اسلام کے بعد حضور علیہ السلام کے علاوہ ابوبکر، عمر جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ سیاست میں امیر معاویہ، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، ہارون الرشید، مامون الرشید اور عبدالرحمٰن الداخل اور اس کے جانشین ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ انہوں نے تاریخ کی کایہ پلٹ دی۔ یہ صرف اور صرف اسلام کی تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا اور پھر آئندہ چل کر اسلامی تہذیب و تمدن اور دنیاوی ترقی اور معاشی خوشحالی کی بنیاد بھی یہی دینی اور دنیاوی تعلیم ہی بنی جس کی بنیاد پر مسلمان کئی سو سال تک ہر معاملے میں دنیا کی قیادت کرتے رہے۔ پی۔ کے۔ ہٹی کے مطابق:

The victory of muslims arms under Al-Mahdi and Al-Rashid over the inveterate Byzantine enemy undoudtedly shed its lustre on this period...but what has rendered this age especially illustrious in world annals is the fact that it witnessed the most momentous intellectual awakening in the history of Islam and one of the most significant in the whole history of thought and oulture./ ٢

گویا اسلام کی تاریخ میں اگر کوئی چیز سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے جس کی وجہ سے مسلمان قوم دنیا کی عظیم تر قوم بن گئی تو وہ مسلمانوں میں علمی بیداری تھی ۔ یہ علمی بیداری (Intellectual awakening) غیر ملکی اثرات کی وجہ سے ہوئی جس کی ابتداء یونانی، رومی، اور ہندوستانی فلسفوں اور کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کرنے سے ہوئی۔

لیکن تحصیل علم کی ابتداء حضور علیہ السلام نے کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

((طلب العلم فریضة علی کل مسلم)) ﴿٣﴾

کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق کی رائے کے مطابق جب حضور السلام نے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو جن کے پاس فدیہ نہ تھا انہیں حکم دیا کہ اس کے بدلے دس لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو رہا ہو جائیں گے ﴿٤﴾۔ اصل میں تخلیق آدم کے بعد خالق نے انسان اول کو سب سے پہلے جس چیز سے سرفراز فرمایا وہ علم اشیاء تھا۔ یہ اشیاء کا علم ہی ہے جو انسان کو باقی مخلوق سے ممیز کرتا ہے۔ اور جو قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق تمام دوسری مخلوقات پر اس کی برتری قائم کرتا ہے۔ ﴿ ۵﴾

علم قیادت کا ایک خاصہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ طالوت علیہ السلام کو بادشاہ اسلئے چنا کہ وہ علم اور جسم میں امتیاز رکھتے تھے۔ ﴿٦﴾

قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو نبوت کی جو ذمہ داری سونپی گئی ہے اور آپ کے جو وظائف مقرر کیئے گئے ہیں ان میں کتاب کی تلاوت کرنا، کتاب وحکمت کی تعلیم دینا۔ تبیین آیات تزکیہ نفس اور تبلیغ ودعوت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن پاک

میں ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ (الجمعۃ:۲)

حضور علیہ السلام نے فرمایا: لوگوں میں درجہ نبوت کے قریب تر اہل علم اور اہل جہاد ہیں۔ ﴿۷﴾

حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: ((بعثت معلماً)) میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اسلامی نقطہ نظر سے انسانیت نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی اور جہالت سے نہیں بلکہ علم کی روشنی سے کیا ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ لا﴾ ﴿۸﴾

کہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء (اسماء) کا علم سکھا کر پھر فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ گویا انسانیت اور اس کی معراج کی بنیاد اور ترقی کا راز علم ہی ہے۔ اصل میں علم ہی کی بدولت اسلام اور مسلمانوں نے ترقی کی اور اس قدر عروج حاصل ہوا کہ تقریباً ایک ہزار سال تک کسی نہ کسی حوالے سے مسلمان، دنیا میں عالمی طاقت رہے اور اور بنی نوع انسان کی ترقی کے لیے اہم کردار ادا کرتے رہے۔

ہمارے نزدیک اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کا ایک ہی راز تھا کہ انہوں نے تعلیم کو فرض سمجھا اور دینوی اور اخروی کامیابیوں کی چابیاں اسی تعلیم اور تعلیم سے حاصل کیں اور قرآن پاک کی تعلیمات کو شعار بنایا کہ ﴿یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ لا وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط﴾ ﴿۹﴾ کہ خدا تعالیٰ ایمان والوں اور صاحب علم لوگوں کے درجات (بہت) بلند کرتا ہے۔

اسلام کی تعلیمات کے علاوہ بھی جتنے لوگوں نے معاشی، مادی اور تمدنی ترقی کا کھوج لگایا یا دنیاوی رفعتوں کے حصول کا طریقہ بتایا تو علمی ترقی اور عظمت ہی کو نسخہ کیمیا بتایا۔ ول ڈیورنٹ (Will Durant) نے بھی یہ کہا کہ علم قیادت کا ایک خاصہ اور ان اہم ترین عوامل میں سے ہے جو کسی تہذیب کے صحت مند ارتقاء اور نشو و نما کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ ﴿۱۰﴾ یک چینی کی کہاوت ہے:

"تمہارا منصوبہ اگر سال بھر کے لیے ہے تو فصل اگاؤ۔ اگر دس سال کے لیے ہے تو درخت لگاؤ۔ دائمی ہے تو مناسب افراد پیدا کرو۔

عالم اسلام کی علمی ترقی اور معاشی و دنیاوی عروج:

اسلام نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا ہے وہ تعلیم، غور و فکر اور تحقیق ہے اسی کو بنیاد بنا کر عرب کے صحراؤں اور بنجر زمینوں سے پھوٹنے والی ایک کرن نے پوری دنیا کو روشن کیا۔ اور تقریباً ایک ہزار سال تک، جب تک عالم اسلام نے تعلیم کو سینے سے لگائے رکھا، مسلمان بنی نوع انسان کے لیے مینارہ نور بنے رہے اور تمام عالم کی قیادت کرتے رہے۔

ا۔ قرآن کریم اور تعلیم:

قرآن پاک کی سب سے پہلی وحی تعلیم کے متعلق ہی تھی۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ٥ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥﴾ ﴿۱۱﴾

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بڑا بزرگی والا ہے جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جس کا اسے علم نہ تھا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ ﴿۱۲﴾

اللہ نے گواہی دی کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے بھی اور علم والوں نے بھی۔ وہ انصاف پر قائم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے علم کو سکھانے کو اپنے پیغمبر پر اپنا فضل عظیم قرار دیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ ﴿۱۳﴾

آپ کو وہ کچھ سکھایا جس کا آپ کو علم نہ تھا اور یہ آپ کے اوپر خدا تعالیٰ کا عظیم فضل ہے۔ خدا تعالیٰ خود اہل علم کے درجات بلند کرتا ہے۔ ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ ﴿۱۴﴾

پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں:

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ﴿۱۵﴾

کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں اور علماء کو فوقیت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ﴿فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ﴿۱۶﴾ اگر تم کسی (چیز کے بارے) میں جانتے نہیں ہو تو اہل ذکر سے پوچھو۔ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا بھی سکھائی کہ علم کی زیادتی کے لیے دعا کرتے رہا کرو۔

﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ ﴿۱۷﴾ کہہ دیجیے کہ اے میرے! میرے علم میں ترقی عطا فرما۔ ﴿وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ لا﴾ ﴿۱۸﴾ اور جنہیں علم ملا ہے وہی جانتے ہیں کہ جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا ہے وہ حق ہے۔ ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط﴾ ﴿۱۹﴾۔ اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو اہل علم ہیں۔

علم کی فضیلت، حدیث کی روشنی میں:

اسلام کے سوا کوئی مذہب ایسا نہیں یا دنیا کا کوئی تمدن (Culture) ایسا نہیں جس نے تمام انسانوں کی تعلیم کو ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہو۔ یونان اور چین نے غیر معمولی علمی اور تمدنی ترقی کی۔ ایران تہذیب و تمدن کی اعلیٰ روایات کے حوالے سے دنیا کا قائد رہا ہے لیکن وہ بھی تمام انسان کی تعلیم کے قائل نہ تھے۔ بلکہ اہل علم کے ایک طبقے پر قانع ہو گئے تھے۔ افلاطون اپنی جمہوریہ (Republic) میں جو اونچے سے اونچا خواب دیکھ سکا اس میں بھی فلاسفہ اور اہل نظر ایک مخصوص طبقے ہی کو اس امتیاز سے نوازا گیا ہے۔ لیکن اسلام وہ مذہب ہے جس نے تمام انسانوں پر تعلیم کو فرض قرار دیا اور کہا کہ

((طلب العلم فريضة على كل مسلم)) ﴿۲۰﴾

اور تعلیم کے اس فرض کو پورے معاشرے کی ذمہ داری بنایا

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

((فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنا کم)) ﴿۲۱﴾

عالم کی عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی تمہارے ادنیٰ پر میری ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین باقی رہتے ہیں۔

۱۔ صدقہ جاریہ

۲۔ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں

۳۔ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے ﴿۲۲﴾

آپ ﷺ نے فرمایا:

جو علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے خدا تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلا دیتا ہے ﴿۲۳﴾ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ((من سُئِل عن علم فکتمہ الجمہ اللہ یوم القیامۃ بلجام من النار)) ﴿۲۴﴾ جس سے کوئی علمی سوال پوچھا گیا اور اُس نے چھپایا تو قیامت کے دن ایسے شخص کو آگ کی لگام دی جائے گی۔ آپ ﷺ اکثر کہا کرتے تھے کہ "کہ عالم کی سیاہی ایک شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے۔" ﴿۲۵﴾

دوسری جگہ فرمایا: ((اطلب العلم و لو کان فی الصین)) ﴿۲۶﴾ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے حضور علیہ السلام نے خود بھی یہی فرمایا کہ بعثت معلما کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ خدا نے جو اپنے پیغمبر ﷺ کی ڈیوٹی لگائی ہے وہ تعلیم و تربیت کے متعلق ہی ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج﴾ ﴿۲۷﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا ہے کہ ان میں ایک رسول بھیجا ہے کہ جو انہیں میں سے ہے وہ ان پر خدا کی آیات پڑھتا ہے انہیں پاک کرتا ہے (تزکیہ کرتا ہے) اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ عالم آدمی کے لئے زمین و آسمان کی ہر شے دعا کرتی ہے حتیٰ کہ سمندر میں مچھلیاں بھی عالم آدمی

کے لیے دعا کرتی ہیں ﴿۲۸﴾۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ((العلم خزائن و مفتاحها السوال فاسئلوا یرحمکم الله)) ﴿۲۹﴾۔ علم خزانہ ہے اور سوال (کرنا) اس کی چابیاں ہیں سوال کیا کرو خدا تم پر رحم کرے۔

فصل دوئم

حضرت عمرؓ کے دور حکومت کی عظمت میں تعلیم کا کردار

حضرت عمرؓ کا دور حکومت تاریخ اسلام میں ایک ایسا درخشندہ ستارہ ہے جس کی روشنی سے مستقبل میں اسلامی تہذیب وتمدن منور ہوئی۔ اصل میں عالم اسلام کی ایک ہزار سال تک کی عظمت اور عالمی طاقت بنے رہنے کا سہرا صرف اور صرف حضرت عمرؓ اوران کے دور حکومت کو جاتا ہے۔ جو اسلامی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی کامیابیوں کا سہرا اگر کسی چیز کو جاتا ہے تو وہ تعلیمی میدان میں ان کی انتہائی دلچسپی ہے۔ حضرت عمرؓ اگر چہ کشتی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے اور جاحظ نے لکھا ہے وہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے تھے۔ اور اس طرح بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔ ﴿۳۰﴾

حضرت عمرؓ کا زمانہ جاہلیت میں بڑا امتیاز اوران کی عظمت کی سب سے بڑی وجہ ان کا علمی رتبہ تھا جس کے ذریعے ان میں قوت گویائی آئی۔ وہ بات چیت اور تقریر وخطابت کے ذریعے دوسروں کو قائل کرنے کے ماہر تھے اور پھر قریش نے آپؓ کو سفارت کا منصب دیا" یہ امر تمام مؤرخین نے بالا اتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے دیا تھا اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا ہو" ﴿۳۱﴾۔ علامہ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں سترہ آدمی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان میں سے ایک حضرت عمرؓ تھے۔ ﴿۳۲﴾ حضرت عمرؓ نے اسلام سے پہلے یہ تعلیم اور معاملہ فہمی دو طریقوں سے حاصل کی۔ آپؓ کو شعر وشاعری اور تقریر کا شوق تھا۔ عکاظ کے میلے میں جاتے اور وہاں شعراء کا کلام سنتے اور بڑے بڑے خطباء کی تقریریں اور حکمت کی باتیں سنتے جس کی وجہ سے آپؓ پڑھے لکھے اور معاملہ فہم بن گئے۔ دوسری وجہ تجارت کے لیے دوسرے ملکوں میں سفر کرنا۔ وہ تجارت کی غرض سے دور دراز ملکوں میں جاتے اور وہاں بڑے بڑے لوگوں سے ملتے۔ دوسرے ملکوں کی تہذیب وتمدن دیکھتے۔ نئی نئی باتیں اور طریقے سیکھتے جس کی وجہ سے آپؓ مدبر (Diplomat) بن گئے۔ آپؓ میں خوداری آ گئی۔ معاملہ فہم بن گئے۔ یہ سارے گر اور طریقے اسلام لانے سے پہلے آ گئے تھے۔ اوراس کی وجہ تعلیم ہی تھی۔ تعلیم اور سمجھداری ہی کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اپنی بہن فاطمہؓ کے گھر سے جب قرآن پاک کی چند آیتیں سنیں۔ غور وفکر اور تدبر سے سنیں۔ تو فوراً اسلام قبول کر لیا کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔ آپؓ

چونکہ عربی زبان وادب کے ماہر تھے۔ بڑے بڑے شعراء کے شعر یاد تھے۔ خود بھی بڑے خطیب اور مقرر تھے اور بڑے بڑے لوگوں کی باتیں میلے اور بازاروں میں سنتے رہتے تھے۔ لہٰذا آپؓ نے سمجھ لیا کہ یہ قرآن پاک کسی بشر کا کلام نہیں ہوسکتا۔

اسلام لانے کے بعد آپؓ کے علم اور معاملہ فہمی کو چار چاند لگ گئے۔ آپؓ ایسی ایسی باتیں کرتے اور حضور علیہ السلام کو بعض اوقات ایسی رائے دیتے کہ خدا عمرؓ کی تائید میں قرآن پاک میں وحی اتار دیتا۔ چنانچہ اذان کا طریقہ آپؓ ہی کی رائے کے مطابق قائم ہوا۔ اسیران بدر کے معاملے میں بھی آپؓ کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی۔ ﴿۳۳﴾

ازواج مطہرات کے پردے اور منافقین خاص طور پر عبداللہ ابی کے جنازے کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق ہی خدا کا فیصلہ آیا حضرت عمر کی رائے سے ہی حضرت ابوبکر صدیق نے قرآن پاک کو مدوّن کیا۔

اسلامی شریعت، قانون اور فقہ میں حضرت عمرؓ کا مرتبہ:

اسلامی شریعت اور فقہ کے اصل امام حضرت عمرؓ ہی تھے۔ صحابہ میں آپ کے پائے کا فقیہ، اسلامی شریعت (Islamic Juris-Prodence) اور قانون کا ماہر کوئی نہ تھا۔ اس فن کا صحابہ کرامؓ کو اعتراف تھا۔ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ ومنسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا ایسا کون شخص ہے حذیفہ نے کہا عمر بن خطاب۔ ﴿۳۴﴾ عبداللہ بن مسعود کا قول ہے " کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلڑے میں رکھا جائے اور عمرؓ کا دوسرے پلہ میں تو عمر کا پلہ بھاری ہے۔ ﴿۳۵﴾ شاہ ولی اللہ حضرت عمرؓ کے مسائل فقیہ کی تعداد ایک ہزار بتاتے ہیں۔ ﴿۳۶﴾ فقہ کے کئی مراکز تھے، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام، مکہ میں عبداللہ بن عباسؓ مدینہ میں زید بن ثابتؓ وعبداللہ بن عمرؓ کوفہ میں حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوموسیٰ اشعری۔ شام میں ابودرداء اور معاذ بن جبل۔ ان میں حضرت علی کے سوا سب ہی تقریباً حضرت عمرؓ کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ: حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں ﴿۳۷﴾۔ صفوان بن سلیم کا قول ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں عمرؓ ،علیؓ ،معاذؓ اور ابوموسیٰ اشعری کے علاوہ کوئی فتویٰ نہیں دیتا تھا ﴿۳۸﴾ حضرت عمرؓ نے اپنی عظیم اور بے مثال حکومت کی بنیادیں بھی تعلیم سے بنائی تھیں اور پھر مسلسل اس کی رگوں میں تعلیم ہی کو بطور خون دوڑاتے رہے۔ اپنے عمال، گورنروں اور فوج کے اعلیٰ افسروں کے تقرر میں ان کی تعلیمی قابلیت کا خیال رکھتے اور گاہے بگا

ہے تعلیم تربیت کے لیے فرامین جاری کرتے رہتے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا: لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستے دکھاتے ہیں۔ ﴿۳۹﴾ تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا وہ یہ تھا: **علموا اولا دکم العموم الفرسیة دروؤھم ماسارمن المثل وحسن من الشعر** کہ اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھاؤ اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔ ﴿۴۰﴾

ادب اور شعر وشاعری کا علم:

فقہ اور شریعت اسلامی کے علاوہ حضرت عمرؓ عربی زبان وادب کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپکو ہزاروں اشعار یاد تھے اور اشعار کے محاسن سے خوب واقف تھے۔ آپؓ کی تنقید (Criticism) بڑی اہمیت کی حامل تھی علامہ ابن رشیق اپنی کتاب "لقیروانی کتاب العمدۃ" میں لکھتے ہیں۔ ﴿۴۱﴾

وکان من انقد اھل زمانه للشعر و انقدھم فیه معرفة

یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔

جاحظ کہتا ہے:

کان عمر ابن خطاب اعلم الناس بالشعر ﴿۴۲﴾

یعنی حضرت عمر اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر شعر کے جاننے والے تھے۔

حضرت عمرؓ زہیر بن ابی سلمیٰ کو اشعر الشعرا کہتے ہیں۔ زہیر کے بعد حضرت عمرؓ نابغہ کے معترف تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے کچھ اشعار پڑھ کر کہا کہ یہ کس کے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ نابغہ کے۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے۔

حلف فلم اترک لنفسک ریبة　　　ولیس وراہ اللہ للمرء مذھب

تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ اشعر العرب ہے ﴿۴۳﴾۔ امراء القیس کے متعلق یہ فرمایا کہ وہ سب سے آگے ہے اس نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا۔ اسی نے اندھے مضامین کو بینا کیا۔ ﴿۴۴﴾

عبرانی زبان سے واقفیت:

قرائن بتاتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو عبرانی زبان بھی آتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جب توریت کے متعلق کچھ

پڑھنا یا معلوم کرنا ہوتا تھا تو عبرانی (Hebrew) نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ مسلمان عبرانی (Hebrew) نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا یہ خدمت یہودیوں سے لی جاتی تھی۔ ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ کان اھل الکتاب یقرؤون التوراۃ بالعبرانیۃ و یفسرونھا بالعربیۃ لا ھل الاسلام ﴿۴۵﴾۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ حضرت محمد ﷺ کے پاس لے گئے اور پڑھنا شروع کیا تو سنتے سنتے آنحضرت ﷺ کا غصے سے رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا ﴿۴۶﴾ اس سے مراد ہے کہ حضرت عمرؓ کو عبرانی آتی تھی کیونکہ اس وقت توریت کا ابھی عربی میں ترجمہ تو ہوا نہیں تھا۔ یہودیوں کے ہاں توریت کا درس ہوتا تو حضرت عمرؓ ان کے ہاں اکثر تشریف لے جاتے اور توریت کا درس سنتے۔ اسی لئے یہودی کہتے ہیں کہ ہم عمر کو تم سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ﴿۴۷﴾ اس طرح حضرت عمر نے عبرانی بھی سیکھ لی اور یہودی عقائد کے متعلق آپ کے پاس علم بھی کافی ہوگیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپؓ کو یہودی افسانوں اور قصوں سے نفرت ہوگئی اور شام و عراق میں فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے یہودیوں کی تصنیفات پڑھنے سے مسلمانوں کو سختی سے روک دیا کیونکہ آپؓ کو یہودیت کے متعلق کافی علم تھا۔

حضرت عمرؓ کی تعلیمی پالیسی اور جدوجہد:

حضرت عمرؓ نے تعلیم کو نہایت ترقی دی تمام مفتوحہ ممالک میں فتح کے بعد سب سے پہلا کام تعلیمی مکاتب کا قیام ہوتا۔ جن میں قرآن مجید اخلاقی تعلیم اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے صحابہ کرام اضلاع میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے جاتے تھے۔ مدرس و معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی جاتی تھیں۔ لیکن یہ تعلیم زیادہ تر مذہبی ہوتی تھی۔

حضرت عمرؓ ﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ﴾ پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ اور زبردستی اسلام مسلط کرنے کے خلاف تھے۔ جب باوجود کوشش کے حضرت عمرؓ کا غلام اسلام نہ لایا تو آپؓ نے فرمایا ﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ﴾ حضرت عمر جس ملک میں فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ قتال سے پہلے اسلام کی دعوت دو اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھاؤ۔ فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص کو جو خط لکھا اس میں حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ تھے۔

((وقد کنت امرتک ان تدعوا من لقیتہ الی الاسلام قبل القتال))

کسی آفیسر کے تقرر میں علم اور اسلامی شریعت سے آگاہی کو مدنظر رکھتے۔

قاضی ابو یوسف کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ فوجی آفیسر مقرر کرتے وقت صاحب علم اور فقیہ ہونے کو مدنظر رکھتے۔ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم وفقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ ﴿۴۸﴾

شام اور ایران کی فتوحات میں ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو سفارتیں بھیجی گئی تھیں انہوں نے اپنی علمی فقہی دولت ہی کی بدولت اسلام کے عقائد اور اصول پیش کیے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں معاشی ترقی کے ساتھ اسلام بھی بڑی کثرت سے پھیلا۔ اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ تھی کہ غیر مسلم قوموں کو اسلام کا جو نمونہ پیش کیا جاتا تھا وہ ایسے پاکیزہ، ایماندار اور کامل انسانوں کا ہوتا تھا۔ کہ لوگ خود بخود اسلام کی طرف چلے آتے تھے۔ خاص طور آفیسرز، عمال اور قائدین اپنے علمی اور عملی کردار سے لوگوں کے سامنے اس قسم کی مثالیں پیش کرتے کہ لوگ اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے۔ شام میں رومیوں کا سفیر ابوعبیدہ کی فوج میں آیا تو متاثر ہو کر دفعتاً اسلام لے آیا اور اپنی قوم سے الگ ہو گیا۔ شطا، جو مصر کی حکومت کا بڑا رئیس تھا مسلمانوں کے حالات سے اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا ﴿۴۹﴾۔ ۱۶ھ میں جب جلولا فتح ہوا تو جمیل بن بصیری، بسطام نرسی، رفیل اور فیروزان جیسے رئیس مسلمان ہو گئے ﴿۵۰﴾۔ اور ان کی رعایا خود بخود مسلمان ہو گئی۔ قادسیہ کے معرکہ کے بعد خسرو پرویز کی تربیت یافتہ فوج جو امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی جس کی تعداد 4000 تھی، سب کی سب مسلمان ہو گئی۔ ﴿۵۱﴾

اسلام پھیلنے کی وجوہات:

یزدگرد نے جب خاقان چین سے مسلمانوں کے خلاف مدد طلب کی تو اس نے حالات و واقعات کی وجہ سے یزدگرد کو جواب دیا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے ﴿۵۲﴾۔ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا تو فوج کے سردار نے اسے گرفتار کر لیا اور سزا دینی چاہی تو بہادر نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے اڑا کر کہا کہ جس قوم پر یہ تیر بھی اثر نہ کریں تو اس کا مطلب ہے خدا ان کے ساتھ ہے ان سے لڑنا نہیں چاہیے ﴿۵۳﴾۔ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو خط لکھا کہ رومیوں کی سلطنت اب ختم ہو چکی۔ اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔ ﴿۵۴﴾ عربوں میں اسلام کے زیادہ پھیلنے کی ایک وجہ اگرچہ یہ تھی کہ حضرت محمد ﷺ عربی تھے۔ لیکن اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلامی تعلیمات نے مسلمانوں کے اخلاق و کردار کو جس طرح

پاکیزہ اور خوبصورت بنا دیا تھا۔ اس سے غیر مسلم بہت متاثر ہوتے تھے۔ مسلمان اخلاق عالیہ کا اس وقت ایک بے مثال نمونہ بن گئے تھے۔ اس دور میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا (اکثر) جو کہ عرب تھے، مسلمان ہو گئے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف مسلمانوں کا علمی دبدبہ اور ان کی سچائی تھی جس کا کوئی توڑ نہ تھا۔ دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام "اردکون" تھا مسلمان ہو گیا اور خالد بن ولید کے ساتھ مل گیا۔ ﴿۵۵﴾

حضرت عمر کی اشاعت اسلام و تعلیم میں تدابیر اور جدوجہد:

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر کے دور میں قرآن پاک کی تدوین کا معاملہ پیش ہوا تو حضرت عمر کے اصرار ﴿۵۶﴾ اور کوششوں سے ہی حضرت ابوبکر تدوین (Compilation) قرآن اور اسے اکٹھا کرنے پر رضا مند ہوئے تا کہ وہ محفوظ ہو سکے جبکہ اس سے پہلے قرآن پاک کتابی شکل میں موجود نہ تھا خاص طور پر مسلیمہ کذاب سے لڑائی میں تقریباً پانچ صد حفاظ بھی شہید ہو گئے تو حضرت عمر نے فرمایا اگر اس طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا۔ حضرت عمر نے قرآن پاک کی حفاظت اور اس کی تعلیم کو عام کرنے کیلئے تین نہایت ہی اچھے قدم اٹھائے۔ حفظ کی ترغیب دلا کر ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنائے، اعراب اور الفاظ کی صحت کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی لہجہ بھی مضر کے لہجے کے مطابق لکھا جاتا کیونکہ قرآن پاک مضر ہی کی خاص زبان میں اترا تھا۔ ﴿۵۷﴾ حضرت عمر نے تمام مفتوحہ ممالک میں قرآن پاک کی تعلیم کیلئے معلمین مقرر کئے اور معلمین کو تنخواہ دینے کی ابتداء کی۔ ﴿۵۸﴾

خانہ بدوش بدو (اعرابی) جو نومسلم تھے ان کے لئے ان کے قبائل میں حضرت عمرؓ بعض اہل کاروں کا مقرر فرماتے کہ جس کو قرآن مجید کا کچھ حصہ یاد نہ ہوا سے سزا دیں ﴿۵۹﴾ حضرت عمرؓ نے معاذ بن جبلؓ، عبادۃ بن صامت اور ابودرداء جیسے قرآن کے علماء کو شام کی طرف بھیجا تا کہ وہاں قرآن کی تعلیم عام ہو سکے۔ بعد میں حمص میں ہی قیام کیا۔ ابودرداء دمشق اور معاذ بن جبل فلسطین روانہ ہوئے اور طاعون عمواس میں وفات پائی۔ ﴿۶۰﴾ حضرت عمر نے ضروری اور احکامات والی سورتوں کے متعلق حکم دیا کہ انہیں تمام لوگ سیکھیں کیونکہ ان میں فرائض و احکام مذکور ہیں۔ ﴿۶۱﴾ انہوں نے حکام کو یہ بھی لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن پاک سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں ﴿۶۲﴾ قرآن پاک پڑھانے کیلئے لغت کا عالم ہونا ضروری تھا۔ حضرت عمر نے احکامات

جاری فرمائے تھے کہ

۱۔ قرآن مجید کے ساتھ صحت والفاظ واعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔

۲۔ عربی اور ادب کی تعلیم بھی ساتھ لازمی تھی۔

۳۔ یہ کہ جو لغت کا عالم نہ ہو وہ قرآن نہ پڑھائے۔ ﴿۶۳﴾

حضرت عمر نے حدیث کی روایت میں بھی جو اصول وضع کیے تھے وہ بہت بڑا کارنامہ ہیں۔اسی طرح احکام فقہ اور مسائل کے استنباط کرنے میں حضرت عمرؓ بڑے ماہر تھے۔آپ نے تقریباً ایک ہزار فقہی مسائل استنباط (Deduction) کیے۔ایک دفعہ آپ نے مجمع عام میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔قاضی ابو یوسف کہتے ہیں۔**ان عمر ابن الخطاب اذا جتمع الیه جیش من اهل الایمان بعث علیهم رجلا من اهل الفقه و العلم** ﴿۶۴﴾ حضرت عمرؓ نے تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلم متعین کیے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں۔ہر شہر میں متعدد فقہا و علما اس کام پر مامور تھے۔ ﴿۶۵﴾ اس طرح مشہور صحابی جن کا علمی رتبہ بھی بڑا تھا یعنی عمران بن حصین، کو عمرؓ بن خطاب نے بصرہ میں تعلیم شریعت کیلئے بھیجا تھا طلباء اور خاص طور پر قرآن پاک کے طلبہ کے وظائف مقرر کیے جاتے ﴿۶۶﴾۔حضرت ابو بکر صدیق دو سال کے مختصر عرصہ خلافت کے بعد چل بسے اس مختصر دور میں زیادہ تر وقت اندرونی شورشوں کو ختم کرنے پر صرف ہوا۔تاہم منکرین زکوٰۃ اور جھوٹے نبیوں کا خاتمہ کرنے کے بعد ابو بکرؓ بیرونی دشمنوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

روم اور ایران کے ساتھ معرکے اور فتوحات:

ایران:

عربوں اور ایرانوں میں مدت سے رقابت چلی آرہی تھی۔جب آنحضرت ﷺ نے شہنشاہ ایران یزدگرد کو خط لکھا اور اسلام کی دعوت دی تو وہ سخت غضب ناک ہوا اور حضور ﷺ کا خط پھاڑ کر کہا کہ "میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے" اور فوراً یمن کے فرمانروا کی طرف حضور ﷺ کی گرفتاری کا خط لکھا۔ ﴿۶۷﴾ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اسلام نے سارے عرب کو متحد کر دیا

اور مسلمان ایک طاقت بن گئے اور ایرانی حکومت اسلام کو اپنے لئے خطرہ سمجھنے لگی۔ اس زمانہ میں ایران سیاسی طور پر کمزور ہورہا تھا۔ خسرو پرویز تک مستحکم حکومت رہی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شہرو یہ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے بھائیوں کو قتل کر دیا۔ یہ کل آٹھ مہینے تک برسر اقتدار رہا۔ اس کے بعد اس کا صغیر السن بیٹا بادشاہ بنا جس کو ایک درباری نے قتل کر دیا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ چند دنوں بعد دوسرے درباریوں نے اسے بھی قتل کر دیا اور "جوان شیر" کو تخت نشین کیا۔ ایک ایک سال بعد یہ بھی مر گیا اور اس کا ایک بچہ جس کا نام "یزدگرد" تھا، کے علاوہ کوئی بھی شاہی خاندان کا مرد ممبر نہیں تھا۔ چنانچہ ایک عورت "بوران دخت" کو اس شرط پر اقتدار دیا گیا کہ یزدگرد کے سن شعور کو پہنچنے پر اسے بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ ﴿۶۸﴾

عراق کے عرب قبائل بھی ایرانی ظلم وستم سے تنگ تھے۔ چنانچہ ان کے کچھ لوگ جن میں مثنٰی اور حارثہ شیبانی بھی شامل تھے جو کہ قبیلہ وائل کے سردار تھے، مسلمان ہو گئے۔ پھر انہوں نے اپنے قبیلہ کو بھی مسلمان کر لیا۔ مثنٰی نے حضرت ابو بکرؓ سے مدینہ جا کر ایران پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن ولید کو راستے سے ہی مثنٰی کی مدد کرنے کے لیے عراقی سرحد پر جانے کا حکم دیا جو کہ مدعیان نبوت اور مرتدین سے فارغ ہو کر واپس مدینہ آ رہے تھے۔ خالد بن ولید راستے سے ہی مثنٰی کی مدد کے لیے عراق چلے گئے اور عراق کے ایرانی حاکم ہرمز کو شکست دی اور ہرمز جنگ میں مارا گیا۔ پھر اردشیر نے ہرمز کی شکست زدہ فوج کی قیادت قارن کے سپرد کی۔ مقام فدار میں قارن کی فوج کا مقابلہ خالد بن ولید کی فوج سے ہوا۔ جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ قارن انوشجان اور قباد جیسے بڑے بڑے افسران کام آئے اور ان کی تقریباً تیس ہزار فوج بھی ہلاک ہوئی۔ ﴿۶۹﴾ اس کے بعد ابو بکرؓ کی حکمت و دانائی اور تدبر اور خالد کی فوجی قیادت کی وجہ سے بفضل خدا حیرہ بھی فتح ہوا اور ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ جزیہ ادا کرنے کے معاہدے پر صلح ہوئی ﴿۷۰﴾۔ حیرہ کے قرب وجوار کے باشندوں نے بھی تیس درہم سالانہ پر معاہدہ کر لیا۔ اس طرح عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ﴿۷۱﴾۔ اسی دوران اردشیر مر گیا۔ فرخ زاد کو بادشاہ بنایا گیا۔ حکومت اندرونی اختلافات کی وجہ سے کمزور ہو رہی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے خلاف متحد تھے خالد آگے بڑھتا گیا۔ خالد نے انبار فتح کیا۔ کرخ کے مقام پر ایرانیوں کو شکست دی۔ دومۃ الجندل فتح ہوا اور جودی شکست کھا کر مارا گیا۔ قلعہ فتح ہوا ﴿۷۲﴾۔

پھاٹک توڑ کر قلعہ میں داخل ہوا بہت سا سامان ہاتھ آیا۔ اسی طرح "فراض" نہایت ہی اہم مقام تھا۔ یہاں شام، عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اس لئے اپنی حفاظت کیلئے رومی بھی ایرانیوں کے ساتھ ہو گئے۔ عرب قبائل بھی ساتھ ہوئے۔ ایرانیوں

،رومیوں اور عربوں کی متحدہ فوج کو خالد بن ولید کی فوج نے شکست دی اور تقریباً ساری فوج ہی تباہ ہوگئی کیونکہ وہ فرات پار کر آئے تھے اور پیچھے فرات واقع ہونے کی وجہ سے تمام فوج تباہ ہوگئی۔

رومیوں سے لڑائی اور شام کی فتوحات:

۱۳ھ میں صحابہ کے مشورہ سے ابو بکرؓ نے شام پر فوج کشی کا فیصلہ کیا۔صدیق اکبرؓ نے شام کے ہر ہر حصے پر علیحدہ علیحدہ فوجیں بھیجیں جو مختلف جرنیلوں کے ماتحت تھیں جن کی تعداد تقریباً ستائیس (۲۷۰۰۰) ہزار تھی ﴿۷۳﴾۔رومیوں نے بھی مختلف مقامات پر کئی دستے تعینات کئے تھے۔سب سے پہلے بصری والوں کو شکست دی اور جزیہ ادا کرنے پر صلح ہوئی کہ مسلمان جزیہ کے بدلے بصریٰ کی حفاظت کریں گے ﴿۷۴﴾۔ عمرو بن عاص نے خالد بن ولید کی مدد سے فلسطین میں مقام اجنادین پر رومیوں کو شکست دی اور اجنادین پر قبضہ کرلیا۔پھر دمشق کا محاصرہ کرلیا۔کامل تین مہینے تک محاصرہ جاری رہا کہ حضرت ابو بکرؓ کا زمانہ ختم ہوگیا اور وہ فوت ہوگئے۔ ﴿۷۵﴾

مالی انتظام اور معاشی خوشحالی کی ابتداء:

فتوحات کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ کے دور میں مالی اور معاشی استحکام اور انقلاب کی ابتداء ہوئی۔زکوٰۃ،عشر، جزیہ اور مال غنیمت میں قابل ذکر اضافہ ہوا۔لیکن حضرت ابو بکرؓ نے کوئی بیت المال یا خزانہ (Treasury) قائم نہیں کیا۔حکومتی مصارف سے جو بچتا وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔آخری دنوں میں ابو بکرؓ نے بیت المال کے لئے ایک عمارت تعمیر کروائی لیکن اس میں کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی۔ایک دفعہ کسی نے سوال کیا بیت المال میں کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے۔صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اس کی حفاظت کے لئے ایک قفل ہی کافی ہے ﴿۷۶﴾۔اکثر روپے تقسیم کرنے کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے۔اسی لئے آپ کی وفات پر بیت المال میں صرف ایک درہم تھا ﴿۷۷﴾۔آپ کے آخری وقت میں رعایا خوشحال تھی۔

کامیابی کی اصل وجہ علمی فوقیت ہے:

ابوبکرؓ کی کامیابی کی اصل وجہ ان کی علمی قابلیت اور تفوق، ان کا تدبر، ان کی حکمت اور دانائی اور دوراندیشی تھی جو دوسرے صحابہ میں موجود نہیں تھی۔ حتیٰ کہ حضرت عمر بھی آپ سے پیچھے تھے۔ صدیق اکبرؓ سب سے زیادہ اسرار شریعت سے واقف اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے۔ قرآن وحدیث، تفسیر، فقہ اور جملہ علوم میں آپ کا رتبہ نہایت ہی بلند تھا۔ فہم اور تدبر میں بے مثال تھے۔ دقیق نظر اور باریک بینی میں سب سے ممتاز تھے۔ اسی وجہ سے آپ نے حالات اور واقعات، خاص طور پر جھوٹے مدعیان نبوت اور منکرین زکوٰۃ کا احسن طریقے سے مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔

حضرت عمر کا دور اور معاشی ترقی کی انتہاء۔ ایرانی دارالخلافہ مدائن کی فتح:

حضرت عمرؓ کے دور میں جتنی دولت عربوں میں آئی ہے اور جتنے سونے اور چاندی کے ڈھیر مدینہ کے لوگوں نے دیکھے ہیں عربوں کی تاریخ میں حجاز کے لوگوں نے اس کا عشر عشیر بھی نہیں دیکھا۔

ایک دفعہ حیرہ کے ایک جنگجو پر اعتراض ہوا کہ وہ معزز آدمی کی ایک معزز اور خوبصورت لڑکی ایک ہزار درہم میں بیچ رہے ہیں تو اس جنگجو نے جواب دیا: میں نے دس صد سے زیادہ رقم کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک ہزار روپے سے زیادہ تعداد میں بھی رقم ہوتی ہے۔ ﴿۷۸﴾ یعنی عام عربوں کو سادہ زندگی یا غربت کی وجہ سے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ایک ہزار سے زیادہ بھی رقم ہوتی ہے لیکن مسلمانوں نے جب ایران فتح کیا تو جون ۶۳۷ء میں حضرت سعدؓ دارالخلافہ ایران، مدائن (Ctesiphon) میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ اس فتح کے نتیجے میں جو دولت اور پیسہ مسلمانوں کے ہاتھ بطور غنیمت لگا اس کی مالیت (Estimate) تقریباً نو ارب درہم لگایا گیا ہے۔ ﴿۷۹﴾

"The occupation of the greatest royal city in hither Asia brought the Sons of barren Arabia into Contact with the Luxuries and comforts of the then modern life" ﴿۸۰﴾

سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت ہی عبرت ہوئی۔ اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں۔

﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ قف

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ ﴿۸۱﴾

فتح کے بعد ایوان کسریٰ میں ہی نماز جمعہ ادا کی۔ ایران میں یہ پہلا جمعہ تھا۔ ایوان کسریٰ میں جس قدر مجسم تصویریں تھی برقرار رکھیں۔ ﴿۸۲﴾

دو تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ دیوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر اکٹھے کئے جائیں۔ چنانچہ کیانی کے عہد سے لے کر نوشیروان تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ مختلف بادشاہوں، ایرانی اور دوسرے یعنی خاقان، چین، راجہ داہر، قیصر روم، نعمان بن منذر وغیرہ کی زرہیں اور تلواریں اور دوسرے ہتھیار وغیرہ تھے۔ ہرمز اور کیقباد کے خنجر تھے۔ نوشیروان کا تاج زرنگار اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی، مہار میں بیش قیمت یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب وغریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی بہار کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان مہیا کئے گئے تھے بیچ میں سبزے کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول پھل تھے اس پر طرہ یہ کہ جو کچھ تھا وہ زروجوہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین۔ زمرد کا سبزہ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے اور جواہرات کے پھل تھے۔ یہ تمام سامان فوج کی غارتگری میں ہاتھ آیا تھا۔ لیکن افسران اور فوجی ایسے دیانتدار تھے کہ جس کے ہاتھ میں جو چیز بھی آئی بعینہ اسی طرح لاکر افسر کے سامنے رکھا اور سعد نے حیرانگی سے فرمایا کہ آفرین ہے فوج پر اتنے قیمتی سامان کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ جب یہ سامان اکٹھا کیا گیا تو دور دور تک میدان جگمگا اٹھا۔ چنانچہ یہ سارا سامان مدینہ میں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا گیا۔ تاکہ اہل عرب بھی ایرانیوں کے جاہ جلال اور اسلامی فتوحات واقبال کا تماشہ دیکھیں ﴿۸۳﴾ ایران کی فتوحات سے عربوں میں ایک دم دولت کی فراوانی ہوگئی عربوں میں سونا کم اور چاندی زیادہ استعمال ہوتی تھی۔ سونے اور چاندی کی اس قدر بہتات ہوگئی کہ سونے چاندی کی ڈھیلیاں عام لوگ ہاتھوں میں لئے پھرتے تھے ہٹی (Hitti) کہتا ہے۔

The yellow (Gold), sometime unfamiliar in Arabia, was offered by many in exchange for the white (Al-bayda, Silve) ﴿۸۴﴾

مظہر الحق بھی اپنی تاریخ اسلام میں اسی قسم کی باتیں کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

The Gold was so abundant that it became cheeper than Silver. ﴿۸۵﴾

ہٹی Hitti کے نزدیک سعد بن ابی وقاص کی آرمی میں 3500 سے 4000 لوگ تھے۔ جن میں عورتیں بچے اور غلام بھی شامل تھے۔ ﴿۸۶﴾ مظہر الحق کے نزدیک 60000 (ساٹھ ہزار) کی فوج تھی۔ اور ہر فوجی کے حصے میں 12000 درھم کا مال آیا۔ وہ کہتا ہے:

The share of each soldiers come to 12000 Dirhams and ther were 60,000 Soldiers in Sads' army. ﴿۸۷﴾

جہاں تک درھم کی قدر یا قیمت کا تعلق ہے وہ آپ اس سے اندازہ لگالیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ تھے ۔تو دو درھم روزانہ ان کے ذاتی اخراجات تھے۔ ﴿۸۸﴾ اور عباسی خلیفہ منصور کے دور میں مینڈ ھا ایک درھم میں گائے کا گوشت ایک درھم میں ایک من اور بکرے کا گوشت ایک درھم میں تیس سیر ملتا تھا۔ شہد ایک درھم میں پانچ سیر اور چربی ایک درھم میں چھ سیر ملتی تھی۔ ﴿۸۹﴾

یہ عباسی دور میں رعایا کی خوشحالی اور ترقی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ مدائن کا مال مدینہ میں پہنچا تو اس میں اکابرین کے علاوہ حضرت علیؓ کو (۲۰،۰۰۰) بیس ہزار حصہ ملا۔ ﴿۹۰﴾

جلولا اور حلوان کی فتح اور دولت کی بھرمار:

جلولا بغداد کے سواد میں ایک شہر ہے۔ جو خراساں جاتے وقت راہ میں پڑتا ہے۔ ﴿۹۱﴾

مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولا میں جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شہر کے گرد خندق کھدوائی۔ سعد نے حضرت عمرؓ کو مطلع کیا اور اجازت مانگی۔ حضرت عمرؓ نے ہاشم بن عتبہ کی قیادت میں بارہ ہزار (12000) کا لشکر اس مہم میں مقرر کرنے کا حکم جاری کیا۔ مقدمتہ الجیش قعقاع کے سپرد ہوا۔ قعقاع نے ان جنگوں میں اور پھر آخر میں حلوان کے معرکے میں اہم کردار ادا کیا۔ ہاشم

جو مدائن میں تھے، حضرت عمرؓ کے حکم پر چوتھے دن جلولا پہنچے اور جلولا شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح 80 معرکے ہوئے۔ آخر میں قعقاع کی بہادری اور تدبر کام آیا۔ اور مسلمان فتح مند ہوئے۔ علامہ طبری کی روایت کے مطابق تقریباً ایک لاکھ آدمی قتل ہوا۔ اور تین کروڑ (درہم کے لگ بھگ) مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ﴿۹۲﴾ یزد گرد کو جلولا کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان چھوڑ کر رے روانہ ہوا۔ اور ایک افسر خسرو شنوم کو حلوان کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا۔ لیکن قعقاع نے قصر شیریں کے نزدیک خسرو شنوم کا مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ قعقاع نے آگے بڑھ کر حلوان پر قبضہ کر لیا۔ فتح کے بعد اطراف کے رئیس آتے اور جزیہ قبول کرتے جاتے تا آنکہ چاروں طرف امن وامان قائم ہوگیا۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ ﴿۹۳﴾ مظہر الحق کہتا ہے:

The Muslim again capture huge at Jalula and Hulwan. ﴿۹۴﴾

دولت کے انبار اور سونا چاندی کے ڈھیر دیکھ کر حضرت عمرؓ کے آنسو نکل گئے مدائن کے بعد جلولا اور حلوان کی فتح ہوئی تو مسلمانوں کے پاس دولت کی نہریں بہنے لگیں۔ ایک ایک فوجی کے پاس ہزاروں درھم آگئے اور اس کے علاوہ مال و دولت کی فراوانی ہوگئی۔ مال غنیمت میں سے جب وفاقی حکومت کا حصہ مدینہ پہنچا تو مسجد میں ہیرے جواہرات، سونا، چاندی اور پیسوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اس قدر دولت کو دیکھ کر دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑے۔ مظہر الحق کہتا ہے:

When the royal reached Madina, Hazrat Umar was reduced to tears on seeing this immense wealth of persians.﴿۹۵﴾

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ روئے کیوں ہیں؟ یہ تو خوشی کا موقع ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا نہیں۔۔۔ میں ان خزانوں پر نہیں رو رہا ہوں۔ میں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ یہ بے شمار دولت اور خوشحالی جو خدا نے ہمیں بخشی ہے۔ یہ مسلمانوں میں دنیاداری اور آپس میں لالچ کا وسیلہ بنیں گے۔ اور آخر کار یہ دولت اور خوشحالی میری قوم کو تباہی کے دہانے پر لے جائے گی ﴿۹۶﴾۔ اور فرمایا: کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے، رشک وحسد بھی ساتھ آتا ہے۔ ﴿۹۷﴾

اسی دوران مدائن کے شمال میں تقریباً 120 میل دور تکرک کے مقام پر ایرانیوں، رومیوں اور عیسائی عرب قبائل نے مل کر ایک بہت بڑی فوج اکٹھی کر لی کہ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ سعد نے دجلہ کے کنارے واقع اسی تکرک کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا

عیسائی عربوں نے اچانک مسلمانوں کی طرف داری کی اور مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی۔ اس سے عراق اور اطراف کی سارے علاقے مسلمانوں کے ماتحت ہو گئے۔ اور عام خوشحالی کے دروازے کھل گئے۔

عراق عجم کی فتح ۲۱ھ اور مال و دولت کی مزید نہریں:

یزدگرد کو جب جلولہ کی شکست کا پتہ چلا تو بھاگ کر رے (Ray) چلا گیا۔ یہاں سے اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا اور وہاں پر مرو میں مقیم ہوا اور ٹھاٹھ باٹھ سے حکومت کا کام پھر سے شروع کر دیا۔ یہاں اسے خبر ملی کہ عربوں نے خوزستان بھی فتح کر لیا اور عراق میں ایرانی حکومت کا زور بازو یعنی ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ پہنچا اور مسلمان ہو گیا تو نہایت ہی طیش میں آ گیا۔ ہرمز کے بیٹے مردان شاہ کی زیر قیادت ڈیڑھ لاکھ کا لشکر تیار کیا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کیلئے نہاوند کی طرف بھیج دیا۔ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کی قیادت میں لشکر مقابلہ کیلئے بھیجا۔ سخت مقابلہ ہوا۔ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اگر چہ مسلمانوں کے سپہ سالار نعمان بن مقرن بھی اس جنگ میں شہید ہوئے۔ ایرانیوں کے تقریباً تیس (۳۰۰۰۰) ہزار آدمی مارے گئے۔ ۔ مال غنیمت سے مسلمان مالا مال ہو گئے۔ پانچواں حصہ مدینہ بھیجا گیا۔ حضرت عمرؓ نے واپس کیا کہ یہ بھی فوج میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ یہ جواہرات جو کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ تھا اور مدینہ روانہ کیا تھا، بیچا گیا۔ یہ جواہرات اور ہیرے چار کروڑ درھم کے فروخت ہوئے ۔ عربوں نے اس فتح کا نام "فتح الفتوح" رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت عمرؓ کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا آگے چل کر طبرستان، آرمینیا، فارس، فرمان، سستان، خراسان وغیرہ مکران تک، جو کہ بلوچستان کا حصہ ہے، سب علاقے فتح ہو گئے ۔ یہ علامہ طبری کا بیان ہے۔ مورخ بلازری لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں یہی فوجیں دیبل (موجودہ کراچی) کے نشیبی حصہ اور ٹھا نہ تک آئیں اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے دور میں اسلام سندھ تک آ گیا تھا۔ ان سب علاقوں کی فتوحات سے اسلام اپنی جگہ پھیلا جو آج تک مسلمانوں ہی کے علاقے ہیں اور ان علاقوں میں آباد ہیں۔ لیکن اُس کے ساتھ ساتھ مال غنیمت بھی ڈھیروں مسلمانوں کے ہاتھ لگا جسکی وجہ سے عربوں کے پاس اتنی دولت اور خوشحالی آ گئی کہ شاید مجموعی طور پر اُس وقت دنیا کی کسی قوم کے پاس بھی اتنی دولت اور خوشحالی نہ ہو۔ P.K Hitti اس پر تبصرہ کرتا ہے۔

Starting with nothing the Muslims Arabian Caliphate had now grown

to be the Strongest power of the world. ﴿۹۸﴾

اسی طرح ابوبکرؓ نے جس فتح کی ابتداء کی تھی حضرت عمرؓ کے دور میں وہ اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ ﴿۹۹﴾ اور حضرت علیؓ کے دور میں وقتی طور پر رک گئی کیونکہ اُس وقت اندرونی مسائل نے جان نہیں چھوڑی۔ قادسیہ کے میدان میں جب رستم کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا تو اس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار (120000) تھی جبکہ مسلمان فوج کی تعداد اٹھارہ ہزار (18000) سے (26000) چھبیس ہزار تھی۔ فتح کے بعد مال غنیمت میں ہر سوار کا حصہ چودہ ہزار (درہم) (14000) تک پہنچ گیا اور پیادے کا حصہ سات ہزار ایک سو (7100) ﴿۱۰۰﴾ اصل غنیمت سے شہداء کے عیال کو اور عورتوں اور غلاموں کو بھی کچھ حصہ دیا۔ اسی طرح عمر و بن عاص نے جب فرما، بلبیس اور ام دنین کو فتح کیا تو مصر کے مشہور قلعے کا محاصرہ کیا جو کہ دریائے نیل کے کنارے واقع تھا۔ اور سرکاری اہم دفاتر اور ساز و سامان وہاں ہی ہوتا تھا۔ مصر کا فرمانروا مقوقس بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس جگہ عمرو بن عاص نے فوج کی قلت اور قلعہ کی مضبوطی کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ مزید فوج بھیج دیں۔ چنانچہ حضرت عمر نے زبیر بن عوام کی قیادت میں 10000 یا 12000 فوج بھیجی۔ پورے سات مہینے محاصرہ رہا پھر فتح ہوئی۔ مقوقس نے صلح کر لی اور 2 درہم فی کس جزیہ دینے کی شرط پر صلح کر لی۔ پھر اسکندریہ فتح ہوا تو بھی دو ۲ درہم فی کس پر صلح ہوئی۔ ﴿۱۰۱﴾ اسی طرح جزیرہ کی فتح پر بھی پانچ۔ چھ۔ سات دینار خراج مقرر کیا ﴿۱۰۲﴾ یہ واقع ۱۸ کا ہے جب کوفہ کے مضافات کے خراج کا مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیا کہ آپ کوفہ کی جائیداد اور خراج کو تقسیم نہ کریں تاکہ ہمارے بعد آنے والوں کے لئے کچھ بچ جائے ﴿۱۰۳﴾ ! عثمان بنؓ حنیف اور حذیفہ بن الیمان کو جزیہ وخراج اکٹھا کرنے کیلئے بھیجا تو انہوں نے کوفہ کے مقامات میں سے اسی لاکھ (8000000) درہم جمع کیا۔ ﴿۱۰۴﴾

دوسرے سال ایک کروڑ بیس لاکھ اکٹھا ہوا۔ یعقوبی ہی لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عثمانؓ بن حنیف کو لکھا کہ اہل مدینہ کے عطیات ان کے پاس لائیں وہ آپ کے شریک ہیں پس آپ بیس ۲۰ کروڑ سے تیس ۳۰ کروڑ تک عطیات لے جایا کرتے تھے ﴿۱۰۵﴾۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسکندریہ اور بقیہ مضافات مصر کو فتح کیا اور وہاں سے دس (۱۰) کروڑ دینار خراج اکٹھا کیا ﴿۱۰۶﴾۔ حضرت عمرؓ و بن عاص سے کہا کہ وہ سمندر کے راستے مدینہ منورہ میں کھانا بھیجیں جو عام مسلمانوں کے لئے کافی ہو۔ عمرو بن عاصؓ نے بیس کشتیوں کے ذریعے مدینہ میں بذریعہ سمندر خوراک کا سامان بھیجا۔ ہر کشتی میں تقریباً تین ہزار ارب ﴿۱۰۷﴾ کھانا تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جس قدر عراق میں خراج وصول ہوا ما بعد کبھی اتنا نہیں ہوا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں

دس ۱۰ کروڑ اٹھائیس لاکھ درہم وصول ہوئے۔ زیاد نے دس ۱۰ کروڑ پندرہ لاکھ وصول کیا۔ (غالباً معاویہ کے دور میں) اور مامون الرشید کے زمانہ میں پانچ کروڑ اڑتالیس لاکھ تھا۔ ﴿۱۰۸﴾ حضرت عمر کے زمانہ میں شرح لگان درج ذیل تھی:

فی جریب یعنی پون بیگھ پختہ کے حساب سے ﴿۱۰۹﴾

۱۔ گیہوں.................۲ درہم سالانہ

۲۔ جو................. ایک درہم سالانہ

۳۔ نیشکر.................۶ درہم سالانہ

۴۔ روئی................. ۵ درہم سالانہ

۵۔ انگور................. ۱۰ درہم سالانہ

۶۔ نخلستان................. ۱۰ درہم سالانہ

۷۔ تل................. ۸ درہم سالانہ

۸۔ ترکاری................. ۳ درہم سالانہ

بعض جگہ پر زمین کی لیاقت اور معیار کے لحاظ سے یہ لگان یا خراج بدل جاتا تھا۔

اسلامی دنیا کی ابتدائی ترقی اور خوشحالی کی دیگر وجوہات:

خلفاء کا ذاتی کردار و اوصاف:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مال آفیسر (Revenue Collector) ، ولید بن عقبہ کو یہ نصیحت فرمائی: جلوت و خلوت میں خدا کا خوف رکھو۔ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایسی سبیل اور اسکے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔۔۔۔۔۔ بے شک بندگان خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے۔ ﴿۱۱۰﴾

جماعت صحابہ میں صدیق اکبر سب سے زیادہ اسرار شریعت کے محرم اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے۔ قرآن، تفسیر

،حدیث وفقہ جملہ اسلامی علوم میں آپ کا پایا نہایت ہی بلند تھا۔ ﴿۱۱۱﴾ حضرت عائشہ کو بلا کر آخری وصیت فرمائی کہ میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے وہ ادا کرنا۔ میرے پاس مسلمانوں کے مال سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں ہیں، اسے عمرؓ کے پاس بھجوا دینا اس کے علاوہ اگر اور بھی کوئی چیز نکل آئے تو اسے بھی بیت المال میں جمع کر دینا، کفن کے متعلق فرمایا۔ میرے بدن پر جو کپڑا ہے اسے دھو کر کفن دینا ﴿۱۱۲﴾، بیعت عام کے بعد صدیق ؓ اکبر نے تقریر فرمائی۔ لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔۔۔۔۔ اگر میں خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر ان کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔ ﴿۱۱۳﴾ اسامہ بن زید کے لشکر کو الوداع کیا تو یہ نصیحت فرمائی: خیانت نہ کرنا۔ مال نہ چھپانا۔ بے وفائی سے بچنا۔ مثلہ نہ کرنا۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ ہر بھرے اور پھول دار درختوں کو نہ کاٹنا۔ کھانے کے علاوہ جانوروں کو بیکار ذبح نہ کرنا۔ ﴿۱۱۴﴾

حضرت عمرؓ:

حضرت عمرؓ نے جب مسند خلافت سنبھالی تو اس وقت تک کوئی بڑا اور با قاعدہ نظام حکومت قائم نہیں ہوا تھا۔ آپ نے اپنے دس سالہ دور خلافت میں نہایت ہی مضبوط اور مستحکم نظام حکومت قائم کر دیا اور آئندہ آنے والے مسلمان حکمرانوں کے لئے نا صرف ایک مضبوط حکومت کی بنیاد دی بلکہ ان کیلئے ایک بہترین نمونہ بھی قائم کر دیا۔ سب سے پہلی بات یہ کہ عمرؓ نے ایک مضبوط شورائی (Parliamentary) نظام قائم کیا۔ عمر کے دور میں کوئی اہم کام بغیر اہل لرائے صحابہ کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا۔ ﴿۱۱۵﴾ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ ((لا خلافه الا عن مشورة)) ﴿۱۱۶﴾ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تمہارے مال میں سے مجھ کو صرف اس قدر حق ہے جس قدر ایک یتیم کے مال میں سے متولی کا ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا، اگر حاجت مند ہوں گا تو صرف کھانے کے بقدر لوں گا ﴿۱۱۷﴾ ہر عہدیدار سے عمرؓ عہد لیا کرتے تھے۔ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا، اور اہل حاجت کیلئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھے گا ﴿۱۱۸﴾۔ حج کے موقع پر عام اعلان کروایا جاتا کہ جس شخص کو جس عامل سے شکایت ہے پیش کرے ﴿۱۱۹﴾ شروع شروع میں عدلیہ

اور انتظامیہ اکٹھے تھے لیکن جب نظام حکومت مستحکم ہوگیا تو تو حضرت عمرؓ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل الگ کر دیا اور ہر ضلع میں عدالتیں قائم کر دیں اور قاضی (Judge) مقرر کر دیئے حضرت عمرؓ قضاۃ کے معاملے میں اور قاضی کی تقرری میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ قاضی لگاتے وقت علم، فہم وتقوی، ذہانت اور قوت فیصلہ کا خیال رکھتے۔ چنانچہ مدینہ میں قاضی زید بن مغابت، کوفہ میں عبداللہ بن مسعود اور قاضی سریح تھے۔ رشوت سے بچانے کیلئے ججوں کی تنخواہیں بھاری رکھی جاتی تھیں۔ چنانچہ عام ججوں کی تنخواہیں پانچ پانچ صد (500) درہم ماہانہ تھیں ﴿۱۲۰﴾ تاکہ معاشی مسائل سے پاک ہو کر فیصلہ کریں عمرؓ نے ایک دفعہ اپنے بیٹے ابوشحمہ کو شراب پینے کے جرم میں ۸۰ (اسی) کوڑے مارے جس کیوجہ سے وہ چند دنوں کے بعد فوت ہو گیا۔ احتیاط اور نرمی کے باوجود عراق کے خراج میں زبردست اضافہ ہوا۔ اور خراج کی رقم بڑھ کر ۸ کروڑ سے ۱۰ کروڑ ۲۰ لاکھ ہوگئی۔ ﴿۱۲۱﴾ حضرت عمرؓ اور ان کی حکومت کی ایک اور کامیابی یہ تھی کہ وہ جوہر شناس اور بندہ شناس تھے۔ جوہر شناسی کا علم ان کے پاس قدرتی تھا۔ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کیلئے اس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے۔ جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست وتدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے یہ چار سپوت یا ہیرو جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا یہ ہیں۔

۱۔ امیر معاویہ ۲۔ عمرو بن العاص

۳۔ مغیرۃ بن شعبہ ۴۔ زیاد بن سمیہ ﴿۱۲۲﴾

۱۔ حضرت عمر نے زیاد کے علاوہ تینوں کو اپنے دور میں اہم حکومتی عہدوں پر لگایا ہوا تھا۔ حضرت عمر رعایا کی خوشحالی کیلئے ہمیشہ سرگرم رہتے۔ آپ نے بہت ساری نہریں کھدوائیں۔ یعنی نہر ابی موسی۔ یہ 9 میل لمبی تھی یہ نہر دریائے دجلہ سے نکال کر بصرہ میں ملائی گئی۔

۲۔ نہر معقل۔ یہ حضرت معقل کے نام سے ہے جو مشہور صحابی (معقل بن سیار) تھے یہ بھی دجلہ سے نکالی گئی تھی۔

۳۔ نہر سعد۔ اس کی تکمیل حجاج کے دور میں ہوئی کیونکہ آگے پہاڑ آ گیا تھا۔ کام رک گیا حجاج نے پہاڑ کٹوا کر نہر مکمل کی۔

۴۔ نہر امیر المومنین یہ نہر امیر المومنین کے خاص حکم سے کھودی گئی تھی۔ اس کے ذریعے دریائے نیل بحر قلزم سے ملا دیا گیا۔ اصل مقصد شام اور مصر کی مسافت کو بحری سفر کے ذریعے کم کرنا تھا اسی طرح حضرت عمرؓ نے بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ جن میں مساجد، قلعے، چھاؤنیاں، بارکیں، دار الامارۃ وغیرہ اور اضلاع کے دفاتر اور آفیسرز کے لئے قیام گاہیں تھیں اسی طرح

بیت المال کی عمارتیں، قید خانے، مہمان خانے، سڑکیں اور پل اور مکہ اور مدینہ کے درمیان چوکیاں اور سرائیں تعمیر کروائیں حضرت عمر کے دور میں خوشحالی اسطرح بھی چھلکتی ہے کہ آپ نے بہت سے نئے شہر بنائے اور بسائے ان میں بصرہ اور کوفہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان اہم شہروں میں ایک فسطاط بھی ہے۔ موصل حیرہ بھی نئے شہر ہیں حضرت عمرؓ نے کبھی کوئی دربان نہیں رکھا تھا کہ عام لوگوں کو آپ تک پہنچنے میں وقت نہ ہو۔ روزانہ ہر نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے کہ جس نے کچھ کہنا ہو آزادی سے کہہ سکیں چنانچہ اہل حاجت اپنی ضروریات بیان کرتے۔ اگر کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ جاتے ﴿۱۲۳﴾۔

۱۸ ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو سارا بیت المال، نقد و جنس صرف کر دیا عمرو بن عاص نے مصر سے بیس جہاز بھیجے اور ابو عبیدہ نے شام سے ایک ہزار (1000) اونٹ غلہ بھیجا۔ ہر شخص کو ایک چٹ یا (Cheque) کے ذریعے غلہ ملتا تھا۔ ﴿۱۲۴﴾

اس کے علاوہ مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ قائم کر دیا جس میں بیس اونٹ روزانہ ذبح ہوتے تھے۔ ﴿۱۲۵﴾

عہد فاروقی میں کوئی لاوارث محتاج، معذور بھوکا نہ رہنے پاتا تھا۔ ﴿۱۲۶﴾

رعایا اور عمّال کے درمیان فرق کو ناپسند فرماتے۔ عمرو بن عاص نے مصر کی جامع مسجد میں ایک منبر بنوایا۔ عمر کو پتہ چلا تو لکھ بھیجا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اوپر۔ ﴿۱۲۷﴾

اسی طرح حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ بیت المال سے ضرورت سے بھی کم لیتے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی بیت المال کا خیال رکھتے اور حد درجہ کوشش کرتے کہ بیت المال سے کچھ نہ لیں۔ ایک دفعہ مال غنیمت آیا۔ حضرت حفصہؓ، ام المومنین اور آپ کی بیٹی، نے آ کر کہا کہ امیر المومنین میرا حق مجھ کو دیجئے۔ میں ذوالقربیٰ میں ہوں حضرت عمر نے جواب دیا کہ جان پدر! تیرا حق میرے ذاتی مال میں ہے۔ یہ تو غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا۔ یہ خشک جواب سن کر وہ غریب لوٹ گئیں۔ ﴿۱۲۸﴾

اسی طرح اپنی بھتیجی (یعنی زید کی بیٹی) سے عمر کو بہت محبت تھی۔ لیکن جب اس نے بیت المال کی انگوٹھی اٹھا کر پہن لی تو آپ نے بہانے سے وہ انگوٹھی اتار کر بیت المال کے زیورات کے ڈھیر میں پھینک دی۔ ﴿۱۲۹﴾ اسی طرح ایک دفعہ عمر نے بازار میں ایک اونٹ بکتے دیکھا جو کہ آپ کے بیٹے کا تھا۔ عمرؓ نے عبداللہ سے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا ہے؟ عبداللہ نے کہا کہ میں نے اسے خرید کر سرکاری چراگاہ میں چھوڑ دیا تھا اب یہ موٹا ہو گیا ہے تو میں اسے بیچنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ سے چارہ کھا

کر فربہ ہوا ہے لہٰذا تم اتنی ہی قیمت کے مستحق ہو جتنی میں خریدا تھا۔ اور زائد قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی۔ ﴿۱۳۰﴾

ایک دفعہ ابی ابن کعب سے کچھ نزاع ہوئی زید بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے تو وہ تعظیماً اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور جگہ خالی کر دی حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی یہ کہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ ﴿۱۳۱﴾

اسامہ بن زید کی تنخواہ جب عبداللہ بن عمرؓ (اپنے بیٹے) سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ نے عذر کیا کہ واللہ! حضرت اسامہ کسی بھی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے۔ عمرؓ نے جواب دیا: حضور ﷺ اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ﴿۱۳۲﴾

حضرت علیؓ کے عم زاد (چچیرے بھائی) حضرت عبداللہ بن عباس نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی۔ حضرت علی کو معلوم ہوا تو واپس کرنے کا کہا۔ ابن عباس نے واپس کرنے سے انکار کیا حضرت علی نے واپس کروا دیا اور مفید نصیحتیں فرمائیں۔ ﴿۱۳۳﴾

اسی طرح حضرت علیؓ کے بھائی، حقیقی بھائی عقیل کا واقعہ ہے جب حضرت علیؓ نے وظائف کی عام تقسیم سے قبل حضرت عقیل کو کچھ دینے سے انکار کر دیا تو وہ ناراض ہو کر امیر معاویہ سے جا ملے۔ ﴿۱۳۴﴾

اسی طرح ایک دفعہ حضرت علی رات کو سرکاری کام مشغول تھے اور چراغ جلایا ہوا تھا جب ایک آدمی آپ کو ملنے آیا تو آپ نے فوراً چراغ بجھا دیا اور فرمایا کہ سرکاری چراغ صرف سرکاری کاموں کیلئے ہے نہ کہ باتوں کیلئے۔ ﴿۱۳۵﴾

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جود و سخا شرم و حیا، مودت و الفت اور صلہ رحمی اور خیر خواہی میں ممتاز تھے اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کیلئے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں روپے بے دریغ خرچ کر دیتے۔ مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو آپ کو اس قدر محترم تھی کہ جب باغیون نے آپ کے گرد گھیرا تنگ کر دیا تو آپ کے ساتھیوں نے باغیوں سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے صرف اس لئے انکار کر دیا کہ اس سے مسلمانوں میں خون ریزی ہوگی۔ ﴿۱۳۶﴾ حضرت زید بن ثابت انصار کی جماعت لے کر دروازہ پر پہنچے کہ دوبارہ اپنے انصار اللہ ہونے کا ثبوت دیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر جنگ مقصود ہے تو اجازت نہ دوں گا۔ ﴿۱۳۷﴾

حضرت ابن زبیر نے بھی عرض کیا کہ قصر خلافت میں ہم کافی تعداد میں ہیں اجازت ہو تو جانبازی کے جوہر دکھاؤں۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے لئے خونریزی نہ کی جائے۔ ﴿۱۳۸﴾

ایک دفعہ حضرت علیؓ کی صاحبزادی نے اصفہان کے خراج میں سے (جو عمرو بن ابی سلمہ لائے تھے) ایک پیپا شہد اور ایک پیپا چربی منگوالی۔ حضرت علی کو خبر ہوئی تو سخت غصے ہوئے اور شہد اور چربی واپس کی اور جتنی استعمال ہوئی تھی اس کے پیسے بیت المال میں جمع کروادیئے۔ ﴿۱۳۹﴾

ایک دفعہ حضرت علیؓ کی زرہ کسی یہودی نے اٹھالی حضرت علیؓ معاملہ عدالت میں لے گئے۔ قاضی شریح نے آپ کے خلاف اس لئے فیصلہ دے دیا کہ آپ کے پاس ثبوت نہ تھا۔ یہودی اس فیصلے سے اس قدر متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا کہ امیر المومنین کے خلاف فیصلہ ہو گیا حالانکہ وہ حق پر تھے اور فیصلہ صرف عدم ثبوت کر بنا پر ہوا۔ ﴿۱۴۰﴾

حضرت علی کی عظمت کی سب سے بڑی وجہ بھی آپ کا علمی مرتبہ ہی ہے خدا کے رسول صلعم نے فرمایا تھا:

((انا مدینة العلم و علی بابها)) ﴿۱۴۱﴾

اصطخر کے والی (Governor of Astakhar) کو اس لئے معزول کیا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کرتے تھے۔ ﴿۱۴۲﴾ اس طرح ہم کہ سکتے ہیں کہ خلفاالرشدین خاص طور پر حضرت عمرؓ کے دور میں عربوں اور عام طور پر مسلمانوں نے وہ ترقی اور خوشحالی دیکھی جو عربوں یا جزیرہ عرب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ حضرت عمر کے دور میں مسلمان حکومت دنیا کی مضبوط ترین حکومت بن گئی تھی۔

The Muslim Arabian Caliphate had now grown to be the strongest power of the world. ﴿۱۴۳﴾

یہ سب کچھ مسلمانوں کی تعلیم قرآن وحدیث کا علم، حکمت اور دانائی اور حکمرانوں کا ذاتی کردار اور ان کا نظام عدل وانصاف کی وجہ سے ہوا اور مسلمانوں نے ترقی کی۔

......☆......☆......☆......

فصل سوئم

بنواُمیہ کے دور میں مسلمانوں کا عروج اور معاشی ترقی وخوشحالی

بنوامیہ کی حکومت کی بنیاد حضرت امیر معاویہؓ نے ۴۰ھ یا ۶۶۰ عیسوی۔ ﴿۱۴۴﴾ میں ان مستحکم بنیادوں پر رکھی کہ وہ تقریباً ایک صدی تک قائم رہی۔ باوجود اس کے کہ بعض حکمران ایسے بھی آئے جو یا بالکل نااہل تھے یا پھر لوگوں میں بڑے غیر مقبول (Unpopular) تھے۔

حضرت امیر معاویہ کی حکومت نہ صرف ایک مستحکم حکومت تھی بلکہ اسلامی حکومت اور خلافت کی وسعت کا سبب بھی بنی ۔﴿۱۴۵﴾ "حضرت امیر معاویہؓ نہ صرف بنوامیہ خاندان کی خلافت کے بانی تھے بلکہ حضرت عمرؓ کے بعد وہ خلافت کی (مستحکم) بنیاد رکھنے والے دوسرے انسان تھے"۔ ﴿۱۴۶﴾

دوسرے لفظوں میں اسلامی حکومت کو مستحکم بنیادوں پر تعمیر کرنے والے پہلے حضرت عمرؓ ہیں اور دوسرے انسان جنہوں نے اسلامی حکومت اور خلافت کو مضبوط بنیاد فراہم کی (اگرچہ یہ قدرے دنیاوی (Secular) تھی) وہ امیر معاویہ ہیں۔ اگر ایک سپاہی ہونے کی حیثیت سے (اور علمی اور دینی رتبے میں) حضرت امیر معاویہؓ حضرت علیؓ سے کہیں کم تھے۔ مگر فوجی منتظم (Military Organizer) کی حیثیت سے معاویہ کا کوئی ہمعصر (ثانی) نہیں تھا۔ امیر معاویہ عام طور پر شامیوں پر اعتماد کرتے تھے جس میں سے اکثر ابھی تک عیسائی تھے۔ ﴿۱۴۷﴾

دوسرے شامی عرب قبائل تھے جو زیادہ تر یمنی تھے۔ آپ کی پسندیدہ بیوی اور یزید کی والدہ میسومہ (Maysuma) بھی قبیلہ کلب کی عیسائی تھی۔ خلیفہ امیر معاویہ کا طبیب ابن اوثال (Ibn-Uthal) بھی عیسائی تھا۔ جس کو امیر معاویہ نے حمس کا وزارت مال کا عہدہ دیا تھا یہ تقرری تاریخ میں ایک مثال ہے۔ ﴿۱۴۸﴾

امیر معاویہ کی مستحکم حکومت اور معاشی خوشحالی وترقی کی سب سے بڑی وجہ خدا کے فضل وکرم کے بعد یہ تھی کہ وہ خود بھی بہت بڑے مدبر، سمجھدار اور بلا کے سیاستدان تھے۔ لیکن ان کو جو ٹیم ملی تھی وہ بھی اتنی مدبر، سمجھدار، عقلمند، سیاستدان اور اعلیٰ قسم کے منتظم تھے کہ ان کی مثال کم از کم عربوں میں نہیں ملتی تھی۔ یہ سرلیۂ عقل ودانش مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ عمرو بن العاص گورنر مصر

۲۔ مغیرہ بن شعبہ گورنر کوفہ

۳۔ زیاد بن ابیہ گورنر بصرہ

۴۔ حضرت امیر معاویہؓ خود

یہ چار آدمی سیاسی ذہین ترین (Political Genious) تھے اور عرب انہیں "دہاۃ العرب" کہتے ہیں۔ حضرت عثمان کے دور میں جب امیر معاویہ شام کے گورنر تھے۔ انہوں نے ۳۴ھ (655) میں اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ رومیوں کے خلاف بحری کامیابی حاصل کی اور لائشن کوسٹ (Lycian Coast) پر قبضہ کیا۔ یہ لڑائی مسلم کشتیوں نے رومی کشتیوں سے دو بدو کی جو اکثر ہاتھوں سے (Hand to hand encounter) تھی۔ ﴿۱۴۹﴾ امیہ دور میں حکومتی طاقت کی انتہا یہ تھی کہ اس حکومت نے تین مرتبہ قسطنطنیہ (Constantinople) پر حملہ کیا۔ پہلا حملہ یزید بن معاویہ (Crown Prince) کی قیادت میں ۴۹ھ 669ء میں ہوا۔ ﴿۱۵۰﴾ دوسرا حملہ بھی قسطنطنیہ پر اس وقت ہوا جب معاویہؓ حکمران تھے۔ یہ مشہور سات سالہ جنگ ہے۔ جے۔ بی۔ بوری کے مطابق:

"The second attack on Constantinople was made in the so called seven year war". ﴿۱۵۱﴾

قسطنطنیہ کا تیسرا محاصرہ اور حملہ سلمان کے دور میں اگست 716ء سے ستمبر 717ء تک ہوا۔ ﴿۱۵۲﴾

لیکن ان حملوں سے قسطنطنیہ فتح نہ ہوا۔ 1453ء میں ترک ہیرو محمد الفاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ امیر معاویہؓ کے دور میں تقریباً ہر سال مسلمان رومیوں کے علاقے میں گھستے، حملے کرتے اور اکثر رومیوں کے علاقوں پر قبضہ کرتے کیونکہ رومی بھی کوئی نہ کوئی چھیڑ چھیڑ تے رہتے تھے۔ ۴۱ھ میں مسلمانوں نے رومیوں کے ساتھ جنگ کی لیکن آخر میں امیر معاویہ نے حبیب بن مسلمہ کو بھیجا۔ اس نے حاکم روم سے صلح کر لی۔ ﴿۱۵۳﴾

۴۳ھ میں بسر بن ابی ارطاۃ نے سرزمین روم سے جنگ کی اور موسم سرما وہیں گزارا۔

۴۴ھ میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے رومیوں سے جنگ کی حتیٰ کہ آپ قلونیہ پہنچ گئے۔

۴۵ھ میں پھر عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے رومیوں سے جنگ کی اور موسم سرما وہیں گزارا۔

مالک بن عبداللہ الخثعمی ۴۶ھ میں انطاکیہ پہنچ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مالک بن ہبیرہ السکونی وہاں پہنچا۔ انہوں نے موسم سرما وہاں گزارا

۴۷ھ میں مالک بن ہبیرہ نے جنگ کی اور رومی علاقے میں موسم سرما گزارا۔

۴۸ھ میں عبدالرحمن لقمی نے جنگ کی اور انطاکیہ سوداء میں پہنچ گیا۔

۴۹ھ میں فضالہ بن عبید نے جنگ کیا اور فتح حاصل کی اور بہت سے رومیوں کو قیدی بنالیا۔ ﴿۱۵۴﴾

۵۰ھ میں بسر بن ابی ارطاۃ نے جنگ کی اور (اسی سال) سفیان بن عوف نے موسم سرما وہاں گزارا۔

۵۱ھ میں محمد بن عبدالرحمٰن نے جنگ کی۔

۵۲ھ میں سفیان بن عوف نے جنگ کی اور فوت ہوگئے۔ اور انہوں نے عبداللہ بن مسعدۃ فزاری کو اپنا نائب مقرر کیا۔
۵۳ میں محمد بن مالک نے جنگ کی۔ بعض کے نزدیک اسی سال طرسوس فتح ہوا۔ جس کو جنادۃ بن ابی امیہ ازدی نے فتح کیا۔ ۵۶ھ میں یزید بن معاویہ نے جنگ کی اور قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ مسعود بن ابی مسعود نے موسم سرما گزارا۔ یزید بن شجرہ خشکی کا امیر تھا اور عیاض بن الحارث سمندر کا امیر تھا۔

۵۷ھ میں عبداللہ بن قیس نے جنگ کی۔

۵۸ھ میں مالک بن عبداللہ الخثعمی نے جنگ کی۔ عمرو بن یزید الجہنی کا نام بھی لیا تھا۔ بعض کے نزدیک سمندر میں یزید بن شجرۃ نے جنگ کی۔

۵۹ھ میں خشکی میں عمرو بن مرۃ الجہنی نے جنگ کی۔ اس سال سمندری جنگ نہیں ہوئی۔

یہ عظمت کی انتہا ہے کہ امیر معاویہؓ کی حکومت اپنے دور کی سب سے بڑی اور طاقت ور قوت، روم سے ٹکر لیتی رہی۔ اور روم کے اندر جا کر حملے کرتی رہی۔ امیر معاویہؓ کی حکومت تقریباً ہر سال رومی سلطنت کے اندر بہت آگے جا کر حملے کرتی تھی۔ حتیٰ کہ تین دفعہ رومی دارالسلطنت کے گرد یعنی قسطنطنیہ کے گرد محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ مدت تک رہا۔ لیکن مسلمان کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قسطنطنیہ یعنی دارالخلافہ کی فصیل بہت اونچی تھی جس کو عبور کرنا نہایت ہی مشکل تھا۔ موسم بھی ساتھ نہیں دیتا تھا۔ آگے سے رومی اوپر سے آگ برساتے تھے۔ مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا۔ اور قسطنطنیہ فتح نہ کر سکے۔ قسطنطنیہ آگے جا کر محمد الفاتح نے 1453ء میں فتح کیا۔ ﴿۱۵۵﴾

امیر معاویہؓ کے دور میں معاشی ترقی اور خوشحالی:

خلافت کے قیام اور استحکام میں امیر معاویہ کا عمر کے بعد دوسرا نمبر ہے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے بیس سالہ دور میں خلافت اسلامیہ کو مزید مستحکم بنیاد فراہم کی۔ حضرت معاویہؓ کے دور میں اسلامی حکومت کی سرحدیں شمالی افریقہ تک بلکہ بحر اوقیانوس (Atlantic Ocean) تک پھیل گئیں۔ اصل بات یہ ہے کہ معاویہ کے دور میں پورے عالم (Globe) میں نہ تو اتنی مضبوط حکومت تھی اور نہ اتنا مضبوط حکمران۔ دنیا کی سب سے بڑی، سب سے مضبوط سب سے طاقتور اور سب سے خوشحال حکومت اور قوم اگر تھی تو وہ اسلامی حکومت اور مسلمان قوم تھی۔ جس کے آگے کوئی قوم بولتی نہیں تھی۔ اور جو تین دفعہ دنیا کی سب سے بڑی حکومت اور سلطنت رومہ کے دار الخلافہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئی۔ دار الخلافہ کا محاصرہ کیا اور رومیوں کو قسطنطنیہ کے اندر قلعہ بند ہونے پر مجبور کیا۔

خراج کا حساب:

امیر معاویہؓ کے زمانہ میں عراق اور اس کے مضافات کا خراج جو ایران کی مملکت میں تھے۔ چھ ارب پچیس کروڑ درہم تھا۔ آگے مزید مضافات کا خراج ایک ارب بیس کروڑ تھا۔ ایران کا خراج ستر کروڑ تھا۔ اہواز اور اس کے مضافات کا خراج چالیس کروڑ تھا۔ بحرین اور یمامہ کا خراج پندرہ کروڑ تھا۔ دجلہ کے صوبے کا خراج دس کروڑ درھم تھا۔

نہاوند اور ماہ الکوفہ جسے دینور کہتے ہیں۔ اس کا خراج چالیس کروڑ درھم تھا۔ رے اور اس کے مضافات کا خراج تیس کروڑ تھا۔ حلوان کا خراج بیس کروڑ۔ موصل اور اس کے متعلقہ علاقوں کا خراج پینتالیس کروڑ درھم تھا۔

عراق کا گورنر امیر معاویہؓ کے پاس ایک کروڑ درھم کا مال لاتا تھا یا درھم لاتا تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں مصر کا خراج تین کروڑ تھا۔ فلسطین کا خراج چار لاکھ پچاس دینار ہوتا تھا۔ اردن کا خراج ایک لاکھ اسی ہزار دینار ہوتا تھا۔ دمشق کا خراج چار لاکھ پچاس ہزار دینار ہوتا تھا۔ حمص کا خراج تین لاکھ پچاس ہزار دینار ہوتا تھا۔ قنسرین اور عواصم کا خراج چار لاکھ پچاس ہزار دینار تھا۔ الجزیرہ کا خراج جیسے دیار ربیعہ اور دیار مضر کہتے ہیں، پچپن کروڑ درھم تھا۔ یمن کا خراج ایک کروڑ دو لاکھ دینار تھا۔ اور بعض کے نزدیک نو لاکھ دینار تھا۔ ﴿۱۵۶﴾

امیر معاویہؓ کا نظام خلافت اور ترقی کا راز:

امیر معاویہؓ کی حکومت کا زیادہ تر نظام حضرت عمرؓ والا ہی تھا۔ فرق صرف یہ کہ حضرت عمرؓ کی حکومت خلیفۃ الرشید کی حکومت تھی۔ صحیح اور مکمل اسلامی حکومت تھی۔ جس میں دنیاداری کا نام تک نہیں تھا۔ جبکہ امیر معاویہؓ کی حکومت کافی حد تک دنیاوی بھی تھی۔ تاہم دنیاوی اور دنیاداری کے ساتھ ساتھ اسلام کی بنیاد پر کاربند رہے۔ امیر معاویہ کے مشیر اچھے تھے۔ اہم ترین مشیر عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ تھے۔ صوبوں اور فوج کا نظام حضرت عمرؓ والا ہی تھا۔ البتہ بحری فوج ایک مضبوط طاقت بنائی گئی تھی اور بحری فوج کی باقاعدہ علیحدہ کمان بھی تھی۔ جس کے امیر کو امیر البحر کہا جاتا تھا۔

چنانچہ جنادہ بن ابی امیہ اور عبداللہ بن قیس حارثی مشہور امیر البحر تھے۔ عبداللہ بن قیس نے پچاس (۵۰) بحری معرکے سر کئے ﴿۱۵۷﴾ ایک وقت آیا کہ رومیوں کی بحری فوج پر سبقت لے گئے اور رومیوں کو کئی معرکوں میں شکست دی۔ بحری جہازوں کے کئی کارخانے تھے۔ سب سے پہلا کارخانہ مصر میں قائم ہوا ﴿۱۵۸﴾ بلازری کہتا ہے: تمام ساحلی مقاموں پر کارخانے تھے۔ ﴿۱۵۹﴾ خوشحالی اور پیسہ عام ہونے کی وجہ سے کئی قلعے نئے تعمیر اور کئی پرانے مرمت کروائے یعنی نظر طوس، بلنیارس اور مرقیہ وغیرہ تعمیر کروائے۔ شام کے مشہور قلعے جبلہ کو دوبارہ مرمت کروایا اور آباد کیا۔ روڈس میں قلعہ اور فوجی چھاؤنی بنائی۔ ﴿۱۶۰﴾ قبرص اور ارداڈ میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ اسلامی تاریخ مین منجنیق کا پہلی بار استعمال امیر معاویہ کے دور میں ہوا۔ کابل کی فتح کے وقت شہر پناہ منجنیق کے ذریعے سنگباری سے ہی توڑی گئی تھی۔ ﴿۱۶۱﴾ اسی طرح امن و امان کیلئے پولیس کو بہت مضبوط کیا۔ صرف کوفہ شہر میں چالیس ہزار (40000) پولیس فورس تھی۔ امن و امان کا یہ حال تھا کہ کوئی شخص راستے میں گری ہوئی چیز اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ ﴿۱۶۲﴾

عراق کے گورنر زیاد بن ابیہ کا دعویٰ تھا کہ کوفہ سے خراساں تک اگر رسی کا ٹکڑا چوری ہو جائے تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ کس نے لیا ہے؟ ﴿۱۶۳﴾ امیر معاویہ نے ڈاک کا تیز ترین نظام قائم کیا۔ رفاہ عامہ کیلئے بہت کام کئے۔ نہریں کھدوائیں جس سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہونے لگی۔ مدینہ کے قرب و جوار میں نہر ارزق اور نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں جس کی وجہ سے معاشی خوشحالی آئی۔ مدینہ میں ان نہروں کی وجہ سے سالانہ ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا۔ ﴿۱۶۴﴾

شمالی افریقہ میں قیروان جیسا اہم شہر بنوایا۔ یہاں بہت بڑی فوجی چھاؤنی قائم کی جس کے ذریعے پورے شمالی افریقہ کو

کنٹرول کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شہر مسلمانوں کا مرکزی شہر بن گیا۔ ﴿۱۶۵﴾

انطاکیہ، روڈس اور ارواڈ وغیرہ کے جزیروں میں مسلمانوں کی نئی آبادیاں قائم کیں۔ ﴿۱۶۶﴾ تا کہ مفتوحہ علاقے دشمن کی سازشوں اور مقامی باشندوں کی بغاوتوں سے بچے رہیں۔ مجاہدین نے بچوں کے وظائف جاری رکھے جو حضرت عمرؓ نے شروع کئے تھے، البتہ شرط یہ لگائی کہ دودھ چھڑانے کے بعد شروع کئے جائیں امیر معاویہ نے اپنی حکومت کی سرحدوں کو جزیرہ عرب سے باہر وسطی ایشائی ریاستوں، سندھ اور مغرب میں شمالی افریقہ کی طرف بڑی دور تک پھیلا دیا تھا۔ امیر کی حکومت اتنی مضبوط تھی کہ دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کیلئے چیلنج نہیں تھی بلکہ مسلمان جب اور جہاں جاتے تھے۔ دوسروں کو للکار سکتے تھے اور للکارتے تھے۔ امیر معاویہ بڑے حلیم الطبع تھے حلم ان کا سب سے ممتاز وصف تھا قوت برداشت بہت تھی۔ فیاضی میں بے مثال تھے کبار صحابہ پر فیاضانہ خرچ کرتے۔ امہات المؤمنین کی بہت خدمت کرتے۔ حضرت عائشہؓ کو ایک وقت ہی میں ایک لاکھ درھم دے دیتے۔ ﴿۱۶۷﴾ اپنے دشمنوں پر بھی فیاضی کرتے۔ ﴿۱۶۸﴾

امیر معاویہ کے بعد بنو امیہ کا عروج اور ترقی:

عبدالملک بھی صفات حکمرانی میں اپنی مثال آپ تھا۔ عبدالملک اور اس کے چار بیٹوں، ولید (15-705) سلیمان بن عبدالملک (17-715)، یزید II (24-720) اور ہشام بن عبدالملک (724-743) کے دور حکومت میں اسلامی حکومت اپنی عظمتوں کے کمال پر تھی۔ ہٹی (Hitti) کے نزدیک یہ اپنی انتہا تھی۔

> "Under Abdul Malik's rule and that of the four sons who succeeded him, the dymasty at Damascus reached the maridian of its power and glory. ﴿۱۶۹﴾

ولید اور ہشام کے دور میں اسلامی حکومت کی وسعت اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ جس کی مثال پچھلی تاریخ میں نہیں ملتی جس کی حدود بحر اوقیانوس کے ساحلوں سے لے کر سندھ اور چین کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ﴿۱۷۰﴾

اسلامی حکومت کی سرحدوں کی وسعت کی پہلی تاریخ عمر اور عثمان کے دور تک ہے جس میں ایران، عراق، مصر اور شام وغیرہ فتح ہوا۔ لیکن اسلامی حکومت کی سرحدوں کی وسعت کی دوسری تاریخ عبدالملک اور ولید کے دور سے شروع ہوتی ہے اس دور میں فوجی

اور انتظامی کامیابیوں اور اسلامی حکومت کی سرحدوں کی وسعت اور فتوحات کا زیادہ کریڈٹ دو آدمیوں کو جاتا ہے۔ جن کا نام (۱) حجاج بن یوسف اور (۲) موسیٰ بن نصیر ہے۔ اوّل الذکر نے مشرق میں اور دوسرے نے مغرب میں عظیم فتوحات اور کامیابیاں حاصل کیں۔ حجاج طائف میں سکول ٹیچر تھا۔ جس کو چھوڑ کر اس نے فوج میں ملازمت کی ﴿۱۷۱﴾۔ اور بعد میں عبدالملک اور ولید کے دور میں مشرق خاص طور پر عراق کا مضبوط ترین گورنر بنا۔ کہا جاتا ہے کہ حجاج بن یوسف اتنا ظالم اور جابر حکمران (گورنر) تھا کہ اس نے تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار جانیں لیں ﴿۱۷۲﴾۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اگر حجاج جیسا جنرل اور کمانڈر نہ ہوتا تو شاید بنی امیہ کی حکومت یزید کے بعد ختم ہو چکی ہوتی اور دوبارہ سر نہ اٹھاتی اور تاریخ کا رخ کسی دوسری طرف چل پڑتا اور پھر عبدالملک اور ولید کے دور میں اگر حجاج اور اس کے ماتحت جنرلز (Generals) یعنی قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم اور مہلب بن ابی صفرا وغیرہ پوری ٹیم نہ ہوتی تو وسطی ایشیائی ریاستیں اور سندھ میں اتنی فتوحات نہ ہوتیں اور مفتوحہ علاقوں میں اس قدر امن وسکون نہ ہوتا۔ کوفہ اور بصرہ جو کہ بنی امیہ کی حکومت کو دل سے قبول نہیں کرتے تھے۔ انہیں حجاج ہی نے کنٹرول کیا اور اپنے مشہور ظلم وجبر واستبداد سے اس قدر دبایا (Oppress) کہ وہاں آہستہ آہستہ ساری بغاوتیں ختم ہو گئیں۔

اسی طرح موسیٰ بن نصیر اور اس کے کمانڈروں خاص طور پر طارق بن زیاد نے شمالی افریقہ اور مغرب پر اس قدر فتوحات حاصل کیں اور خوشحالی اور ترقی کے اتنے دروازے کھولے کہ ایران کے بعد اتنی دولت کہیں ہاتھ نہیں آئی تھی۔ طارق بن زیاد اندلس میں داخل ہوا اور بغیر کسی خاص چیلنج کے سارے اندلس پر قبضہ کر لیا۔ کروڑوں درھم کا مال دولت اکٹھا کیا۔ سرسبز وشاداب ملک ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا جو تقریباً سات آٹھ سو سال مسلمانوں کے پاس رہا۔

قتیبہ کو حجاج نے 705ء میں خراسان (جس کا اس وقت دارالخلافہ مرو تھا) (Marv) کا گورنر مقرر کیا۔ قتیبہ بن مسلم نے جب خراسان کا چارج لیا تو حجاج نے اس کے ماتحت بہت بڑی فوج بھی خراسان بھیجی۔ جس میں 40,000 (چالیس ہزار) عرب بصرہ سے، 7000 کوفہ سے اور 7000 ہی ذمی تھے۔ ﴿۱۷۳﴾ قتیبہ نے 705ء میں طخارستان اور اس کے دارالخلافہ بلخ کو دوبارہ فتح کیا۔ 9-706ء میں بخارا اور 12-710ء میں سمرقند کو فتح کیا جو کہ سغد میں واقع ہیں۔ 15-713 میں سنٹرل ایشیاء کے دوسرے صوبے یعنی فرغانہ وغیرہ فتح کئے۔ جلد ہی بخارا، سمرقند اور صوبہ خوارزم، عربی تہذیب وتمدن اور اسلام کی نرسری کا سنٹرل ایشیاء میں مرکز بن گئے۔ یہاں سے ہی اسلام پورے اردگرد کے علاقوں میں پھیلا اور آج سے 100 سال پہلے تک یہ علاقے اسلامی

تہذیب وتمدن کے مرکز رہے ہیں۔طبری کے مطابق قتیبہ نے چینی ترکستان کا شہر کاشغر 715ء میں فتح کیا تھا۔ ﴿۱۷۴﴾

پھر 751ء میں عربوں نے تاشقند بھی فتح کر لیا جس کی وجہ سے سنٹرل ایشیاء میں اسلام کی سپر میسی قائم ہوگئی ﴿۱۷۵﴾۔
710ء میں محمد بن قاسم ایک اہم آرمی جس میں تقریباً 6000 شامی فوج تھی لے کر مکران کو فتح کیا اور بلوچستان سے ہوتے ہوئے 711-12 میں سندھ کو فتح کیا۔ دیبل بندرگاہ پر قبضہ کیا (موجودہ کراچی)، نارون (Nirun) موجودہ حیدرآباد پر قبضہ کرتے ہوئے جنوبی پنجاب ملتان تک فتح کر لیا۔

716ء کو اگست سے لے کر 717ء ستمبر تک مسلمہ کی قیادت میں عربوں نے رومی دارالخلافہ قسطنطنیہ (Costantnople) کے گرد پورا سال محاصرہ کئے رکھا لیکن قسطنطنیہ کی فصیل بہت اونچی اور مضبوط تھی۔اندر سے رومی آگ اور دوسرے قسم کا اسلحہ اور گولیاں برساتے تھے۔جس کی وجہ سے مسلمان نقصان اٹھا کر پورے سال کے بعد محاصرہ (Bleaguering) اٹھانے کے لئے مجبور ہو گئے۔ ﴿۱۷۶﴾
کافی سارا مالی اور جانی نقصان اٹھا کر مسلمان لوٹ آئے۔لیکن دوسری طرف، مغرب میں، شمالی افریقہ اور اندلس میں، ہر جگہ کامیابیوں نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ 732ء کا سال ایسا ہے جو حضور ﷺ کی صد سالہ برسی کا سال ہے یعنی 732ء کو حضور ﷺ کی وفات کو پورا سو سال ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے سو سال بعد کا حال ہٹی (P.K Hitti) اس طرح بتاتا ہے:

> One hundred years after the death of the Founder of Islam his followers were masters of an empire greater than that of Rome at its zenith, an empire extending from the Bay of Biscay to the indus and confines of China and from the area to the lower cataracts of the Nile, and name of the Prophet Son of Arabia joined with the name of almighty Allah was being called five times a day from thousands of minarets scattered over south Western Europe, Northern Africa and Western and central Asia. ﴿۱۷۷﴾

بعض احادیث میں ہے کہ حضور ﷺ شام جانے سے ہچکچاتے تھے کہ جنت میں ایک ہی دفعہ جانا چاہیے۔یہی شام اور دمشق مسلمانوں کی عظیم حکومت کا دارالخلافہ بن گیا۔ ﴿۱۷۸﴾ امیر معاویہ نے دمشق میں ایک بہت ہی خوبصورت باغ بنایا جس کا نام "الخضرا" رکھا۔یہ نہایت ہی خوبصورت تھا۔عبدالملک نے پہلی دفعہ عربی سکہ دینار (سونے کا) اور درہم (چاندی) ایجاد کیا۔یہ خالصتاً عربی سکہ تھا۔ ڈوم آف راک (Dome of Rock) (قبۃ الصخراء) بنایا۔دمشق کی جامع مسجد عجائبات میں سے تھی۔ولید نے بیت

اللہ کو وسیع اور خوبصورت کیا۔ مدینہ کی مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا۔ دمشق میں بہت سارے تعلیمی ادارے بنائے، ہسپتال بنائے۔ بنوامیہ کی فوج بہت جدید فوج تھی جس کی تعداد تقریباً (60000) ساٹھ ہزار تھی اور اس پر اوسطاً اخراجات تقریباً چھ کروڑ (60000000) تھے ﴿۱۷۹﴾۔ یزید iii نے اس میں کچھ کمی کر دی (تقریباً 10%) جس کی وجہ سے اسے نقیص (Diminisher) کہا جاتا تھا۔ امیہ کے آخری دور میں کہا جاتا ہے کہ فوج کی تعداد (120000) ایک لاکھ بیس ہزار ہو گئی تھی۔ ﴿۱۸۰﴾

بنی اُمیہ کے دور کی علمی سرگرمیاں اور ترقی:

بنی اُمیہ کے دور میں مسلمانوں نے جدید تعلیم یعنی فلسفہ، طب اور ریاضی وغیرہ کی طرف توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ عبدالملک اور اس کے بعد جدید علوم نے خوب ترقی کی۔ عربی اور اسلامی علوم یعنی قرآن وحدیث اور فقہ کی طرف بھی خصوصی توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ لیکن جب عربی طب، عربی فلسفہ اور عربی حساب یا ریاضی وغیرہ کی بات ہوتی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ علوم طب (Medical Science)، فلسفہ (Philosophy) اور ریاضی (Mathematics) وہ ہے جو خالصتاً عربی ذہن (Arabian mind) یا جزیرہ نما عرب (Arabian Penensula) کے رہنے والے لوگوں کی پیداوار ہے۔

بلکہ اس سے مراد وہ علمی کام (Intellectual work) ہے جو عربی زبان میں ہوا ہے اور اسے خلافت کے زمانہ میں ایرانی، شامی، مصری یا ماورالنہر (Transoxiana) کے لوگوں (بوعلی سینا وغیرہ) نے کیا ہے چاہے یہ لوگ مسلمان ہوں، عربی ہوں یا عجمی، عیسائی ہوں یا یہودی، ایرانی ہوں یا ہندی اور ان لوگوں نے علمی مواد (Intellectual material) چاہے یونانیوں سے لیا ہو یا شامیوں سے ہندوؤں سے لیا ہو یا ایرانیوں سے، لیکن اسلامی حکومت وخلافت میں عربی زبان میں کیا ہونا ضروری ہے۔

نئی علمی سرگرمیوں کا آغاز عراق کے دو مشہور جڑواں (Twin) شہروں یعنی کوفہ اور بصرہ میں ہوا۔ اصل میں تو یہ دونوں شہر، کوفہ اور بصرہ حضرت عمرؓ کے دور میں (۱۷ ہجری 638ء) فوجی چھاؤنیاں بنائی گئی تھیں اور انہیں حضرت عمرؓ نے بنانے کا حکم دیا تھا۔ ان کے ذریعے سے ہی ایران، عراق اور ماوراءالنہر تک کے علاقوں کو قابو کیا گیا۔ لیکن بعد میں آہستہ آہستہ یہ دونوں شہر علمی سرگرمیوں (Intellectual activities) کا مرکز بن گئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے دور حکومت میں کوفہ ہی کو دارالخلافہ بنایا۔ کوفہ اصل میں

پرانے مشہور اور اہم شہر بابل (Babilonia یا Babylon) کے قریب اور اسی کے نشانات پر بنایا گیا یا یہ کہنا چاہیے کہ یہ لخمیوں کے مشہور شہر حیرہ (لخمیوں کا دارالخلافہ) کے وارث کے طور پر ابھرا (Hitti-P:241)۔ 50ھ (670) میں اس کی آبادی 300,000/ ہوگئی تھی۔ ﴿۱۸۱﴾ سب سے پہلے عربی زبان کی، قواعد و ضوابط سے سائنسی بنیادوں پر تعلیم (Scientific Study) یہاں کوفہ میں ہی شروع ہوئی۔ عربی گرائمر کا بانی ابوالاسود الدولی کوفہ کا ہی تھا۔ ابن خلقان کے نزدیک حضرت علی نے ہی ابوالاسود الدولی (متوفی ۶۸۸ء) کو عربی قواعد کے کام پر لگایا تھا اور فرمایا تھا کہ جملے کے تین حصے (Parts of Speech) ہوتے ہیں اسم، فعل، حرف، ان پر مکمل بحث لکھو۔ ﴿۱۸۲﴾

الدولی کے بعد خلیل بن احمد، متوفی ۷۸۶ء آیا جس نے عربی تاریخ میں پہلی عربی لغات (Arabic dictionary) لکھی جس کا نام ہی الکتاب (The Book) ہے الکتاب عربی گرائمر اور قواعد کی بنیادی کتاب (Text Book) ہے۔ حسن بصری اور ابن شہاب الزہری (متوفی (۷۴۲) جیسے مشہور سکالرز اور فقیہ بھی یہاں کے رہنے والے تھے۔ عباسی دور میں تو عراق کے یہ دو شہر اپنے علم و فضل کی انتہاء پر پہنچ گئے تھے۔

امیر معاویہ کے کہنے پر عبید ابن شریہ دمشق آ گیا تھا۔ وہ جنوبی عرب میں رہتا تھا۔ تا کہ خلیفہ کو پرانے بادشاہوں، خاص طور پر عرب بادشاہوں کے حالات سنائے۔ اس نے اس موضوع پر کتاب لکھی جس کا نام ہے " کتاب الملوک واخبار الماضین"

The book of kings and the history of the ancients.

وھب بن منبہ بھی اسی دور کی علمی شخصیت ہے جو ایرانی نسل کا یمنی یہودی تھا بعد میں اسلام لے آیا۔ اس نے "علم الاوائل" لکھی کعب الاحبار بھی اصلاً یہودی تھا اور بعد میں اسلام لے آیا اور امیر معاویہ کا مشیر بھی رہا ہے جب وہ شام کے گورنر تھے۔

واصل بن عطاء جو معتزلہ کا بانی ہے وہ بھی بصرہ کا ہے بصرہ ہی میں اس کا فرقہ معتزلہ (Rationalism) پھلا پھولا اور بڑھا۔ وہ ۷۴۸ میں فوت ہوا۔ جبریہ قدریہ فرقوں کی بنیاد بھی کوفہ اور بصرہ مین پڑی۔ بنوامیہ کے دو خلیفہ معاویہ دوم اور یزید سوم قدریہ تھے۔ ﴿۱۸۳﴾ غرض کہ کوفہ اور بصرہ علمی مراکز بنے اور مدت تک رہے۔ فقہ اور حدیث کے مراکز رہے امام ابوحنیفہ جو فقہ حنفی کے بانی ہیں، کوفہ ہی کے تھے اور یہاں ہی ان کا مذہب پروان چڑھا۔

طب:

عربوں میں علم طب بہت ابتدائی تھا، عربوں کی طبی سائنسی تعلیم کے وسائل (Sources) یونانی اور ایرانی ہیں ۔ایرانیوں کی طبی تعلیم (Medical Science) بھی یونانی طب سے متاثر ہے۔

پہلی صدی ہجری کے ڈاکٹروں اور طبیبوں کے سربراہ (Head) حارث ابن کلادہ متوفی 634ء ہیں۔طائف کے رہنے والے تھے اور فارس(Persia) میں تعلیم حاصل کی۔ ﴿۱۸۴﴾

کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا تربیت یافتہ (Trained) ڈاکٹر اور طبیب ہے اس نے بڑا نام کمایا۔اسی لئے اسے طبیب العرب(Doctor of Arabians) کہا جاتا ہے﴿۱۸۵﴾۔ابن اُثال جو کہ عیسائی تھا۔حضرت امیر معاویہ کا طبیب خاص تھا ۔ ﴿۱۸۶﴾ اسی طرح حجاج کا طبیب بھی ایک یونانی طبیب تھا جس کا نام طیا دوق تھا ﴿۱۸۷﴾۔ ماسر جاویہ (Masarjawayh) جو کہ بصرہ کا رہنے والا تھا اور مروان بن حکم کے ابتدائی دور میں تھا اس نے اسلامی تاریخ میں پہلی سائنسی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا یہ کتاب اصل میں یونانی زبان میں تھی یہ کتاب اسکندریہ کے ایک مذہبی عیسائی جس کا نام اہرون (Ahrun) تھا، نے لکھی تھی ﴿۱۸۸﴾۔عمر بن عبدالعزیز اسکندریہ سے میڈیکل کالج کو تبدیل کر کے شام لے آئے۔﴿۱۸۹﴾

سب سے اہم اور خوش کن بات یہ ہے کہ بنوامیہ خاندان کے دوسرے خلیفے یعنی یزید بن معاویہؓ کا بیٹا خالد بن یزید کیمسٹری اور میڈیکل سائنس (طب) کا بڑا عالم تھا۔خالد بن یزید (متوفی 708یا704ء) سب سے پرانا اور بہترین ذریعہ معلومات تھا۔ ﴿۱۹۰﴾ اور خالد پہلا عرب اور مسلمان ہے جس نے یونانی اور کاپٹک (Coptic) (مصری چرچ کی مذہبی زبان) کتابوں طب کیمسٹری اور علم نجوم یا حساب کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ ﴿۱۹۱﴾

چونکہ یہ پہلا عرب اور مسلمان ہے جس نے کیمسٹری، طب اور آسٹرالوجی وغیرہ کی کتابوں کو یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا لہٰذا ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عربوں کے علم طب اور کیمسٹری اور ریاضی وغیرہ کی بنیاد یونانی یا رومی (Greek or Roman) ہی ہے۔جابر بن حیان بھی امیہ کے دور میں غالباً پیدا ہوا مگر اس کا کام عباسی دور کا ہے اسی طرح حضرت امام جعفر صادق(765-700) نے بھی کیمسٹری اور علم نجوم وغیرہ میں اہم کام کیا۔

عبدالملک:

عبدالملک بن مروان نے بنی امیہ کی ڈوبتی کشتی کو کنارے لگایا اور پھر اتنی مستحکم حکومت قائم کر دی کہ بنی امیہ کی حکومت مزید پچاس سال آسانی سے نکال گئی اور کارہائے نمایاں بھی سرانجام دیئے جن میں عظیم فتوحات یعنی اندلس سندھ اور وسط ایشیاء (Central Asia) قابل ذکر ہیں۔ ذاتی حوالے سے بھی عبدالملک بہت بڑا عالم تھا۔ تدبیر سیاست اور علم وحکمت کا مجموعہ تھا۔ اس کا شمار اپنے وقت کے اکابر علماء میں ہوتا تھا اگر سیاست وحکومت میں نہ پڑتا تو مدینہ کی مسند علم کی زینت ہوتا۔ حضرت زید بن ثابت انصاری کے بعد مدینۃ الرسول کے منصب قضاء وافتاء پر فائز تھا۔ ﴿۱۹۲﴾

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے بعد ہم (اسلامی مسائل میں) کس سے رجوع کریں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا مروان کا بیٹا عبدالملک فقیہ ہے، اس سے پوچھنا ﴿۱۹۳﴾۔ امام شعبی کہتے ہیں کہ میں جن علماء کو بھی کو ملا ہوں عبدالملک کے سوا اپنے کو سب پر فائق پایا۔ اس (عبدالملک) سے حدیث یا شاعری وغیرہ پر گفتگو ہوتی تھی تو وہ معلومات میں کچھ اضافہ ہی کر دیتا تھا۔ خلافت سے پہلے وہ بہت متقی اور پرہیز گار تھا رات عبادت وریاضت کرتا اور قرآن پاک کی تلاوت کرتا ﴿۱۹۴﴾ لیکن خلافت کے بعد یہ زندگی قائم نہ رہ سکی۔ عبدالملک نے مشہور عالم وتابعی حضرت سعید بن میسب سے درخواست کر کے قرآن پاک کی تفسیر لکھوائی۔ ﴿۱۹۵﴾ عبدالملک خلیفہ بننے کے باوجود مذہبی تھا۔ ۷۵ھ میں خود امیر حج بنا اور ۸۰ھ میں اپنے بیٹے سلمان بن عبدالملک کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ ﴿۱۹۶﴾ اہم مراسلات اور فرامین کے سرنامے پر قل ھواللہ اور آنحضرت ﷺ کا نام مبارک لکھتے تھے۔ قیصر روم نے اعتراض کیا کہ شاہی مراسلات میں ایسے طریقے کو ختم کریں ورنہ ہم بھی اپنے مراسلات اور سکوں پر ایسی تحریریں لکھیں گے کہ آپ کو ناگوار ہوگا۔ اس پر عبدالملک نے رومی سکہ ہی منسوخ کر دیا اور اسلامی سکہ جاری کر دیا۔ جس پر قل ھو اللہ اور لا الہ الا اللہ نقش تھا۔ ﴿۱۹۷﴾

ولیدؒ۔ خوشحالی وترقی:

عبدالملک کا بیٹا ولید، اپنے والد کے برعکس علم وفضل سے بیگانہ تھا۔ ولید بڑا بیٹا تھا۔ عبدالملک نے ولید کی تعلیم کی بڑی کوشش

کی۔لیکن وہ تحصیل علم کی طرف راغب نہ تھا۔تاہم حکمرانی اور جہانبانی کے تمام اوصاف اس میں موجود تھے۔ولید نے دس سال ۸۶ھ تا۹۶ھ (بمطابق ۷۰۵ تا ۷۱۵) بڑی کامیاب حکومت کی اور بنی امیہ میں سب سے زیادہ فتوحات کا اعزاز حاصل کیا۔محمد بن قاسم نے جب سندھ فتح کیا تو ملتان تک فتح ہوا۔ملتان بدھوں کا شہر تھا۔یہاں کے صنم کدہ میں بے اندازہ دولت تھی۔اٹھارہ گز لمبا اور دس گز چوڑا ایک کمرہ سونے سے بھرا ہوا تھا جو کئی سو من تھا۔سارا مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ ﴿۱۹۸﴾ اس کے علاوہ بھی بہت سا قیمتی سامان بھی بطور غنیمت ملا۔اندلس کا پایہ تخت طلیطلہ جب فتح ہوا تو بے شمار دولت اور سونا چاندی ہاتھ لگا۔اگر چہ جہاں تک ہو سکا اہل طلیطلہ نے قیمتی سامان اور دولت دوسری جگہوں پر منتقل کر دیا تھا۔ گاتھ فرمارواؤں کا دستور تھا کہ جو بادشادہ مرتا تھا اس کے تاج پر بادشاہ کا نام،عمر،سن اور مدت حکومت لکھ کر اسے محفوظ کر لیتے تھے۔طلیطلہ فتح کرتے وقت اس طرح کے چوبیس تاج ملے تھے یہ سب مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ ﴿۱۹۹﴾ طارق جب طلیطلہ فتح کرنے کے بعد مدینۃ المائدہ پہنچا تو اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب ایک میز ملا جس کے ۳۶۵ پائے تھے وہ زبرجد،یاقوت وغیرہ بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھا۔یہ میز خالص سونے کا تھا اور اتنا بڑا تھا کہ اس کے ۳۶۵ پائے تھے۔﴿۲۰۰﴾ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق طلیطلہ کی فتح میں اتنا سونا مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور اتنی دولت تھی جس کا شمار ممکن نہیں۔ ﴿۲۰۱﴾ اندلس سونے چاندی کا خزانہ تھا۔مؤرخین کہتے ہیں کہ سارے ملک میں سونے چاندی کے دریا بہتے ہیں۔اس لئے مسلمانوں کو یہاں سے بے شمار دولت حاصل ہوئی۔موسیٰ بن نصیر نے ولید کو مسلمانوں کی فتوحات کی کثرت اور مال کی فراوانی کی اطلاع دی تھی کہ یہ فتوحات نہیں بلکہ حشر ہے ﴿۲۰۲﴾۔سونے چاندی اور جواہرات کا تو کوئی شمار ہی نہیں تھا۔نقد کے علاوہ بہت سے عجائب روزگار،نوادر ہاتھ آئے تھے۔ان میں سب سے معمولی ایک فرش تھا جو سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا تھا اور یاقوت،زبرجد اور دوسرے قیمتی جواہرات اور بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھا۔دوسرے نوادرات کے مقابلے میں اس کی وقعت اتنی کم تھی کہ لوگ ادھر دیکھتے نہیں تھے ﴿۲۰۳﴾۔یعنی دوسرے نوادرات اور عجائب اس سونے چاندی سے کہیں قیمتی اور خوبصورت تھے۔موسیٰ بن نصیر جب اندلس سے نکلا تو اس کے ساتھ تیس ہزار لونڈی و غلام،فرمانرواؤں کے چوبیس تاج ،مائدہ سلیمانی،سونے چاندی کے ظروف و جواہرات کے ذخیرے اور بے شمار عجائب و نوادرات تھے۔﴿۲۰۴﴾ لیکن فتح اندلس کے بعد مسلمانوں نے شاہی خاندان کے ساتھ بڑا شریفانہ سلوک کیا۔ان کی جاگیریں انہیں واپس کیں۔اور عرب شرفاء نے ان سے رشتے قائم کر لیے۔ہشام بن عبدالملک نے شاہی خاندان کی لڑکی سارہ کی شادی عیسیٰ بن مزاحم سے کر دی۔عبدالرحمٰن الداخل شہزادی سائرہ کا بہت خیال رکھتا تھا اور اسے ہر وقت دربار میں آنے کی اجازت تھی۔﴿۲۰۵﴾

☆---☆---☆

فصل چہارم

بنوعباس کے دور میں تعلیمی سرگرمیاں اور معاشی ترقی

بنوعباس کا دور حکومت ابوالعباس السفاح (750.54) کے 750ء میں خلیفہ بننے سے ہوا اور 1250ء میں عباسی خلافت کا سورج غروب ہونے پر ختم ہوا۔ اس طرح بنوامیہ کی حکومت امیر معاویہ کے دور حکومت 40ھ (660ء) سے شروع ہوئی اور آخری حکمران مروان ثانی بن محمد بن مروان (اموی) کی حکومت کے خاتمے پر 132ھ (750ء) میں ختم ہوئی جب ابوالعباس السفاح نے کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھا اور بیعت لی۔

اموی اور عباسی حکومت کا فرق یہ تھا کہ اموی حکومت خالصتاً عربی حکومت تھی جبکہ بنوعباس کی حکومت کثیر القومی یا بین الاقوامی تھی۔ ﴿۲۰۶﴾ بنوامیہ کی حکومت گرانے اور بعد میں اقتدار میں حصے داری میں عربوں کے علاوہ بہت سی قومیں شامل تھیں۔ ابومسلم خراسانی کا کردار اور دوسری ایرانی قوم خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ابوالعباس السفاح نے بے شک عباسی حکومت کی بنیاد رکھی لیکن اس کے بھائی اور جانشین ابوجعفر المنصور نے عباس حکومت کو مستحکم کیا۔

ابوجعفر المنصور نے شروع میں اپنا ہیڈ کوارٹر ہاشمیہ کو بنایا لیکن 762ء میں اس نے دنیا کے مشہور شہر بغداد کی بنیاد رکھی۔ شہرزاد نے اپنی کتاب الف ولیلۃ (The Thousand and one night) میں بغداد کی خوب تصویر کھینچی بغداد کی جگہ پر پرانے زمانے میں ساسانیوں کا ایک گاؤں ہوتا تھا۔ جس کا نام بغداد، بغ داد (Given by God) ہی تھا۔ یہ دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ دوسری طرف فرات ہے۔ بغداد چار سالوں میں مکمل ہوا۔ منصور نے اس پر اڑتالیس لاکھ تراسی ہزار (4883000) درہم خرچ کیے ﴿۲۰۷﴾۔ اس کی تعمیر میں 1 لاکھ انجینئرز، نقشہ نویس، مستری اور مزدوروں نے حصہ لیا اور چار سالوں میں مکمل ہوا۔ ﴿۲۰۸﴾ یہ جگہ جہاں المنصور کا بغداد بنا، اصل میں، عربوں کی زبان میں سوق بغداد (Suq Bagdad) تھا جو ایرانیوں کے دارالخلافہ مدائن سے تقریباً 48 کلومیٹر دور تھا۔ پرانے بادشاہوں کا یہ گرمیوں کا مسکن (Summer residence) تھا۔ ﴿۲۰۹﴾ ابوجعفر المنصور نے اس شہر کا سرکاری نام (Official Name) مدینۃ السلام (City of Peace) رکھا۔ یہ شہر گول (Circular in form) تھا۔ اسی وجہ سے اسے المدورۃ کہتے تھے۔ اس کے داخل ہونے والے گیٹ (Entrance) کو باب الذہب (The golden gate) کہا جاتا تھا۔ ایک گیٹ کا نام قبۃ الخضراء تھا۔ (Green dome) کہتے

ہیں کہ ایک محل کی چھت پر ایک تیر انداز بنایا گیا تھا جو حملہ آور کے آنے کی سمت بتاتا تھا۔ ﴿۲۱۰﴾

یعنی بغداد شہر بڑی شان وشوکت والا بنایا گیا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ شہر دنیا کا نمبر 1 شہر بن گیا اور اس کے قصبے دور دور تک پھیلنے لگے۔ یاقوت الحمیری کہتا ہے کہ محل کی چھت پر جو تیر انداز بنایا گیا تھا وہ دشمن کا پتہ دیتا تھا اور مسلمان اس وقت اتنے ذہین وفطین تھے کہ ان سے اس قسم کی ایجاد کی توقع کی جاسکتی تھی۔ ﴿۲۱۱﴾

اپنی وفات سے پہلے منصور نے باہر کی جانب دریائے دجلہ کے کنارے ایک اور محل بنایا جس کا نام اس نے قصر الخلد (Palace of Eternity) رکھا شمال میں تھوڑی سی دور ایک اور محل بنایا جس کا نام الرصافہ (Causeway) رکھا۔ یہ محل شہزادہ (Crown Prince) المہدی کے لئے بنایا گیا تھا۔ کچھ ہی سالوں کے بعد یہ شہر انٹرنیشنل لیول کا ایک اہم سیاسی اور کاروباری شہر بن گیا جو بجا طور پر وقار میں مدائن، بابل، مرو، اُر (Ur) وغیرہ مشرقی شہروں کے برابر ہوگیا۔ دنیا میں ایک شہر وقار میں اس وقت اس سے بڑا تھا اور وہ تھا قسطنطنیہ (Constantinople)۔

المنصور کا وزیر خالد برامکہ اور اس کا خاندان:

المنصور کے دور میں اسلامی تاریخ میں پہلی دفعہ وزارت کا عہدہ قائم کیا گیا جو بہت با اختیار تھا۔ خالد بن برمک اس اعلیٰ عہدہ پر فائز ہونے والا پہلا شخص تھا۔ خالد بن برمک کی والدہ کو قتیبہ بن مسلم نے 705ء میں بلخ Balkh سے قیدی بنایا جو وسط ایشیا کا شہر ہے۔ خالد کا والد ایک برمک تھا۔ ﴿۲۱۲﴾

(برمک بدھ مذہب میں اعلیٰ مذہبی عہدہ ہے (Chief priest) خالد کے تعلقات ابو العباس کے خاندان کے ساتھ اس قدر ہو گئے کہ خالد کی بیٹی کو السفاح کی بیوی نے پالا (دودھ پلایا) اور خالد کی بیوی نے السفاح کی بیٹی کو پالا۔ ﴿۲۱۳﴾

عباسی دور کی ابتداء میں ہی خالد برمکی کو محکمہ خزانہ کا سربراہ بنا دیا گیا تھا۔ محکمہ خزانہ یا دیوان الخراج (Department of Finance) میں خالد برامکی نے اپنے خوب جوہر دکھائے۔ 765ء میں خالد کو طبارستان کا گورنر بنا دیا گیا جہاں اس نے ایک خطرناک بغاوت کا خاتمہ کردیا۔ ﴿۲۱۴﴾

آخری عمر میں بھی اس نے ایک رومی قلعے کو فتح کیا۔ 775ء میں سات اکتوبر کو منصور فوت ہوگیا۔ اس کی وفات مکہ مکرمہ

کے قریب حج کے دوران ہوئی۔ مکہ میں اس کے لئے سو قبریں کھودیں گئیں تا کہ دشمنوں کو قبر کا پتہ نہ چل سکے۔ لیکن دفنایا کسی اور قبر میں گیا۔ ﴿۲۱۵﴾ منصور کے بعد آنے والے عباسی خلفاء نے کئی پشتوں تک منصور کی پالیسیوں پر عمل کیا۔ جس طرح معاویہ بنوامیہ حکومت کا بانی تھا۔ اسی طرح المنصور بنی عباس حکومت کا بانی اور گائیڈ ہے۔ المہدی نے اپنے بیٹے ہارون کے لئے خالد کے بیٹے یحیٰ برمکی کو اتالیق مقرر کیا۔ الہادی (86-785) کے مختصر دور کے بعد جب ہارون خلیفہ بنا تو اس نے یحیٰ برامکہ کو وزیر بنا دیا۔ ہارون یحیٰ برامکہ کو باپ کہہ کر پکارتا تھا۔ 805ء میں یحیٰ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے فضل اور جعفر عملی طور پر حکمران بن گئے اور 786ء سے 803ء تک زبردست حکومت کی۔ ﴿۲۱۶﴾ انہوں نے عباسی حکومت کو چار چاند لگا دیئے اور حکومتی اداروں کو مضبوط بنیادوں پر مستحکم کیا۔ آخر میں خلیفہ ہارون الرشید یحیٰ سے اس کی بداخلاقی کی وجہ سے نالاں ہو گیا۔ ﴿۲۱۷﴾

ہارون الرشید کو یحیٰ کی بداخلاقی اور برامکہ کی اتنی زبردست طاقت پسند نہ تھی۔ لوگ ہارون کی بجائے برامکہ کی طرف دیکھتے تھے۔ کیونکہ سخاوت اور زبردست ذہانت اور طاقت کی وجہ سے لوگ ان کی طرف مائل تھے۔ پہلے ہارون نے سینتیس سالہ جعفر کو قتل کیا یعنی 803ء میں۔ پھر یحیٰ اور فضل کو بند کیا اور ان کی جائیداد قرق کی۔ برامکہ سے حاصل ہونے والی نقد رقم 30676000 دینار تھی۔ باقی جائیداد، محل، فرنیچر، قیمتی برتن اور دولت علیحدہ تھی۔ ﴿۲۱۸﴾

ہارون کے غصے کی زیادہ تر وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہارون نے قریبی دوست ہونے کے ناطے جعفر برامکی کی برائے نام شادی اپنی ہمشیرہ عباسہ کے ساتھ کر دی۔ جن کے آپس میں خفیہ تعلق قائم ہو گئے تھے۔ ہارون باقاعدہ شادی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن عباسہ نے مکہ میں حج کے دوران خفیہ طور پر ایک بچے کو جنا جس کو اس نے مکہ میں ہی چھپا لیا۔ ﴿۲۱۹﴾

عباسی حکومت کا عروج اور ترقی و خوشحالی کی انتہاء:

ابوالعباس السفاح اور ابوجعفر المنصور کی قائم کی ہوئی حکومت و خلافت اپنے ابتدائی دور میں ہی تیزی سے ترقی کرنے لگی لیکن تیسرے خلیفہ المہدی سے لے کر نویں خلیفہ الواثق تک انتہائی ترقی کا دور ہے۔ اس میں سب سے خوبصورت اور خوشحال دور ہارون الرشید اور اس کے بیٹے مامون کا ہے جس میں بلندیوں اور نعمتوں کی انتہاء ہو گئی تھی۔ یہ دور تاریخ اسلام میں سنہری ترین دور ہے۔ ﴿۲۲۰﴾۔ ثعالبی کے نزدیک عباسی خلفاء میں پہلا (Opener) المنصور ہے۔ وسطی (Middler) المامون ہے اور بند

کرنے والا (مغلق) المعتضد (892.902) ہے۔ ﴿۲۲۱﴾

واثق کے بعد خلافت آہستہ آہستہ زوال کی طرف آئی تا آنکہ آخری عباسی خلیفہ مستعصم تخت نشین ہوا اور وہ ۴ صفر ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) کو تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی خلافت عباسیہ ختم ہوگئی۔ عباسی خاندان کی حکومت عظمت اور قوت کا اندازہ ان کی عدالتوں، دارالخلافہ بغداد اور اس میں ان کی خوشحالی اور عیش و عشرت کی زندگی اور ان کی بیمثال علمی بیداری (Unparalleled intellectual awakening) سے لگایا جا سکتا ہے جو خاص طور پر مامون کی سرپرستی (Patronage) میں ہوا۔ پی۔ کے۔ ہٹی کے بقول:

> The ninth century opened with two imperial names standing Supreme in world affairs. Charlemangne (French) in the West and Harun-al-Rashid in the East, of the two, Harun was undoutedly the more powerful and represented the higher cultue. ﴿۲۲۲﴾

شارلیمان اور ہارون دونوں نے دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ فرانس کا بادشاہ شارلیمان ہارون سے رومیوں کے خلاف مدد لینا چاہتا تھا جبکہ ہارون شارلیمان سے بنوامیہ کی اندلسی حکومت کے خلاف لینا چاہتا تھا۔ مسلمانوں کے ہارون اور فرانس کے شارلیمان آپس میں ایک دوسرے کے پاس سفیر بھیجتے اور آپس میں تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے تھے۔ ایک مغربی مؤلف کہتا ہے کہ شارلیمان کا سفیر ہارون سے واپس آیا تو ہارون نے ریشمی کپڑے خوشبودار مصالحہ جات (اور خوشبوئیں) اور ہاتھیوں جیسے قیمتی تحفے دیئے تھے۔ ﴿۲۲۳﴾ فرانس سے تعلقات اچھے تھے لیکن رومیوں سے اچھے نہیں تھے۔ المہدی پہلا عباسی خلیفہ تھا جس نے قسطنطنیہ (Byzentine) کے خلاف دوبارہ جنگ شروع کی اور اپنے بیٹے ہارون (His Successor) کی قیادت میں مقدس جنگ (Holy War) میں دارالخلافہ تک چلا گیا۔ 782ء میں اسلامی فوجیں باسفورس (Bosphorus) تک پہنچ گئیں۔ ﴿۲۲۴﴾ اگرچہ قسطنطنیہ تک نہیں پہنچی تھیں۔ اور اس وقت کی حکمران ملکہ ارینی جو اپنے بیٹے قسطنطین VI کے نام پر حکومت کر رہی تھیں نے ذلت امیز معاہدہ کیا جس میں 70000 سے -/90000 دینار سالانہ دینے کا معاہدہ بھی شامل تھا۔ ﴿۲۲۵﴾ اس مہم کو شہزادہ ہارون اپنی قیادت میں چلا رہا تھا۔ اسی فتح عظیم کے موقع پر المہدی نے اپنے اس بیٹے کا لقب الرشید رکھا اور پھر موسیٰ الہادی کے بعد ہارون الرشید کو دوسرا وارث خلیفہ (Heir apparent) نامزد گیا۔ یہ آخری موقع تھا کہ عرب فوج قسطنطنیہ کے متکبر دار الخلافہ تک پہنچی۔ پہلی تین مرتبہ امیر معاویہ اور سلیمان کے دور میں (بنی امیہ) میں اور چوتھی اور آخری المہدی کے دور میں ہارون

الرشید کی قیادت میں۔ملکہ ارینی (Irene)(797.802) رومی تاریخ (Byzentine History) میں پہلی عورت تھی جس نے مکمل اختیارات کے ساتھ حکومت کی۔ ﴿۲۲۶﴾ اس کے بعد نائس فورس (Nice Phorus) اس کا جانشین بنا۔ ﴿۲۲۷﴾ 802 سے 811 تک حکمران رہا۔ملکہ ارینی کے بعد جب یہی نائس فورس (11-802) حکمران بنا تو ہارون الرشید، خلیفہ کو خط لکھا اور دھمکی دی کہ معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔ملکہ ارینی نے جو خراج اور ٹیکس مسلمان حکومت کو دیا ہے وہ واپس کر دو ورنہ حالات خراب ہو جائیں گے۔جب یہ دھمکی آمیز خط خلیفہ ہارون کو ملا تو اس نے جواب دیا:

شروع خدا کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے (یعنی بسم اللہ) ہارون کی طرف سے جو مسلمانوں کا خلیفہ ہے نائس فورس کی طرف جو رومی کتا ہے۔بالکل میں نے تمہارا خط پڑھ لیا ہے اس کا جواب تم کانوں سے نہیں سنو گے بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔والسلام! ہارون نے اپنے الفاظ کو سچ کر دکھایا نائس فورس پر حملہ کیا بہت سے علاقوں پر قبضہ کیا۔پرانے علاقوں کا کنٹرول واپس لیا۔بادشاہ اور اس کی رعایا پر علیحدہ علیحدہ ٹیکس لگایا۔﴿۲۲۸﴾ بادشاہ کے خاندان کے ہر ممبر پر ٹیکس لگایا۔ یہ عباسی دور حکومت کا طاقتور ترین دور تھا۔ ﴿۲۲۹﴾

بغداد شہر کی عظمت:

ہارون الرشید اور مامون کے دور میں بغداد اپنی بلندیوں کی انتہا پر تھا۔ہارون سے صرف پچاس سال قبل بسنے والا شہر اب ہر لحاظ سے ایک ایسا بین الاقوامی شہر بن گیا تھا جس کو ہٹی یوں لکھتا ہے۔

" The City with no peer through out the whole world" ﴿۲۳۰﴾

بغداد کا یہ گول (المدوّنہ) شہر کا ایک تہائی شاہی خاندان کے محلات اور اہم عمارت پر مشتمل تھا۔ہارون الرشید کی کزن بیوی (Cousin-Wife) زبیدہ اپنے خاوند کے ہر اہم معاملے میں اور حکومتی کاروبار میں شریک تھی۔اسے ہیرے جواہرات کا بہت شوق تھا۔گھریلو استعمال کی اکثر اشیاء سونے اور چاندی کی بنی ہوئی تھیں۔حتیٰ کہ زبیدہ نے اپنے جوتے کو بھی قیمتی ہیرے جواہرات سے مزین کیا ہوا تھا۔اور یہ تاریخ میں پہلی دفعہ ایسا ہوا تھا۔﴿۲۳۱﴾ زبیدہ جو بھی فیشن کرتی یا کوئی نئی چیز کپڑے یا زیورات پہنتی تو وہ دنیا کیلئے تازہ فیشن بن جاتا۔ ﴿۲۳۲﴾

825ء میں خلیفہ مامون کی شادی اپنے وزیر حسن بن سہل کی 18 سالہ بیٹی سے ہوئی جس کا نام بوران (Buran) تھا۔﴿۲۳۳﴾ اس شادی پر اتنی دولت خرچ کی کہ عربوں کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دولہا اور دلہن پر ایک ہزار قیمتی ہیرے پھینکے گئے (جس طرح سے پیسے پھینکتے ہیں) عام لوگوں اور عربوں کو بہت سے قیمتی انعامات اور تحائف سے نوازا گیا۔ ﴿۲۳۴﴾

عروج کے دنوں میں 160000 فوج تھی۔ 7000 (سپیشل) گارڈ اور 700 کوتوال تھے۔ پریڈ کے وقت 100 شیر ناچتا تھا۔ خلیفہ کے محل میں 38000 پردے لٹکے ہوئے تھے جن میں 12500 سونے کی تاروں سے آراستہ (Gilded) تھے۔ اسکے علاوہ 22000 کارپٹ تھے۔ دوسرے ملکوں کے سفیران محلات کو دیکھ کر بہت حیران ہوتے تھے۔ وہ کوتوال اور وزراء کے دفاتر کو دیکھ کر انہیں خلیفہ کا دفتر یا محل سمجھ لیتے تھے کیونکہ وہ بھی شان وشوکت کے لحاظ سے اعلیٰ وارفع تھے۔ خاص حیرانگی لوگوں کو دارالشجرہ (The hall of the tree) کو دیکھ کر ہوتی تھی جو کہ ایک مصنوعی درخت تھا جو 500,000 گرام سونے اور چاندی سے بنایا گیا تھا۔ اس درخت کی شاخوں پر سونے اور چاندی کے جانور بٹھائے گئے تھے۔ جب ہوا چلتی تھی تو وہ خود بخود (Automatic) چہچہاتے تھے۔﴿۲۳۵﴾

الامین خلیفہ نے ایک رات ایک موسیقار کو ابونواس کے اشعار گانے پر 300000 درھم انعام دے دیا یہ موسیقار ابراہیم ابن المہدی (چچا) تھا۔ دوسری دفعہ اسی گانے والے نے 20,000,000 درھم انعام پایا۔ ﴿۲۳۶﴾ اسی خلیفہ الامین جس کو ابن الاثیر قابل تعریف کام کرنے والا نہیں سمجھتا ﴿۲۳۷﴾ نے دجلہ کے کنارے مختلف جانوروں کے مجسمے بنائے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ڈالفن مچھلی، دوسرا، شیر اور باز (Eagle) کی طرح تھا۔ ان میں سے ایک جانور (Vessel) پر تقریباً تیس ۳۰ لاکھ (3000000) درہم لاگت آئی تھی۔ حکمران خاندان کے بعد عباسی خاندان وزیر، آفیسر اور دوسرے لوگ آتے تھے۔ عباسی خاندان بڑے بڑے وظائف لیتے تھے۔ معتصم (42-833) نے آکر خزانے سے یہ وظیفے بند کروائے۔ ﴿۲۳۸﴾ ویسے یہ خاندان اور عام لوگ بڑے امیر اور کاروباری تھے۔ ہارون الرشید کی والدہ خیزران (Khayzuran) کی آمدن (سالانہ) 160,000000 تھی محمد ابن سلیمان کی وفات کے بعد اس کی پراپرٹی 50000000 درھم کی مالیت کی تھی۔ اس کے کاروبار سے اس کی روزانہ آمدن (Daily Income) 100000 تھی ﴿۲۳۹﴾ اس طرح ہم کہ سکتے ہیں کہ ہارون الرشید کے دور کا بغداد دنیا جہاں کا امیر ترین اور خوشحال ترین شہر تھا۔ دنیا کی ہر نعمت اس میں موجود تھی۔ پوری دنیا سے تجارتی سامان یہاں آتا تھا۔

عباسی دورِ حکومت میں علمی ترقی:

عباسی حکومت یا دورِ حکومت کی سب سے نمایاں چیز جس نے عباسی دور کو دنیا کا عظیم ترین دور بنایا اور تہذیب وتمدن اور معاشی ترقی (Economic development) میں ساری دنیا سے آگے نکل گیا۔ اس کی وجہ علمی ترقی یا علمی بیداری (Intellectual awakening) ہے زیادہ تر علمی اور سائنسی ترقی بیرونی اثر (Foriegn Influance) سے ہوئی۔ عربوں اور مسلمانوں کی علمی اور سائنسی وفلسفیانہ ترقی کی بنیاد رومی، یونانی، مصری، ہندی اور ایرانی علوم اور ان کا علمی وتحقیقی کام ہے مسلمانوں نے سائنسی اور فلسفیانہ علوم میں اس قدر دلچسپی لی اور تراجم وتالیفات اور تحقیق میں اس قدر مستغرق ہوئے کہ بغداد شہر کے قیام کے بعد ایک سو سال(Century) کے اندر اندر مسلمانوں نے تمام اہم علوم کو اپنی زبان میں منتقل کر لیا سو سال کے اندر اندر اس پوزیشن میں تھے کہ ارسطو کا اہم فلسفیانہ کام، افلاطون، سقراط، بقراط اور گیلن (Galan) وغیرہ کا اہم کام چاہے وہ طب کے متعلق ہو یا دوسرے علوم کے متعلق، اور ایرانیوں اور ہندوستانیوں کا اہم علمی کام، مسلمانوں کے قبضے اور تصرف میں آ گیا۔ ﴿۲۴۰﴾ مسلمانوں نے چند دہائیوں میں وہ سارا کام اور علمی تحقیق اپنی زبان میں منتقل کر لی جس پر یونانیوں، رومیوں، ایرانیوں اور ہندوستانیوں نے سینکڑوں سال لگائے۔ علم وفن کی یہ ایک ہی ندی ہے جو پہلے مشرق سے یورپ گئی یعنی مصر، بابل وغیرہ سے روم اور یونان کی طرف۔ پھر تقریباً ایک ہزار سال عالم اسلام کو سیراب کیا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ مشرق سے یہی علمی وتحقیقی ندی مسلمانوں کے ذریعے اندلس گئی۔ اور وہاں سے سسلی اور پھر سارے یورپ میں گئی اور اسے سیراب کیا اور اسی مشرقی علوم کی وجہ سے یورپ میں نشاہ ثانیہ(Renaissance) ہوئی۔ یورپ سے ہی یہ علمی خزانے امریکہ گئے۔

ہندی اثرات:

ہندوستان دانائی کی باتوں (Wisdom Literature) اور حساب میں ابتدائی وسیلے (Sources) کی حیثیت رکھتا ہے سب سے پہلے 154ھ (771ء) میں ایک ہندوستانی سیاح نے بغداد میں حسابیات(یاAstronomy) کی کتاب سندھ ہند(Sidhanta) متعارف کروائی جس کو محمد بن ابراہیم الفرازی(806اور 796 کے درمیان فوت ہوا) نے المنصور کے کہنے پر ترجمہ کیا جو اسلام میں پہلا حساب دان کہلایا۔ ﴿۲۴۱﴾

مشہور ریاضی دان علامہ الخوارزمی (متوفی ۸۵۰) کے کام کی بنیاد یہی سندھ ہند(Sidhanta) ہی ہے جس کا ابراہیم

الفرازی نے عربی میں ترجمہ کیا۔ حساب کی دوسری اہم ایرانی (فارسی) کتابوں کو ہارون الرشید کے لائبریرین ﴿۲۴۲﴾ الفضل ابنِ نو بخت ﴿۲۴۳﴾ نے عربی میں منتقل کیا۔ (ترجمہ کیا)

فارسی اثرات:

فارسی زبان سے عربی میں غالباً پہلی کتاب کلیلۃ ودمنۃ منتقل ہوئی۔ یہ کتاب بھی اصل میں پہلے سنسکرت زبان میں تھی۔ یہ اصل کام ہندوستان سے لایا گیا غالباً نوشیروان (78-531) کے زمانہ میں۔ ابن المقفع نے اسے عربی میں منتقل کیا تا کہ عرب شہزادے اور حکمران اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ابن المقفع ﴿۲۴۴﴾ نے کلیلۃ ودمنۃ کا اس خوبصورتی سے ترجمہ کیا جیسے یہ اصل (Original) کتاب ہو۔ جس کو پتہ نہ ہو کہ یہ ترجمہ ہے وہ اسے ترجمہ ثابت نہیں کر سکتا۔

عربی ادب میں خوبصورتی اصل میں ایرانیوں کے ادب (Literature) سے آئی اور اسٹائل (Style) بھی وہاں سے ملا۔ عربی ادب اور لٹریچر کی کتابیں مثلاً الآ غانی، العقد الفرید اور سراج الملوک (الطرطوشی) وغیرہ ہندی اور ایرانی حوالوں سے بھری پڑی ہیں خاص طور پر جب ان کتابوں میں اخلاق، دانائی، سیاست اور تاریخ کا حوالہ دیا جاتا ہے تو ایرانی ادب یا ایرانی کتابوں کا ہوتا ہے۔ المنصور کو جب معدے کا ایک غیر معمولی مسئلہ ہوا اور بیمار ہوا تو اس نے جندے شاہ پور (Jundi-Shapur) (ایران) کے ہسپتال سے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کو بلایا جس کا نام جرجیس (George) ابن بختیشوع تھا (متوفی 771) اور علاج کروایا۔ جندے شاپور کا ادارہ (کالج) میڈیکل اور فلسفے میں بہت مشہور تھا۔ اس کی بنیاد تقریباً 555ء میں رکھی گئی اور نوشیروان (Anusharwan) نے اس کی بنیاد رکھی۔ جرجیس نے جلد ہی خلیفے کا اعتماد حاصل کر لیا اور اس کا خاص طبیب بن گیا۔ اگر چہ وہ اپنے عیسائی مذہب پر قائم رہا۔ ابن بختیشوع کا خاندان تقریباً دو سو سال تک (6 یا 7 پشتوں تک) شاہی خاندان کا فیملی ڈاکٹر رہا۔ بختیشوع کا بیٹا جبریل (Gabriel) خلیفہ ہارون الرشید کا 805ء میں اس وقت پرائیویٹ (فیملی) ڈاکٹر بنا جب اس نے ہارون کے غلام کا فالج کا علاج کیا۔ ﴿۲۴۵﴾

یونانی اور رومی اثرات

رومیوں اور یونانیوں کا علمی ورثہ سب سے بڑا خزانہ ثابت ہوا مسلمانوں اور عربوں کی زندگی اور علمی کام (Intellectual work) پر اس یونانی و رومی علمی خزانے نے دور رس اثرات چھوڑے الروحہ (Edessa) (شامی عیسائیوں کا مرکز)، ہران

(Harran) سابیوں کا مرکز، اینٹک (Antiouch)، اسکندریہ (جو کہ مشرقی اور مغربی فلسفے کا سنگم ہے) اور دوسرے مراکز جو سائنس اور فلسفے وتحقیق اور علمی کام کے لئے اہم تھے، سب مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ رومی سرزمین پر حملوں اور مہموں کے سلسلے میں جہاں بہت سارے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ لگے وہاں علمی خزانے بھی ہاتھ لگے۔ بہت سارا علمی سرمایہ، کتابوں کی شکل میں، مسلمان اپنے ساتھ لائے یا نئے علمی خزانوں (Intellectual Treasures) سے متعارف ہوئے۔ خاص طور پر ھارون کے زمانے میں جہاں بہت سا مال غنیمت آیا وہاں اموریم (Amorium) اور انقرہ (Ancyra) سے بہت ساری یونانی غیر مطبوعہ کتابیں (Greek Manuscripts) بھی لائی گئیں۔﴿۲۴۶﴾

المامون کو یہ بھی کریڈٹ جاتا ہے کہ اس نے قسطنطنیہ کے بادشاہ لیو (Leo) کی طرف ایک وفد بھیجا کہ یونانی فلسفے کی کتابیں بھیجیں۔ ﴿۲۴۷﴾ اس وفد کی قیادت کیلئے بیت الحکمت (تعلیمی وتحقیقی ادارہ) کے ناظم اعلیٰ کو بھیجا گیا اور ساتھ بہا قیمتی تحفے گئے اور اس طرح قیصر روم کو خوش کر کے یونان قدیم کی علمی کتابیں طلب کیں۔ کہتے ہیں کہ جب یہ وفد پہنچا، تحفے تحائف دیئے اور ساتھ ہی مامون کا خط دیا جس میں یونان کے اہم فلسفیوں کی علمی کتابیں طلب کی گئی تھیں۔ تو قیصر روم بڑا پریشان ہوا۔ اس نے مذہبی پیشواؤں کو طلب کیا کہ مسلمانوں کو فلسفے کی کتابیں دینے میں کوئی حرج تو نہیں عیسائی مذہبی پیشواؤں نے جواب دیا کہ الٹا ثواب ہوگا۔ کیونکہ یہ چیزیں علوم عقلی سے تعلق رکھتی ہیں اور علوم عقلی مذہب کی جڑیں ہلا دیتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ یہ مسلمانوں کے پاس بھیج دی جائیں تا کہ ان میں گمراہی پھیلے اور ہم ان کے آئے دن کے حملوں سے محفوظ رہیں۔ ﴿۲۴۸﴾ قیصر روم ڈرتا تھا کہ کتابیں دینے سے وہ علمی لحاظ سے بھی طاقتور نہ ہو جائیں۔ کیونکہ طاقت اور جرات کے لحاظ سے پہلے ہی مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ المنصور کے گزارش کرنے پر بھی قیصر نے گیلن (Galen) اور دوسرے فلسفیوں کی کتابیں بھیجی تھیں۔ ﴿۲۴۹﴾

مسلمانوں کے پاس جب رومیوں اور یونانیوں کی کتابوں (Roman and Greek Books) کا کافی ذخیرہ ہو گیا اور ان کے تراجم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مسلمان تو لاطینی اور رومی زبان نہیں جانتے تھے لہٰذا انہوں نے یہودیوں، ایرانیوں، عیسائیوں اور شامیوں وغیرہ کی مدد سے ان کو عربی میں منتقل کیا۔ اکثر کتابوں کو پہلے سامی (سریانی) یا فارسی زبان میں منتقل کیا۔ اور پھر عربی میں ترجمہ کیا۔

دار الترجمہ:

خلیفہ منصور نے اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ دار الترجمہ کے نام سے تصنیف وتالیف کا علیحدہ شعبہ قائم کیا اور یونان قدیم کی کتب کے عربی میں ترجمے کروائے۔ ﴿۲۵۰﴾

بیت الحکمت کی بنیاد اور ترجمہ وتالیف:

خلیفہ المامون نے 830ء میں اس مشہور علمی دانش گاہ کی بنیاد رکھی۔ عربوں اور مسلمانوں کی علمی تاریخ میں بیت الحکمۃ کا بڑا نام اور مقام ہے اس کے ساتھ ایک بہت بڑی لائبریری بھی تھی۔ ایک اکیڈمی اور دار الترجمہ (Translation Bureau) بھی اس کا حصہ تھا۔ تیسری صدی عیسوی کے پہلے نصف میں اسکندریہ میوزیم (Alexundria museum) کے بعد تعلیمی میدان میں یہ ادارہ (یا بعد میں یونیورسٹی) سب سے اہم ہے۔ بیت الحکمت میں سب سے اہم کام ترجمے کے شعبے (Bureau) کا ہے۔

مامون الرشید نے بھاری تنخواہوں پر علماء اور پڑھے لکھے لوگوں کو بیت الحکمت میں ملازمتیں دیں اور ان کے ذمے رومی (Greek) فلسفیوں اور سائنسدانوں کی کتابوں کے ترجمے کا کام لگایا۔ ان علما اور سکالرز میں زیادہ تر لوگ یہودی، عیسائی، شامی عیسائی اور ایرانی سکالرز شامل تھے جن کو عبرانی، لاطینی (Latin) فارسی اور رومی زبانیں وغیرہ آتی تھیں۔ دار الترجمہ کا سربراہ مامون کی طرف سے ایک عیسائی سکالر حنین بن اسحاق کو بنایا گیا تھا جو یونانی زبان جانتا تھا۔ ﴿۲۵۱﴾

ترجمے (Translation) کا کام 750ء کے بعد تقریباً ایک سو (100) سال تک جاری رہا۔ چونکہ اکثر ترجمہ کرنے والے (Translators) شامی (Aramaic,syriac) تھے۔ لہٰذا وہ یونانی علم (Greek work) کو پہلے شامی زبان (Aramaic or Syriac Language) میں منتقل کرتے پھر اس کا ترجمہ عربی زبان میں کرتے تھے۔ ﴿۲۵۲﴾ یہ زبان اب بھی شام، لبنان کے بعض علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ عربی میں ترجمہ کرتے وقت اگر کوئی مناسب لفظ یا اصطلاح نہ ملتی تو اسی طرح یونانی لفظ کو عربی میں ڈھال دیتے۔ ﴿۲۵۳﴾

مترجم (Translators):

یونانی زبان(Greek) سے ترجمہ کرنے والوں میں اہم ترین آدمی ابویحیٰ ابن البطریق (المتوفی 796ءتا806ء) ہے جس نے خلیفہ المصور کیلئے گیلن(Galen) کی اہم علمی کتابوں کا ترجمہ کیا۔اس نے ہپوکریٹس(Hippocrates)(متوفی B.C 430ء) کی کتابوں اور پٹولمی(Ptolemy) کی کتابوں قدرپارٹی(Quadripartitum) کا ترجمہ کیا۔ ﴿۲۵۴﴾

یوکلڈ (Euclid) کی ایلیمنٹس اور پٹولمی (Ptolemy) کا علم الاعداد یا حساب (Astronomical work) الماجستی(Almejesti) بھی اس دور میں ترجمہ ہوئیں۔ ﴿۲۵۵﴾ المنصور کے دور میں ترجمہ شدہ یہ کتابیں ہوسکتا ہے ھارون اور ماموں کے دور میں دوبارہ ترقی یافتہ شکل میں ترجمہ ہوئی ہوں۔شام کا عیسائی سکالر یوحنا(یحیٰ) ابن ماسویہ(متوفی 857) ایک اور اہم مترجم ہے۔یہ جبریل بن بختیشوع(Bakhtishu) کا شاگرد اور حنین ابن اسحاق کا استاد ہے۔جس نے ہارون الرشید کیلئے کئی طبی کتابوں (Medical Books) کا ترجمہ کیا جو غالباًوہ انقرہ اور اموریم(Amorium) سے لایا ہوگا۔﴿۲۵۶﴾لیکن حنین بن اسحاق بھی اس کا ساتھ دیتا تھا۔ ﴿۲۵۷﴾حنین کا بھتیجا حبیش ابن الحسن بھی تالیف وترجمہ میں شامل ہوا جس کو حنین نے خود تربیت دی۔ ﴿۲۵۸﴾ ان دو کے علاوہ دو اور بھی حنین کے سٹوڈنٹ اور مددگار تھے۔ان کا نام عیسیٰ بن یحیٰ اور موسیٰ ابن خالد ہے۔موسیٰ بن خالد فارسی سے عربی میں بھی ترجمہ کرتا تھا۔﴿۲۵۹﴾بہت ساری کتابوں کے ترجمے حنین نے پہلے یونانی(Greek) سے شامی (سریانی)(Syriac) میں کئے اور دوسرے قدم کے طور پر اس کے ساتھیوں نے شامی(سریانی) زبان سے انہیں عربی میں منتقل کیا اور ترجمے کئے۔ ﴿۲۶۰﴾ مثلاً ارسطو(Aristotle) کی کتاب (Hermeneutica) کا ترجمہ پہلے باپ نے شامی (سریانی)(Syriac) میں کیا اور پھر بیٹے اسحاق نے اس کا سریانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا جو عربی بہتر جانتا تھا۔﴿۲۶۱﴾ یہ اسحاق ارسطو کی کتابوں کا سب سے بڑا مترجم ہے۔دوسری کتابوں کے علاوہ اس نے گیلن، ہپوکریٹس(Hippocrates) اور ڈیوس کورڈ (Dioscordes)(متوفی 50/A.B) کی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا۔اس کے علاوہ اس نے افلاطون کی Republic (سیاستہ)،ارسطو کی Categories (معقولات)،فزکس(طبعیات)اور Magna Moralia (خلقیات) ﴿۲۶۲﴾وغیرہ کا ترجمہ بھی کیا۔حنین کا اس سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے گیلن کا تقریباً سارا ہی سائنسی کام (Scientific out put) سیریائی (شامی) یا عربی میں منتقل کردیا۔گیلن کی انسانی جسم اور اعضاء کے بارہ میں (Anatomy) لکھی ہوئی سات کتابیں اپنی اصل یونانی زبان

(Greek Language) میں دنیا سے مٹ چکی تھی جن کا وجود اصل زبان میں باقی نہیں رہا تھا۔لیکن خوش قسمتی سے یہ کتابیں عربی میں موجود ہیں۔﴿۲۶۳﴾

یعقوب بن اسحاق کو اپنے تبحر علم اور نادر تالیفات کے باعث فیلسوف عرب کہا جاتا ہے۔اس نے بھی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا﴿۲۶۴﴾۔

ثابت بن قرہ (۹۰۱-۸۳۶) بھی حنین کی طرح بہت مشہور اور مترجم ہے۔اس کا تعلق حران کے صابیوں (Sabian of Harran) سے تھا۔یہ لوگ ستاروں کی پوجا کرتے تھے اور علم الافلاک (Astronomy) اور حساب(Mathematics) میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔المتوکل کے دور میں ان کا پیدائشی قصبہ فلسفے اور علم الطب کا مرکز بن گیا۔ ثابت اور اس کے ساتھیوں اور شاگردوں نے بہت سے یونانی حساب اور علم الافلاک کے کام (Mathematical and Astronomical work) کا ترجمہ کیا جس میں ارشمیدس (Archimedes) (متوفی 212BC) اور اپالونس (Appoloniuis) (متوفی 262 BC) کی حساب اور اعداد کی کتابیں شامل ہیں۔ثابت اور اس کے ساتھیوں نے پچھلی ترجمہ شدہ کتابوں کو بھی بہتر کیا۔مثلاً حنین(Hunayn) کی طرف سے یوکلد (Euclid) کے کام کا ترجمہ ثابت بن قرۃ نے دوبارہ (Revise) کیا۔ ﴿۲۶۵﴾ ثابت جلد ہی خلیفہ معتضد کا دوست اور مصاحب خاص بن گیا۔﴿۲۶۶﴾

حران مکتبہ فکر(Harranian School of thought) کے اہم لوگ مثلاً حجاج ابن یوسف وغیرہ نے 786 اور 833 کے درمیان سب سے پہلے یوکلد کے Elements اور پٹولمی (ptolemy) کے (Almegest) وغیرہ کا ترجمہ کیا۔حجاج بن یوسف ابن مطار پہلے ہارون رشید کے لیے کام کرتا تھا پھر مامون کے لیے کیا۔﴿۲۶۷﴾ پھر ابو الوفاء محمد البوز جانی الحاسب (97-940) آیا یہ مسلمانوں کا بہت بڑا حساب دان اور علم الاعداد کا ماہر اور عالم تھا۔علم الافلاک میں مہارت رکھتا تھا۔ قسطا بن لوقا بھی حساب اور اعداد کا بہت بڑا اسکالر اور عالم تھا۔یہ بعلبق (Balabaq) کا عیسائی تھا۔اس نے بھی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا۔اس کی اصل کتابوں کی تعداد 40 ہے۔﴿۲۶۸﴾ یحیٰ بن عدی بھی بہت بڑا مترجم تھا تکرت(Tikrat) میں 893ء میں پیدا ہوا اور 974ء میں بغداد میں فوت ہوا۔ابو علی عیسیٰ ابن زھر البغداد میں 1008 کو فوت ہوا۔انہوں نے بھی ترجے کا بہت بڑا کام کیا یحیٰ جو کہ عیسائی چرچ کا بشپ تھا۔اس نے فہرست میں کہا ہے کہ میں ہر روز سو صفحہ اوسطاً نقل کرتا ہوں یعنی (Copy) کرتا

ہوں۔ ﴿۲۶۹﴾

ترجمے کا دور ختم ہونے تک یونانی فلسفے کا سارا کام (Philosophycal work) خاص طور پر ارسطو (Aristotle) کا سارا کام عربی زبان میں منتقل ہو چکا تھا۔ ارسطو کے کام کی تعداد تقریباً ایک صد مقالے یا کتابیں تھی جو تقریباً سارے عربی زبان میں منتقل ہو گئے تھے۔ ﴿۲۷۰﴾ یہ سب اس وقت ہو رہا تھا جب یورپ اس کام سے منہ موڑ رہا تھا۔ ﴿۲۷۱﴾ اور یہ اس وقت کی بات ہے جس وقت عام یورپین (مغربی) ریاستیں اور قومیں اس یونانی فکر، کام اور سائنسی تحقیق سے نا آشنا تھیں حتیٰ کہ فرانس کا شارلیمان (Charlemagne) اور اس کی قوم بھی اس یونانی فلسفیوں اور ان کے کام کو صرف اوپر سے نام کی حد تک ہی جانتے تھے۔ اور مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ خلفاء ہارون اور مامون اور مسلمان قوم ساری مغربی ایرانی اور ہندوستانی فلسفہ خاص طور پر یونانی فلسفہ کی تعلیم و تحقیق اور تراجم میں مستغرق تھے مسلمانوں نے ارسطو کی کتابیں Organon, Rhetoric اور Poetics اور اس کے ساتھ پورپھری (Porphyry) کی کتاب ایساغوجی وغیرہ (Isagogi) کو اپنے نصاب یعنی عربی قرآن وحدیث اور فقہ کے ساتھ ساتھ بطور نصاب شامل کر لیا اور اس جدید فلسفے کو اپنے نصاب کا حصہ بنالیا۔ بعد میں آنے والے فلسفیوں حتیٰ کہ صوفیوں کے کام میں یونانی فلسفہ نمایاں نظر آتا ہے اور عربی زبان جو اسلام سے پہلے صرف شعر و شاعری اور خطابت کی زبان تھی۔ اسلام آنے کے بعد قرآن وحدیث شریعت کی زبان بنی۔ اب یہ جدید سائنس اور فلسفے اور ایک نئے فکر کی زبان بن گئی۔ اب اس میں فلسفے اور سائنس کے سارے پچھلے خزانے منتقل ہو گئے تھے۔

درہم کی قیمت (The Value of Dirham) ۔ یونان اور روم میں دینار:

عربوں میں چونکہ ساری ترقی اور خوشحالی اور کاروبار و تجارت (Business) درھم اور دینار کے اردگرد گھومتا تھا اور حکومت کا کاروبار اور لین دین بھی زیادہ تر درھم میں ہوتا تھا۔ اور اس کے بعد دینار آتا تھا اس لیے ہمیں یہ پتہ ہونا چاہیے کہ عربوں میں اس وقت درہم اور دینار کی قیمت یا Value کیا تھی۔ دینار پرانا سکہ ہے۔ یونان اور روم میں بھی استعمال ہوتا تھا۔ لاطینی زبان میں دینار کو Denarius کہا جاتا تھا۔ دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا جس کا وزن تقریباً چار گرام ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک دینار دس درھم کے برابر ہوتا تھا۔ بعد میں بارہ درھم کے برابر ہو گیا۔ ﴿۲۷۲﴾ حضرت عمرؓ کے زمانے میں امیر آدمی کا جزیہ چار

دیناراور غریب آدمی کا ایک دینار ہوتا تھا۔

خلیفہ المنصور کے زمانہ میں درھم کا اندازہ اس سے لگالیں کہ مینڈھا ایک درھم میں، گائے کا گوشت ایک درھم فی من، بکرے کا گوشت ایک درھم میں ۳۰ سیر، شہد ایک درھم میں پانچ سیر، چربی ایک درھم میں چھ سیر ملتی تھی۔ ﴿۲۷۳﴾ المنصور نے جب بغداد شہر کی تعمیر کی تو راج مستری (Master Builder) کو ایک درھم روزانہ دیتا تھا۔ اور عام مزدور کو 1/3 یعنی ایک تہائی درھم دیتا تھا۔ ﴿۲۷۴﴾ پہلے عباسی خلیفہ العباس (اور غالباً المنصور کے دور میں بھی) کے دور میں ایک فوجی سالانہ 960 درھم لیتا تھا ۔ شہسوار اس سے ڈبل۔ راشن پانی اس کے علاوہ ہوتا تھا۔ ﴿۲۷۵﴾

گورنمنٹ کے آفیسر اور ملازمین کی تنخواہیں اور خوشحالی:

جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ درھم اور دینار کی قیمت کیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عام طور پر ایک درھم میں انسان کیا خرید سکتا تھا۔ دینار اور درھم کی قیمت (Value) کیا تھی ۔ جس طرح آج کل ساری دنیا اپنا لین دین امریکی ڈالر (American Dollar) میں کرتی ہے اور امریکی ڈالر کو تقریباً ساری دنیا میں مقبولیت عام حاصل ہے اور انٹرنیشنل تجارت (Business and Trade) کے لیے امریکی ڈالر استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح عربوں کے دور میں اور پہلے روم (Roman Empire) میں دینار اور درھم کو بطور کرنسی استعمال کیا جاتا تھا۔ عباسی دور کی ابتداء میں ایک فوجی کو سالانہ 960 درھم دیا جاتا تھا۔ اور گھڑ سوار کو اس سے ڈبل دیا جاتا تھا۔ ﴿۲۷۶﴾ مامون کے دور میں سالانہ ۲۴۰ درھم دیئے جاتے تھے۔ لیکن جب مامون کا اپنے بھائی امین سے مقابلہ تھا اس وقت 940 درھم ہی ایک فوجی کو دیئے جاتے تھے۔ ﴿۲۷۷﴾ لیکن ججوں کی بہت زیادہ تنخواہ ہوتی تھی۔ مامون کے دور میں مصر کے جج کی تنخواہ 4000 ماہانہ ﴿۲۷۸﴾ ۔ لے خلیفہ کے باڈی گارڈ اور سپیشل فورس (Special Force) بھی بھاری تنخواہیں وصول کرتے تھے۔ ﴿۲۷۹﴾

عباسی دور میں حکومت کی آمدن (Revenue Collection)

ابن خلدون کہتا ہے کہ السواد (Lower Iraq) یعنی عہد قدیم کا بابل (Baby-lonia)، کا سالانہ ٹیکس کلیکشن خلیفہ

المامون کے دور میں تقریباً 27,800,000 تھا۔ خراسان کا تقریباً -/28,000,000۔ مصر کا 23040000 تھا۔ شام اور فلسطین کا 4,724,000 اور تمام صوبوں کا ٹوٹل (Revenue) 331929008 درھم تھا۔﴿۲۸۰﴾

مندرجہ بالا رقم کا تعلق نقد کیش سے تھا۔ باقی مال واسباب جسکا تعلق کیش (Cash) سے نہیں وہ اس کے علاوہ ہے۔ جس طرح قدامتہ کی بیلنس شیٹ کہتی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ السواد (Lower Iraq) کا مکمل ٹیکس یعنی کیش (Cash) اور دوسرے مال اسباب کو ملا کر تقریباً -/130200,000 یعنی تیرہ کروڑ دو لاکھ بنتا ہے۔ ﴿۲۸۱﴾ خراسان کا -/37,000,000، مصر مع اسکندریہ 37,500,000، شام و فلسطین مع حمس (Hims) -/15,860,000 اور ساری حکومت کا -/3,88,291,350 یعنی اڑتیس کروڑ بیاسی کروڑ لاکھ اکانوے ہزار تین صد پچاس درھم۔ حکومتی اخراجات کا حساب و کتاب کم ملتا ہے۔ البتہ جب منصور فوت ہوا تو اس وقت خزانہ میں -/600,000,000 درھم اور -/14,000,000 دینار موجود تھے۔ ﴿۲۸۲﴾ ہارون الرشید کی وفات پر -/900,000,000 (یعنی نوے کروڑ درھم) موجود تھے ﴿۲۸۳﴾ خلیفہ المکتفی کی وفات پر (908ء) 100,000,000 دینار (یعنی دس کروڑ دینار) خزانہ میں موجود تھا۔ ﴿۲۸۴﴾

ترجمہ و تالیف اور علوم و معارف کی ترقی:

عربی زبان میں کسی سائنسی کتاب کا پہلا ترجمہ مروان بن حکم کے ابتدائی دور (683ء) میں ہوا۔ اس کتاب یا مقالہ (Treatise) کا سریانی سے عربی میں ماسرجاویہ (Masarjawayh) نے ترجمہ (Translate) کیا۔ اصل میں یہ کتاب یونانی (Greeck) میں تھی اور اسے سریانی زبان (Syriac) میں ایک عیسائی مذہبی پیشوا جس کا نام اہرون (Ahrun) تھا۔ ﴿۲۸۵﴾ نے ترجمہ کیا تھا۔ لہٰذا یہ یونانی سے سریانی اور پھر سریانی سے عربی میں منتقل ہوئی۔ خالد بن یزید بن معاویہ کیمسٹری کے ماہر اور سائنسدان تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کیمسٹری طب (Medicine) اور فلکیات (Astronomy) میں یونانی سے عربی میں ترجمہ کرنے والے پہلے سکالر تھے۔ ﴿۲۸۶﴾ اس طرح بنی امیہ کے دور میں جس ترجمے کی بنیاد رکھی گئی اور علوم و معارف جدید فلسفہ اور سائنس کو سیکھنے کی ابتداء کی گئی تھی، بنو عباس کے دور میں وہ عروج کمال کو پہنچ گیا۔ دوسرے لفظوں میں بنوامیہ کا لگایا ہوا جدید علوم اور فلسفے کا پودا درخت بن گیا۔ اس عہد میں عقلیں بیدار اور افہام روشن ہو گئے تھے۔

خلفاء وعلماء نے علوم کی نشر واشاعت، ترجمہ وتدوین کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بنوامیہ کے دور میں قرآن وحدیث اور فقہ کی ترویج ہوئی اور کئی ایک کتابیں لکھی گئیں۔ عبدالملک کے دور میں علامہ ابن جبیر نے تفسیر کی پہلی کتاب لکھی۔ ﴿۲۸۷﴾ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں عمر کے حکم سے علماء نے حدیث کے کئی مجموعے تیار کئے ولید کے دور میں عربی حروف پر نقطے لگائے گئے اور قرآن پاک پر اعراب لگائے گئے معاویہ نے یمن کی تاریخ لکھوائی اور ہشام نے ایران کی تاریخ کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کروایا عباسی دور آیا تو بنوعباس کے خلیفہ دوم منصور نے علوم فنون کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اس نے طب اور شریعت کی تعلیم کے لئے مدرسے بنوائے۔منصور نے جرجیس بن بختیشوع (Jargis Bin Bakhtiishu) کو بلایا جو جندے شاہ پور (ایران) کے چوٹی کے طبیبوں میں تھا۔اور کالج وہسپتال کا ڈین (Deen) تھا۔منصور نے سریانی، ایرانی اور ہندوستانی علماء کو اپنے دربار میں بلایا اوران پر سخاوت کی ان علماء نے علم ونجوم اور طب کی کتابیں ترجمہ کیں۔ان کتابوں میں فلکیات (Astronomy) کی ہندوستانی کتاب سند ہند (Sidhanta) بھی شامل تھی۔ان میں ریاضیات میں کتاب اقلیدس بھی شامل تھی۔ابن المقفع نے بہت ساری کتابوں کے ترجمے کئے۔اتنا بڑا عالم اور لکھاری تھا۔کہ اس کی ترجمہ کی ہوئی کتابیں اصل سے زیادہ خوبصورت لگتی تھیں۔کلیلۃ ودمنۃ کا ترجمہ (اگر وہ ترجمہ ہے تو) رہتی دنیا تک ایک اعلیٰ مثال رہے گی۔﴿۲۸۸﴾ ابن المقفع نے منصور کیلئے منطق کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ارسطو کی تین کتابوں اور فرفوریوس صبوری کی کتاب ایساغوجی کا ترجمہ کیا۔﴿۲۸۹﴾ اس نے نوشیرواں کی سوانح عمری" کتاب التاج" کا ترجمہ کیا۔﴿۲۹۰﴾ اس ابن المقفع نے اخلاقیات پر دو کتابیں الادب الصغیر اور الادب الکبیر اور اطاعت حاکم کے موضوع پر کتاب الیتمیہ لکھی۔خلیفہ ہارون الرشید نے برامکہ کے تعاون سے خوب علم پھیلایا۔ ﴿۲۹۱﴾

خلیفہ ہارون الرشید نے یہ طے کیا کہ کسی طریقے سے ملک کے طول وعرض سے علماء اور ماہرین کو اپنے دربار میں اکٹھا کیا جائے۔اس نے علماء اور ماہرین کی بڑی بڑی تنخواہیں رکھیں۔علم کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کیلئے تقریباً ہر مسجد کے ساتھ ایک تعلیمی ادارے کی بنیاد ڈالی۔ہارون الرشید نے یہ بھی طے کیا کہ وہ اپنے ہر سفر میں سو100 علماء کو اپنے ساتھ رکھے گا۔وہ ہر عالم وفنکار کی تعظیم وتکریم کرتا تھا چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔چنانچہ اس کے سریانی اطباء ومترجمین میں آل بختیشوع اور آل ماسویہ جیسے عیسائی شامل تھے۔اس کے زمانہ میں طب، کیمیا، فلکیات، الجبرا، علم حیوانات، علم نباتات اور حسابیات میں جس قدر کتابیں دستیاب ہوسکی تھیں، ترجمہ کردی گئیں تھیں۔رومیوں کے علاقوں میں لڑائیوں اور حملوں کے درمیان علوم وفنون اکٹھے کرتے اور کتابیں

ساتھ دارالخلافہ لے آتے اوران پر تحقیق کرتے اورانہیں عربی زبان میں ترجمہ کے ذریعے منتقل کر لیتے تھے۔ مامون کے دور میں یہ علمی تحریک اور ترجمے کا کام اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ یونانی، سریانی اور ایرانی علماء کواس نے اپنے خاص مقربین میں شامل کرلیا۔علم پروری کیوجہ سے دور دراز سے علماء وحکماء اس کے دربار میں آنا شروع ہوگئے تھے۔ مامون علماء حکماء اور مترجمین پر دل کھول کر پیسہ خرچ کرتا تھا۔اس نے آرمینیا، شام اور مصر وغیرہ میں اپنے تمام گورنروں کو ہدایات جاری کی ہوئی تھیں کہ وہ ان علاقوں میں جتنی کتابیں پائیں مرکز بھیجتے رہیں۔ چنانچہ یونانی سریانی اور ایرانی کتابوں سے لدے ہوئے اونٹ وقتاً فوقتاً بغداد میں داخل ہوتے نظر آتے تھے۔ہارون رومی علاقوں، خاص طور پر اموریم(Amorium)اور انقرہ سے دوسرے مال غنیمت کے ساتھ ساتھ رومی کتابیں (Roman Manuscripts) بھی لائے تھے۔ مامون نے قسطنطنیہ میں قیصر روم لیو(Leo) کے پاس تحفے تحائف دے کر ایک وفد بھیجا تا کہ اس سے یونانی فلسفیوں کی کتابیں منگوائیں۔ ﴿۲۹۲﴾ منصور کے بارے میں کہاجاتا ہے کہ اس کی گزارش پر رومی بادشاہ نے کچھ کتابیں بھیجی تھیں جن میں یوقلد (اقلیدس)(Euclid) بھی شامل تھا۔ ﴿۲۹۳﴾ اس طرح عباسی خلفاء نے بہت سی یونانی فلسفہ کی کتابیں اکٹھی کرلیں۔ مامون نے یونانیوں سے تقریباً ساری اہم کتابیں یعنی ارسطو، افلاطون، سقراط، بقراط بطولمی اور گیلن وغیرہ کی اکٹھی کرلیں اوران کا عربی میں ترجمہ کروادیا۔اس کے لئے اس نے بیت الحکمت (Ptolemy, Euclid) کے نام سے ایک ادارہ بنایا جس میں شعبہ ترجمہ (Translation Bureau) خاص طور پر قابل ذکر تھا۔ اسکے علاوہ ایک لائبریری بھی تھی۔ ﴿۲۹۴﴾ کتابوں کا ترجمہ کرنے کیلئے بہترین مترجمین کا انتخاب کیا۔اور بہترین شکل میں ان کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ﴿۲۹۵﴾ الغرض صنعت وحرفت، علوم وفنون کی کوئی کتاب ایسی نہ بچی جس کا عربی میں ترجمہ نہ ہوا ہو ترجمہ سے فارغ ہوکر خلفاء علماء اور عوام وخواص ان علوم کو پڑھنے اور سمجھنے کی طرف متوجہ ہوگئے۔ تا آنکہ انہوں نے ان علوم کے رموز کو حل کردیا۔ بند خزانوں کو کھولا اور ان کی شرحیں اور تفصیل لکھی اور تمام علوم کی تہہ تک پہنچ گئے حتیٰ کہ بعض علماء نے یونانی فلسفیوں کی کتابوں پر تبصرے (Commentary) کئے اور تنقیدی نوٹ لکھے اور ایسی ایسی کتابیں لکھی کہ دنیا یونانی فلسفیوں کو بھی بھول گئی جسطرح ابوعلی سینا نے طب میں القانون لکھی (Canon of Medicine) جو تقریباً پانچ صد سال تک طب کے موضوع پر سب سے مستند کتاب مانی جاتی رہی اور آج بھی پیرس میں ایک یونیورسٹی کے حال میں اس کا پورٹریٹ لگا ہوا ہے اور اس کے نیچے لکھا ہوا ہے (Father of the Modern Medicine) اسی کے بارے میں ڈاکٹر اوسلر (Osler) نے کہا تھا۔ ﴿۲۹۶﴾ " It has

پی کے ہٹی نے "remained a medical bible for a longer period than any other work"

القانون فی الطب پر یوں تبصرہ کیا تھا۔

" From the twelth to the seventeenth centuries, this work served as the chief guide to medical science in the west". ﴿۲۹۷﴾

ان جدید عرب اور مسلم سکالرز نے نہ صرف ان علوم کا ترجمہ کیا، سیکھا اور آگے بڑھایا بلکہ یونانی فلسفیوں کی غلطیوں کی اصلاح بھی کی۔انہوں نے علوم شریعت کو شرح و بسیط سے لکھا۔عربی زبان و ادب پر جدید طریقوں سے سائنسی اور ٹیکنیکل طریقے سے کام کیا۔عربی زبان کے قواعد وضوابط کو کمال تک پہنچایا۔خلیل بن احمد، الفرا اور سیبویہ جیسے علماء اور لغویین نے عربی زبان کے قواعد کو اتنی وسعت دی اور اتنا کام کیا کہ تاریخ انسانیت میں کسی زبان پر شاید اسقدر کام نہ ہوا ہو۔اسی طرح علوم البیان کی بنیاد ڈالی۔علم عروض اور قافیہ کیطرف توجہ دی۔ پھر مشرق و مغرب کے بادشاہوں نے عباسیوں کے طریقہ کار کو اپنایا۔انہوں نے بھی عباسیوں کی طرح مدارس اور تعلیمی ادارے قائم کئے۔رصدگاہیں بنائیں۔علماء کی حوصلہ افزائی کی۔حتیٰ کہ یہ تحریک انتہائی کامیاب ہوئی اور عربوں اور مسلمانوں نے انکشاف اور تحقیقات شروع کر دیں اور وہ ایجادات کیں جن کو زمانہ ہمیشہ یاد رکھے گا۔انہوں نے مائع و ٹھوس اجسام کی ثقل معلوم کرنے کے قوانین کا انکشاف کیا۔ بجنے والی گھڑیاں ایجاد کیں۔اسطرح کی ایک گھڑی رشید نے اپنے زمانہ میں شارلیمان (Charlemagne)، شاہ فرانس کو بھی بھیجی تھی۔﴿۲۹۸﴾ قطب نما ایجاد کیا۔حقیقی کیمیاء کا علم وضع کیا۔علم الجبرا کو ترقی دی۔علم ہیئت اور فلکیات پر تصنیفات کیں۔چاند گرہن اور سورج گرہن کے حساب لگائے۔کاغذ کی صنعت شروع ہوئی۔علم کا یہ بازار گرم رہا حتیٰ کہ تاتاریوں کے غلبہ اور ترکوں کے تسلط سے عربوں کی حالت کمزور ہوگئی اور بادشاہوں کا علمی شوق مر گیا اور طلب علم کے ذرائع منقطع ہو گئے۔تصانیف ردی کی ٹوکری میں جگہ پانے لگیں اور علم کا بازار مندا پڑ گیا۔لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ علم حاصل کرنا سعی باطل ہے۔اب بجائے تحقیق و ترقی کے کتابوں کی شرحیں اور خلاصوں پر اکتفا ہونے لگا اور لوگ معانی کی بجائے الفاظ کے چکروں میں پڑ گئے۔جب علوم وفنون نے اپنی اس ناقدری کو مشرق میں دیکھا اور انہیں احساس ہوگیا کہ ان کے قدردان کمزور ہو چکے ہیں تو انہوں نے ماتمی لباس پہن لیا اور افریقہ اور شام کی راہ سے یورپ کا رخ کرنے لگے۔مغرب نے کھلے دل سے ان (علوم وفنون) کا استقبال کیا اور وہاں کے بادشاہوں نے عربی علوم کے ساتھ وہی سلوک کیا جو عربون نے یونانی علوم کے ساتھ کیا تھا۔یعنی جلدی سے علوم وفنون کو گلے لگا لیا اور پکا دوست بنا لیا۔چنانچہ مشرق میں علوم کا سایہ سمٹتا اور سکڑتا رہا اور نوبت یہاں تک آ گئی جسے آج عالم

اسلام دیکھ رہا ہے۔اور ہماری جہالت اور بے بسی پر پورا عالم ہنس رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

فصل پنجم

ترقی اور غلبے کی ایک اور وجہ۔۔۔علم اور علماء کی قدر دانی

ترقی کی بنیادی وجوہات میں سے ایک یہ تھی کہ مسلمانوں کے دور عروج میں حکمران اہل علم کی قدر دانی کرتے تھے۔ اصل میں اسلام کی تعلیمات ہی یہی ہیں کہ اہل علم کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔﴿یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ ۙ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ﴾ کہ خدا تعالیٰ ایمان والوں اور اہل علم لوگوں کے درجات کو بہت اونچا کرتا ہے اور حدیث میں ہے العلماء ورثۃ الانبیاء۔ علما اور اہل علم ہی انبیاء کے وارث ہیں دوسری حدیث میں ہے کہ عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے۔﴿۲۹۹﴾ علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستے پر چلنا ایسے ہی ہے جیسے جنت کے راستوں پر چلنا ہے۔ ﴿۳۰۰﴾

حضرت عمر کے دور میں بھی عظمت اور ترقی کی خاص وجہ یہی تھی کہ حضرت عمرؓ خود بھی بہت بڑے عالم، مفسر، محدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ علوم دنیا اور سیاست اور تدبّر میں بھی لاثانی تھے۔ بات بات پر علماء اور اکابر صحابہ سے مشورہ کرتے اور مال و دولت اور غنیمت تقسیم کرتے وقت بھی اکابر صحابہ اور علم والوں کا خیال کرتے یا گورنر وغیرہ بناتے وقت بھی اہل علم کو فوقیت دیتے تھے۔ خلیفہ ہارون بھی علم وفن کا بہت دلدادہ تھا۔ علماء اور فضلاء کی دل وجان سے قدر کرتا تھا۔ ان پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتا تھا۔ انہیں بیش بہا عطیے دیتا تھا اور دربار میں اپنے ساتھ بٹھاتا اور دربار میں تعظیماً کھڑا ہونے سے انہیں مستثنیٰ قرار دیا ہوا تھا۔ ﴿۳۰۱﴾

فرّا (Farra) (پیدائش ۱۴۴ھ۔ وفات ۲۰۷ھ) مامون کا درباری اور مصاحب خاص تھا بہت بڑا عربی دان تھا حتیٰ کہ ابوالعباس ثعلب کا قول ہے۔ کہ "اگر فرّا نہ ہوتا تو عربی زبان نہ ہوتی اس لیے کہ اس نے اسے حاصل کر کے ضبط کیا اور اگر یہ نہ ہوتا وہ ضائع ہو جاتی"۔﴿۳۰۲﴾ لیکن عربی زبان وادب کے علاوہ طبیعات، علم نحو اور عربوں کی تاریخ میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ مامون اس سے بہت متاثر تھا مامون نے اپنے دونوں لڑکوں کو ادب کی تعلیم دینے کے لیے فرّا کو مقرر کر دیا۔ مامون نے فرّا سے گزارش کی کہ عربی کی تمام معلومات اور اصل نحو کو تالیف (کتاب) کے ذریعے جمع کردے مامون نے اپنے گھر میں فرّا کیلئے خوبصورت اور تمام سہولتوں سے آراستہ ایک اپارٹمنٹ (Apartment) یا کمرہ بنوا دیا۔ ﴿۳۰۳﴾ کہ یہاں رہ کر علم و تصنیف کا کام کریں اور اس کیلئے لونڈی اور خدام بھی متعین کر دیئے کاتبوں کی ایک جماعت اس کے لیے بھیجی جو اس کی املا کروائی ہوئی عبارت لکھتے چنانچہ فرّا نے

دوسال کی مدت میں کتاب الحدود کی پھر کتاب المعانی املاء کروائی۔ ﴿۳۰۴﴾ مامون فرا کی ہر آسائش اور ضرورت کا خیال رکھتا تھا انعامات سے مالا مال کرتا اور قابل رشک عزت دیتا تھا۔ حکومت اور دربار میں فراء کی قدر ومنزلت کا یہ عالم تھا کہ وہ باہر جانا چاہتا تو مامون کے دونوں بیٹے فراء کا جوتا اٹھانے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ ﴿۳۰۵﴾ پھر دونوں اس بات پر صلح کر لیتے کہ دونوں ایک ایک جوتا اٹھالیں۔ مامون کو اس کی اطلاع پہنچی تو اس نے فراء کو بلا کر پوچھا کہ "لوگوں میں سب سے بلند مرتبہ اور باعزت کون ہے" فراء نے جواب دیا: میں امیر المؤمنین سے زیادہ بلند مرتبہ اور باعزت کسی کو نہیں پاتا" مامون نے کہا: "نہیں بلکہ وہ شخص جس کے جوتے اٹھانے اور پیش کرنے کے لئے دو ولی عہد آپس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا اور لڑ مرنا چاہتے ہیں۔ ﴿۳۰۶﴾

مامون کا قول ہے کہ آدمی خواہ جتنا بھی بڑا ہو جائے تین ہستیوں کے احترام سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ایک حاکم وقت۔ دوسرا والدین اور تیسرا استاد۔ ﴿۳۰۷﴾

مامون کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر منگل کو اپنے دربار میں بحث ومناظرے کی محفل منعقد کرتا جس میں ہر مذہب اور فرقے کے علماء بلا استثناء شریک ہوتے اور کھل کر مسائل پر بحث کرتے۔ ﴿۳۰۸﴾

مامون انہیں خوش بھی رکھتا اور انعامات سے مالا مال بھی کرتا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کی علم پروری کا یہ عالم تھا کہ اس نے بے تحاشا انعامات اور پر کشش مراعات دے کر دنیا کے اکثر علماء اور فنکاروں کو اپنے دربار میں اکٹھا کر لیا۔ ہارون نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ ہر سفر میں اپنے ہمراہ (100) علماء کو رکھا کرے گا۔ ﴿۳۰۹﴾

العتاھیہ:

پیشے کے لحاظ سے کمہار تھا۔ مٹکے بناتا گلیوں میں انہیں بیچتا۔ بہت بڑا شاعر بن گیا۔ خلیفہ مہدی کے دربار میں بڑی عزت پائی۔ ہارون الرشید نے خاص مصاحب بنایا اور 50000 (پچاس ہزار) درھم سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ بہت بڑے انعامات پاتا تھا۔ ہارون کی ان فیاضیوں اور قدردانیوں کا یہ اثر ہوا کہ ایشاء اور یورپ، ایرانی، شامی اور ہندی، قطع نظر عقیدہ اور مذہب، علماء اور فضلاء خلیفہ کے دربار کی طرف ڈورے چلے آئے۔ بغداد علم فنون کا گہوارہ بن گیا۔ ساری دنیا کے علوم وفنون بغداد میں اکٹھے ہونے لگ گئے

کسائی متوفی ۱۸۹ھ

کوفہ میں پرورش پائی۔ نحویوں کا قائد اور امام تھا۔ مہدی اور ہارون کے دربار میں اہم مقام حاصل تھا۔ شہزادہ امین کا اتالیق تھا۔ قاضی محمد بن حسن بھی اسی دور میں فقہ کا بہت بڑا اسکالر تھا۔ ہارون ان دنوں کسائی اور محمد بن حسن کو اپنے ساتھ رکھتا۔ ہارون الرشید کے ہاں ان دونوں کی قدر منزلت کا یہ عالم تھا کہ وہ دونوں ہارون الرشید کے دربار میں الگ الگ کرسیوں پر اس کے سامنے بیٹھتے تھے اور انہیں اپنے آنے جانے اور اٹھنے بیٹھنے پر کھڑا ہونے سے احتراماً مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔ حتیٰ کہ ہارون الرشید دونوں کو ہمراہ لیکر "رے" (Ray) چلا گیا وہاں وہ دونوں ایک ہی مقام (چوری کے مقام) پر ایک ہی دن وفات پا گئے۔ ہارون کو دونوں کی وفات پر بڑا صدمہ ہوا۔ دفنا کر ہارون نے کہا کہ "آج میں نے فقہ اور عربی زبان کو "ری" (Ray) میں دفن کر دیا"۔ ﴿۳۱۰﴾

اسی طرح اصمعی بھی رشید کی وفات تک اس کا مصاحب رہا۔ اصمعی کتاب الخیل، کتاب الاجناس، کتاب النبات، کتاب النوادر اور کتاب معانی الشعراء وغیرہ بیالیس (۴۲) کتابوں کا مصنف تھا۔ ﴿۳۱۱﴾ مامون مشکل مسائل جمع کر کے اصمعی کے پاس بھیجتا تھا کہ ان کا حل ڈھونڈیں۔ ﴿۳۱۲﴾ اسی طرح ابوالفرج اصبہانی نے جب اپنی مشہور کتاب الاغانی لکھی تو سیف الدولہ نے ایک ہزار دینار انعام دیا۔ ﴿۳۱۳﴾

فاطمین مصر نے بھی علم اور علماء کی قدر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پہلا خلیفہ عبداللہ بن محمد ۲۹۶ھ میں قیروان میں جلوہ افروز ہوا۔ فاطمیوں کی حکومت ۲۹۷ تا ۵۶۷ ہجری (بمطابق ۹۰۹ء تا ۱۱۷۱ء) قائم رہی چوتھے خلیفہ المعزلدین اللہ نے ۳۵۸ھ میں (تقریباً) مصر فتح کیا۔ اور جامعہ الازہر کی بنیاد رکھی جو مصر کی قدیم ترین درسگاہ ہے اور جس کا شمار دنیا کی عظیم ترین یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے۔ مصر کی حکومت نے علماء، فقہاء، شعراء اور فلسفیوں پر بے دریغ پیسہ خرچ کیا تاکہ علمی حوالے سے بغداد اور قرطبہ کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ جسطرح ایشیاء میں ہارون الرشید اور اس کا بیٹا مامون اور اندلس میں ناصر اور اس کے بیٹے حکم نے حکومت کے استحکام اور علم کے فروغ میں شہرت حاصل کی۔ اسی طرح افریقہ میں عزیز باللہ اور اس کے بیٹے حاکم نے علمی و تحقیقی دنیا اور علماء کی قدر دانی میں شہرت حاصل کی۔ عزیز نے کتب خانہ (Library) اپنے محل میں بنوایا اور تقریباً ایک لاکھ 100,000 کتابیں جمع کیں۔ ﴿۳۱۴﴾ عزیز اور اس کے وزیر یعقوب بن کلس کے مکانوں پر صاحب علم لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا علماء کو بے بہا انعامات دیے جاتے ہیں حاکم بامراللہ نے مامون کے بیت الحکمت کے طرز پر ایک ادارہ بنایا اور اس میں بڑے بڑے علماء کو علمی اور تحقیقی کام پر

متعین کیا اور بڑی بڑی تنخواہیں اور مشاہرے پیش کیے تا کہ ان کی توجہ معاشی مسائل (Economic Problems) کی طرف نہ جائے۔عزیز باللہ کے ادارے الازھر کی روشنی دور دور تک پھیلنے لگی اس نے اپنے وزیر یعقوب کو حکم دیا تھا۔کہ وہ تمام عالم اسلام سے جس قدر ممکن ہوسکے علماء اور فقہا کو بلائے۔﴿۳۱۵﴾

کتاب "جمہرۃ اللغۃ" کا مصنف ابوبکر محمد بن درید ۲۲۳ھ کو بصرہ میں پیدا ہوا ایران کے گورنر شاہ بن میکال کے پاس گیا۔ اس نے انعامات سے نوازا اور ڈاک کے شعبے میں افسر اعلیٰ مقرر کردیا۔﴿۳۱۶﴾ پھر ابن درید ۳۰۸ء میں بغداد آیا جہاں وزیر، علی بن فرات نے علمی مرتبے کی وجہ سے نہایت ہی عزت واحترام سے اس کا استقبال کیا اسے انعامات سے نوازا﴿۳۱۷﴾ خلیفہ عباسی، مقتدر کو اس کے علمی مرتبے کا علم ہوا تو اس نے انعامات بھی دیئے اور پچاس دینار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا ﴿۳۱۸﴾ تا کہ وہ معاشی مسائل سے آزاد علمی و تحقیقی کام جاری رکھ سکے۔اس کے بعد اطمینان سے علمی اور تحقیقی اور تصنیفی کام کرتا رہا تا آنکہ ۳۲۱ء میں فالج سے فوت ہوا۔کتاب الاغانی کے مصنف ابوالفرج اصبہانی (۲۸۴ تا ۳۵۶) نے جب اپنی معرکہ آرا کتاب الاؔغانی لکھی تو سیف الدولۃ الحمدانی ﴿۳۱۹﴾ نے اسے ایک ہزار دینار انعام دیا۔ ﴿۳۲۰﴾

یہ کتاب پچاس سال کے عرصے میں لکھی گئی۔کتاب کی بنیاد ان سو (۱۰۰) سروں پر لکھی گئی جو خلیفہ رشید کے لیے منتخب کیے گئے تھے۔ان سو (۱۰۰) سُروں کے کہنے والوں کے اور انہیں گانے والوں کے مکمل حالات بھی اس میں درج ہیں۔صاحب بن عباد اپنے سفر میں ضروری کتابیں تیس اونٹوں پر لاد کر ساتھ لے جاتا تھا لیکن جب سے آغانی دستیاب ہوئی تو ان کی بجائے اسی ایک کتاب کو کافی سمجھتا تھا اس کتاب کے ۱۲۱ اجزاء یعنی جلدیں ہیں۔دارالکتب مصر نے اسے چھاپا ہے۔معزالدولۃ کا وزیر المہلبی بھی اس سکالر کو بہت پسند کرتا تھا امام ابوحنیفہ کو خلیفہ منصور عہدہ قضاء پیش کرنا چاہتا تھا۔اس نے بڑی کوشش کی لیکن امام ابوحنیفہ نہ مانے۔ابن سینا کو شمس الدولۃ بن بویہ نے عہدہ وزارت پیش کیا۔ابن رشد ۵۶۵ھ میں اشبیلیہ کا قاضی بنایا گیا پھر امیر مراکش کی دعوت پر مراکش گئے اور بہت عزت انعام پایا پھر قاضی بن کر قرطبہ آ گیا یورپ والے ابن رشد کو جدید فلسفے کی بنیاد سمجھتے ہیں۔متنبی اپنے وقت کا سب سے بڑا شاعر تھا سیف الدولہ متنبی کا بہت احترام واکرام کرتا تھا مصاحب خاص میں شامل تھا سیف الدولۃ نے متنبی کو خوب مالا مال کردیا حتی کہ متنبی نے اپنے گھوڑے کو سونے کی نعلیں لگوالیں وہ کہتا ہے۔

"ترکت السری خلفی لمن قل مالہ وانعلت افراسی بنعماك عسجدا" ﴿۳۲۱﴾

عضد الدولہ سے ملنے شیراز گیا تو اس نے متنبی کو بخشش وانعامات سے مالا مال کر دیا تین ہزار دینار (3000) دیئے گھوڑے خلعت اور گرانقد انعام بخشا۔ ﴿۳۲۲﴾

ابن زیدون (1071-1004ء بمطابق ۴۶۳-۳۹۴ھ) علم وادب کا شاہکار قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اپنے علم وادب اور انشاء پردازی کی وجہ سے ایک بادشاہ ابوالحزم بن جھور کا وزیر بن گیا۔ بعد میں اشبیلیہ کے حاکم معتمد عباد کے مقربین اور مشیران خصوصی میں شامل ہو گیا۔

لسان الدین ابن الخطیب ۱۳۱۳ تا ۱۳۷۷ء(ء بمطابق ۷۱۳ تا ۷۷۹ھ) علوم عربیہ وشرعیہ فلسفہ، طب اور ریاضی وتاریخ کا عظیم سکالر تھا۔ حاکم غرناطہ نے علمی مرتبے کی وجہ سے اپنے قریب کر لیا اور پھر اپنا سیکرٹری بنالیا بعد میں وزیر بنالیا۔ حاکم غرناطہ ابوالحجاج یوسف (۷۵۵-۷۳۳ھ) نے اپنی وفات تک ابن الخطیب کو وزارت پر ہی رکھا۔ بعد میں بیٹے نے بھی عہدہ بحال رکھا۔ امام ابو یوسف کو شریعت، فقہ اور اسلامی قانون کا ماہر ہونے کی حیثیت سے خلیفہ مہدی نے قاضی القضاۃ (Chief Judge) مقرر کیا مہدی کے بیٹوں ہادی اور ہارون نے ان کا قاضی القضاۃ کا عہدہ برقرار رکھا امام یوسف 798ء کو فوت ہوئے۔ ﴿۳۲۳﴾

☆☆☆

فصل ششم

دورِ ترجمہ کا خاتمہ اور اصل سائنسی، تحقیقی اور تخلیقی کام کی ابتداء

(End of translation and start of creative, scientific and literary work)

تراجم کے دور (The Era of translation)(۷۵۰-۸۵۰) کے بعد اصل سائنسی اور ادبی، تحقیقی اور تخلیقی دور کا آغاز ہوا۔ اگرچہ تراجم اور اصل علمی (Original Work) کام کے درمیان کوئی واضح لکیر (Demarcation) کھینچنا مشکل کام ہے لیکن پھر بھی ہم عام طور پر عباسی دور کے ابتدائی سو سال (۷۵۰-۸۵۰) کو دورِ ترجمہ کہہ سکتے ہیں۔ مشکل اس لئے کہ اسی پہلی عباسی دور کی صدی میں بہت سارے سکالرز اور محقق ایسے ہیں جنہوں نے یونانی کام (Greak Work) کا ترجمہ بھی کیا اور اپنی اصل کتابیں بھی لکھیں جن کو ہم تحقیقی اور تخلیقی کام، بڑے فخر سے کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً یوحنا ابن ماسویہ (۷۷۷-۸۵۷) اور حنین بن اسحاق (۸۰۹-۸۷۳) جیسے علماء دونوں میدانوں میں کامیاب تھے۔

علم طب (Medicine):

شروع شروع میں اگرچہ بوجوہ شعبہ طب اور خاص طور جراحی اور آپریشن کے حوالے سے کوئی زیادہ کام نہیں ہوا۔ ﴿۳۲۴﴾ لیکن جلد ہی علم طب پر کام شروع ہو گیا اور تحقیق اور تخلیقی و عملی میدان میں عرب اور مسلمان بہت آگے نکل گئے۔ یوحنا ابن ماسویہ، حنین بن اسحاق، جابر بن بختیشوع اور اس کا خاندان اور جابر بن حیان نے اس میدان طب میں نام پیدا کیا۔ ابن ماسویہ پہلا عالم ہے جس نے آنکھوں کی بیماری اور علاج کے متعلق (Ophthalmology) عربی میں کتاب لکھی۔ ﴿۳۲۵﴾ حنین بن اسحاق نے بھی آنکھ کے متعلق علم (Ophthalmology) پر ہی پہلی باقاعدہ کتاب لکھی جس کا نام "العشر مقالات فی العین" ہے اس کتاب کو حال ہی میں انگلش میں منتقل (Translate) کیا گیا ہے۔ حنین بن اسحاق بیک وقت طبیب، ماوراء الطبیعات کا عالم، فلسفی اور دانشور تھا جس کو حکیم العرب کہا جاتا ہے۔ جابر بن بختیشوع (متوفی۔ ۸۳۰) بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ ہارون الرشید، مامون اور برامکہ کا درباری (Family) ڈاکٹر تھا۔ بڑا کامیاب طبیب اور حکیم تھا۔ -/88800000 یعنی آٹھ کروڑ اٹھاسی لاکھ دینار کا مالک تھا اور کہتا ہوتا تھا کہ طب کا شعبہ بڑا منافع بخش (Paying) ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خلیفہ رشید سے ایک لاکھ -/100000 دینار سالانہ تنخواہ لیتا تھا۔ بعض اوقات اس سے ڈبل لیتا تھا جب وہ آنتڑیوں اور معدے کے حوالے سے مزید خدمات دیتا تھا۔ بختیشوع خاندان سات پشتوں تک خلفاء اور اونچے طبقات کی بطور طبیب خدمات سرانجام دیتا رہا ہے۔

جابر بن حیان کو کیمسٹری یا عربی کیمسٹری کا باپ کہا جاتا ہے۔ (Father of Arabic Chemistry) اس کا دور

تقریباً ۷۷۶ء کا ہے۔ مامون اور معتصم کے زمانہ میں دوائیوں کا ٹیسٹ شروع کیا گیا۔طبیبوں کا بھی ٹیسٹ رکھا گیا۔ خلیفہ مقتدر نے ۹۳۱ء کو سنان ابن ثابت بن قرہ کو تمام طبیبوں کا ٹیسٹ لینے کیلئے مقرر کیا۔اور کہا کہ کامیاب ہونے والوں کو سرٹیفکیٹ بھی دیئے جائیں۔خلیفہ مقتدر کے وزیر اعلیٰ ابن عیسیٰ نے اسی سنان (Sinan) کو طبیبوں کا ایک گروہ تشکیل دے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر بیمار لوگوں کا علاج کرنے اور دوائی دینے کے لئے احکامات دیئے تھے۔کچھ دوسرے ڈاکٹرز جیلوں میں جا کر علاج کرتے تھے۔ ﴿۳۲۶﴾ سنان نے بغداد کے اس بڑے (Main) ہسپتال کا اتنا اچھا نظام (Adminstration) کیا کہ عام لوگوں کے طبی مسائل ختم ہو گئے۔ یہ ہسپتال اسلام میں پہلا ہسپتال تھا جس کو ہارون الرشید نے قائم کیا تھا۔یعنی نویں (9th) صدی کے شروع میں قائم کیا۔اس کا نام بھی فارسی کی طرح عربی میں بھی بیمارستان (Bimarsistan) رکھا۔جلد ہی اس ہسپتال کے بعد دوسرے مسلم علاقوں میں بھی اس طرح کے چونتیس ۳۴ ہسپتال بنا دیئے گئے۔اور پھر اس کے بعد تو یہ سلسلہ چل پڑا۔جس طرح مصر میں پہلا ہسپتال ۸۷۲ء میں تلون (Tulun) نے بنوایا۔ ﴿۳۲۷﴾

علم طب کے اہم مصنفین (Notable Medical Authors):

ترجمہ کے دور کے بعد طب کے میدان میں سب سے بڑے مصنفین فارسی الاصل عربی تھے جنہوں نے دنیا میں نام پیدا کیا۔ان میں علی الطبری، الرازی، علی ابن العباس المجوسی اور ابن سینا کا مقام سب سے اہم ہے۔ان چار میں سے دو کے پورٹریٹ (بڑی تصویر) پیرس یونیورسٹی کے سکول آف میڈیسن کے ہال میں سجائے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۲۸﴾

علی الطبری:

علی الطبری اصل میں عیسائی تھا۔طبارستان کا باشندہ تھا۔طبری متوکل کے دور میں مسلمان ہوا اور خلیفہ کا طبیب خاص بن گیا۔اسی کے پاس رہ کر (Under his Patronage) طبری نے اپنی مشہور کتاب فردوس الحکمۃ لکھی جو میڈیسن (طب) پر لکھی جانے والی سب سے پرانی کتابوں میں سے ہے (یا سب سے پرانی ہے)۔ اس کتاب میں فلسفہ اور علم الافلاک (Astronomy) کے بارے میں بھی لکھا گیا ہے اس کتاب کی بنیاد یونانی اور ہندی علوم ہیں۔

الرازی (۸۶۵-۹۲۵ء):

محمد ابن ذکریا رازی کا جائے پیدائش ری (Al-Rayy) ہے جو ایران کے دارلخلافہ تہران سے زیادہ دور نہیں۔ باقی مسلم اطباء سے اس کا کام زیادہ اصل (Original) ہے۔اور مصنف کے طور پر سب سے بہتر مصنف ہے۔ ﴿۳۲۹﴾ ایڈورڈ جی

براؤن کہتا ہے:

The Greatest and most original of all the Muslim physitions and one of the most prolific as an author.

فہرست کا مصنف، الرازی کے 113 بڑے اور 28 چھوٹے کاموں (Treatise and books) کے متعلق بتاتا ہے جن میں 12 کا تعلق کیمسٹری سے ہے۔ اس کی کیمسٹری کی اہم کتاب کتاب الاسرار ہے۔ چودھویں صدی میں جابر بن حیان سے پہلے الرازی کا کیمسٹری پر کام کیمسٹری کے لئے اہم وسیلہ تھا۔ الرازی نے منصور ابن اسحاق السامانی آف سجستان کے لئے اپنی مشہور، کتاب الطب المنصوری لکھی۔ ﴿۳۳۰﴾ چیچک پر اس کی کتاب الجدری والحصبۃ پہلی کتاب ہے جو چیچک (Smallpox) پر تفصیلاً لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کو کارنیلئس (Cornelious van Dyck) نے 1886ء میں ایڈٹ کیا (لندن ۱۸۸۶ء) زمانہ وسطٰی میں الرازی کی شخصیت (تحقیقی اور سائنسی لحاظ سے) نہ صرف مسلمانوں میں سب سے بڑی ہے بلکہ پوری دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ الرازی کا سب سے اہم کام اس کی کتاب الحاوی ہے۔ یہ کتاب میڈیکل کی معلومات کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس میں اس وقت تک کا یونان، ایران، ہندوستان اور مسلمانوں کا طب پر کیا ہوا کام تفصیلاً مذکور ہے اور اس میں بھی تازہ اضافہ کیا گیا ہے۔ صدیوں الرازی کا کام مشرق اور مغرب کے ذہنوں پر حاوی رہا۔

المجوسی متوفی ۹۹۴ء:

علی ابن العباس المجوسی نے عظیم بویہ (Buwayhid) حکمران عضد الدولۃ (۹۴۹ - ۹۸۳) (Adud-Al-Dowla) کے لئے۔ ﴿۳۳۱﴾ اپنی مشہور کتاب المالکی لکھی تھی۔ اس کتاب کو کامل الفساعۃ الطبیۃ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب الحاوی سے مختصر ہے۔ ابن علی سینا کی کتاب القانون کے آنے تک اس کا مطالعہ بڑے غور سے کیا جاتا تھا۔

ابن سینا ۱۰۳۷-۹۸۰ء:

عرب والے اسے الشیخ الرئیس کہتے ہیں۔ "The Sheikh"(The Learned)۔ ابن سینا بہت بڑا طبیب اور فلسفی تھا لیکن رازی اس سے بڑا طبیب تھا۔ اصل نام ابوالحسین تھا۔ ابوعلی سینا (بخارئی) بخارا میں پیدا ہوا۔ ساری زندگی مشرق میں گزار دی۔ ہمدان میں فوت ہوا۔ جوانی میں خوش قسمتی سے بخارا کے سامانی حکمران کا کامیابی سے علاج کیا جس نے 997-976ء حکومت کی۔ اس کا نام نوح بن منصور تھا ﴿۳۳۲﴾ بڑی شہرت پائی۔ انعامات سے نوازا گیا۔ اور رائل لائبریری میں مطالعہ کی اجازت مل گئی۔ بہت ذہین تھا۔ جو پڑھتا تھا بھولتا نہیں تھا۔ 21 سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا۔ قفطی نے بوعلی سینا کے کاموں کی تعداد 45 بتائی ہے۔ ﴿۳۳۳﴾ لیکن موجودہ تحقیق کے مطابق اس کی کتابوں اور مقالوں کی تعداد دو صد (200) کے لگ بھگ ہے۔ یہ کتابیں فلسفہ، طب، جیومیٹری، فلکیات، علم النجوم اور حساب وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ سب سے مشہور ہیں۔ کتاب القانون (Canon)

بارھویں صدی سے سترھویں صدی تک، یورپ اور مسلم دنیا میں میڈیکل سائنس کی بنیادی کتاب (Text Book) کی حیثیت سے خدمت کرتی رہی ہے۔ ڈاکٹر اوسلر (Dr Osler) کے مطابق یہ کتاب سب سے زیادہ (وقت اور) مدت میڈکل کی بائبل کی حیثیت سے قائم دائم رہی ہے۔ ﴿۳۳۴﴾

علی ابن عیسیٰ:

علی بن عیسیٰ کی مشہور کتاب کا نام تذکرۃ الکہالین (A mote for oculists) ۔ اس میں 130 آنکھوں کی بیماریوں کے متعلق بتایا گیا ہے۔

ابن جزلہ (المتوفی ۱۱۰۰ء):

اس کی مشہور کتاب "تقویم الابدان فی تدبیر الانسان" ہے۔ یہ انسانی جسم کا ایک ٹیبل ہے جس میں جسم کی تنظیم کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ ابن جزلہ کی کتاب کا 1532ء میں لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

یعقوب ابن اخی حزام:

یہ معتضد کا استبل ماسٹر (Stabal Master) تھا۔ معتضد (892-902) اس کے علم الحیوان کا معترف تھا۔ فروسیہ وشیات الخیل جو کہ اس موضوع پر عربی میں پہلی کتاب تھی، اسی یعقوب ابن اخی حزام کی کتاب ہے۔ ﴿۳۳۵﴾

فلسفہ:

مسلمان فلسفیوں میں تین نام سب سے بڑے اور مشہور ہیں۔

۱۔ کندی

۲۔ فارابی

۳۔ ابوعلی سینا

۱۔ کندی:

ابو یوسف یعقوب ابن اسحاق غالباً کوفہ میں 801 میں پیدا ہوا اور بغداد میں بڑا ہوا اور بغداد ہی میں 873ء میں فوت ہوا۔ عرب اسے "عربوں کا فلسفی" (The Philosopher of the Arab) کہتے ہیں۔ یہ عربوں کا سب سے پہلا فلسفی تھا۔ یہ مامون کا معاصر تھا۔ طب، منطق، فلسفہ، ہندسہ، حساب، نجوم اور موسیقی میں اسے کمال حاصل تھا۔ ان علوم میں اس نے ۲۳۱

کتابیں لکھیں ہیں۔ ﴿۳۳۶﴾ کندی نے ارسطو کے اسلوب کی پیروی کی۔اس نے نیوافلاطونی (Neo-Platonic) اقدار اور فیشن پر بہت محنت کی اور کوشش کی کہ ارسطو اور افلاطون کے خیالات کو یکجا کیا جائے ۔ وہ نیو فیثا غورثی (Neo-Phytagorean) حسابیات (Mathematics) کوتمام علوم (Science) کی بنیاد سمجھتا ہے۔اس کا اہم کام جیومیٹری اور آنکھ کی بیماری کے متعلق ہے۔ابن ہیثم کے آنے تک وہ آنکھ کے حوالے سے سند مانا جاتا تھا۔میوزک (موسیقی) پر اس نے چار کتابیں لکھیں۔جن پر رومی (Latin) اثر کافی زیادہ ہے اور یہ عربی زبان میں سب سے پہلا کام ہے جو موسیقی پر کیا گیا۔ کندی کی زیادہ کتابیں لاطینی زبان (Latin) میں ترجمہ شدہ موجود ہیں۔عربی زبان میں اصل کتابیں بہت کم ہیں۔لاطینی زبان سے دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوا۔کریمونہ (Cremona) کے مسٹر جرارڈ نے بھی تراجم کئے ہیں۔ہٹی کے نزدیک اس کے کاموں (Works) کی تعداد 361 ہے۔﴿۳۳۷﴾

الفارابی:

فارابی ماوراء النہر (Transoxiana) ، ترکستان میں پیدا ہوا۔بغداد میں ایک عیسائی طبیب اور مترجم سے تعلق حاصل کیا اور بطور صوفی سیف الدولۃ کے دربار میں پروان چڑھا۔تقریباً 80 سال کی عمر میں دمشق میں فوت ہوا۔اس نے ارسطو اور افلاطون پر بہت کام کیا اور "المعلم الثانی" (The Second Teacher) کے لقب سے مشہور ہوا۔کہا جات ہے کہ یونانی فلسفے کو اسلامی تعلیمات سے ملانا اور جوڑنا ایک عرب کندی نے شروع کیا۔فارابی ایک ترک نے اسے جاری کیا۔اور ابو علی سینا جو کہ ایک فارسی (Persian) ہے اس نے دمشق میں اسے مکمل کیا۔فارابی نے ارسطو اور دوسرے یونانی فلسفیوں پر بہت تبصرے (Commentaries) کرنے کے علاوہ مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ان میں زیادہ مشہور رسالہ فصوص الحکم اور **رسالہ فی آراء اھل المدینۃ** (سیاسی حکومت) بھی بہت مشہور ہے۔فارابی افلاطون کی کتاب Republic اور ارسطو کی Politics سے بہت متاثر تھا۔اسی بناء پر وہ ایک مثالی شہر کا تصور بھی پیش کرتا ہے۔فارابی کی دوسری کتابیں طب، حساب، علم نجوم، موسیقی اور آرٹس پر ہیں۔

فارابی کو موسیقی پر (Music Theory) عربوں میں سب سے اچھا اور زیادہ لکھنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔اس کی کتاب "کتاب الموسیقی الکبیر" میوزک میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔یہ خود بہت بڑا موسیقار تھا۔اپنے مربی سیف الدولۃ کی موجودگی میں وہ ایسی زبردست موسیقی بجاتا (یا کرتب کرتا) تھا کہ وہ اس پوزیشن میں ہوتا تھا کہ یا تو سب کو ہنسا دے یا سب کو رلا دے ۔یا پھر سب کو سلا دے (Set them all asleep) ﴿۳۳۸﴾۔

ابوعلی سینا (Abu Ali Sina) متوفی ۱۰۳۷ء:

ابوعلی حسین ابن سینا جسے یورپ والے (Avicenne) کے نام سے جانتے ہیں، بخارا کی ایک بستی میں پیدا ہوا۔جہاں

اس کے باپ نوح بن منصور کی طرف سے گورنر یا عامل تھے۔ بچپن ہی سے بخارا منتقل ہو گئے۔ بخارا میں قرآن پاک حفظ کیا۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد عربی ادب اور علوم اسلامیہ کے ساتھ منطق اور فلسفہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔ بخارا ہی میں عبداللہ ناتلی سے "ایسا غوجی" پڑھی۔ اس نے 16 یا 17 سال کی عمر میں امیر حاکم نوح بن منصور کا ایک موذی بیماری سے کامیاب علاج کیا جس پر نوح نے انہیں اپنا مقرب بنالیا۔ "القانون فی الطب" کتاب لکھی جو کئی سو سال تک طبی دنیا پر حکمرانی کرتی رہی۔ ابن سینا کو فلسفہ میں بلند مقام حاصل تھا۔ اس نے ارسطو کے اصول اپنائے لیکن دین کے بارہ میں وہ راسخ العقیدہ تھا۔ یقین کے بعد اس پر شک کا دور نہ آیا۔ یورپ والوں نے جالینوس اور بقراط سے زیادہ ابن سینا کی کتابوں کا ترجمہ کیا ﴿۳۳۹﴾ جن کی تعداد تقریباً ایک سو (100) ہے۔ یورپ نے جدید فلسفہ کی بنیاد ابوعلی سینا کے فلسفہ پر ہی رکھی۔ ﴿۳۴۰﴾ اس کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور کتاب، طب میں القانون ہے اور حکمت میں الشفاء ہے۔ القانون ۱۴ جلدوں میں ہے۔

حجۃ الاسلام غزالی (۱۱۱۲-۱۰۵۸)ء:

طویل عرصہ کی تحقیق و بحث اور مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلسفہ اور دین دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فلسفیوں کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔ فلسفیوں کے ہتھیاروں سے ان پر وار کئے اور انہیں دلائل سے ان کے استدلال کو کمزور کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں حجۃ الاسلام کا لقب دیا گیا۔ ان کی کتابیں فقہ میں کتاب البسط، الوسیط اور الوجیز مشہور ہیں۔ یہ شافعی فقہ ہے۔ تصوف میں "احیاء علوم الدین" کتاب مشہور ہے۔ یونانی اور لاطینی فلسفہ کے خلاف یا اس کی ضد میں انہوں نے اپنی مشہور کتاب "**تهافة الفلاسفة**" لکھی جس کا نام" کتاب مقاصد الفلاسفۃ" ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔

ابن رُشد (۱۱۹۸-۱۱۲۰ تا ۱۱۲۶ء) (۵۱۴ تا ۵۹۸ھ):

پورا نام ابوالولید محمد احمد بن رشد ہے۔ قرطبہ (Spain) کے معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ کے علماء سے فقہ، طب اور فلسفہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ 548ھ میں ابن طفیل نے ابن رشد کا تعارف ابو یعقوب یوسف بن عبدالمومن سے کروایا جو فلسفی تھا۔ اور فلسفہ سے بڑی محبت رکھتا تھا۔ چنانچہ ابن رشد نے اس کے لئے ارسطو کی کتابوں کے خلاصے تیار کئے۔ ابو یعقوب اشبیلیہ کا امیر/گورنر تھا۔ اس نے ابن رشد کو اشبیلیہ کا قاضی (Judge) بنایا۔ ابن رشد ارسطو کا بڑا مداح تھا۔ اور اسے علم اور فلسفے کی انتہاء اور بلندی سمجھتا تھا۔ چنانچہ ابن رشد نے اپنی ساری زندگی ارسطو کو پڑھنے، اس کے فلسفے کی تشریح کرنے اور اس کی کتابوں کی تلخیص کرنے میں بسر کر دی۔ یورپ والوں نے ابن رشد کی کتابوں کو بہت پڑھا اور ان کے تراجم کئے۔

ابن رشد کا فلسفہ ہے کہ مادہ ازلی ہے۔ اور خلق اس مادہ میں اضطراری حرکت ہے۔ اور یہی حرکت یا محرک خالق ہے اس کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ ازلیت میں مخلوقات بھی مادہ کے ساتھ شریک ہیں۔ کیونکہ وہ بھی مادہ ہی ہے۔ لہٰذا جب انسان عاقل یکسوئی سے تحصیل علم میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ تو بتدریج اللہ میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ بشری عقول ایک ہیں جو سب کی سب عقل اولیٰ کی طرف

رجوع کرتی ہیں۔ اس فلسفہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسانی نفوس بھی بدنوں کے ساتھ مر جاتے ہیں۔ مادہ کے سوا کسی کو خلود حاصل نہیں۔ اس لئے نہ تو ثواب کوئی معنی رکھتا ہے۔ نہ گناہ وعقاب اور یہ کہ خالق کو حوادث کے کلیات کا تو علم ہوتا ہے لیکن جزیات کا نہیں۔ ابن رشد نے غزالی کی کتاب "تہافتہ الفلاسفتہ" کے رد میں تہافتہ التہافتہ لکھی۔ فلسفہ اور دین مین تطبیق کے موضوع پر اس نے فصل المقال فیما بین الشریعتہ والحکمتہ من الاتصال لکھی۔ اسکے علاوہ اس نے کتاب "الکلیات فی الطب" اور "فلسفہ ارسطو" لکھی۔ وہ درجنوں کتابوں کا مصنف ہے۔ اس کی تصانیف کے اصل نسخے ناپید ہیں۔ صرف لاطینی زبان (Latin Language) اور عبرانی زبان میں تراجم باقی ہیں۔ ﴿۳۴۱﴾ عیسائیوں، یہودیوں اور مغربی دنیا میں زیادہ اس کی پہچان ارسطو پر بحث کرنے والے (As a commentator on Aristotle) کی حیثیت سے ہے۔ ﴿۳۴۲﴾ اس نے ارسطو پر جو Commentaries کی ہیں ان کی ایک لمبی لسٹ ہے۔ لیکن تین زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ مختصر جامی (Summary Jami)

۲۔ درمیانی تلخیص۔

۳۔ تفسیر (Long) یا شرح ﴿۳۴۳﴾

چونکہ ابنِ رشد یونانی زبان (Greek) نہیں جانتا تھا لہٰذا وہ عربی تراجم پر ہی اعتبار کرتا اور ارسطو پر لکھتا تھا۔ بارھویں صدی کے آخر سے سولہویں صدی کے آخر تک یورپ اور عیسائی دنیا میں اس کا سکہ (Domination) چلتا رہا ہے۔

اخوان الصفاء:

چوتھی صدی ہجری میں بغداد میں ایک مذہبی سیاسی جماعت ظہور پذیر ہوئی۔ جس کی بنیاد یا رجحان فیثا غورث فلسفی (Phythagoars) کی طرف تھا۔ اس جماعت کو اخوان الصفاء کہتے ہیں۔ مذھباً یہ اسماعیلی شیعہ جیسے تھے۔ اخوان الصفاء اس وقت کے سیاسی، مذہبی اور فکری اداروں کے مخالف تھے ان کی جگہ ایک نیا سیاسی، مذہبی اور فکری ڈھانچہ تشکیل دینا چاہیے تھے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے اپنے نئے فکر کو فلسفے کی شکل دے دی۔ ہم ان کو فلسفی قسم کے مذہبی یا سیاسی لوگ (یا جماعت) یا پھر مذہبی قسم کے فلسفی کہہ سکتے ہیں۔ امام غزالی بھی اس سے متاثر تھے۔ ﴿۳۴۴﴾

علم الافلاک وحساب (Astromony and Mathematics):

علم الافلاک کی ابتداء اسلام میں ایک ہندوستانی کتاب " سندھند (Sidhanta) " سے ہوئی جس کا اثر مسلمانوں نے اس وقت قبول کیا جب وہ 771ء میں بغداد لائی گئی۔ (منصور کے زمانہ میں) پہلوی ٹیبل (زیک) بھی عربی میں منتقل کئے گئے۔

پٹولمی (Ptolemy) کی کتاب Almajest کا ترجمہ کیا گیا۔ حجاج ابن مطار اور حنین ابن اسحاق نے بھی اس پر کام کیا۔ جندے شاہ پور میں (ایران میں) پہلی رسد (Observatory) بنائی گئی۔ پھر مامون نے بیت الحکمۃ کے ساتھ بنائی۔ پھر مامون نے ایک رسد دمشق میں بھی بنائی۔ ﴿۳۴۵﴾ ابراہیم الفضل پہلا شخص ہے جس نے (پہلی) .Astro Lab بنائی۔ اس آلہ پر سب سے پہلے علی ابن عیسیٰ نے کتاب لکھی۔ مامون کے ماہرین نے سب سے پہلے زمین کی پیمائش کی جس کی لمبائی 20400 میل اور چوڑائی 6500 میل تھی۔ اس آپریشن میں جن ماہرین نے حصہ لیا۔ اُن میں موسیٰ بن شاکر کے بیٹے اور خوارزمی بھی شامل تھے۔ خوارزمی نے ٹیبل (زیج Zij) کو ایک اندلسی ماہر فلکیات مسلمہ المجریتی متوفی 1007 نے ازسرِنو لکھا (Revise) کیا اور ایڈلرڈ (Adelard of Bath) ﴿۳۴۶﴾ نے 1126ء میں لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور پھر یہی ترجمہ مشرق اور مغرب والوں کے لئے بنیاد بن گیا۔ ایک ماہر فلکیات احمد الفرغانی تھا۔ جس سے خلیفہ متوکل نے 861ء میں اہم کام لیا۔ اس کی اہم کتاب کا نام "المدخل الی علم حیات الافلاک" ہے۔ اس کتاب کو 1135ء میں لاطینی میں منتقل کیا گیا۔ John of Sville اور Gerard نے ترجمہ کیا۔ اس کا ترجمہ عبرانی میں بھی کیا گیا تھا۔ بویہ سلطان شرف الدولۃ (9-928) نے بھی اپنے بغداد پیلس میں رسدگاہ تعمیر کروائی۔ عبدالرحمن الصوفی کی کتاب الکواکب الثابۃ رسدگاہ کی فلکیات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ابوعبداللہ محمد ابن جابر البطانی عالم اسلام کا بہت عظیم ماہر فلکیات تھا۔ 877ء اور 918ء کے درمیان اس نے الرقۃ میں اپنی رسدگاہ بنائی۔ بنیادی طور پر محقق تھا اور Original Resarch کرنے والا تھا۔ سورج گرہن پر کامیاب تحقیق کی۔ نئے چاند کو دیکھنے کا طریقہ کار بتایا گرہن (Eclips) کا بالکل صحیح اندازہ لگالیتا تھا۔ اس کی کتاب "الذیج الصابی (Al-Zij- Alsabi)" ہے۔

البیرونی (۱۰۵۰-۹۷۳)ء:

اصل نام ابوالریحان ابن احمد البیرونی ہے۔ نیچرل سائنسز (Natural Sciences) میں مسلمانوں کے چوٹی کے سائنسدانوں میں شمار ہے۔ اصلاً فارسی (ایرانی) ہے لیکن ترکی زبان بولتا تھا۔ سنسکرت، فارسی، عبرانی، سیرانی زبانوں پر بھی عبور تھا۔ لیکن البیرونی نے عربی زبان میں لکھا اور تحقیقی اور تخلیقی کام کیا ہے۔ اس نے 1130ء میں محمود کے بیٹے مسعود کے لئے اپنی مشہور "ہیئت اور علم فلکیات" کی کتاب "**القانون المسعودی فی الهیئة والنجوم** " لکھی۔ جیومیٹری، حساب اور ہیئت پر دوسری کتاب کا نام "**التفهیم لاوائل صناعة التنجیم** " ایک کتاب کا نام" **الآثار الباقیة عن القرآن الخالیة** " ہے۔ کچھ دیر کے لئے ہندوستان بھی رہا اور ہندو فلسفے سے متاثر بھی ہوا۔ ﴿۳۴۷﴾

عمرالخیام متوفی (۲۴-۱۱۲۳)ء:

نیشاپور میں 1038ء سے 1048ء تک پیدا ہوا۔ اور 4-1123 کو نیشاپور ہی میں فوت ہوا۔ سلجوق سلطان ملک شاہ اس کا مربی تھا۔ دنیا اسے فارسی شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے۔ وہ آزاد مفکر تھا۔ کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ صف اول کا حساب دان اور

ہیئت دان (Astronomer) ہے۔اپنی کتاب کا نام اپنے مربی سلطان جلال الدین ملک شاہ کے نام سے التاریخ الجلالی رکھا۔

نصیرالدین طوسی متوفی ۱۲۷۴ء:

ہلاکو خاں نے بغداد کی تباہی کے ایک سال بعد 1259ء میں مراغہ رسدگاہ (Muragha Observation) کے نام سے ایک رسدگاہ تعمیر کی جس کے ڈائریکٹر نصیرالدین طوسی تھے۔ ہلاکو خاں کے نام پر ہی کتاب کا نام الزرج الخان رکھا جو نئے فلکیاتی جدول (New Astronomical Table) کے حوالے سے تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ہلاکو خاں نے اس رسدگاہ کے قریب ایک لائبریری بھی بنائی جس میں تقریباً چار لاکھ (4000,000) کتابیں تھیں۔ ﴿۳۴۸﴾ زیادہ تر کتابیں منگولوں نے شام، عراق اور ایران حملوں کے دوران چوری کی تھیں۔ ﴿۳۴۹﴾

علم النجوم (Astrology):

علم النجوم میں سب سے بڑا نام ابومعشر کا ہے۔ ابومعشر متوفی 886ء اصل میں بلخ کا باشندہ ہے بغداد میں پروان چڑھا ۔علم النجوم میں سب سے اہم ہے۔ ﴿۳۵۰﴾ ابومعشر کی چار کتابوں کا ترجمہ لاطینی زبان (Latin) میں ہوا۔ ﴿۳۵۱﴾ اس نے زندگی اور موت کو بھی علم النجوم کے ساتھ جوڑا ہے۔ اس نے چاند کے طلوع اور غروب ہونے کا قانون بھی بنایا۔ ابن العمید متوفی ۳۶۰ بھی علم نجوم کا بڑا ماہر تھا۔

حساب (Mathematics):

خلیفہ منصور کے زمانے میں جس ہندو کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کی علم ہیئت یا علم الافلاک کی کتاب سندھند (Sindhanta) لایا تھا اور اس نے خلیفہ منصور کے دربار میں پیش کیا جس کا ترجمہ بھی خلیفہ منصور نے عربی میں کروادیا۔ اسی ہندو نے حساب کا علم بھی متعارف کروایا۔ اس نے اعداد کا نظام (Number System) اور صفر (Zero) متعارف کروایا۔ الفرازی کا ترجمہ جو اس نے ہندی حساب کا عربی میں کیا تھا اسی کی بدولت مسلمان اعداد اور حساب سے متعارف ہوئے۔ ﴿۳۵۲﴾ الخوارزمی (Alkhawarzimi) اور حبش الحابش کے جدول (Tables) کی وجہ سے اعداد اور زیرو (صفر) عربی میں استعمال ہونا شروع ہوئے۔ ابوبکر محمد الکراجی نے گیارھویں صدی میں اپنی کتاب الکافی فی الحساب لکھی۔ اس نے اعداد کو لفظوں میں استعمال کیا۔ دوسرے حساب دان ساسانی اور یونانی اعداد الفابیٹ (Alphabet) استعمال کرتے تھے۔ احمد النسوی نے المقنی فی الحساب الہندی لکھی۔

الخوارزمی (۸۵۰-۷۸۰)ء:

محمد ابن موسیٰ الخوارزمی عرب دنیا میں علم حساب کا امام ہے۔ الخوارزمی علم الہیت (Astronomy) کے ساتھ ساتھ حساب اور الجبرا میں سب سے قدیم کام کے حامل تھے۔ فلکیاتی جدول کی تصنیف میں خوارزمی سب سے قدیم ہیں۔ ﴿۳۵۳﴾ الخوارزمی کا حساب الجبرۃ والمقابلۃ ریاضی میں معرکہ آرا کتاب ہے۔ اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں جیراڈ نے کیا (Gerard of Cremona) پھر دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ یہ کتاب سولہویں صدی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں حساب اور الجبرا کے لئے بطور ٹیکسٹ بک استعمال ہوتی رہی ہے۔ الخوارزمی کا کام یورپ میں بطور "عربی کام" بھی متعارف ہوا۔ اور اسی سے انہیں عربی اعداد کے متعلق علم ہوا۔

عمرالخیام:

عمرالخیام نے الخوارزمی کے کام کو مزید ترقی اور وسعت دی۔ کیمسٹری (Alchemy, Chemistary) طب، حساب، ہیئت اور فلسفے کے بعد عربوں اور مسلمانوں نے سب سے زیادہ تحقیق اور ترقی (Reasearch and development) کیمسٹری میں کی۔

جابر بن حیان:

جابر بن حیان عرب کیمسٹری کے بانی ہیں۔ انہوں نے کوفہ میں تقریباً 776ء میں پرورش پائی۔۔ الرازی کے بعد جابر بن حیان کا نام میڈیکل کیمسٹری میں سب سے اوپر ہے۔ جابر بن حیان نے کیمسٹری پر بہت کام کیا۔ اس نے کئی کیمیکل کمپاؤنڈ (Chemical Compound) دریافت کئے۔ جابر نے تقریباً ۲۲ کتابیں یا رسالے اسی مضمون کیمسٹری پر لکھے۔ مثلاً

۱۔ کتاب الرحمۃ
۲۔ کتاب التجمی (Kitab-ul-Tajmi)
۳۔ الزباق الشرقی

یہ کتابیں تو چھپ بھی چکی ہیں۔ اس نے اس میدان میں بہت تحقیق اور ترقی کی۔ جابر کے بعد آنے والے تمام کیمسٹری کے سکالرز (Chemists) ان کو اپنا استاد مانتے ہیں اور امام تسلیم کرتے ہیں۔ جابر بن حیان نے ارسطو کے نظریہ (The theory of the Consititent's of metal) میں بھی (تھوڑی سی) تبدیلی کی۔

الطغرائی (عربی لکھاری، فارسی شاعر اور حکمران) متوفی 1121ء اور ابوالقاسم العراقی، جو تیرھویں صدی کے دوسرے نصف میں ہوئے ہیں، ﴿۳۵۴﴾ نے کیمسٹری کے میدان میں کچھ ترقی کی اور اس کو آگے بڑھایا۔

خالد بن یزید بن معاویہ متوفی ۷۰۴ء:

یزید بن معاویہ کا بیٹا خالد بن یزید پہلا شخص ہے جس نے کیمسٹری پر کام کیا اور ایک کتابچہ (Treatise) لکھا۔

امام جعفر الصادق ۷۵۶ء:

امام جعفر نے بھی کیمسٹری پر کام کیا اور تحقیق کی۔

علم الحیوان۔ (حیوانیات) (Zoology):

علم الحیوان یا حیوانیات (Zoology) میں عربوں نے بہت ترقی کی۔ جسطرح انہوں نے کیمسٹری، طب یا ریاضی اور علم ہیئت میں کی۔ اگر حیوانیات میں علم حاصل کیا بھی ہے تو وہ قدر سطحی تھا۔

جاحظ، متوفی ۲۵۵ (۸۶۹-۷۶۹)ء:

اصل نام ابو عثمان عمر بن بحر (جاحظ) تھا۔ جاحظ اس لئے مشہور ہوا کہ "جاحظ" ابھری ہوئی آنکھوں والے کو کہتے ہیں۔ جاحظ بے ڈول بدن، ابھری ہوئی آنکھوں والا اور بدشکل تھا۔ لیکن بہت بڑا سکالر، عالم، فاضل بلا کا ذہین وفتین اور فلسفی تھا۔ اس نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اور "کتاب الحیوان" لکھی ﴿۳۵۵﴾ جو اپنے موضوع پر عربی میں قدیم ترین کتاب ہے۔ ﴿۳۵۶﴾

القزوینی، متوفی ۱۲۸۳ء:

القزوینی اصلاً فارسی تھا۔ لیکن عربی کا لکھاری (Arabic Writing) تھا۔ اس کی حیوانیات کے موضوع پر معرکہ آراء کتاب کا نام عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات ہے۔

الضمیری، متوفی ۱۴۰۵ء:

الضمیری (Al-Damiri) متوفی 1405ء مصر کا ایک بہت بڑا ماہر حیوانیات (Zoologist) تھا۔ یہ عربوں کا سب سے بڑا Zoologist یا ماہر حیوانیات تھا۔ ﴿۳۵۷﴾ اس کی معرکہ آراء کتاب کا نام حیاۃ الحیوان (animal life)) ﴿۳۵۸﴾ ہے۔ اس کتاب پر جاحظ کی کتاب، کتاب الحیوان کا کافی اثر ہے۔ اس نے ضمیری (اپنے نام سے) کے نام سے معتزلہ جیسے فرقے Rataionalist کی بھی بنیاد رکھی۔ ﴿۳۵۹﴾ عربی لٹریچر میں اس سکالر کے بہت حوالے دیئے جاتے ہیں۔ ﴿۳۶۰﴾ اس کی کتابوں کی تعداد یعقوبی نے ۱۲۰ بتائی ہے۔

سنگ تراشی یا ہیرے جواہرات کا علم (Lapidary) :

اس میدان میں اتاردابن محمد الحاسب سب سے قدیم ہیں۔ ان کی کتاب کا نام منافع الاحجار ہے۔ لیکن مشہور شہاب الدین التفاشی کی کتاب ازھار الافکار فی جواھر الاحجار (The flowers of thought on precieous stones) شہاب الدین التیفاشی 1253ء میں قاہرہ میں فوت ہوء۔ التیفاسی نے 24 قیمتی پتھروں پر بحث کی ہے اور ہر حوالے سے ان پر Commentary کی ہے۔

البیرونی:

البیرونی نے بھی تقریباً 18 قسم کے پتھروں اور ہیرے جواہرات پر بحث کی ہے۔

جغرافیہ (Geography):

پٹولمی (Ptolemy) کی کتاب "Geography" کو کئی دفعہ کئی لوگوں نے ترجمہ کیا مشہور عربی میں ترجمہ ثابت بن قرہ متوفی (901)ء کا ہے۔ اس کے بعد الخوارزمی نے اپنی کتاب صورۃ الارض لکھی۔ صورۃ الارض (Image of earth) کتاب بعد میں آنے والے جغرافیا دانوں کے لئے مینارہ نور ثابت ہوئی۔ الخوارزمی اور اس کی قیادت میں مزید ساٹھ (60) تجربہ کار سکالروں نے مامون کے کہنے پر اسلامی دنیا خاص طور پر اور پوری دنیا کا عام طور پر، زمین کا پہلا نقشہ (First map of the earth) بنایا۔ مسعودی نے اپنے کام میں اس نقشے کو Consult کیا ہے۔ الخوارزمی کا کام چودھویں صدی تک جغرافیہ کے لئے چراغ راہ رہا۔ ابن خورداد بہ (Ibn-Khurdadhbih) متوفی (912) کی کتاب المسالک والممالک بہت عمدہ اور مشہور ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 846ء کو شائع ہوا تاریخ کے لحاظ سے بڑا اہم ہے۔ اسی کو بعد میں آنے والوں مثلاً ابن الفقیہ، ابن الحاقل اور المقدسی وغیرہ نے اپنی تحریروں کی بنیاد بنایا۔

ابن الواحد الیعقوبی:

یعقوبی نے 2-891 میں اپنی مشہور کتاب "كتاب البلدان" لکھی۔ ﴿۳۶۱﴾ یہ آرمینیا اور خوراسان رہا ہے۔

قدامۃ:

قدامۃ، جو اکاؤنٹ آفیسر تھا۔ اس نے اپنی کتاب الخراج لکھی۔ اس میں اس نے خلافت میں صوبوں کی ڈویژن کی ہوئی ہے۔

ابن رستہ (Ibn-Rustah) :

نے کتاب "اعلاق النفسیۃ" لکھی۔ یہ تقریباً 903 میں لکھی گئی۔

ابن فقیہ الہمدانی:

اس نے "کتاب البلدان" لکھی۔

الاستخاری ابن حاقل:

نے اپنی کتاب "مسالک الممالک" تقریباً 950 کے بعد لکھی۔

ابوزید البلخی:

نے جغرافیہ کا کافی کام کیا۔ لیکن البلخی اور الاستخاری دونوں کا کام اسلامی حدود میں ممالک کے متعلق ہے۔ اسلامی دنیا سے باہر ممالک پر ان کا کام نہیں ہے۔ مسعودی نے ان کے ریفرنس دیئے ہیں۔ الاستخاری کے کہنے پر ابن حاقل نے نقشے (Map) کو دوبارہ بنایا اور اپنے کام کا ازسرِ نو جائزہ لیا۔ اس کے بعد الحاقل نے ساری کتاب کو دوبارہ لکھا۔ اور اس کا نام رکھا "المسالک و الممالک" المقدسی نے تقریباً ساری دنیا پھری اور کتاب "احسن التقاسیم فی معرفۃ الا قالیم" لکھی۔

الحسن ابن احمد الہمدانی متوفی ۹۴۵ء :

اس نے دو کتابیں لکھیں۔

۱۔ الاکلیل (Al-Iklil)

۲۔ صفات الجزیرۃ العرب۔

یہ قبل از اسلام کے متعلق معلومات کا بہت بڑا وسیلہ ہے۔ الہمدانی یمنی تھا۔ جیل میں فوت ہوا تھا۔

یاقوت الحموی (۱۱۷۹ تا ۱۲۲۹ء) :

یاقوت ابن عبداللہ الحموی نے علم الجغرافیہ پر بہت بڑی (بلکہ سب سے بڑی) کتاب لکھی جس کو ہم جغرافیہ کی لغات (Geographicla Dictionary) کہہ سکتے ہیں۔ یہ کتاب "معجم البلدان" ہے۔ یاقوت ایشیاء مائنر (Asia Minor) میں ایک یونانی والدین (Greek Parents) کے ہاں پیدا ہوا۔ غلام بنایا گیا۔ پھر یاقوت کو حماء (Hamah) کے کسی مرچنٹ (سوداگر) نے خرید لیا۔ اس نے اس کو اچھی تعلیم دلوائی۔ اس حماء کی وجہ سے اسے حموی (Hamawi) کہا جاتا ہے۔ اس سوداگر نے اسے کئی سال سفر کے لئے کلرک رکھے رکھا۔ ملازم ہونے کی حیثیت سے حموی ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک شہر سے دوسرے حتیٰ کہ ایک ملک سے دوسرے ملک سفر کرتا رہا۔ 20-1219 میں تاریوں کے حملے کے وقت وہ بھاگ گیا۔ ﴿۳۶۲﴾

یہ کتاب پہلی دفعہ 1224ء (First Draft) اور آخر میں مکمل کتاب 1228ء میں منظر عام پر آئی۔ یہ جغرافیہ، تاریخ، نیچرل سائنس، علم وادب اور قیمتی قسم کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔

تاریخ (History):

تاریخ کی کتابیں زیادہ تر بنو عباس کے دور میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن چند ایک بنو امیہ کے دور میں لکھی گئی ہیں۔ جسطرح امیر معاویہ نے بھی ایک کتاب لکھوائی تھی۔ سب سے پہلے جس کا قبل از اسلام کے موضوع پر مواد ملتا ہے وہ کوفے کا ہشام کلبی ہے۔ جس نے قبل از اسلام کے موضوع پر کتاب لکھی وہ 819ء میں فوت ہوا۔ الفہرست والے نے جن ایک صد اکیس (121) تاریخ کے کاموں کی فہرست دی ہے اس میں سے صرف تین باقی ہیں۔ ﴿۳۶۳﴾ باقی کتابوں کا ذکر صرف طبری، یعقوبی وغیرہ میں حوالوں سے ملتا ہے۔ مذہبی کتابوں میں سب سے پہلے سیرت النبی ﷺ پر کتابیں لکھی گئیں۔ "سیرت رسول ﷺ کے نام سے پہلی کتاب مدینہ کے محمد ابن اسحاق نے لکھی۔

محمد بن اسحاق:

محمد ابن اسحاق نے سیرۃ النبی ﷺ پر "سیرت رسول ﷺ " کتاب لکھی۔ اس کا دادا جو عیسائی تھا۔ جس کو خالد بن ولید نے 633ء میں عین التمر عراق سے گرفتار کیا تھا۔ یہ سیرت نگار، محمد ابن اسحاق 767ء میں بغداد میں فوت ہو گیا۔

موسیٰ بن عقبہ، متوفی ۷۵۸ء:

موسیٰ بن عقبہ نے جنگوں اور فتوحات پر کتاب لکھی۔ اس کا نام مغازی رکھا۔

واقدی:

نے بھی مغازی کے حوالے سے کتاب لکھی جس کا نام بھی "مغازی" تھا۔ یعنی جنگوں اور فتوحات کا تذکرہ۔ واقدی 822ء میں فوت ہوئے۔

ابن سعد، متوفی ۸۴۵ء:

ابن سعد نے " طبقات ابن سعد " لکھی۔ بغداد میں 845ء میں فوت ہوا یہ واقدی کا سیکرٹری تھا۔ اس میں حضور ﷺ صحابہ کرام اور تابعین کے حالات زندگی کے تذکرے ہیں۔

ابن عبدالحاکم متوفی (۸۷۰-۷۱)ء:

اس کی کتاب کا نام "فتوح مصر واخبارھا" ہے، یہ مصری تھا۔ اس کتاب میں مصر کی فتوحات اور شمالی افریقہ پر حملے اور فتوحات کا ذکر ہے۔

احمد بن یحییٰ بلاذری، متوفی ۸۹۲ء:

بلاذری کا اہم کام فتوح البلدان ہے۔ دوسری کتاب کا نام "انساب الاشرف " ہے۔ فتوح البلدان میں اسلامی دنیا کی فتوحات کو اکٹھا کیا ہے۔ اسلامی دنیا کے اہم واقعات، جنگیں اور فتوحات کا مفصل احوال موجود ہے۔

ابن المقفع:

ابن المقفع نے فارسی میں لکھی ہوئی بادشاہوں پر کتاب "خدائے نامہ" کا عربی میں ترجمہ کیا اور کتاب کا نام "سیر ملوک العجم" رکھا۔

قتیبہ:

اس کی کتاب کا نام کتاب المعارف ہے۔ بغداد میں 889ء میں فوت ہوا۔

ابوحنیفہ ابن داؤد الدیناوری متوفی ۸۹۵ء:

اس کی کتاب کا نام "الاخبار الطوال " ہے یہ کتاب فارسی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے اور بڑی اہم تاریخی کتاب ہے۔

ابن واحد الیعقوبی، متوفی ۹۶۱ء:

اسکی کتاب "یعقوبی "بڑی اہم کتاب ہے۔

ابن جریر الطبری (۹۲۳-۸۳۸)ء:

طبارستان، ایران میں پیدا ہوا۔ اس کی کتاب ہے "تاریخ الرسل و الملوک Annals of apostles and kings" یہ عربی زبان میں پہلی مکمل تاریخ کی کتاب ہے۔ بعد میں آنے والوں کے لئے وسیلہ (Source) ہے۔ بعد کے تاریخ دانوں مثلاً مسکویہ (Miskawayh)، ابن الاثیر اور ابوالفداء وغیرہ نے اس کتاب سے روشنی اور راہنمائی حاصل کی۔

المسعودی:

المسعودی کا اصل نام ابوالحسن ہے۔ تقریباً ساری دنیا خاص طور پر اسلامی دنیا کی سیر کی۔ بغداد کا رہنے والا تھا۔ علم اور آگہی کے لئے سفر کرتا تھا۔ اس کی مشہور کتاب کا نام "مروج الذھب و معادن الجوھر " ہے۔ اصل میں عربوں نے شروع شروع

میں تاریخ کو مختلف ناموں سے تقسیم کر دیا اور علیحدہ علیحدہ میدانوں کے علیحدہ نام رکھ دیئے۔

مغازی:

اس فن میں جنگوں کے حالات اور بعض اوقات فتوحات، قرآن و حدیث کے حوالہ جات بھی ہوتے ہیں۔فتوحات کے نام سے کتابیں جن میں عربوں نے فتوحات کا تذکرہ کیا۔طبقات جن سے صحابہ کرامؓ تابعین اور تبع تابعین کے بارہ میں تعارف ہو سکے اور مختلف طبقوں کے حوالے سے معلومات مل سکیں۔انساب کا علم تا کہ قریشی اور سادات اور دوسروں کے قبائل کی شناخت ہو سکے۔ ایام عرب کے متعلق مواد جمع کیا تا کہ ان کے ذریعے شاعری کے اغراض و مقاصد کا پتہ لگ سکے اور عربوں کے (خاص طور پر جاہلیت میں) جھگڑے اور ان پر مواد کا پتہ چل سکے۔مشہور اہل قلم جنہوں نے ان موضوعات پر قلم اٹھایا یہ ہیں۔

ابن اسحاق متوفی 151ھ ﴿۳۶۴﴾

مواقدی متوفی 207ھ

ابن سعد متوفی 230ھ

کلبی متوفی 206ھ

اصمعی متوفی 216ھ

مذہبی اور اسلامی موضوعات (Theology):

ان موضوعات میں حدیث، تفسیر، اسلامی شریعت، فقہ، فلسفہ اور عربی زبان اہم ہیں۔اس میدان میں عجمیوں کی نسبت عربوں نے زیادہ کام کیا جس طرح ریاضی کیمسٹری فلکیات اور طب وغیرہ میں ایرانیوں شامیوں سامانیوں یا عیسائیوں اور یہودیوں نے کام کیا۔۔

حدیث:

حدیث پر بہت کام ہوا چھ کتابیں ایسی ہیں جن کو ہم صحاح ستہ یا چھ صحیح ترین کتابیں مانتے ہیں۔

۱۔ الصحیح البخاری:

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (۸۱۰-۸۷۰)ء:

فارسی الاصل ہیں۔وسطی ایشیاء کے شہر بخارا کے رہنے والے تھے۔ابتداء میں 600,000 (چھ لاکھ) حدیث اکٹھی کی پھر کانٹ چھانٹ کے بعد 7397 احادیث رہ گئیں۔ایران،عراق،شام،حجاز اور مصر سے سولہ سالہ محنت سے احادیث اکٹھی کیں۔

۲۔ الصحیح المسلم:

مسلم بن حجاج نیشاپوریؒ 875ء میں فوت ہوئے۔

۳۔ سنن ابی داؤد:

امام ابوداؤدؒ بصرہ کے تھے 888ء میں فوت ہوئے ۔

۴۔ جامع ترمذی:

امام ترمذیؒ ترمذ کے رہنے والے تھے 892ء میں فوت ہوئے۔

۵۔ ابن ماجہ:

امام ابن ماجہؒ 886ء کو فوت ہوئے۔

۶۔ سنن نسائی:

امام نسائیؒ مکہ میں 915ء میں فوت ہوئے ان کے علاوہ مسند احمد موٗطا امام محمد وغیرہ بہت مشہور ہیں جن کا تعلق حدیث سے ہے۔

فقہ اسلامی (Islamic Jurisprudence):

۱۔ ابو حنیفہؒ:

اصل نام نعمان بن ثابت اور ابو حنیفہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔غالباً 85ھ میں پیدا ہوئے۔767ء میں وفات پائی۔ایک فارسی غلام کے پوتے تھے۔کوفہ میں پرورش پائی۔تجارت پیشہ تھے۔زبانی تعلیم دیتے تھے۔کتاب کوئی نہیں چھوڑی۔آپ

کے شاگردوں کے ذریعے تعلیم آگے بڑی ۔ امام ابو یوسف امام محمد اور امام زفر مشہور شاگرد ہیں ۔ اہل الرائے کہلائے ۔ آپکا مذہب مشرق میں زیادہ پھیلا۔

۲۔ امام مالکؒ (۹۵-۱۵ےء):

حدیث کے زیادہ قریب تھے مدینہ میں پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی اور تعلیم دی۔ مؤطا آپ کی کتاب ہے۔ یہ حدیث کی کتاب ہے۔ مدینہ کے تھے لیکن مذہب زیادہ تر مصر اور افریقہ میں پھیلا۔ اکثر شمالی افریقہ میں پھیلا۔

۳۔ الشافعیؒ (۸۲۰-۷۶۷ء):

غزہ، فلسطین میں 767ء میں پیدا ہوئے۔ قریش خاندان سے تعلق تھا۔ مدینہ میں حضرت امام مالک سے تعلیم حاصل کی۔ اصل سرگرمیاں بغداد اور قاہرہ میں تھیں ۔ 820ء میں قاہرہ میں فوت ہوئے ۔ آپ کا مذہب زیادہ تر مشرقی افریقہ، زیریں مصر (Lower Egypt) اور فلسطین میں پھلا پھولا۔

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ، متوفی ۸۵۵ء:

بغداد میں پرورش پائی اور بغداد میں 855ء میں فوت ہوئے ۔ جنازے میں قریباً آٹھ لاکھ مرد (800,000) اور 60,000 عورتیں شامل ہوئیں۔ اس وقت کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔

مسند (مسند امام احمدؒ) آپ کی حدیث کی کتاب ہے۔ آپ کا مذہب حدیث کے بہت قریب ہے۔

۵۔ امام جعفر صادقؒ:

ان کی فقہ شیعہ حضرات کی فقہ ہے ۔ امام جعفر صادقؒ کے پیروکاروں کی تعداد بھی خاصی ہے ۔ زیادہ تر تعداد ایران، ہندوستان اور عراق میں ہے۔

ادب Literature:

ادب میں جاحظ کا نام سرفہرست ہے۔ جاحظ 9-868ء میں فوت ہوا۔ اسی طرح ابن درید ہے۔ ابن قتیبہ ہے۔ البلاذری ہے ۔ اسی طرح المبرد ہے جس نے الکامل لکھی ۔ بدیع الزمان ہمدانی، (969-1008)، الثعالبی (961-1038)، الحریری (1054-1122) کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان کی مقامات جو ناول کے انداز میں عربی زبان میں ادب کی شاہکار ہیں۔ صدیوں تک اس قسم کی کتابیں اور اس پائے کی کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ **الادب الصغیر ، الادب الکبیر ، البیان و التبیین ،الشعرو**

الشعراء ، كتاب البخلاء كليلة و دمنة الف وليلة وغیرہ بڑی مشہور ادبی شاہکار ہیں۔

کتاب الآ غانی عربی ادب اور عربوں کے علوم وفنون لطیفہ کی ڈکشنری ہے۔ یہ کتاب ابوالفرج الاصفہانی (897-967) کی ہے۔ کتاب الآ غانی (Book of Songs) کتاب عربی ادب اور شاعری کا عظیم خزانہ اور عربی تہذیب وتمدن کا لازوال وسیلہ (Sources) ہے۔ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں اس کتاب کو عربوں کا رجسٹر کہتا ہے۔ ﴿۳۶۵﴾ سیف الدولہ نے اس پر اصفہانی کو 1000 دینار انعام دیا تھا۔

لائبریری Libraries:

شروع میں لائبریریاں مسجدوں میں ہوتی تھیں ۔ اکثر کتابیں مذہبی قسم کی ہوتی تھیں ۔ علامہ خطیب بغدادی (1002-71) کی ایک بہت بڑی لائبریری تھی جو اس نے مسلمانوں کے لئے وقف کر رکھی تھی ۔ یہ ایک دوست کے گھر میں تھی ۔ ﴿۳۶۶﴾ الموصل میں ایک امیر آدمی نے بہت بڑی لائبریری قائم کی ہوئی تھی ۔ جس میں طلباء کو مفت کاغذ بھی مہیا کیا جاتا تھا ۔ ﴿۳۶۷﴾ شیراز میں بو یہ حکمران عضد الدولۃ نے ایک با قاعدہ لائبریری قائم کی ہوئی تھی ۔ جس میں با قاعدہ سٹاف تھا ۔ ﴿۳۶۸﴾ بصرہ میں بھی اس طرح کی ایک لائبریری تھی۔ جس میں ریسرچ سکالرز کو سہولتیں دی گئی تھیں۔ ﴿۳۶۹﴾

الرے (Al-Ray) میں ایک بہت بڑی لائبریری تھی۔ جس کو بیت الکتب (Home of Books) کہا جاتا تھا۔ اس لائبریری کی کتابوں کا وزن چار صد اونٹ اٹھاتے تھے۔ اوران کتابوں کے فہرست دس کتابوں میں (دس جلدوں) میں آتی تھی۔ ﴿۳۷۰﴾ لائبریریاں اور سکالروں کے لئے بحث وتمحیص اور مل بیٹھے (Meeting Point) کی جگہ بھی تھیں۔ یاقوت نے اپنی جغرافیے کی کتاب لکھنے کے لئے تین سال تک لائبریریوں میں محنت کی۔

فن تعمیر Architecture:

فن تعمیر میں مسلم دنیا نے ہر جگہ اپنا لوہا منوایا۔ لیکن بدقسمتی سے خلیفہ المنصور اور ہارون کا بنایا ہوا بغداد خاص طور پر وہ محل اور دروازے جن پر اسلامی فن تعمیر اور تہذیب وتمدن ناز کرتے تھے آج موجود نہیں ہیں۔ صرف بنوامیہ کے دور میں تعمیر ہونے والے کچھ شاہکار مثلاً قبۃ الصخرا (Dome of Rock)، یروشلم اور جامع مسجد، دمشق موجود ہے ۔ باقی خلیفہ المنصور کا باب الذھب (Golden Gate) القبۃ الخضراء (Green Dome) قصر الخلد (Palace of Eternity)، کے نشانات اس وقت دنیا میں موجود نہیں۔ شہزادہ المہدی کے لئے بنایا ہوا خاص محل، رصافۃ (Rusafa) ﴿۳۷۱﴾، برامکہ کا محل الشمسیہ

(Al-Shammasiyah)، خلیفہ معتضد کا بنایا ہوا محل الثریا (Al-Surayya)، جس کو معتضد خلیفہ (892-902) نے اس وقت بنایا تھا جب اس نے اپنا دارالخلافہ سامرہ (Samra) سے بغداد منتقل کیا تھا۔ اس محل پر اس نے 400000 دینار خرچ کیا تھا ﴿۳۷۲﴾ خلیفہ مکتفی (8-902) کا مکمل کیا ہوا محل، التاج ﴿۳۷۳﴾، المقتدر کا محل جو اس نے اپنے دور (32-908) میں بنوایا تھا اسے دارالشجرہ کہا جاتا ہے۔ اس محل میں سونے اور چاندی کے درخت لگائے گئے تھے۔ معزوالدولۃ (67-932) کا محل المعزیہ جس کی لاگت دس لاکھ (1000000) دینار آئی۔ ﴿۳۷۴﴾ یہ تمام اور اس طرح کے کئی اور شاہکار ہیں جن کے آج نشان بھی نہیں ہیں۔ معتصم (42-833) نے سامرہ شہر تعمیر کیا اور اس کے بیٹے متوکل (847-861) نے اس میں ایک عظیم مسجد بنائی۔ ﴿۳۷۵﴾ جس پر سات لاکھ (700000) دینار لاگت آئی۔ ﴿۳۷۶﴾

مصوری۔ نقاشی:

مصوری اور نقاشی یا بت تراشی کی اسلام اجازت نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد بھی سوڈیڑھ سو سال تک مصوری کی طرف مسلمانوں نے خاص توجہ نہیں کی۔ المنصور نے اپنے محل کے اوپر ایک گھوڑ سوار کا مجسمہ (Painting) لگایا ہوا تھا۔ امین کے متعلق تو مشہور ہے کہ اس نے دریائے دجلہ کے کنارے اپنے محل اور سیر گاہ پر کئی قسم کے مجسمے یعنی شیر، گھوڑے، مچھلی (Dolphins) وغیرہ بنائے ہوئے تھے اسی مقتدر کے بارہ میں مشہور ہے کہ اس نے چاندی اور سونے کا ایک درخت بنایا ہوا تھا جس کی ۱۸ شاخیں تھیں اور اسے محل میں ایک بڑے ٹینک میں رکھا ہوا تھا اس درخت اور ٹینک کے دونوں کناروں پر پندرہ شہسوار، نیزوں سے مسلح، مسلسل ایک دوسرے پر حملہ آور محسوس ہوتے (In Combate) تھے۔

سامرہ (Sammarra) کے معمار المعتصم نے (836ء) اپنے محل کی دیواروں پر ننگی عورتوں کے نقش بنائے ہوئے تھے ﴿۳۷۷﴾ توکل، جس کے دور میں عارضی دارالخلافہ سامرہ، اپنے عروج پر تھا اس نے اپنے محل میں بڑے مجسمے اور نقش و نگار کئے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے محل پر تقریباً 294000,000 دینار خرچ کئے تھے۔ ﴿۳۷۸﴾

خطاطی۔ خوش نویسی Calligraphy :

خطاطی خالصتاً مسلمانوں کی آرٹ ہے۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں یہ آرٹ کمال کو پہنچی اور اس فن میں کمال رکھنے والوں (Calligraphers) کو گراں قدر انعامات اور معاوضے دیئے جاتے تھے۔ ﴿۳۷۹﴾ خطاطی کا فن مصوری سے زیادہ باعزت اور پیشے کے لحاظ سے زیادہ Paying تھا۔ زیادہ تر لوگ مذہبی خطاطی کرتے تھے۔ قرآن پاک کی خطاطی ایک خاص

میدان(Field) بن گیا۔ اور بعض اوقات بادشاہ اس میں حصہ لینا فخر سمجھتے تھے۔ ۱۔ خطاطی کے بانیوں میں الریحانی (متوفی 834ء) ایک اہم ستارہ ہیں جو مامون کے دور میں بڑے مشہور تھے۔ ۲۔ ابن مقلہ (Muqla)(886-940) عباسی وزیر تھے۔ خلیفہ راضی نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا تھا۔ وہ اپنے بائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ بعض اوقات بائیں ہاتھ (کٹے ہوئے) کے انگوٹھے میں قلم کو "اڑا کر" خوبصورت لکھ لیتے تھے ﴿۳۸۰﴾۔ ۳۔ ابن البواب متوفی 1032 یا 1022ء محقق طرز (Style) کا بانی ہے۔ بہت نام پیدا کیا۔ ۴۔ یاقوت المستعصمی آخری عباسی خلیفہ کا خاص خطاط (Court Calligraphst) تھا۔ یاقوتی سٹائل اسی کا دیا ہوا ہے۔

موسیقی (Music):

بنوامیہ کے دور میں موسیقی شروع ہو چکی تھی۔ بنوعباس کے دور میں اپنے عروج پر تھی۔ بہت تحقیق ہوئی۔ بہت کتابیں لکھی گئیں یونانی موسیقی کی کتابوں کا ترجمہ ہوا۔ خلیفہ مہدی نے مکہ کے سیاط (Siyat) (739-85) کو دعوت دی اور اس کی سرپرستی کی موسیقی سے سیاط لوگوں پر جادو کر دیتے تھے۔ ﴿۳۸۱﴾

ابراہیم الموسلی (۸۰۴-۷۴۲ء):

یہ سیاط کا شاگرد تھا۔ کلاسیکل میوزک کا بادشاہ تھا۔ یہ ایران کے معزز خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ ﴿۳۸۲﴾ یہ پہلا شخص تھا جس نے چھڑی مار کر ردھم (Rhythm) بنایا۔ بہت بڑا موسیقار بن گیا۔ بعد میں ہارون الرشید نے ابراہیم کو اپنے ہاں بلا لیا اور اسے اپنا مصاحب خاص بنا لیا اور اسے 150,000 درہم دیئے اور ماہانہ 10000 درہم مقرر کئے۔ ایک دفع رشید نے ایک سنگل گانا سنانے پر ایک لاکھ (100000) درہم دیا۔ دراصل ہارون الرشید نے میوزک کی سرپرستی بھی اسی طرح کی جسطرح سائنس اور آرٹس کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موسیقاروں نے دھڑ ادھڑ رشید کے دربار کا رخ کیا۔ ﴿۳۸۳﴾ ایک دفعہ خلیفہ امین نے محفل موسیقی کی رات منائی جس میں تقریباً دو ہزار موسیقار تھے۔ اس کے سارے درباری، عورتوں اور مردوں نے شرکت کی اور ساری رات سب نے ڈانس کیا۔ ﴿۳۸۴﴾ جب خلیفہ مامون کی فوج نے خلیفہ امین کے بغداد پر حملہ کیا تو امین دجلہ کے کنارے اپنے محل میں بیٹھ کر اپنی پسندیدہ گلوکاراؤں اور ڈانسروں (عورتوں) سے گانے سن رہا تھا۔

مخارق متوفی ۸۴۵ء:

بہت بڑا موسیقار تھا۔ ہارون نے ایک عورت سے اسے آزاد کروایا اور اسے ایک لاکھ (100000) دینار دیا ﴿۳۸۵﴾ اور اپنے پاس جگہ دی مامون اور متوکل کے دربار میں ان کا ایک خاص موسیقار تھا جس کا نام اسحاق بن ابراہیم الموسلی تھا۔

یہ اپنے باپ کے بعد کلاسیکل عربی موسیقی کی طرف چلا گیا۔ یہ مسلمان موسیقاروں (یا عربوں میں) سب سے بڑا موسیقار تھا۔

﴿۳۸۶﴾ ہارون الرشید کا بھائی ابراہیم بن مہدی، جو بعد میں خلیفہ مامون کا مدمقابل (Rival) بھی رہا ہے، بہت بڑا موسیقار تھا۔ ﴿۳۸۷﴾

الواثق خلیفہ (۴۷-۸۴۲):

پہلا خلیفہ موسیقار تھا۔ المعتز بھی اچھا "موسیقار خلیفہ" تھا۔ ﴿۳۸۸﴾ خلیفہ المعتمد بھی عظیم موسیقار تھا۔ موسیقی کی کتابوں میں یونانی ترجمہ شدہ کتابیں یہ ہیں۔

ا۔ ارسطو کی کتاب "Problemata" کا عربی ترجمہ کتاب المسائل اور "De anima" کا عربی ترجمہ کتاب فی النفس کے نام سے، مشہور مترجم حنین بن اسحاق نے کیا۔ ﴿۳۸۹﴾ اس نے گیلن (Galen) کی کتاب De voce کا ترجمہ، عربی میں، کتاب الصوت کے نام سے کیا۔ Euclid کی کتاب کا ترجمہ کتاب النغم کے نام سے کیا۔ اسی طرح کتاب العقاء، کتاب الموسیقی الکبیر موسیقی کی مشہور کتابیں ہیں۔ فلسفی الکندی پہلا مصنف ہے جس نے موسیقی پر کتب لکھیں۔ اس نے چھ کتابیں موسیقی پر لکھیں۔ اس کے بعد الرازی (865-925) نے لکھی جس کا حوالہ ابن ابی اصیبعہ نے دیا۔ ﴿۳۹۰﴾

الفارابی:

موسیقی کا بہت بڑا مصنف ہے۔ کتاب الموسیقی الکبیر اس کی مشہور کتاب ہے۔ ابن سینا (متوفی 1037) اور ابن رشد متوفی (1198) کا کام تو یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوا اور بہت پڑھا گیا۔ الغزالی نے موسیقی کو مذہبی رسوم تک پہنچایا۔

☆......☆......☆

فصل ہفتم

فتح اندلس: تعلیمی ترقی اور معاشی خوشحالی

سب سے پہلے شمالی افریقہ کے اموی گورنر، موسیٰ بن نصیر نے اپنے ایک آفیسر، طریف (Tarif) کو پانچ صد(500) فوج دے کر جس میں ایک صد سوار تھے، جولائی 710ء میں سپین کی سرزمین پر اتارا۔ یہ سب فوجی بربر تھے تا کہ سپین کے حالات کا جائزہ لیا جاسکے۔ طریف سپین کے انتہائی جنوب پر وارد ہوا اور آس پاس کے علاقوں کو فتح کیا۔ اس ساحل کو اب بھی جزیزہ طریف یا طریفیہ کہا جاتا ہے۔ آس پاس کے کچھ علاقوں کو فتح کیا اور بہت سامال غنیمت اکٹھا کیا اور واپس آکر موسیٰ کو اطلاع دی کہ حالات بڑے سازگار ہیں۔ اگر حملہ کیا جائے تو کامیابی یقینی ہے۔ ﴿۳۹۱﴾ اس پر موسیٰ نے اپنے مشہور گورنر اور آزاد کردہ غلام، طارق بن زیاد کو سات ہزار کی فوج دے کر اسپین کی فتح کو بھیجا۔ 711ء میں طارق اندلس وارد ہوا۔ فوج میں اکثر بربری جوان تھے۔ جس ساحل کو عبور کر کے طارق اندلس داخل ہوا اسے اب بھی جبل طارق (Jibraltar) کہتے ہیں ﴿۳۹۲﴾۔ اسپین کے بادشاہ راڈرک کو اطلاع ملی تو وہ ایک لاکھ فوج لے کر میدان میں آیا۔ طارق نے بھی مزید پانچ ہزار فوج منگوالی۔ اس طرح(12000) بارہ ہزار فوج لے کر راڈرک بادشاہ (King Rodrick) کی فوج کے سامنے آیا اور باربیٹ دریا (Barbate River) کے سامنے معرکہ ہوا۔ ﴿۳۹۳﴾ راڈرک نے اپنے پیشرو (Predecessor) ،وٹیزہ(Witiza) کے بیٹے کو برطرف کیا اور اور حکومت پر قبضہ کرلیا تھا ﴿۳۹۴﴾۔ اب طارق جس نے 711ء کے موسم بہار میں مہم شروع کی، گرمیوں کے آخر میں آدھے (نصف) اندلس پر قبضہ کرلیا۔ موسیٰ بن نصیر نے طارق کو زیادہ آگے بڑھنے سے روکا لیکن طارق آگے بڑھتا گیا۔ موسیٰ بن نصیر کو اس پر غصہ آیا۔ موسیٰ چاہتا تھا کہ ساری جنگ کی میں قیادت کروں تا کہ فتح کا سہرا میرے سر ہو۔ طارق کی زیادہ فتوحات سے پریشان بھی ہوا اور قدرے حسد بھی کرنے لگ گیا۔ موسیٰ نے 712ء جون میں)اب 10000 کا لشکر لیا اور خود اندلس میں داخل ہو گیا۔ موسیٰ کی فوج میں زیادہ تر عربی اور شامی تھے۔ جون 713ء تک اشبیلہ کو بھی فتح کرلیا۔ پھر طارق کو گرفتار کیا اور پابند زنجیر کیا۔ اسی سال کے موسم خزاں میں ولید بن عبدالملک خلیفہ نے موسیٰ پر کچھ الزامات لگائے اور واپس آنے کا کہا۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز، کو اندلس کا امیر بنایا اور خود بہت سارے خزانے لے کر واپس دمشق روانہ ہوا۔ اپنے آفیسرز کے ساتھ ساتھ موسیٰ کے ساتھ 400 اندلسی

شہزادے تھے جو سونے کے لباس سے مرصع و مزین تھے، ہزاروں غلام اور جنگی قیدی تھے، اور اس کے ساتھ بے انتہا دولت اور سونا چاندی تھا ﴿۳۹۵﴾۔ موسیٰ رومی فاتحین کی طرح بڑی شان وشوکت سے افریقہ سے ہوتا ہوا دمشق روانہ ہوا اور فروری 715ء کو بڑی شان سے دمشق داخل ہوا اور شاندار طریقے سے ولید نے اس کا استقبال کیا۔ سرکاری استقبال جامع مسجد دمشق میں کیا گیا۔ پہلی دفعہ اتنی بڑی تعداد میں اتنے یورپین شہزادے اور غلام وقیدی دمشق میں خلیفہ کے حضور جھکے۔ سونے چاندی اور خزانوں کے ڈھیر لگ گئے اسلامی تاریخ میں اتنی شان وشوکت کم ہی دیکھنے میں آئی۔ ولید کا جانشین سلمان بن عبدالملک موسیٰ سے ناراض تھا۔ اس نے اسے گرفتار کیا۔ ساری جائیداد پر قبضہ کرلیا اور چھین لی۔ آخری عمر میں موسیٰ کو حجاز کی دور دراز وادی "وادی القریٰ" میں بھیک مانگتے دیکھا گیا۔ ﴿۳۹۶﴾ بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور 750ء (132ھ) کو عباسیوں نے خلافت پر قبضہ کرلیا۔ بنی امیہ کا قتل عام شروع ہوا۔ ایک نوجوان بیس، اکیس سالہ عبدالرحمٰن بچتا ہوا المغرب کی طرف نکل گیا جہاں شمالی افریقہ میں بربریوں نے اس لئے اسے گلے لگالیا کہ عبدالرحمٰن کی والدہ بربر تھی۔ بربریوں کے ذریعے وہاں شامی فوجوں میں اپنا اثر ورسوخ قائم کیا۔ اور 756ء میں اندلس پر قبضہ کرلیا اور حکمران بن گیا۔ قرطبہ پر قبضہ ہوا اور عبدالرحمان نے عام معافی کا اعلان کردیا۔ 764ء کو اشبیلیہ بھی فتح ہوگیا۔ آٹھ دس سال میں مخالفین اور خاص طور پر بربریوں کا زور ایک دفعہ توڑ دیا گیا۔ عباسیوں نے کئی دفعہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعے حکومت گرانے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے۔ ایک دفعہ خلیفہ المنصور، جو عبدالرحمٰن الداخل کو " قریش شاہین " (Falcon of Quresh) کہتا تھا، نے العلاء ابن مغیث کو اندلس میں اپنا گورنر مقرر کیا۔ دو سال کے بعد العلاء ابن مغیث کا سر قلم کرکے عبدالرحمٰن نے ایک سیاہ جھنڈے میں رکھا اور ساتھ ہی اس کا تقرر نامہ رکھا اور منصور کو بھیج دیا۔ منصور اس وقت حج پر تھا ﴿۳۹۷﴾۔ اس نے یہ دیکھ کر کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرے اور عبدالرحمٰن (دشمن) کے درمیان سمندر حائل ہے ﴿۳۹۸﴾۔ 757ء میں عبدالرحمٰن نے خلیفہ عباسی کا نام خطبے سے ختم کیا۔ اور اندلس پہلا صوبہ تھا جو (مسلمان) عباسی حکومت سے الگ ہوا۔ جنگوں سے فارغ ہوکر عبدالرحمان نے اندرونی استحکام کی طرف توجہ دی۔ دارالخلافہ قرطبہ میں پینے کے صاف پانی کا انتظام کیا۔ اردگرد دیوار بنائی۔ اپنے لئے شہر سے باہر رصافہ (Rusafa) ﴿۳۹۹﴾ کے نام سے عظیم الشان محل بنایا۔ اپنے محل میں کھجور کا پہلا (اندلس میں) درخت لگایا۔ 788ء میں قرطبہ کی عظیم الشان جامع مسجد بنائی۔ ﴿۴۰۰﴾

عبدالرحمان اول (الداخل) کی قائم کی ہوئی اندلسی حکومت عبدالرحمٰن الثالث (iii)(912-961) کے دور میں اپنے

انتہائی عروج کو پہنچ گئی۔عبدالرحمٰن الثالث پہلا اموی حکمران تھا جس نے اندلس میں خلیفہ کا لقب اختیار کیا جبکہ اس سے پہلے امیر کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔الحاجب المنصور 977ء تا 1002ء منظر پر رہا۔بنوامیہ کی حکومت میں منتظم دوسرے لفظوں میں وزیر اعظم تھا۔ اس جیسا جنرل،حکمران(Statesman) شاید اندلس کی سرزمین میں مسلمانوں نے نہ دیکھا ہو۔غیر مسلموں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ڈوزی (Dozy) کے بقول: بعض معاملات میں تو (مسلمان) عرب فاتحین اندلس(Spain) کے لئے رحمت (Benefit) تھے۔﴿۴۰۱﴾

اندلس میں ترقی اور خوشحالی:

قرطبہ دنیا کے تین عظیم شہروں اور مراکز میں سے ایک تھا۔یعنی بغداد،قسطنطنیہ اور قرطبہ۔جرمنی،اٹلی اور فرانس جیسے اہم ممالک سے سفراء یہاں آتے تھے۔قرطبہ میں اس وقت 500 مساجد،300 پبلک بیت الخلاء (Toilets and Baths) اور آبادی پانچ لاکھ تھی۔عبدالرحمٰن الثالث نے الزہراء کے نام سے ایک عظیم الشان محل بنایا۔اس محل کو بنانے کے لئے 10000 انسانوں نے کام کیا۔سالانہ ریونیو (Revenue) 6245000 دینار اکٹھا ہوتا تھا۔بیس لاکھ بچ جاتا تھا اور جمع رہتا تھا۔ عبدالرحمٰن الثالث کا دور انتہائی عروج کا دور تھا۔اندلس کا پورے یورپ پر اثر تھا۔بغداد اور قسطنطنیہ کے بعد سب سے مہذب اور متمدن تھا۔قرطبہ میں اس وقت سٹریٹ لائٹ تھی۔جبکہ لندن میں 700 سال بعد بھی سٹریٹ لائٹ نصیب نہ ہوئی۔ ﴿۴۰۲﴾اس وقت یعنی دسویں صدی عیسوی میں پیرس میں کوئی گلیوں کے گندھ،گوبر اور گارے سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا تھا۔ ﴿۴۰۳﴾اس شہر میں اس وقت ایک لاکھ تیرہ ہزار(113000) گھر 21 محلے(Suburbs)70 لائبریریاں اور متعدد کتابوں کی دوکانیں، مسجدیں اور محل تھے۔اور یورپ اور پوری دنیا کے لئے جاذب نظر شہر تھا۔جب کسی یورپی حکمران کو کسی ڈاکٹر انجینئر،ماہر تعمیرات یا سرجن کی ضرورت پڑتی تو وہ قرطبہ کا رخ کرتا۔اسی لئے جرمنی کی ایک یہودی نن (Nun) نے قرطبہ کو " The Jewl of the world" ﴿۴۰۴﴾ کہا ہے۔

تعلیمی سرگرمیاں:

اندلس میں تعلیمی سرگرمیاں بھی انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ خلیفہ الحکم خود بہت بڑا سکالر تھا اور تعلیم کی خصوصی سرپرستی کرتا تھا۔ ﴿۴۰۵﴾ وہ سکالرز اور علماء کو وظائف دیتا تھا اور اس نے دارالخلافہ میں ستائیس فری سکول کھولے ہوئے تھے ﴿۴۰۶﴾۔ عبدالرحمان الثالث کی کھولی ہوئی یونیورسٹی آف قرطبہ حکم کے دور میں دنیا کی عظیم یونیورسٹیوں میں شمار ہونے لگی۔ الحکم نے یونیورسٹی پر دولاکھ اکسٹھ ہزار پانچ صد سینتیس (261537) دینار خرچ کئے۔ دوردراز، مشرق ومغرب سے سکالروں، پروفیسروں کو گراں قدر مشاہرے دے کر بلوایا۔ ان میں ایک ابن القوتیہ تھے جو گرائمر کے ماہر استاد تھے۔ ان میں بغداد کے مشہور ماہر لسانیات (Philologist) ابوعلی القالی تھے ﴿۴۰۷﴾ جن کی کتاب الامالی اب بھی دنیا میں مقبول ہے۔ الحکم کتابیں اکٹھیں کرنے کا بہت شوقین تھا۔ اس نے اسکندریہ، بغداد، قاہرہ اور دمشق وغیرہ بڑے شہروں میں اپنے ایجنٹوں کو بھیجا تاکہ وہاں سے اچھی اچھی کتابیں خریدیں اور قرطبہ لے آئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس طرح الحکم نے چار لاکھ (400000) کتابیں اکٹھی کر لیں۔ ان کتابوں کی فہرست چوالیس (44) جلدوں میں تھی۔ ان میں سے ہر جلد میں بیس (20) اوراق صرف شاعری کی کتابوں کے لئے وقف تھے۔ ﴿۴۰۸﴾ الحکم اسلامی تاریخ میں غالباً خلفاء میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا خلیفہ تھا۔ وہ بہت بڑا سکالر تھا۔ ان کتابوں میں بہت سی کتابیں اس نے خود کسی حد تک پڑھی تھیں اور اکثر پر خلیفہ کے نوٹ لکھے ہوئے تھے۔ خلیفہ الحکم نے کتاب الاغانی کی پہلی کاپی لینے کے لئے جو عراق میں کمپوز (Compose) ہورہی تھی، ایک اسپیشل نمائندہ بھیجا اور مصنف الاصفہانی کو ایک ہزار دینار بھی دیا۔ ﴿۴۰۹﴾ اس طرح پڑھائی لکھائی (Literacy Rate) کا یہ عالم تھا کہ ڈوزی (Dozy) جیسے ڈچ سکالر کو بھی یہ کہنا پڑا کہ "تقریباً ہر آدمی پڑھنا لکھنا جانتا تھا" (Nearly everyone could read and write) ﴿۴۱۰﴾۔ (اندلس میں مسلمانوں کی تاریخ) قرطبہ یونیورسٹی، جامعہ الازھر، قاہرہ اور جامعہ نظامیہ بغداد دونوں سے زیادہ مشہور ہوگئی تھی۔ ﴿۴۱۱﴾ اور اس میں علوم وفنون ان دونوں سے زیادہ ترقی یافتہ (Advanced) تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب یورپ جہالت اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور جہالت وناخواندگی کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا سست رفتاری سے چل رہا تھا چنانچہ مسلمانوں نے تعلیم میں اس حد تک ترقی کرلی کہ مجبوراً سپین کے باشندوں کو اپنی تہذیب وتمدن چھوڑ کر مسلمانوں کی ترقی یافتہ تہذیب اور کلچر اپنانا پڑا اور اپنے آپ کو مکمل طور پر عربی اور اسلامی کلچر میں رنگنا پڑا۔ چنانچہ ہسپانیوں نے عربی ثقافت کو اپنا لیا۔ عربوں کا دین اپنا لیا ان کی زبان بولنے لگے اور آداب سیکھ لئے

۔حتیٰ کہ قرطبہ کے ایک کاہن اور عیسائی عالم کو یہ شکوہ کرنا پڑا کہ ہمارے نوجوان اپنی تہذیب وتمدن اور ثقافت کو بھول گئے ہیں۔لیکن مسلمانوں کی علمی اور تہذیبی ترقی کا سیلاب اتنا تیز تھا کہ خود مسیحی دینی علماء بھی اس کے مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور انہیں مجبور ہو کر اپنی دینی کتابوں کو عربی میں منتقل کرنا پڑا۔ایک کاہن کے الفاظ ڈچ مصنف ڈوزی (Dozy) نے اپنی کتاب میں یوں نقل کیے ہیں۔وہ کہتا ہے کہ:"ہم اب شعروشاعری اور افسانے پڑھنے کے لئے عربی زبان پسند کرتے ہیں۔دین وفلسفہ عربی زبان میں سیکھتے ہیں۔ہم اسی زبان کو فصیح وبلیغ اور شیریں سمجھتے ہیں۔ہم میں بمشکل کوئی ایسا شخص ہوگا جو لاطینی زبان (Latin Language) میں مقدس کتابوں کا مطالعہ کرسکتا ہو۔ہمارے تمام کے تمام ذہین نوجوان عربی زبان اور عربی ادب کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتے۔اور جوں جوں وہ عربی زبان وادب اور کتب کا مطالعہ کرتے جاتے ہیں وہ اس کے گرویدہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔اگر ان کے سامنے کسی لاطینی کتاب کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں۔اس کے پڑھنے میں جتنی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اتنا فائدہ نہیں ہوتا۔ان مسیحیوں نے اپنی زبان اور اسے لکھنا پڑھنا بھلا دیا﴿۴۱۲﴾ یہ اندلس میں عربوں اور مسلمانوں کی تہذیب وتمدن اور ترقی کی انتہاء ہے۔

زبان وادب:

ابن عبدربہ۔(۸۶۰-۹۴۰ء) (۲۴۶-۳۲۸ھ):

ابوعمر احمد بن محمد بن عبدربہ:۔ قرطبہ میں پیدا ہوا اور وہیں اس نے پرورش پائی۔یہ بہت بڑا ادیب اور عظیم شاعر تھا۔ "اندلس کے علماء وادباء سے کسب علم کیا۔علم وروایات میں وسیع الاطلاع اور شعروانشاء اللہ میں ماہر کامل تھا"۔﴿۴۱۳﴾ یاقوت نے اپنی تصنیف معجم الادباء میں لکھا ہے:"ابوعمر (ابن عبدربہ) کو علم میں گراں قدر مقام حاصل تھا"۔ ﴿۴۱۴﴾ متنبی نے ولید اندلسی سے حج کے موقع پر ملاقات میں جب فرمائش سے ابن ربہ کے شعر سنے تو کہا۔ "عراق تو تیرے پاس گھسٹ کر آئے گا"۔ العقد الفرید" ابن عبدربہ کی شاہکار تصنیف ہے۔یہ کتاب عربی ادب کی بنیادی کتابوں میں سے ایک ہے۔جس میں بہت سی بکھری ہوئی مفید باتیں، منتشر مسائل، متفرق واقعات ومسائل اور حوادث، انساب، امثال، اشعار حتی کہ طب اور موسیقی کے متعلق معلومات بھی

یکجا جمع کر دی گئی ہیں۔ اس میں فارسی، سنسکرت اور یونانی کتابوں کے تر جموں سے پر حکمت و نصیحت اور دلچسپ باتیں بھی زینت کتاب بنائی گئی ہیں۔ ﴿۴۱۵﴾ اس کتاب کے پچیس (25) ابواب ہیں۔ تین جلدوں پر مشتمل ہے اور ایک ہزار سے زیادہ اس کے صفحات ہیں۔ ہر باب کو اس مصنف نے ایک ہیرے (Pearl) سے موسوم کیا ہے مثلاً موتی، گوہر یکدانہ، زبرجد، مرجان، یاقوت اور ہیرا وغیرہ۔ ابن عبدر بہ کو اندلس کے ادباء اور شعراء کا امام و قائد مانا جاتا ہے۔ "ابن عبدر بہ، عبدالرحمان کا چہیتا تھا۔ ﴿۴۱۶﴾ اندلس میں دوسرے خلیفہ، ہشام بن عبدالرحمان الداخل نے اس کے دادا کو غلامی سے آزادی دی تھی۔ یعنی اس کا دادا ہشام کا آزاد کردہ غلام تھا۔ آغانی کے بعد "العقد الفرید" عربی ادب میں سب سے بڑی کتاب ہے۔

ابن حزم (۱۰۶۴-۹۹۴ء):

یہ اندلس کا سب سے بڑا اسکالر ہے۔ اور اسلامی دنیا کے پہلے تین ذہین علماء اور مصنفین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ عبدالرحمٰن المستظہر اور خلیفہ ہشام المعتبر کی عدالت میں وزیر رہا ہے ﴿۴۱۷﴾۔ ابن خلقان ﴿۴۱۸﴾ اور قفطی ﴿۴۱۹﴾ نے ابن حزم کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے تاریخ، حدیث شاعری، دلائل و براہین (Logic) اور دوسرے علوم پر تقریباً 400 کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی اور مشہور کتاب "الفصل فی الملل والاھویٰ والنحل" ہے۔ دوسری اہم کتاب کا نام "طوق الحمامۃ" ہے۔

ابن زیدون (۱۰۷۱-۱۰۰۳ء):

اندلس کا بہت بڑا شاعر ہے۔ قریش خاندان میں مخزوم قبیلے کا چشم و چراغ تھا۔ قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ سرکردہ فقیہ اور بلند پایہ ادیب تھا۔ خلیفہ مستکفی کی شاعرہ بیٹی کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور مصائب اٹھائے۔ اشبیلیہ کے حاکم معتمد عیاد اور اس کے بعد اس کے بیٹے کا مصاحب خاص اور وزیر رہا ہے۔

ابن ہانی اندلسی (۹۷۴-۹۳۸ء) (۳۶۳-۳۲۶ھجری):

ابوالقاسم محمد بن ہانی ازدی اندلسی اشبیلیہ میں پیدا ہوا۔ بہت بڑا شاعر تھا۔ بلکہ اسے تمام بالاتفاق اندلس کا "امیر الشعراء" مانتے ہیں۔ ابن ہانی خوش مزاج، خوش مذاق و ظریف، عیاش و آوارہ مزاج، شرابی اور رنگ رلیوں کا عادی اور کھری بات کرنے والا شاعر تھا۔ ﴿۴۲۰﴾

ابن حمدیس صقلی (۱۱۳۳-۱۰۸۴ء) (۵۲۷-۴۷۷ہجری):

وہ جزیرہ صقلیہ میں پیدا ہوا۔ کمسنی میں شعر کہنے لگا۔ ہجرت کر کے اسپین چلا گیا۔ اشبیلیہ میں معتمد کے دربار میں بڑی دیر انتظار اور کوشش کے بعد جگہ ملی پھر معتمد، حاکم اشبیلیہ کا مصاحب خاص بن گیا اور آخر تک ساتھ رہا حتی کہ معتمد کی حکومت کو ابن تاشفین نے ختم کر ڈالا اور وہ جلاوطن ہو گیا۔ ساتھ ہی صقلی بھی آخر کار افریقہ چلا گیا۔

ابن حفاجہ اندلسی (۱۱۳۹-۱۰۵۸):

ابن حفاجہ مصور فطرت شاعر تھا۔ فطرت کے حسن و جمال اور زندگی سے پر لطف ماحول کی عکاسی وہ اپنی شاعری میں کرتا ہے

لسان الدین ابن الخطیب (۱۳۷۷-۱۳۱۴):

غرناطہ میں پیدا ہوا اور وہاں کے علماء سے علوم شرعیہ وعربیہ، فلسفہ وطب اور ریاضی و تاریخ کی تعلیم حاصل کی۔ اور ان تمام علوم میں اپنے ہم عصر اندلسی علماء و ادباء سے سبقت لے گیا۔ پھر شاعری کے وسیلے نے اسے حاکم غرناطہ ابوالحاج یوسف (755-733ھ) تک پہنچا دیا۔ اس نے اپنا سیکرٹری بنالیا اور بعد میں وزیر بنالیا۔ اس کی شاعری نرم وشستہ اور معانی لطیف و پسندیدہ ہیں۔ اندلس میں علم و ادب کا امام تھا۔ اس کی تاریخ میں مشہور کتاب "الاحاطہ فی تاریخ غرناطہ" ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ غرناطہ کی شخصیتوں کی یہ تاریخی ڈکشنری ہے۔

تاریخ نویسی اور تاریخ دان (Historiograhy) :

اندلس کی تاریخ میں اولین تاریخ دان (Historigrahy) ابن القوتیہ ہیں۔ ابوبکر ابن عمر جن کو عرف عام میں ابن القوتیہ کہا جاتا ہے۔ قرطبہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی اور وہیں 977ء میں فوت ہوئے۔ ان کی مشہور کتاب "تاریخ افتتاح الاندلس" ہے۔ وہ گرائمر اور عربی ادب کے بھی عظیم سکالر تھے۔

ابومروان حیان ابن خلق:

قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ لقب ابن حیان (1078-987)۔ 50 کے لگ بھگ علمی کام ہیں۔ المتین مشہور کتاب جس کی

اٹھ جلدیں یا حصے ہیں۔ بدقسمتی سے اس کی ایک کتاب موجود ہے۔ اس کا نام ہے۔ " المقبس فی تاریخ رجال الاندلس "

ابن الفراضی (Ibn-al-faradi):

قرطبہ میں 962ء کو پیدا ہوا۔ قرطبہ میں ہی ہنگاموں میں قتل ہوا۔ اس کی مشہور کتاب " تاریخ علماء الاندلس " ہے۔

ابن بشکوال

اس کی کتاب "السلاح فی تاریخ ائمۃ الاندلس"۔ قرطبہ میں 1101ء میں پیدا ہوا اور 1183ء کو قرطبہ میں ہی فوت ہوا۔

ابن الادبار (Ibn-al-Adbar) (۱۲۶۰-۱۱۹۹):

اس کی کتاب " التکملته لکتاب السلاح " دوسری کتاب " الحلتہ السیارہ تھی۔

الضبی: ابوجعفر احمد ابن یحیٰ متوفی 1203 اس کی کتاب "بغیات الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس" ہے۔

ابوالقاسم سعید ابن احمد الاندلسی (1029-1070) نے "طبقات الامم" لکھی۔

لسان الدین ابن الخطیب (1313-1374) شام کے عرب خاندان کا چشم و چراغ تھا اور ہجرت کر کے سپین آ گیا تھا۔ یوسف الحجاج اور اسکے بیٹے محمد کے ماتحت وزیر رہے اور "ذوالوزارتین" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ یہ بہت بڑا شاعر، مصنف اور حکمران (Statesman) تھا۔ اس نے شاعری، تاریخ، جغرافیہ، طب اور فلسفہ پر ساٹھ (60) کے قریب کتابیں لکھیں۔

عبدالرحمٰن ابن الخلدون (1332-1404) تیونس میں ایک ہسپانوی عرب خاندان کے ہاں پیدا ہوئے۔ اور پھر سپین (اندلس) ہجرت کی۔ زندگی میں بڑے اتار چڑھاؤ آئے۔ مقدمہ (ابن خلدون) کیوجہ سے نام پیدا ہوا۔ بہت بڑے سکالر اور تاریخ اور عمرانیات کے امام تھے۔ حالانکہ اس کی ایک بہت بڑی تصنیف ہے۔ جس کا نام یہ ہے۔ "کتاب العبر و دیوان المبتدا و الخبر فی ایام العرب و العجم و البربر" ﴿۴۲۱﴾۔ لسان الدین ابن الخطیب اور ابن خلدون مغرب میں دو ایسے نام ہیں جن کی روشنی پر پورا عالم اسلام فخر کر سکتا ہے۔ اور جو مغرب میں اسلام کے سپوت ہیں۔ ابن عبدالعزیز البکری ﴿۴۲۲﴾ مغرب میں اولین جغرافیہ دان تھے۔ قرطبہ میں پرورش پائی۔ " المالک و الملک " ﴿۴۲۳﴾ ان کی مشہور کتاب ہے۔

فلسفہ (Philosophy):

عرب سپین، اندلس کا سب سے پہلا فلسفی ایک یہودی ہے جس کا نام سلمان بن جبریل (Solomon ben Gabiorol) ہے۔ مالاگا (Malaga)، سپین میں 1021ء میں پیدا ہوا 1058ء میں فوت ہوا۔ اسے یہودی افلاطون (Jewish Plato) کہا جاتا ہے ﴿۴۳۴﴾۔ اس کا اہم کام ینبوع الحیاۃ (The fount of life) (Yambu-al-Hayah) ہے۔

ابن باجہ (Ibn-Bajjah) متوفی (۱۱۳۸ء):

مسلم سپین میں بارھویں صدی فلسفے کے حوالے سے بہت بڑی صدی ہے۔ یہ صدی ابوبکر محمد ابن یحیٰی ابن باجہ سے شروع ہوتی ہے۔ جو کہ بیک وقت فلسفی، طبیب (Physician)، سائنسدان، موسیقار اور تبصرہ کرنے والا (Commentator on greek works) تھا۔ ابن باجہ کا فلسفے پر کام تدبیر المتوحد (Tadbir-al-Mutawahhid) ہے۔

ابوبکر محمد ابن عبدالملک ابن طفیل، متوفی ۱۱۸۵ء:

ابن طفیل کے نام سے مشہور ہے۔ بہت بڑا فلسفی ہے۔ بہت عظیم طبیب اور ڈاکٹر ہے۔ موحد حکمران ابویعقوب یوسف (1163-1184ء) کا خاندانی ڈاکٹر رہا ہے۔ اس کی مشہور کتاب کا نام "حي بن يقظان" ہے (Hayy-ibn-yaqzan)۔

ابن رُشد:

قرطبہ میں 1126ء میں پیدا ہوا۔ بہت بڑا طبیب، عظیم فلاسفر قانون دان، قاضی (Judge) فقیہ (Jurist)، ہیئت دان (Astronomer) اور ارسطو کا تبصرہ نگار (Aristotalian Commentator)، اشبیلیہ اور قرطبہ کا قاضی رہا۔ 1182ء میں ابویعقوب یوسف کا معالج خصوصی بن کر مراکش گیا۔ اس کی مشہور کتاب "الكليات في الطب" ہے۔ فلسفے پر کتاب "تہافتہ التہافتہ" ہے۔ جو غزالی کی کتاب "تہافتہ الفلاسفہ" کے جواب میں لکھی گئی۔ ارسطو پر تبصرہ، جامع، تلخیص اور تفسیر کے نام سے ہے۔

فلکیات اور ریاضی:

فلکیات (Astronomy) اور ریاضی میں اندلسی سکالرز، المجریتی (متوفی 1007ء) آف قرطبہ، اشبیلیہ کے ابن افلاح (متوفی1050-1040ء)اورالزرقالی (ofToledo) زیادہ مشہور ہیں۔المجریتی کوحساب کے بے پناہ علم کی وجہ سے " الحاسب " کہتے ہیں۔الزرقالی علم ہیئت میں سب سے نمایاں (اندلس میں) تھے۔ ﴿۴۲۵﴾صفیحہ اس کی مشہور ہیئت کی کتاب ہے جس میں پہلی مرتبہ اس نے نظام شمسی اور ستاروں کی حرکت کا پتہ بتلایا۔ابواسحاق البطروجی بھی بہت بڑا ہیئت دان تھا۔وہ ابن طفیل کا شاگرد تھا۔اس کی کتاب کا نام بھی الہیئتہ ہے۔ ﴿۴۲۶﴾

نباتات اور طب:

طب میں ابوجعفر الغافقی ﴿۴۲۷﴾ کا بڑا نام تھا اس کی کتاب کا نام "الادویۃ المفروۃ ﴿۴۲۸﴾ ہے۔ابن العوام نے زراعت پر مشہور کتاب الفلاحہ لکھی۔نباتات (Botany) اور ادویات (Pharmacy) میں اندلس میں عام طور پر اور مسلمانوں میں خاص طور پر سب سے بڑا نام عبداللہ ابن احمد ابن البیطار کا ہے۔ 1248ء میں دمشق میں جا کر فوت ہوا اس کی دو کتابیں ا۔المغنی فی الادویۃ المفردۃ ۲۔ الجامی فی الادیۃ المفروۃ بہت عظیم اور مشہور کتابیں ہیں۔

اندلس کے بہت زیادہ عرب طبیب (Physicians) ایسے تھے جو پیشے کے لحاظ سے طبیب (Physician, Doctor) تھے۔لیکن طب کے علاوہ اور بہت کام کرتے تھے اور دوسرے میدانوں (Fields) میں بھی شہرت رکھتے تھے۔جیسے ابن رشد ، ہیں۔ وہ بیک وقت بہت بڑے طبیب (Physician) بہت بڑے قانون دان " البدایۃ المجتہد (Islamic Jurisprudence) کتاب بھی لکھی۔اور اسلامی دنیا کے عظیم فلسفی بھی تھے۔اسی طرح ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن میمون تھے۔ لسان الدین ابن الخطیب (Ibn-al-Khatib) بھی بیک وقت، طبیب تاریخ دان، حکومتی امور کے ماہر (Statement) عظیم شاعر اور جغرافیہ دان تھے۔

ابوالقاسم خلف ابن عباس الزہروی، متوفی ۱۰۱۳ء:

بہت بڑے طبیب اور سرجن تھے۔خلیفہ اندلس "دوم "الحکم کے طبیب خاص (Family Physician) تھے۔ابن زہر دوائیوں (Medicine) کی سائنس میں بے مثال تھے۔یہ اندلس کی میڈیکل فیملی جس کا اندلس میں نام تھا، اس کے چشم و

راغ تھے۔ابن زہر (Ibn-Zuhr) 1091 ءاور 1094 ء کے درمیان اشبیلیہ میں پیدا ہوئے۔اور 1161 ء میں اشبیلیہ (Seville) میں ہی فوت ہوئے۔اُن کی مشہور کتاب کا نام "التاثیر فی المداوۃ التد بیر" ہے جو اس نے اپنے دوست ابن رشد کے کہنے پر لکھی۔ابن رشد نے اپنی کتاب "الکلیات" میں ابن زہر کو گیلن (Galen) کے بعد سب سے بڑا طبیب (Physician) قرار دیا ہے۔اسلام میں الرازی کے بعد سب سے بڑا طبیب ہے۔

عبیداللہ ابن المظفر الباحلی متوفی ۱۱۵۴ء:

بہت بڑا طبیب اور عظیم شاعر تھا۔اندلس میں پیدا ہوا اور مشرق میں (Practice) کی 1127 ء میں سلجوق حکمران محمود ابن فلک شاہ کا بغداد میں طبیب خاص بنا۔

ابن میمون:

ابن میمون یہودی تھا۔بڑا فلسفی اور عظیم طبیب تھا۔ابن رشد کے بعد اس کا نام سب سے بڑا ہے۔1135 ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ہجرت کر کے مصر چلا گیا۔صلاح الدین اور اس کے بیٹے الملک العزیز کا فیملی طبیب (Family Physicain) رہا۔ قفطی ﴿۴۲۹﴾ اور ابن اصیبعہ ﴿۴۳۰﴾ کے نزدیک وہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا لیکن اندر خانے یہودیت کا پرچار کرتا تھا۔قاہرہ ہی میں 1204 ء میں فوت ہوا۔اس کی کتاب "الفصول فی الطب" ہے۔اس کا فلسفے پر کام "دلالۃ الحائرین ہے۔

ابن العربی:

ابوبکر محمد ابن علی محی الدین ابن عربی (1165-1240 ء) حاتم طائی کی اولاد میں سے ہیں۔ ﴿۴۳۱﴾ اسلامی صوفی ازم کا علمبردار تھا۔1201-1202 ء تک اشبیلیہ میں رہا۔فارسی (Persian) السہر وردی (متوفی 1191 ء) بھی اسی مکتبہ فکر کا بانی مبانی تھا۔ابن عربی کو ماننے والے اُن کو "الشیخ الاکبر" کہتے ہیں۔مشہور کتابیں یہ ہیں۔الفتوحات المکیۃ ،فصوص الحکمۃ ، کیمیاء سعادت، الاسراء الی مقام الاسراء۔

عبدالحق ابن سبعین (۱۲۱۷-۱۲۹۶ء):

اس کا فلسفہ بھی ابن عربی کی طرح کا تھا۔اس کا لقب قطب الدین تھا۔اس کی کتاب اسرار الحکمۃ المشر قین ہے۔

☆ ☆ ☆

فصل ہشتم

فاطمین مصر (Fatmids): تعلیمی ترقی اور معاشی خوشحالی

فاطمین حکومت کے قیام میں سب سے بڑا ہاتھ اس تحریک کے داعی اعظم (Chief Propagandist) "ابوعبداللہ الحسین الشیعی" ہے۔ جس کی رات دن کی محنت سے فاطمی خلافت/حکومت پہلے (909ء) مراکش میں قائم ہوئی اور پھر اس کے بعد 969ء میں فاطمی وزیر جوہر صقلی کے ہاتھوں (Jawhar Siqilli) مصری حکمران کی شکست کے بعد اس نے مصر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا۔ جوہر صقلی نے تمام ممالک پر قبضہ کرنے کے بعد خلیفہ المعز (Al-Muizz) کو مصر آنے کی دعوت دی ﴿۴۳۲﴾۔ مصر میں ایک خوبصورت شہر القاہرہ بنایا۔ قاہرہ ہی کو دارالخلافہ بنایا اور سابق دارالخلافہ المہدیۃ سے سارا ساز وسامان قاہرہ منتقل کرلیا۔ جامع الازہر کی تعمیر کی جو بعد میں، مسجد سے بڑھ کر ایک بہت بڑی جامعہ (Universitiy) کی شکل اختیار کرگئی۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ اسلامی دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی بن گئی۔ لہٰذا جوہر صقلی، الشیعی کے بعد، فاطمی حکومت کا دوسرا بانی بنا، جواب پورے شمالی افریقہ پر قابض تھی۔ قاہرہ 973ء میں فاطمی حکومت کا دارالخلافہ بن گیا۔ اور 972ء میں اس میں ایک عظیم مسجد، الازہر تعمیر کروائی۔ جوہر نے مصر پر قبضہ کرنے کے بعد ہمسایہ ممالک میں اپنے نمائندے بھیجے کہ وہ فاطمی حکومت کی اطاعت قبول کرلیں اور پھر 969ء میں دمشق پر قبضہ کرلیا ﴿۴۳۳﴾ شام کے کرامطی اس حکومت کے اہم مخالف تھے۔

العزیز (996-975ء) جو کہ فاطمی حکومت کا پانچواں اور مصر میں پہلا حکمران تھا، کے دور میں اپنے عروج اور خوشحالی کی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ بحر اوقیانوس سے لے کر بحیرہ احمر تک اور یمن، مکہ، مدینہ، دمشق اور حتی کہ ایک دفعہ الموصل میں بھی جمعہ کے خطبے میں خلیفہ (فاطمی) کا نام پڑھا جاتا تھا۔ المعز کا سکہ ان سب علاقوں میں بڑی دھوم دھام سے چلتا تھا۔ یہ حکومت ہر لحاظ سے اب بغداد میں عراقی حکومت کے ہم پلہ تھی اور اندلس میں اموی حکومت کی شان وشوکت کا مقابلہ کررہی تھی۔ العزیز نے اپنے محل پر تقریباً بیس لاکھ (Two Million) دینار خرچ کئے ﴿۴۳۴﴾۔ فاطمی حکومت میں العزیز ہی سب سے زیادہ مدبر اور عقلمند خلیفہ تھا اور اسی کا دور ہی سب سے زیادہ خوشحالی اور استحکام کا دور تھا۔ اس نے عیش وعشرت میں زندگی بسر کی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ کئی نئی مسجدیں، محل، نہریں، پل تعمیر کروائے اور عیسائی اور یہودی قوم کے ساتھ نہایت ہی اچھا سلوک کیا۔ اس کا ایک عیسائی وزیر بھی تھا جس کا نام عیسیٰ

بن نطور تھا دربار میں اس کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اسی طرح اس کی ایک بیوی روسی (Russain) تھی۔ غالباً ان دونوں کی وجہ سے بھی اس (العزیز) میں برداشت اور دوسرے مذاہب سے پیار محبت بڑھا۔

علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کی ترقی اور معاشی خوشحالی:

المعز اور العزیز کے دور میں مصر فاطمی دور کے انتہائی عروج کا دور تھا۔ تجارت وصنعت میں ترقی اور دولت کی فراوانی نے علوم فنون کی ترقی کے لیے راستہ ہموار کیا۔ انہیں علوم وفنون کی ترقی نے مصر کو دنیا کے چند انتہائی متمدن اور مہذب ملکوں کی صف میں کھڑا کیا۔ یہاں تک کہ "المستنصر" کے عہد میں بھی مصر تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کے لحاظ سے اسلامی دنیا کے تین مراکز میں سے ایک تھا اور تقریباً ہم پلہ تھا۔ ناصر خسرو ﴿۴۳۵﴾ جو کہ فارسی اسماعیلی مشنری تھا، نے اس دور میں مصر کی سیاحت کی۔ وہ اپنی سیاحت مصر کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ (اس نے 1046ء سے 1049ء تک مصر کی سیاحت کی):"خلیفہ کا محل تیس ہزار (30000) نفوس پر مشتمل تھا جن میں بارہ ہزار (12000) ملازم تھے۔ ایک ہزار ذاتی باڈی گارڈ تھے۔ حکومت کی جانب سے دارالخلافہ میں بیس ہزار 20000 مکان تعمیر شدہ تھے۔ جو کہ عام طور پر پانچ، چھ منزلوں (Stories) پر مشتمل تھے۔ سب کے سب اینٹوں سے پختہ تھے۔ اتنی ہی ان کے ساتھ دوکانیں تھیں جو کرایہ پر دی جاتی تھیں۔ دوکاندار مقررہ ریٹ (Fix-rate) پر چیزیں بیچتے تھے۔ اگر کوئی ہیرا پھیری کرتا یا خلاف ورزی کرتا تو اونٹ پر بٹھا کر گلیوں کا چکر لگاتے۔ ایمانداری کا یہ عالم تھا کہ صراف (Jewellers) اور ساہوکار (Money Changers) بغیر تالا لگائے دوکانیں بند کر جاتے اور کوئی نقصان نہیں ہوتا تھا۔ پرانے فسطاط میں سات بڑی مسجدیں تھیں۔ قاہرہ میں آٹھ تھیں۔ ﴿۴۳۶﴾ ہر طرف خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ اس کی دولت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ اتنی خوشحالی میں نے کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی تھی۔ ﴿۴۳۷﴾ "۔

فاطمی خلفاء میں المستنصر سب سے زیادہ امیر تھا۔ اسے وراثت میں کئی ملین دینار ملے۔ بڑی خوشحال زندگی گزارتا تھا۔ اس نے ایک بہت بڑا محل بنایا جس میں کعبہ نما گھر تھا جس میں شراب پیتا تھا۔ سارا گھریلو استعمال ہونے والا سامان سونے چاندی اور ہیرے جواہرات اور مہنگی دھاتوں کا بنا ہوا تھا ﴿۴۳۸﴾۔

جوہر صقلی:

جوہر صقلی نے جب 969ء کو فسطاط فتح کیا تو اس نے القاہرہ شہر کی بنیاد رکھ دی جو بعد میں علوم وفنون کا مرکز بنا۔ 972ء میں اس نے جامع مسجد الازہر کی بنیاد رکھی۔ جو بعد میں جامعہ ازہر یا ازھر یونیورسٹی بنا اور عالم اسلام کی عظیم دانشگاہ کے طور پر نام پیدا کیا۔ جوہر صقلی نے تمام دنیا سے چوٹی کے علماء کو اکٹھا کیا اور ان کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں۔ انہیں جامعہ ازہر میں استاد رکھا۔ انکی معاشی آسودگی کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کیں اور ان پر بے حساب دولت خرچ کی۔ عزیز باللہ، خلیفہ، کا وزیر یعقوب بن کلس آیا جو یہودی سے مسلمان ہوا تھا۔ اس نے ان اساتذہ اور علماء کی بھاری تنخواہیں مقرر کیں۔ جامعہ ازہر کے قریب ان کی رہائش گاہیں بنائیں ۔ یہ فقہاء ہر نماز کے بعد فقہ جعفریہ کے درس دیتے، وعظ کی مجلسیں قائم کرتے۔ سقوط بغداد کے بعد عہد غلامان میں جب خلافت، ثقافت مصر میں منتقل ہوگئے تو ازہر کا ستارہ عروج پر پہنچ گیا۔

المعز کے مصر میں داخلے سے مصر کو آزادی وخودمختاری، خلافت وازہر جیسی نعمتیں ملیں۔ قاہرہ پر سفید جھنڈا الہرانے لگا جو بغداد کے سیاہ اور قرطبہ کے سبز جھنڈے کا حریف تھا۔ ان تینوں جھنڈوں تلے ادب وثقافت اور علوم وفنون پھلنے پھولنے لگے اور ان کی روشنی سے دنیا منور ہونے لگی۔ ان تینوں حکومتوں کی باہمی کشمکش کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہاں کی حکومتیں شاعروں کو مقرب بنانے، علماء کی حوصلہ افزائی کرنے، مدارس بنانے اور علوم وفنون کی ترقی کے لیے دولت خرچ کرنے میں آپس میں مقابلہ کرنے لگے۔ چنانچہ جس طرح ایشاء میں رشید اور اس کے بیٹے مامون کو شہرت حاصل ہوئی۔ مغرب، اندلس میں عبدالرحمٰن الناصر اور اس کے بیٹے حکم نے شہرت پائی۔ اسی طرح شمالی افریقہ، مصر میں العزیز باللہ اور اس کے بیٹے الحاکم کو شہرت حاصل ہوئی۔ عزیز کو کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس کے کتب خانہ میں ایک لاکھ کتاب جمع ہوگئی تھی اور یہ پورے افریقہ میں سب سے بڑی لائبریری تھی اور قاہرہ پورے افریقہ میں سب سے بڑا علمی مرکز تھا بلکہ دنیا کا تیسرا بڑا علوم وفنون کا مرکز تھا۔ العزیز کے وزیر یعقوب بن کلس (Yaqoob Bin Killis) کو مصر میں ادب پروری اور علم دوستی میں بڑا مقام حاصل ہے۔ اس کے مکان پر فقہا، علماء وفضلاء، شاعروں اور ادیبوں، صناعوں، فنکاروں کا اجتماع ہوتا تھا۔ جنہیں وہ انعامات بخشتا۔ یعقوب کلس، متوفی 991ء بغداد کا یہودی تھا، پھر مسلمان ہوگیا۔ کوفہ میں اپنا کیئریئر شروع کیا۔ اسی کی اعلیٰ حکمت عملی اور انتظامی صلاحیت (Administration) کی وجہ سے فاطمی حکومت میں عام خوشحالی آئی۔ اس نے بیت الحکمۃ (بغداد) کی طرز پر قاہرہ میں ایک ادارے کی بنیاد رکھی۔ جس پر ماہانہ ایک ہزار دینار خرچ کرتا تھا۔ اس

نے دور دراز سے علماء فقہاء، ادباء اور طبیبوں کو بلایا اور انہیں معقول مشاہرے پیش کیے۔ پانچویں صدی کے وسط میں، المعز کے دور کا قاہرہ، تہذیب وتمدن کے اوج کمال تک پہنچ چکا تھا۔ اس کی آبادی انتہائی گنجان ہو چکی تھی۔ علوم وآداب اور دیگر فنون کے ماہروں کی وہاں کثرت ہوگئی تھی۔ اقوام گزشتہ اور قرون ماضیہ کا سرمایہ متروکہ وہاں جمع ہو گیا تھا۔ خلفاء و امراء کے دل پسند مناظر، عمارات، شاندار محلات، عجیب وغریب قبوں کی تعمیر ہو رہی تھی۔ اب دنیا کے ہر میدان میں قاہرہ، بغداد اور قرطبہ کا حریف بن گیا تھا۔ مشہور طبیب (Physician) محمد التمیمی جیسے ماہرین کا چرچہ تھا۔ عربوں اور اسلامی دنیا کے پہلے فلسفی اور مشہور تاریخ دان، ہیئت دان ڈاکٹر محمد ابن یوسف الکندی بھی اسی مصر میں تھے۔ ان کی وفات 961ء میں فسطاط (Fastat) میں ہوئی۔ کتاب الولا اور کتاب القضاۃ کے مصنف ہیں۔ ایک اور تاریخ دان، ابن سلامۃ القضائی بھی 1062ء میں فسطاط میں فوت ہوئے۔ یہ عیون المعارف وفنون اخبار الخلائف کے مصنف بھی ہیں۔ وہ بہت بڑے سکالر تھے۔

العزیز خود بہت بڑا شاعر اور علم پرور تھا۔ فاطمیوں کا سب سے بڑا علمی کام دار الحکمۃ یا دار العلم کا قیام ہے جو الحکم خلیفہ نے 1005ء میں قائم کیا۔ خلیفہ الحکم علم فلکیات اور ہیئت میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے المقطم پر ایک رسدگاہ (Observatory) بھی تعمیر کروائی ہوئی تھی۔ الحکم کے دربار میں علی ابن یونس (متوفی 1009ء) جیسے مشہور ماہر فلکیات (Astronomer) بھی تھے جو مصر کی تاریخ میں سب سے بڑے ہیئت دان تھے۔ علی الحسن ابن الہیثم جیسے مشہور عالم سکالر بھی مصر میں تھے۔ ابن الہیثم (Ibn-al-Haytham) (متوفی 1039ء) بصرہ میں 965ء کے قریب پیدا ہوئے۔ دریائے نیل کے بہاؤ کو روکنے کے لئے مصر آئے اور الحاکم کے دربار میں پہنچے۔ (انہوں نے) ابن الہیثم نے حساب، ہیئت، فلسفے اور طب پر تقریباً ایک صد (100) کتابیں لکھیں۔ سب سے بڑا کام انہوں نے آنکھوں پر کیا۔ آنکھوں پر ان کی مشہور کتاب کا نام " کتاب المناظر " ہے۔

عمار بن علی الموسلی نے بھی خلیفہ الحاکم کے دور میں آنکھ پر ایک مشہور کتاب لکھی جس کا نام "منتخب فی علاج العین " ہے۔ کہا جاتا ہے کہ العزیز کے دور میں خلیفہ کی لائبریری میں ۲ لاکھ (200000) کتابیں تھیں۔ ﴿۴۳۹﴾

فصل نہم

سلطنت عثمانیہ اور اُس کی طاقت و ترقی

دولت عثمانیہ کی بنیاد سلطان عثمان نے 1299ء میں رکھی۔ اپنے باپ ارطغرل کی وفات کے بعد عثمان چونکہ بڑا لڑکا تھا، اس لئے باپ کا جانشین بنا یہ دولت عثمانیہ کا بانی اور اُس کا پہلا تاجدار ہے۔ آخری سلجوقی سلطان علاؤ الدین کی وفات کے بعد سلجوقی حکومت افراتفری کا شکار ہوگئی اور مختلف سرداروں اور امراؤ نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلیں تو عثمان نے بھی اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ دولت عثمانیہ کتاب کا مصنف لکھتا ہے کہ تا تاریوں نے علاؤ الدین اور پھر اُس کے بیٹے غیاث الدین کو قتل کردیا اور ساتھ ہی دولت سلجوقیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اب عثمان (جو سلجوقیہ کا وفادار امیر اور جاگیر تھا) بالکل آزاد اور خود مختار ہوگیا۔ اور آئندہ اُس نے تمام فتوحات ایک خود مختار فرماں روا کی حیثیت سے حاصل کیں ﴿۴۴۰﴾۔ "ایڈورڈ کریزی" کے بقول عثمان نے 1299ء میں اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور خطبہ میں اپنا نام شامل کرلیا۔ اقوام مشرق میں یہ دونوں باتیں خود مختار بادشاہت کی نمایاں علامت سمجھی جاتی ہیں ﴿۴۴۱﴾ اس طرح عثمان نے اس طویل وعریض اور عظیم الشان عثمانی سلطنت کی بنیاد ڈال دی جو ڈیڑھ صد سال کے اندر دنیا کی زبردست طاقتوں میں شمار ہونے لگی اور تین سو برس نہ گزرنے پائے تھے کہ عثمانی سلطنت وسعت اور طاقت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے زیادہ عظیم الشان طاقت بن گئی۔ یہ سلطنت تقریباً سوا چھ سو برس تک قائم رہی اور 1924ء میں اُس وقت اختتام کو پہنچی جب مصطفیٰ کمال اتاترک نے جمہوری حکومت کے قیام کا اعلان کیا۔ اس غیر معمولی طویل عرصے میں 39 عثمانی سلطان جو سب کے سب عثمان ہی کی نسل سے تھے، بڑی شان وشوکت کے ساتھ ترکی اور یورپ کے کچھ حصوں پر حکومت کرتے رہے۔ ﴿۴۴۲﴾۔ لین پال کا بیاں ہے، یورپ کی تاریخ میں کسی ایک خاندان کے مسلسل اتنے طویل عرصے تک حکومت کرنے کی کوئی مثال نہیں ملتی ﴿۴۴۳﴾۔ عثمان کے جانشین ارخان نے یورپ کی طرف بحری مہمات کا آغاز کیا۔ ارخان کے جانشین سلمان پاشا نے 1357ء میں گیلی پولی پر قبضہ کرلیا۔ سلطان مراد اول اور سلطان بایزید نے قسطنطنیہ کے مغرب میں بازنطینی علاقہ فتح کرکے 1361ء میں آڈریانوپل پر قبضہ کرلیا جو 1365ء میں سلطان مراد کا یورپی دارالحکومت بنا۔

1453ء میں سلطان محمد فاتح نے مشرقی سلطنت روما کے دارالحکومت قسطنطنیہ کو فتح کرلیا جو سلطنت عثمانیہ کا دارالحکومت بنا۔ سلطنت کے قیام کے 60 , 70 سال بعد عثمانی سلطنت کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور یورپ کی عیسائی طاقتیں لرز اٹھی تھیں۔ چنانچہ 1365ء میں عیسائیوں کی متحدہ فوج کے ساتھ اورنہ کے قریب سخت معرکہ ہوا اور عثمانی فورس کو فتح ہوئی۔ 1365ء ہی میں سلطان نے مقدونیہ کو

فتح کرلیا، 1452ء میں بلغراد اور سرویا (سربیا) کی ساری سرزمین مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی۔ سربیا کے شہزادے نے بایزید کی سیادت کو تسلیم کرلیا جب 1379ء میں کوسوو فتح ہوا تھا۔ سربیا کے شہزادے سٹیفن نے بایزید کے ساتھ اپنی بہن کا رشتہ بھی کر دیا ﴿۴۴۴﴾۔ محمد فاتح کے جانشینوں نے بلقان کی ریاستوں کو فتح کر کے سلطنت کی سرحدیں دریائے ڈینیوب کے پار آسٹریا تک بڑھا دیں۔ اصل میں جب سلیمان پاشا (اورخان کا بیٹا) نے 1354ء میں گیلی پولی پر قبضہ کیا تو اُس وقت یورپ کی فتح کا دروازہ کھلا اور وہاں سے یورپ میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو دو صدیوں کے اندر گیلی پولی سے ویانا، آسٹریا کی دیواروں تک پھیل گئی۔ سترہویں صدی عیسوی کے آخر تک سلطنت عثمانیہ تین براعظموں .... ایشیا، یورپ، افریقہ پر مسلمانوں کی رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑی اور مدت کے لحاظ سے سب سے طویل سلطنت بن چکی تھی۔ ﴿۴۴۵﴾

عثمانی سلطنت کا عروج اور بے مثال طاقت:

1453ء کو جب قسطنطنیہ فتح ہوا تو اس وقت عثمانیوں کی طاقت اپنے عروج پر تھی۔ روءِ زمین پر عثمانی سلطنت کا مدِ مقابل کوئی نہیں تھا چاروں طرف اُن کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ 28 مئی 1453ء کو سلطان محمد فاتح نے اپنی تمام فوج میں اعلان کروادیا کہ کل (29 مئی 1453) علی الصبح شہر پر ہر طرف سے آخری حملہ ہوگا۔ لشکر کی ہر قسم کی نگرانی کا کام سلطان نے اپنے ذمہ لیا۔ ترکی بحری بیڑہ بھی قسطنطنیہ کی فصیلوں کے قریب آ چکا تھا۔ آخری حملے کی رات پوری ترک فوج اور خود سلطان معظم رات بھر عبادت کرتے رہے۔ ذکر کے حلقے منعقد ہوئے۔ مجاہدین بلند آواز تہلیل و تکبیر میں مشغول رہے۔ "سارے کیمپ میں عزم صمیم، جوش، ولولہ اور قریبی فتح کی ایک عظیم لہر دوڑی ہوئی تھی ﴿۴۴۶﴾ اور دوسری طرف قسطنطنیہ پر خوف و ہراس اور یاس و ناامیدی کے بادل چھائے ہوئے تھے اہل قسطنطنیہ دھڑکتے دلوں کے ساتھ 29 مئی کی صبح کا انتظار کر رہے تھے ﴿۴۴۷﴾۔ ایڈورڈ گبن اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ "شہنشاہ پلیو لوگس کی آخری تقریر رومی سلطنت (Roman Empire) کے جنازے پر تقریر (Funeral Oration) کے مترادف تھی" ﴿۴۴۸﴾ مقابلہ شروع ہوا۔ بقول اسٹیفن زویگ (Stefan Zweig) عزم مصمم کا مقابلہ عزم مصمم سے ہو رہا تھا۔ جتنا حملہ سخت تھا اتنی ہی مدافعت سخت تھی ﴿۴۴۹﴾

> Resolution was matched by resolution, the defence was as vigorous as the attack.

دوسری بات سٹیفن کہتا ہے کہ سلطان بارہ ہزار فوج کی، جو پندرھویں صدی کے یورپ کی بہترین فوج تھی، بنفسِ نفیس

قیادت و راہنمائی کر رہا تھا ﴿۴۵۰﴾۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ شہر پناہ کی فصیل ٹوٹ گئی مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ سلطان سجدے میں گر گیا۔

سلطان محمد فاتح نے اتنی شاندار اور کامیاب جنگیں لڑیں کہ اُن کا شمار دنیا کے عظیم فاتحین میں ہوتا ہے۔ ایڈورڈ کریزی لکھتا ہے۔ سلطان محمد ثانی نے جب قسطنطنیہ فتح کیا تو اُس کی عمر تئیس (23) سال تھی۔ اُس کی یہ عمر سکندر اعظم کی اس وقت کی عمر سے ایک سال زیادہ تھی جب اُس نے گرانیکس (Granicus) کی جنگ لڑی تھی اور ایرانیوں کے مقابلے میں زبردست فتح حاصل کی تھی اور نپولین (Napoleon) کی عمر سے تین سال کم تھی جب اُس نے لودی (Lodi) کے مقام پر اپنی فوجوں کی کمان کی تھی۔ (اور آسٹریلیا کو زبردست شکست دی تھی) سلطان محمد کی مسلسل جنگوں اور فتوحات کا جو اس کے تیس سالہ عہد حکومت میں بھری پڑی ہیں، مقابلہ متذکرہ بالا دونوں فاتحین کی مہمات سے کیا جا سکتا ہے۔ ﴿۴۵۱﴾ قسطنطنیہ کی عبرتناک شکست کے نتیجے میں گیارہ صدیوں سے قائم شدہ بازنطینی ریاست (Byzentine Empire) اور سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کیلئے یورپ میں فتوحات کی مزید راہیں کھل گئیں اور جلد ہی انہوں نے دریائے ڈینیوب (Danube) تک پیش قدمی کر کے جنوب مشرقی یورپ پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ آبنائے فاسفورس اور وردانیال پر قابض ہو کر انہوں نے ایک طرف مشرقی جانب روس کی پیش قدمی کا راستہ بند کر دیا اور دوسری طرف مشرق و مغرب کو ملانے والے اہم بری اور بحری راستوں پر اپنا کنٹرول قائم کر لیا۔ ﴿۴۵۲﴾

ایک امریکی مصنف ولیم ایل لینگر کہتا ہے کہ ترکوں کے قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد تمام جنوب مشرقی یورپ اُن کا محکوم بن گیا اور یونان، بلغاریہ، سرویا، رومانیہ اور ہنگری کے باشندے یکے بعد دیگرے اُن کے تسلط میں آ گئے۔ حتٰی کہ وہ ویانا کی دیواروں تک پہنچ گئے ﴿۴۵۳﴾۔ سٹیفن کہتا ہے قسطنطنیہ کے زوال کی خبر پوری دنیائے عسائیت میں گونج گئی اور اس نے تمام مغربی یورپ کو ہلا کر رکھ دیا ﴿۴۵۴﴾۔ یہ وہ وقت تھا جب یورپ آپس کی خانہ جنگی میں تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ فرانس اور برطانیہ کی سو سالہ طویل جنگ نے اُن دونوں طاقتوں کو بالکل تباہ کر دیا تھا۔ پوپ پیوس دوم نے جب عیسائی دنیا کو ترکی کے خلاف ایک سخت قسم کی صلیبی جنگ کے لئے تیار کرنا چاہا تو اکثر طاقتوں نے اپنے حالات کا بہانہ بنا کر ترکوں کے خلاف جنگ کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ 1454ء میں اگرچہ بلغراد کے محاصرے میں مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی اور 65 سال بعد سلیمان اعظم نے 1521ء میں اسے فتح کیا۔ لیکن 1459ء میں سلطان نے سرویا کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں ملا لیا اور چار سال بعد بوسنیا بھی عثمانی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ اُس کے بعد ایشیا کوچک کی اہم ریاست کرمانیہ کو سلطنت میں شامل کر لیا۔ پھر طرابزوں اور سینوپ پر قبضہ کر کے پورے ایشیا کوچک پر قبضہ کر لیا

۔اُس کے بعد البانیہ فتح ہوا۔ 1475ء میں دولت عباسیہ کے مشہور سپہ سالار صدر اعظم احمد کرک نے کریمیا (Crimea) کو فتح کرلیا۔ پھر جینوا (Genoa) اور وینس (Venice) پر چڑھائی کی۔ جینوا والوں کے پاس مجمع الجزائر، یونان کے کچھ جزیرے تھے اور کریمیا کے بعض علاقے بھی تھے۔ سلطان نے ان سب کو فتح کرلیا۔ وینس کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا جو سو سال جاری رہا۔ آخرکار وینس والوں نے صلح نامہ لکھ دیا اور اُن کی خلاصی ہوئی ﴿۴۵۵﴾ مصری مصنف ڈاکٹر محمد مصطفےٰ صفوت کے مطابق، سلطان محمد ثانی (الفاتح) نے اپنے عہد حکومت میں دولت عثمانیہ کو پندرھویں صدی کی سب سے زیادہ طاقتور سلطنت بنا دیا تھا جو دریائے فرات کے بالائی حصے سے لے کر بحر ایڈریاٹک تک اور بحیرہ روم سے لے کر دریائے ڈینیوب اور کریمیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایشیائے کوچک اور بلقان میں جو طاقتیں ترکوں کے خلاف سرگرم عمل تھیں اُس نے انہیں بڑی طرح شکست دے کر اُن میں دوبارہ اُٹھنے کی ہمت نہ چھوڑی، قسطنطنیہ فتح کر کے مسلمانوں کی 800 سالہ دیرینہ تمنا پوری کر دی۔ ﴿۴۵۶﴾

قسطنطنیہ کا تعارف:

قسطنطنیہ کی بنیاد بائزنطیم (Byzentium) کے نام سے 658 ق م (قبل مسیح) میں پڑی۔ اُس وقت سے لے کر سلطان کے ہاتھوں فتح تک 29 بار اس شہر کا محاصرہ ہوا لیکن صرف 8 (آٹھ) محاصرے کامیاب ہوئے قسطنطنیہ شہر (Constentinople) مشہور رومی شہنشاہ کانسٹائن (Constine) (قسطنطین اعظم) نے آبنائے باسفورس کے ساحل پر ایک پرانی بستی کے کھنڈر ہموار کر کے تعمیر کیا تھا۔ چونکہ یہ شہر دفاعی لحاظ سے بہت محفوظ تھا اس لئے شہنشاہ نے اسے اپنا دارلحکومت بنالیا ۔اس شہر نے جلد ثقافتی، علمی، مذہبی اور تجارتی حیثیت اختیار کرلی۔ جس دور میں اسلامی اسپین کے علاوہ باقی تمام یورپ میں جہالت اور اندھیرا تھا، اُس وقت اکیلا قسطنطنیہ پورے یورپ میں روشنی اور علم کا مینار تھا۔ قسطنطنیہ ایک ہزار سال تک مشرق و مغرب کے لوگوں کی نظروں کا مرکز رہا۔ پورے یورپ سے ہر نسل کے لوگ یہاں کے باشندے تھے جس طرح آج امریکہ میں پوری دنیا کے ہر نسل کے لوگ رہتے ہیں۔ لندن میں دنیا کا ہر نسل کا آدمی موجود ہے۔ لیکن قسطنطنیہ عیسائیت کا مرکز تھا۔ بلند و بالا عمارتوں اور رفیع الشان محلات کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہاں کے گرجا گھر، ثقافتی مرکز، تعلیمی ادارے اس کی زینت تھے۔ قسطنطنیہ کی یونیورسٹی یونانی ثقافت کا مرکز تھی۔ یہیں سے اطالویوں نے افلاطون کے فلسفے کی تعلیم حاصل کی اور یہاں سے ہی عربوں نے رومی قانون اور یونانی ثقافت اور

فلسفے میں کمال حاصل کیا۔حضور علیہ السلام کی پیشگوئی تھی کہ،میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگی۔اُس کو اللہ نے بخش دیا ہے۔

حکمرانوں کی قابلیت:

عثمانی سلطنت کے حکمرانوں کی اکثریت پڑھی لکھی اور قابل تھی۔ول ڈیورنٹ (Will Durent) کے مطابق " محمد ثانی تہذیب تمدن کا دلدادہ تھا۔فتوحات،سیاسی فہم فراست اور عہد حکومت کی طوالت میں اپنے باپ کا ہمصر تھا۔لیکن انصاف اور شرافت میں نہیں ......وہ پانچ زبانیں بول سکتا تھا۔اُس نے کئی زبانوں کے لٹریچر کا بہت اچھی طرح مطالعہ کیا تھا۔ ریاضی اور انجینئر نگ میں اسے بڑی مہارت تھی۔اُس نے علوم وفنون کی سرپرستی کی۔اُس نے تیس عثمانی شعراء کو وظائف دیئے۔ایران اور ہندوستانی شعراء کو تحائف روانہ کئے۔سلطان نے اچھے کاموں کے باپ (Father of good works) کا نام یا لقب حاصل کیا۔محمد فتح کا آقا بھی تھا (Sire of Victory)۔اُسنے اور اُسکے پوتوں نے بحر اسود کو ترکی جھیل بنا دیا ﴿۴۵۷﴾ عثمانیوں نے اپنی سلطنت میں بڑے بڑے تعلیمی ادارے،مدارس،کالج اور دانش گاہیں قائم کیں۔یہ ہزاروں ادارے اکثر مسجدوں سے ملحق ہوتے۔ان میں لاکھوں بچے تعلیم حاصل کرتے۔مسلمان حکمران کا مصنف لکھتا ہے کہ محمد فاتح کی پوری مملکت میں کوئی بڑا گاؤں ایسا نہیں تھا جس میں ایک اچھی تعلیم گاہ نہ قائم کی گئی ہو اور جس میں ہر بچے کی تعلیم کی نگرانی اور ذمہ داری اُس نے سرکاری خزانہ پر نہ ڈالی ہو۔محمد فاتح پہلا تاجدار تھا جس نے پوری سلطنت میں تعلیمی اداروں کا جال بچھا دیا جس سے ترکوں کی اکثریت تعلیم یافتہ ہوگئی۔ ﴿۴۵۸﴾

اسی طرح علماء کا بے حد احترام تھا۔ڈاکٹر یوسف گورایہ کے مطابق سلطنت کا پورا نظام تعلیم مذہبی تھا۔پوری سلطنت میں قاضی کورٹس قائم تھیں۔سلطنت کے تمام نونہال علماء کی گود میں پرورش پاتے تھے۔علماء پوری قوم کی تربیت کرتے تھے۔شیخ الاسلام کا مذہبی اور خود مختار ادارہ موجود تھا۔" جو اتنا با اختیار تھا کہ خود سلطان کو معزول کر سکتا تھا" ﴿۴۵۹﴾۔ولیم پکھتال لکھتا ہے عثمانی سلطنت اپنے عروج کے زمانہ میں شان وشوکت،عظمت وسطوت کے لحاظ سے اکبر،جہانگیر،شاہ جہاں اور اورنگزیب کی سلطنت سے کسی طور کم نہ تھی۔تیسری اسلامی زبان (ترکی) نے ....ایک اصول ادب پیدا کیا۔ترکی ادب اپنی دل نشینی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ ﴿۴۶۰﴾

انتہائی عروج:

سلیم کے بعد اُس کا بیٹا سلیمان تخت نشین (926-975-1520-1566) ہوا جس کے دور میں عثمانی سلطنت اپنے عروج کو پہنچی۔ اس کو سلیمان القانونی یا سلیمان اعظم القانونی بھی کہا جاتا ہے۔ P.K Hitti کہتا ہے۔

Most of North African conquests were achieved during the reig of Sulayman I (1520-1566)............under whom the Ottoman empire hit the Zenith of its might. ﴿۲۶۱﴾

سلیمان قانونی نے اپنے دور میں یمن، حبشہ، عراق، طرابلس، برقہ، ٹیونس، الجزائر، صحراءِ کبریٰ اور سوڈان کو فتح کیا اور اپنی سلطنت میں شامل کرلیا دوسری جانب روم، ہنگری، سرویا، بلغاریہ، بوسنیا اور البانیہ کو مکمل طور پر فتح کر کے تمام جزیرہ نمائے بلقان پر قبضہ کرلیا جو 1829ء تک قائم رہا۔ قلعہ بلغراد اور جزیرہ روڈس (Rehodes) صلیبی جنگجوؤں کا مرکز تھا۔ سلیمان نے ان دونوں کو فتح کرلیا۔ روڈس فتح ہونے سے بحرِ روم پر بھی ترکوں کا مکمل اقتدار قائم ہوگیا۔" اب سلطنت عثمانیہ اپنی بری اور بحری، دونوں طاقتوں کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی طاقتور اور با اختیار حکومت ہوگئی جس کی حدود پوڈولیا اور بوواسے مصر تک اور فرات سے جبرالٹر تک پھیلی ہوئی تھیں" ﴿۲۶۲﴾۔ اس طرح سلیمان قانونی یورپ، افریقہ اور ایشیا، تین براعظموں کے بہت سے ممالک کا فرما نروا اور بحرروم اور بحراحمر (Red Sea) ، دو اہم بحروں کا بادشاہ تھا جس کی مثال اُس وقت پورے عالم میں نہیں ملتی تھی۔ سلیمان کی سلطنت میں بیس (20) مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ عثمانی فوج اپنی تنظیم اور ساز و سامان میں مسیحی فوجوں سے بہت آگے تھی۔ توپ خانوں کی تعداد اور قوت کے علاوہ قلعہ بندی اور قلعہ سازی اور فوجی انجینئر نگ کی تمام شاخوں میں ترک حکومت یورپ کی سلطنتوں سے بہت زیادہ فوقیت رکھتی تھی۔

اسطرح رفاہِ عامہ کے کام بھی بڑھ چڑھ کر کیے۔ سلیمان نے قسطنطنیہ میں ایک نہر بنوائی، مکہ معظمہ میں پرانی نہروں کی مرمت کروائی۔ سلطنت کے تمام بڑے بڑے شہروں میں شفاخانے اور پل تعمیر کروائے۔ حرمین شریفین کو غلہ اور چندہ کی مد میں اضافہ کردیا۔

......☆......☆......☆......

باب سوئم

حوالہ جات

۱۔ العلق : ۱ تا ۵

۲۔ P.K.Hitti, History of the Arabs Page: 306

۳۔ عبدالبر سے روایت، بحوالہ تاریخ الحضارہ الاسلامیہ

۴۔ مسند احمد، ج ۱، ص : ۲۴۶

۵۔ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، ج ۱، ص : ۴۷

۶۔ البقرہ : ۲۴۷

۷۔ احیاء العلوم، ج ۱ باب علم کے بیان میں

۸۔ البقرہ : ۳۱

۹۔ المجادلہ : ۱۱

۱۰۔ Will Durant The Story of Civilization, Vol-1

۱۱۔ العلق : ۱ تا ۵

۱۲۔ آل عمران : ۱۸

۱۳۔ النساء : ۱۱۳

۱۴۔ المجادلۃ : ۱۱

۱۵۔ الزمر : ۹

۱۶۔ النحل : ۴۳

۱۷۔ طٰہٰ : ۱۱۴

۱۸۔ سباء : ۶

۱۹۔ فاطر : ۲۸

۲۰۔ عبدالبر سے روایت، بحوالہ تاریخ الحضارہ الاسلامیۃ

۲۱۔ الترمذی

۲۲۔ الصحیح المسلم

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ابوداؤد

۲۵۔ بحوالہ "Ameer Ali "The Spirit of Islam

۲۶۔ مصباح الشرعیۃ بحوالہ The Spirit of Islam

۲۷۔ آل عمران : ۱۶۴

۲۸۔ الصحیح المسلم

۲۹۔ اسے ابونعیم نے روایت کیا

۳۰۔ شبلی، الفاروق ، ص : ۵۲

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ بلاذری، فتوح البلدان ص : ۴۷۱

۳۳۔ شبلی، الفاروق، ص : ۳۷۴

۳۴۔ مسند دارمی

۳۵۔ قاضی عبدالبر، استیعاب، ازالۃ الخفا، حصہ دوئم ص : ۱۸۵

۳۶۔ الفاروق ،ص: ۳۵۰

۳۷۔ ازالۃ الخفاء، حصہ اوّل، ص : ۴۱۹

۳۸۔ علامہ ذھبی، تذکرۃ الحفاظ، ذکر ابی موسیٰ اشعری

۳۹۔ الفاروق ص : ۳۶۹

۴۰۔ ازالۃ الخفا ،ص : ۱۹۳

۴۱۔ قلمی نسخہ ہے، بحوالہ شبلی ص : ۳۶۶

۴۲۔ البیان والتبیین (مطبوعہ مصر) ص: ۹۷

۴۳۔ کتاب الاغانی، تذکرہ نابغہ

۴۴۔ کتاب العمدہ، باب المشاہیر من الشعراء

۴۵۔ الصحیح البخاری

۴۶۔ مسند دارمی، مطبوعہ کانپور، ص: ۶۲

۴۷۔ کنز العمال بروایۃ بیہقی، ج ۱، ص : ۲۳۳

۴۸۔ الفاروق ، ص : ۲۶۱

۴۹۔ تاریخ مقریزی، ص : ۲۶

۵۰۔ فتوح البلدان ، ص : ۲۶۵

۵۱۔ ایضاً ، ص : ۲۸۰

۵۲۔ الفاروق ، ص: ۲۶۲

۵۳۔ طبری، واقعات جنگ فارس

۵۴۔ مقریزی، ج ، ۱ ص : ۸۹

۵۵۔ معجم البلدان ذکر قنطرۃ سنان

۵۶۔ الصحیح البخاری ج ۲، باب جمع القرآن۔

۵۷۔ کنز العمال ج ۲، ص : ۷۹

۵۸۔ سیرۃ العمرین لابن جوزی۔

۵۹۔ کتاب الاغانی جزو ۱۶ ، ص : ۵۸

۶۰۔ کنز العمال ج ۱، ص : ۲۸۱۔

۶۱۔ ایضاً، ص : ۲۲۴

۶۲۔ ایضاً۔

۶۳۔ ایضاً۔

۶۴۔ کتاب الخراج، ص ، ۶۷

۶۵۔ الفاروق، ص : ۲۷۲۔

۶۶۔ ازالۃ الخفاء ،حصہ دوم، ص : ۶

۶۷۔ ابن سعید، ج ۱، ص : ۱۱۶، بحوالہ تاریخ اسلام،ندوی، ص : ۱۲۲

۶۸۔ اخبار الطوال،ابوحنیفہ دیناوری۔

۶۹۔ طبری، ج ۴، ص : ۲۰۲۷۔۲۰۲۸۔

۷۰۔ ایضاً، ص : ۲۰۳۷۔۲۰۴۱۔

۷۱۔ ابن خلدون، ج ۲، ص : ۸۱۔

۷۲۔ ابن اثیر، ج ۲ ،ص : ۳۰۳۔

۷۳۔ بلازری، فتوح البلدان، ص : ۱۱۵۔

۷۴۔ ایضاً ، ص ، ۱۱۹۔

۷۵۔ ندوی، تاریخ اسلام، ص :۱۲۹۔

۷۶۔ ابن سعد ، ج ۱۔

۷۷۔ ایضاً۔

۷۸۔ بلازری،معجم البلدان ص : ۲۴۴،بحوالہ Hitti، ص : ۱۵۷۔

۷۹۔ Hitti، ص : ۱۵۶۔

۸۰۔ ایضاً، ص : ۱۵۶۔

۸۱۔ الفاروق، ص : ۱۱۷۔

۸۲۔ ایضاً، ص ، ۱۱۸۔

۸۳۔ یہ سارے حالات شبلی، ہٹی معین الدین ندوی اور مظہر الحق کی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

۸۴۔ Hitti Page: 150۔

۸۵۔ مظہر الحق، ص : ۲۳۹۔

۸۶۔ ہٹی، ص : ۱۵۸۔

۸۷۔ مظہر الحق، ص : ۲۳۹۔

۸۸۔ حمید الدین، ڈاکٹر، تاریخ اسلام، ص : ۳۳۰۔

۸۹۔ ایضاً، ص : ۴۳۵۔

۹۰۔ مظہر الحق، ص : ۲۳۹۔

۹۱۔ الفاروق، ص : ۱۱۹۔

۹۲۔ ایضاً۔

۹۳۔ ایضاً۔

۹۴۔ مظہر الحق، ص : ۲۴۰۔

۹۵۔ ایضاً۔

۹۶۔ ایضاً، ص : ۲۴۱۔

۹۷۔ الفاروق، ص : ۱۲۰۔

۹۸۔ Hitti, Page: 175

۹۹۔ ایضاً۔

۱۰۰۔ یعقوبی، ص : ۲۳۰ (نفیس اکیڈمی کراچی)۔

۱۰۱۔ ایضاً ص : ۳۳۲۔

۱۰۲۔ ایضاً، ص : ۲۴۰۔

۱۰۳۔ ایضاً ص : ۲۴۲۔

۱۰۴۔ ایضاً ص : ۲۴۳۔

۱۰۵۔ ایضاً ص : ۲۴۴۔

۱۰۶۔ ایضاً ص : ۲۴۷۔

۱۰۷۔ ایضاً ص : ۲۴۷۔

۱۰۸۔ الفاروق، ص : ۲۰۹۔

۱۰۹۔ ایضاً، ص : ۲۰۸۔

۱۱۰۔ تاریخ طبری، ج ۴، ص : ۲۰۸۳۔

۱۱۱۔ ندوی، تاریخ اسلام، ص : ۱۳۵۔

۱۱۲۔ ایضاً ص : ۱۱۷۔

۱۱۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص : ۱۲۹۔

۱۱۴۔ طبری، ص : ۱۸۵۰۔

۱۱۵۔ ایضاً ص : ۲۵۷۴۔

۱۱۶۔ کنز العمال، ج ۳، ص: ۱۳۹۔

۱۱۷۔ کتاب الخراج، ص : ٦۷۔

۱۱۸۔ ایضاً، ص : ٦٦۔

۱۱۹۔ فتوح البلدان، ص : ۲۲٦۔

۱۲۰۔ فتوح القدیر حاشیہ بدایہ، ج ۳،ص : ۲۴۷۔

۱۲۱۔ کتاب الخراج اور فتوح البلدان میں تفصیل موجود ہے۔

۱۲۲۔ اسد الغابہ تذکرۃ مغیرہ بن شعبہ، بحوالہ الفاروق، ص ، ۹۲۔

۱۲۳۔ کنز العمال، ج ۲، ص : ۳۲۰۔

۱۲۴۔ یعقوبی، ج ۲، ص : ۱۷۷۔

۱۲۵۔ کنزالعمال، ج ٦، ص : ۳۴۳۔

۱۲٦۔ ندوی،تاریخ اسلام، ص : ۱۹۳۔

۱۲۷۔ کنزالعمال، ج ٦، حالات حضرت عمرؓ۔

۱۲۸۔ ایضاً ص : ۲۵۰۔

۱۲۹۔ ایضاً ص : ۲۵٦۔

۱۳۰۔ ایضاً ص : ۳۵۷۔

۱۳۱۔ الفاروق، ص : ۳۰۴۔

۱۳۲۔ ایضاً۔

۱۳۳۔ یعقوبی، ج ۲، ص : ۲۔

۱۳۴۔ حمیدالدین،ڈاکٹر،تاریخ اسلام، ص : ۲۱۴۔

۱۳۵۔ ایضاً ص : ۲۱۴(حاشیہ)۔

۱۳٦۔ ایضاً ص : ۲۱۷۔

۱۳۷۔ ابن سعد، ج۳، ص : ۴۹۔

۱۳۸۔ مسنداحمد بن حنبل ج ۱،ص : ٦۷۔

۱۳۹۔ ابن اثیر، ج ۳، ص : ۱٦۰۔

۱۴۰۔ ایضاً۔

۱۴۱۔ نووی، تہذیب الاسماء، ص : ۳۴۵۔

۱۴۲۔ یعقوبی، ج ۲، ص : ۲۴۰۔

۱۴۳۔ Hittii، ص : ۱۷۵۔

۱۴۴۔ ایضاً، ص : ۱۸۹۔

۱۴۵۔ ایضاً۔

۱۴۶۔ ایضاً۔

۱۴۷۔ ایضاً۔

۱۴۸۔ ایضاً۔

۱۴۹۔ ایضاً۔

۱۵۰۔ طبری، ج ۲، ص ، ۸۶۔

۱۵۱۔ J.B.Bury, History of the later Roman Empire (London, 1899)Vol-2 Page: 310

۱۵۲۔ طبری، ج ۳، ص : ۱۳۴۶۔

۱۵۳۔ تاریخ الیعقوبی ج ۲، ص : ۳۹(اردو)۔

۱۵۴۔ تفصیلات کیلئے تاریخ الیعقوبی، ج ۲، ص : ۳۹۴، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

۱۵۵۔ رومی حملے کی تفصیلات کیلئے ہٹی، بلاذری، یعقوبی تاریخ اسلام معین الدین طبری سے مواد حاصل کیا۔

۱۵۶۔ خراج کی ساری تفصیلات تاریخ الیعقوبی، ص : ۳۸۴اور۳۸۵سے لے گئی ہیں۔

۱۵۷۔ معین الدین ندوی، ج ۲، ص : ۲۵۔

۱۵۸۔ حسن المحاضرہ، ج ۲، ص : ۱۹۹۔

۱۵۹۔ فتوح البلدان، ص : ۱۴۴۔

۱۶۰۔ ایضاً۔

۱۶۱۔ ایضاً۔

۱۶۲۔ ندوی، ج ۲، ص :۳۵۔

۱۶۳۔ ایضاً۔

۱۶۴۔ وفاءالوفاء، ج۲، ص : ۲۳۷۔

۱۶۵۔ معجم البلدان، ذکر قیروان۔

۱۶۶۔ فتوح البلدان، ص : ۱۵۴۔

۱۶۷۔ اثر الغالیۃ،ج ۴، ص : ۳۸۷۔

۱۶۸۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص : ۵۵۔

۱۶۹۔ ہٹی ص : ۲۰۶۔

۱۷۰۔ ایضاً۔

۱۷۱۔ ابن رسطا ص: ۲۱۶،ابن درید،اشتقاق، ص : ۱۸۷۔

۱۷۲۔ یعقوبی ج ۲، ص : ۳۲۶ بحوالہ ہٹی، ص : ۲۰۷۔

۱۷۳۔ ہٹی، ص : ۲۰۹۔

۱۷۴۔ ایضاً ص : ۲۱۰۔

۱۷۵۔ ایضاً ص : ۲۱۰۔

۱۷۶۔ ایضاً ص : ۲۱۲۔

۱۷۷۔ ایضاً ص : ۲۱۵۔

۱۷۸۔ ایضاً۔

۱۷۹۔ مسعودی، ج ۵، ص : ۱۹۵۔

۱۸۰۔ Hitti، ص : ۲۲۶۔

۱۸۱۔ استخری، ص : ۸۰۔

۱۸۲۔ ابن خلقان، ج ۱، ص : ۳۰۔۲۲۹۔

۱۸۳۔ یعقوبی،ج ۳، ص : ۴۰۲۔

۱۸۴۔ ابن ابی اصیبعہ ،عیون الانباء فی طبقات الاطباء،(مطبوعہ قاہرہ ۱۸۸۲) ج ۱، ص ۱۰۹۔

۱۸۵۔ قفطی ،حکماء، ص : ۱۶۱۔

۱۸۶۔ ابن ابی اصیبعہ ،ج ۱، ص : ۱۱۶۔

۱۸۷۔ ایضاً۔

۱۸۸۔ ابن العبری، ص : ۱۹۲۔

۱۸۹۔ ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص : ۱۱۶۔

۱۹۰۔ ہٹی ص : ۲۵۵۔

۱۹۱۔ ابن خلقان ج ۱، ص : ۱۸۵۔

۱۹۲۔ ندوی، تاریخ اسلام، ج ۲، ص : ۱۱۰۔

۱۹۳۔ ایضاً ص : ۱۱۰۔

۱۹۴۔ تاریخ الخلفاء، ص : ۲۱۶۔

۱۹۵۔ ایضاً ص : ۲۱۷۔

۱۹۶۔ مسعودی ص : ۲۳۶۔

۱۹۷۔ ذھبی، میزان الاعتدال، ج ۲، ص : ۱۹۷۔

۱۹۸۔ بلازری، ص : ۴۴۵۔

۱۹۹۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ، ج ۲، ص : ۶۱۔

۲۰۰۔ ندوی، تاریخ اسلام، ج ۲، ص : ۱۳۴۔

۲۰۱۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ، ج ۲، ص : ۶۱۔

۲۰۲۔ ایضاً ص : ۶۳۔۶۴۔

۲۰۳۔ ندوی، تاریخ اسلام، ج ۲، ص : ۱۳۸۔

۲۰۴۔ مال غنیمت کی تفصیل المقری، ابن قتیبہ اور ابن اثیر وغیرہ سب نے لکھی ہے۔

۲۰۵۔ نفح الطیب، ج ۱، ص : ۱۲۴۔۱۲۵۔

۲۰۶۔ ہٹی، ص : ۸۹۔

۲۰۷۔ تاریخ البغداد، ج ۱، ص : ۶۹۔۷۰۔

۲۰۸۔ طبری، ج ۳، ص : ۲۷۶۔

۲۰۹۔ مظہرالحق، ص : ۵۷۱۔

۲۱۰۔ خطیب بغدادی، ج ۱، ص : ۷۳۔

۲۱۱۔ یاقوت، ج ۱، ص : ۶۸۳۔

۲۱۲۔ ابن الفقیہ، ص : ۳۲۲ تا ۳۲۴۔

۲۱۳۔ طبری، ج ۲، ص : ۸۴۰۔

۲۱۴۔ ابن الفقیہ، ص : ۳۱۴۔

۲۱۵۔ ابن الاثیر، ج ۲، ص : ۱۳۔

۲۱۶۔ یعقوبی، ج ۲، ص : ۵۲۰۔

۲۱۷۔ طبری، ج ۳، ص : ۶۷۴۔۶۷۶۔

۲۱۸۔ عقدالفرید، ج ۳، ص : ۲۸۔

۲۱۹۔ طبری، ج ۳، ص : ۶۷۶۔۶۷۷،ابن خلدون، ج ۳، ص : ۲۲۳۔۲۲۴۔

۲۲۰۔ Hitti, History Page: 297

۲۲۱۔ الثعالبی، لطائف المعارف،مؤلف پی دی جانگ، ص : ۷۱۔

۲۲۲۔ Hitti, Page: 298۔

۲۲۳۔ Enginhard, vie de Charlemag (Ed. and Tr. Halphen 1923) Page: 47

۲۲۴۔ کتاب العیون، حصہ ۳ ، ص : ۲۷۸، یعقوبی ، ج ۲، ص : ۴۸۶۔

۲۲۵۔ طبری، ج ۳، ص : ۵۰۴۔

۲۲۶۔ Vasilev, Vol-1 Page: 287

۲۲۷۔ Hitti , Page: 300

۲۲۸۔ یعقوبی، ج ۲، ص : ۵۱۹، دیناوری، ص : ۳۸۶،بحوالہ ہٹی، ص :۳۰۰۔

۲۲۹۔ ہٹی، ص : ۳۰۰۔

۲۳۰۔ Hitti, P:300۔

۲۳۱۔ مسعودی، ج ۸، ص : ۲۹۸۔۲۹۹۔

۲۳۲۔ کتاب الاغانی، ج ۹، ص : ۸۳۔

۲۳۳۔ ابن خلقان(ج ا، ص : ۱۶۶) کہتا ہے کہ بوران کی عمر اس دس سال تھی۔

۲۳۴۔ ہٹی، ص : ۳۰۲۔

۲۳۵۔ ایضاً ص : ۳۰۳۔

۲۳۶۔ آغانی، ج ۹، ص : ۷۱۔

۲۳۷۔ ابن الاثیر، ج ۶، ص : ۲۰۷۔

۲۳۸۔ ایضاً ص : ۳۰۶، طبری، ج ۳، ص : ۹۵۱۔۹۵۳۔

۲۳۹۔ ثعالبی، ص : ۱۶۔

۲۴۰۔ ہٹی، ص : ۳۰۷۔

۲۴۱۔ القاضی الاندلسی، طبقات الامم(بیروت۱۹۱۲ء) ص: ۴۹۔۵۰۔

۲۴۲۔ فہرست، ص : ۲۷۴۔

۲۴۳۔ نو بخت یعنی خوش قسمت اس کے خاندان کے دوسرے لوگوں نے بھی ترجمے کیے۔

۲۴۴۔ ابن المقفع ایرانی نژاد تھا۔

۲۴۵۔ ابن العمری، ص : ۲۲۶۔۲۲۷۔ قفطی، ص : ۱۳۴۔۱۳۵۔

۲۴۶۔ یعقوبی ج ا، ص : ۴۸۶۔

۲۴۷۔ ہٹی، ص : ۳۱۰۔

۲۴۸۔ ڈاکٹر حمید الدین، ص : ۵۱۰۔

۲۴۹۔ ابن خلدون، مقدمہ، ص : ۴۰۱، ہٹی،تاریخ ص :۳۱۰۔

۲۵۰۔ ڈاکٹرحمید الدین،تاریخ اسلام، ص: ۵۰۹۔

۲۵۱۔ مظہرالحق، ص : ۶۰۷۔

۲۵۲۔ Hitti, Page: 310

۲۵۳۔ ایضاً۔

۲۵۴۔ فہرست، ص : ۲۷۳۔

۲۵۵۔ مسعودی، ج ۸، ص : ۲۱۹۔

۲۵۶۔ ابن عبری، ص : ۲۲۷۔

۲۵۷۔ ابن خلقان، ج ۱، ص : ۱۱۶۔

۲۵۸۔ ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص : ۲۰۳،۱۸۷۔

۲۵۹۔ ایضاً ص : ۲۲۴۔

۲۶۰۔ فہرست، ص : ۲۴۹۔

۲۶۱۔ ایضاً ص : ۲۹۸۔

۲۶۲۔ ایضاً ص : ۲۴۸۔

۲۶۳۔ ہٹی، ص : ۳۱۳۔

۲۶۴۔ حمیدالدین،ڈاکٹر،ص : ۵۱۰۔

۲۶۵۔ ابن خلقان، ج ۱، ص : ۲۹۸،۱۷۷۔

۲۶۶۔ ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص : ۲۱۶، ہٹی ،ص : ۳۱۴۔

۲۶۷۔ فہرست، ص : ۲۵۶۔

۲۶۸۔ ایضاً ج ۱، ص : ۵۷۔

۲۶۹۔ ایضاً ص : ۲۶۴۔

۲۷۰۔ ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص : ۵۷۔

۲۷۱۔ ہٹی ، ص : ۳۱۵۔

۲۷۲۔ ہٹی ، ص : ۱۷۱، (حاشیہ)۔

۲۷۳۔ حمیدالدین،ڈاکٹر،تاریخ اسلام، ص : ۴۳۵۔

۲۷۴۔ خطیب بغدادی، ج ۱، ص : ۷۰۔

۲۷۵۔ طبری، ج ۳، ص : ۴۱۔

۲۷۶۔ ایضاً۔

۲۷۷۔ طبری، ج ۳، ص : ۸۳۰۔

۲۷۸۔علامہ سیوطی حسن، ج۲،ص: ۱۰۰۔

۲۷۹۔ ہٹی، ص : ۳۲۷۔ ۲۸۰۔ مقدمہ، ص : ۱۵۱۔۲۸۱۔ قدامۃ،خراج ص : ۲۳۷۔

۲۸۲۔ مسعودی، ج ۶، ص : ۲۳۳۔

۲۸۳۔ ہٹی، ص : ۳۲۱۔

۲۸۴۔ ثعالبی،لطائف ص : ۷۲۔

۲۸۵۔ ابن العبری، ص : ۱۹۲۔

۲۸۶۔ ہٹی، ص , ۲۵۵۔

۲۸۷۔ حمیدالدین،ڈاکٹر،ص : ۳۷۵۔

۲۸۸۔ الزیات، ص : ۳۲۷۔

۲۸۹۔ ایضاً۔

۲۹۰۔ ایضاً ص : ۴۷۸۔

۲۹۱۔ ہٹی، ص : ۳۱۰۔

۲۹۲۔ مقدمہ، ص : ۴۰۱۔

۲۹۳۔ ہٹی، ص : ۳۱۰۔

۲۹۴۔ ایضاً۔

۲۹۵۔ الذیات، ص : ۴۷۹۔

۲۹۶۔ William Osler, The Evaluation of Modern Medicine (New Haven 1922) Page: 98

۲۹۷۔ Hitti Page: 368

۲۹۸۔ الذیات، ص : ۴۷۹۔

۲۹۹۔ The Spirit of Islam Page: 296

۳۰۰۔ جامع الاخبار، بحوالہ امیر علی، ص : ۲۹۷۔

۳۰۱۔ حمیدالدین، ڈاکٹر، ص : ۴۵۹۔

۳۰۲۔ الذیات، ص : ۴۸۹ (تاریخ ادب عربی اردو ترجمہ)۔

۳۰۳۔ ایضاً۔

۳۰۴۔ ایضاً۔

۳۰۵۔ ایضاً ص : ۴۹۰۔

۳۰۶۔ ایضاً۔

۳۰۷۔ ایضاً۔

۳۰۸۔ حمیدالدین، ڈاکٹر، ص : ۵۱۴۔

۳۰۹۔ الذیات، ص : ۴۷۸۔

۳۱۰۔ ایضاً۔

۳۱۱۔ ایضاً۔

۳۱۲۔ ایضاً۔

۳۱۳۔ ایضاً۔

۳۱۴۔ ایضاً۔

۳۱۵۔ ایضاً۔

۳۱۶۔ ایضاً۔

۳۱۷۔ ایضاً۔

۳۱۸۔ پچاس دینار سے مراد آج کا تقریباً دو لاکھ روپے ہے۔

۳۱۹۔ الذیات، تاریخ ادب عربی، ص : ۴۸۲۔

۳۲۰۔ آج ۲۰۰۶ء میں ہزار دینار کی قیمت چالیس لاکھ بنتی ہے۔

۳۲۱۔ الذیات، ص : ۴۰۸۔

۳۲۲۔ ایضاً ص :۴۰۹، تین ہزار سے مراد ایک کروڑ سے زائد ہیں۔

۳۲۳۔ ہٹی، ص : ۳۲۶۔

۳۲۴۔ طب پر شروع میں کام اس لیے نہیں ہوا تھا کہ اسلام میں جسم کے حصوں کو کاٹنا یا علیحدہ کرنا (Disection) جائز نہیں ہے

اعضاء کے کاٹنے کو ہمیشہ Discourage ہی کیا جاتا رہا ہے۔

۳۲۵۔ کتاب یا مقالہ کا نام داغ العین (The Disorder of the eye) ہے اس کی ایک کاپی تیمور پاشا کی لائبریری میں قاہرہ میں موجود ہے، بحوالہ ہٹی ص : ۳۶۴۔

۳۲۶۔ ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص : ۲۲۱۔

۳۲۷۔ ابن خلقان، ج ۲، ص : ۵۰۳۔

۳۲۸۔ ہٹی، ص : ۳۶۵۔

۳۲۹۔ Edward G Brown, Arabian Medicine (Cambridge 1921) P: 44۔

۳۳۰۔ ہٹی، ص : ۳۶۶۔

۳۳۱۔ ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص: ۳۳۶،۳۳۷، قفطی، ص: ۳۳۲۔

۳۳۲۔ ہٹی، ص : ۳۶۷۔

۳۳۳۔ قفطی، ص : ۳۱۸۔

۳۳۴۔ Dr. Oslar, The evolution of modern medicine Page: 98

۳۳۵۔ ہٹی، ص : ۶۹۔

۳۳۶۔ الذیات، ص : ۵۰۸۔

۳۳۷۔ ہٹی، ص : ۳۷۰۔ ۳۳۸۔ ابن خلقان، ج ۲، ص : ۱۰۵۔

۳۳۹۔ الذیات، ص : ۵۱۰۔ ۳۴۰۔ ایضاً۔

۳۴۱۔ ہٹی، ص : ۵۸۳،الذیات،تاریخ ادب عربی،ذکرابن رشد۔

۳۴۲۔ ہٹی، ص : ۵۸۳۔

۳۴۳۔ Earnest, Renan, Averroes (Paris 1861) Page: 58-79

۳۴۴۔ ہٹی، ص : ۳۷۲۔ ۳۴۵۔ ابن العبری، ص : ۲۳۷۔

۳۴۶۔ ہٹی، ص : ۳۷۵۔

۳۴۷۔ البیرونی،تحقیق معالی الہند(لندن ۱۸۸۷)۔

۳۴۸۔ ہٹی، ص : ۳۷۸۔ ۳۴۹۔ ایضاً۔

۳۵۰۔ فہرست، ص : ۲۷۷، ابن خلقان، ج ۱، ص : ۱۹۸،۱۹۹۔

۳۵۱۔ ہٹی، ص : ۳۷۸۔

۳۵۲۔ ایضاً۔

۳۵۳۔ فہرست، ص : ۲۷۴،قفطی، ص : ۲۸۶۔

۳۵۴۔ حاجی خلفہ، ج ۳، ص : ۲۱۸۔

۳۵۵۔ Book of Animals۔

۳۵۶۔ الذیات، ص : ۳۳۲۔

۳۵۷۔ ہٹی، ص : ۳۸۲۔

۳۵۸۔ یہ کتاب کئی دفعہ قاہرہ، مصر میں شائع ہو چکی ہے اس کا انگلش میں ترجمہ A.S.G Jayakar نے کیا۔

۳۵۹۔ خطیب بغدادی، ص : ۱۱۷، ۱۱۸، (Adited by Hitti)۔

۳۶۰۔ یعقوبی ج ۲، ص : ۷۵تا۷۸۔

۳۶۱۔ ہٹی، ص : ۳۸۵۔ ۳۶۲۔ ابن خلقان، ج ۳، ص : ۱۲۶۔

۳۶۳۔ ان میں زیادہ معروف کتاب الاصنام ہے احمد ذکی نے اسے مرتب کیا۔ قاہرہ سے ۱۹۱۴ میں شائع ہوئی۔

۳۶۴۔ الذیات، ص : ۴۹۷، ۴۹۸۔

۳۶۵۔ المقدمہ، ص : ۴۸۷۔

۳۶۶۔ یاقوت، ج ۱، ص : ۲۵۲۔

۳۶۷۔ ایضاً ج ۲، ص : ۲۴۰۔

۳۶۸۔ مقدسی، ص : ۴۴۹۔

۳۶۹۔ ایضاً، ۴۱۳۔

۳۷۰۔ یاقوت، ج ۲، ص : ۳۱۵۔

۳۷۱۔ الخطیب البغدادی ج ۱، ص : ۸۲، ۸۳۔

۳۷۲۔ مسعودی، ج ۸، ۱۱۶۔

۳۷۳۔ الخطیب البغدادی، ج ۱، ص : ۹۹۔

۳۷۴۔ یعقوبی، ص : ۲۶۰۔

۳۷۵۔ ایضاً۔

۳۷۶۔ یاقوت، بلدان، ج ۳، ص : ۱۷

۳۷۷۔ یعقوبی، ص : ۲۶۶، ۲۶۷۔

۳۷۸۔ ہٹی، حاشیہ، ص : ۴۲۰۔

۳۷۹۔ قلقشندی، ج ۳، ص : ۵۔

۳۸۰۔ ابن خلقان، ج ۲، ص : ۴۷۲۔

۳۸۱۔ کتاب الآغانی، ج ۶، ص : ۸

۳۸۲۔ فہرست ، ص : ۱۴۰۔

۳۸۳۔ العقد الفرید، ج ۳، ص : ۲۳۹۔

۳۸۴۔ کتاب الآغانی، ص : ۳۰۳۔

۳۸۵۔ ایضاً ج ۲۱، ص : ۲۲۶۔

۳۸۶۔ Farmer, Arabic Music Page: 125

۳۸۷۔ ابن خلقان ج ۱، ص : ۱۲۔

۳۸۸۔ نوویری (Nuwayri) ، ج ۴، ص : ۱۹۹۔

۳۸۹۔ ممکن ہے حنین کے بیٹے اسحاق نے ترجمہ کیا ہو۔

۳۹۰۔ ابن ابی اصیبعہ ج ۱، ص : ۳۲۰۔

۳۹۱۔ ذکر الاندلس بحوالہ نذھۃ المشتاق، ص : ۱۱،۳۵،۴۴۔

۳۹۲۔ ادریسی، ص : ۳۶۔

۳۹۳۔ The Moors in Spain Page: 14-23 (New York 1911)

۳۹۴۔ ابن خلدون، ج ۴، ص : ۱۱۷۔

۳۹۵۔ ابن عبدالحکیم، ص : ۲۱۰، ۲۱۱۔

۳۹۶۔ ابن خلقان، ج ۳، ص : ۲۷۔

۳۹۷۔ ابن القوطیۃ، ص : ۳۳،۳۴۔

۳۹۸۔ ایضاً۔

۳۹۹۔ ہٹی، ص : ۵۰۸۔

۴۰۰۔ المقری، ج ۱، ص : ۲۱۲۔

۴۰۱۔ ڈوزی(Dozy) ،سپین میں عربوں کی تاریخ ، ج:۱، (Histoire des Musulmans d, Espagne)

۴۰۲۔ المقری، ج ۱، ص : ۲۹۸۔

۴۰۳۔ John, W. Draper, A History of the Intellectual development of Europe Vol-2 P: 3

۴۰۴۔ ہٹی ، ص : ۵۲۷۔

۴۰۵۔ ابن الاثیر، ج ۸، ص : ۴۹۸۔

۴۰۶۔ ابن اظہاری (Idhari) ج ۲، ص : ۲۵۶۔

۴۰۷۔ ابن خلقان، ج ۱، ص ۱۳۰،۱۳۱۔

۴۰۸۔ المقری، ج ۱، ص : ۲۵۰،۲۴۹۔

۴۰۹۔ ابن خلدون، ج ۲، ص : ۱۴۲۔

۴۱۰۔ ڈوزی،سپین میں عربوں کی تاریخ،ج ۲، ص : ۱۸۴(اردو ترجمہ)۔

۴۱۱۔ حمیدالدین،ڈاکٹر،ص : ۳۹۹۔

۴۱۲۔ ڈوزی، ج ۲، ص ۱۰۳۔

۴۱۳۔ الذیات، ص : ۴۳۵۔

۴۱۴۔ یاقوت،معجم الادباء۔

۴۱۵۔ الذیات، ص : ۴۳۷۔

۴۱۶۔ یاقوت، معجم الادباء،ج ۲، ص : ۶۷۔۷۲

۴۱۷۔ ایضاً ج ۵، ص : ۸۷

۴۱۸۔ ابن خلقان، ج ۲، ص : ۲۲، ۸

۴۱۹۔ القفطی،ص : ۲۳۳۔

۴۲۰۔ الذیات، ص : ۴۴۰۔

۴۲۱۔ اس کتاب کی سات جلدیں ہیں (قاہرہ میں ۱۲۴۸ھ میں شائع ہوئی) ساتویں جلد کے آخر اور ص :۳۷۹ سے شروع ہو کر ابن خلدون کے اپنے حالات زندگی ہیں۔ جو اس کی زندگی کے متعلق اہم معلومات ہیں۔

۴۲۲۔ سیوطی، بغیہ ص : ۲۸۵۔

۴۲۳۔ الجزائر میں ۱۸۵۷ء میں چھپی۔

۴۲۴۔ Hitti، ص : ۵۸۱۔

۴۲۵۔ ابن ساد، ص : ۷۵۔

۴۲۶۔ 1217ء میں میخائل سکاٹ نے لاطینی میں ترجمہ کیا۔

۴۲۷۔ غافق قرطبہ کے قریب ایک قصبے کا نام ہے۔

۴۲۸۔ ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص : ۵۲۔

۴۲۹۔ القفطی، ص : ۳۱۸،۳۱۹۔

۴۳۰۔ ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ، ۱۱۷۔

۴۳۱۔ ہٹی، حاشیہ، ص : ۵۸۵۔

۴۳۲۔ جوہر سقلی اصل میں ایک عیسائی تھا۔ رومی سلطنت کے کسی علاقے میں پیدا ہوا۔ بطور غلام سسلی سے قیروان لایا گیا۔ (ابن خلقان) ج ا، ص ۲۱۳۔

۴۳۳۔ ابن خلدون ، ج ۴، ص : ۴۸۔

۴۳۴۔ ہٹی، ص : ۶۲۰۔

۴۵۳۔ اس کا سفرنامہ، جس کو Schefer نے مدوّن کیا، ص : ۵۶۔۳۶

۴۳۶۔ المقریزی، ج ۲، ص ۲۶۴۔

۴۳۷۔ حمیدالدین، ڈاکٹر، ص : ۵۸۶۔

۴۳۸۔ المقریزی، ج ا، ص : ۴۱۴۔

۴۳۹۔ ہٹی، ص :۶۲۹۔

۴۴۰۔ دولت عثمانیہ ج ۱ ص ۱۶

۴۴۱۔ کریزی، History of the ottoman Turks.

۴۴۲۔ عثمانی ترکوں کی مختصر تاریخ،عبدالصبور، ص : ۳۰ ۔

۴۴۳۔ لین پال، ترکی، ص:۹ (Stanley Lane Poole, Turkey, P 09)

۴۴۴۔ خلیل احمد حامدی، بوسنیا، ص : ۳۶۔

۴۴۵۔ ڈاکٹر یوسف گواریہ، اجتہاد ص ۱۴

۴۴۶۔ Decisive moment in the history of Islam page 203

۴۴۷۔ عثمانی ترکوں کی مختصر تاریخ، عبدالصبور، ص ۱۷۱

۴۴۸۔ Decline & fall of Roman Empire Chapter 68.

۴۴۹۔ The Tide of Fortune P.63.

۴۵۰۔ ایضاً

۴۵۱۔ History of the Ottoman Turks, E.S. Creasy P.87.

۴۵۲۔ سلطان محمد فاتح ،ص:۹۴

۴۵۳۔ William.L. Lamger, world history P.287

۴۵۴۔ Stefan

۴۵۵۔ عثمانی ترکوں کی مختصر تاریخ،ص : ۲۰۰۔

۴۵۶۔ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ،دولت عثمانیہ۔بحوالہ عثمانی ترکوں کومختصر تاریخ ص ۲۰۴

۴۵۷۔ Will Durant کی کتاب The Story of Civilization P.680

۴۵۸۔ رشید اختر ندوی، مسلمان حکمران، ص:۲۶۲ ، ۲۶۳

۴۵۹۔ ڈاکٹر یوسف گواریہ، اجتہاد، ص: ۲۱ ، ۲۰

۴۶۰۔ اسلامی ثقافت اور دورِ جدید (منشورات لاہور)

۴۶۱۔ Hisotry of the Arabs, P.712.

۴۶۲۔ سعید احمد اکبر آبادی،مسلمانوں کا عروج و زوال ،ص : ۱۳۶ ۔

باب چہارم

جدید دور میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب

فصل اول

تعلیمی انحطاط:

عالم اسلام کے زوال اور معاشی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی پستی کی سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کا تعلیمی انحطاط ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے پاس اس وقت اعلیٰ تعلیم کا وہ ہتھیار نہیں ہے، جس کے ذریعے تباہی کی دلدل سے نکل کر ہم بھی باعزت اور ترقی یافتہ قوموں کی صف میں شامل ہوسکیں۔ مسلمانوں نے من حیث القوم آج تک کوئی ایسی سنجیدہ کوشش بھی نہیں کی اور نہ ہی اپنی سب سے بڑی اور واحد تنظیم، او۔آئی۔سی کے کسی اجلاس میں اسے Top Priority دی ہے۔ حالانکہ اپنے پیغمبرؐ سے پہلی مرتبہ خدا نے جو رابطہ کیا ہے۔ اُس رابطے میں بات ہی تدریس کی ہوئی ہے۔ پیغمبرؐ خدا نے ہر مسلم مرد اور عورت پر تعلیم حاصل کرنا فرض کیا ہے۔

مسلمان اس وقت عالمی آبادی کا 22.26 ہیں لیکن جدید تحقیق اور ترقی میں ان کا حصہ 1% ہے۔ مغربی ممالک میں اُن کا تحقیق کا بجٹ اُن کے GDP کا 3% کے لگ بھگ ہوتا ہے جبکہ اُن کے GDP کا مسلمان ممالک کے ساتھ تقابل نہیں۔ وہ اپنے بہت بڑے جی ڈی پی کا 3% فیصد تحقیق پر لگاتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر عطا الرحمان ﴿۱﴾ 98-1997 میں پاکستان کا تحقیق کا بجٹ 4 ملین ڈالر تھا۔ فرانس کا اس کے مقابلہ میں 9477 ملین ڈالر، انگلینڈ کا 9962، جرمنی کا 16701 اور جاپان کا 35520 ملین ڈالر تھا۔ عالم اسلام کے مجموعی طور پر 7% لوگ یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں دنیا میں سب سے زیادہ اعلیٰ تعلیم (17 تا 23 سال کی عمر کے گروپ) کا تناسب امریکہ میں 79.7% ہے۔ اس کے بعد کوریا 54.8%، سنگاپور 35.2%، جاپان 30.4%، قطر 27.5%، فلپائن 26.2%، ہانگ کانگ 22.7%، انڈونیشیا 10.2%، انڈیا 6% اور پاکستان میں سب کم 2.6% ہے ﴿۲﴾۔ او آئی سی کے رکن ممالک تحقیق و ترقی کیلئے اپنے GDP کا 0.2% خرچ کرتے ہیں جبکہ ترقی یافتہ مغربی ممالک 3% خرچ کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ان ممالک کے درمیان ترقیاتی خلیج بڑھ جاتی ہے۔ نتیجتاً کوئی قابل ذکر تحقیقی کام نہیں ہوتا۔ تحقیق و ترقی کے مقابلہ میں او آئی سی کے رکن ممالک جدید ہتھیار خریدنے پر مسلسل کثیر رقم خرچ

کررہے ہیں۔ جو مجموعی طور پر تقریباً 7% بنتی ہے ﴿۳﴾ اس وجہ سے مغرب کو کثیر سرمایہ منتقل ہو جاتا ہے۔

او آئی سی کے 57 ممبر ممالک میں 600 سے کم یونیورسٹیاں ہیں۔ اس حساب سے اوسط 10 یونیورسٹیاں فی ملک بنتی ہیں۔ اور یہ ایک ارب 44 کروڑ مسلمانوں کیلئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے تقریباً 80 کروڑ لوگ بالکل انپڑھ (Absolutely illiterate) ہیں ﴿۴﴾۔ عالم اسلام کے 144 کروڑ (1.44 بلین) لوگوں میں سائنسدانوں کی تعداد تقریباً 300,000 (تین لاکھ) ہے۔ جبکہ امریکہ کے 29 کروڑ 30 لاکھ لوگوں میں 1100000 (گیارہ لاکھ) سائنسدان ہیں۔ مسلمانوں کے پاس 230 سائنسدان فی ملین ہیں ﴿۵﴾ جبکہ امریکہ میں تعداد 3700 فی ملین ہے۔

اصل میں مغرب میں سب سے زیادہ زور تعلیم پر دیا جاتا ہے۔ ٹونی بلیئر، وزیر اعظم برطانیہ نے برن ماؤتھ کے مقام پر 30 ستمبر 2003 کو پر جوش انداز میں کہا تھا: " میری حکومت کی تین ترجیحات ہیں تعلیم، تعلیم، تعلیم "، جس میں انہوں نے اعلیٰ تعلیم پر خاص زور دیا تھا 20 ویں صدی میں جن ممالک نے ترقی کی ہے اور تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے ہیں انہوں نے تعلیم کے فروغ، با مقصد تعلیم اور Quality Education پر خصوصی زور دیا۔ گزشتہ تیس برسوں میں اگر مشرق بعید کے ممالک، جن میں ملائشیا بھی شامل ہے، نے تیزی سے ترقی کی ہے تو اُس ترقی میں پوشیدہ راز صرف اور صرف تعلیم ہے۔ مشرق بعید کے ممالک سے اگر ہم سیکھنا چاہیں تو بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً سنگا پور نے تقریباً بیس سال پہلے علمی بنیادوں پر اپنی معیشت کو ترقی دینے کیلئے ایک بہت بڑا منصوبہ بنایا۔ اُس نے قومی تعمیر کیلئے اعلیٰ تعلیم کو سب سے زیادہ ترجیح دی۔ اُس وقت سنگا پور نے اپنی دو یونیورسٹیوں کا سالانہ بجٹ ایک ارب چالیس لاکھ ڈالر مختص کیا ﴿۶﴾۔ انہوں نے اعلیٰ تعلیم کیلئے بین الاقوامی سطح کی سہولتیں فراہم کیں دنیا کے اعلیٰ تعلیم یافتہ استاد تعینات کئے اور انہیں بین الاقوامی سطح کی تنخواہیں دیں۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ WDR 2005, کے مطابق سنگا پور، جس کی آبادی 43 لاکھ ہے، اُس کا GDP 92 ارب ڈالر اور فی کس آمدن 21230 امریکی ڈالر ہے اور اُس کا Exports 144 بلین ڈالر ہے ﴿۷﴾۔ 144 ارب ڈالر ایکسپورٹ عالم اسلام کے کسی ایک ملک کا نہیں۔ یہ تناسب کے لحاظ سے اکثر مغربی ممالک سے زیادہ ہے یہی نہیں مشرقی ایشیا کے دوسرے ممالک بھی ایسے ہی ہیں۔

ہانگ کانگ کی آبادی 68 لاکھ ہے GDP 159 ارب ڈالر فی کس آمدن 25430 اور ایکسپورٹ 224 ارب ڈالر ہے ﴿۸﴾۔ اس کی مثال بھی پورے عالم اسلام میں (تیل سے مالا مال ملک سمیت) کہیں نہیں ملتی ہے ملائشیا کی

آبادی دو کروڑ 24 لاکھ ہے۔ فی کس آمدن 3780 ڈالر، GDP 103 بلین ڈالر اور ایکسپورٹ 101 بلین ڈالر ہے۔ مہاتیر محمد کہتے ہیں۔ " یہ کوئی راز نہیں کہ ترقی پذیر ممالک کو اقتصادی امداد کے نام پر جو کچھ مغربی ممالک دیتے ہیں اُس سے کہیں زیادہ وہاں سے لے جاتے ہیں"...... ملائشیا کی خوش قسمتی ہے کہ اُس نے ایسی کسی بھی مد میں کوئی بڑی امداد وصول نہیں کی۔ ہم نے American Peace Corps کے ساتھ مل کر لوگوں کی مہارت میں اضافے کے پروگرام پر کام کیا جس سے ہمارے ہو نہار، طالبعلموں کو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ لیکن ہم نے کبھی بڑے بیرونی قرضے پر بھروسہ نہیں کیا"۔ ﴿۹﴾

چینی کہاوت ہے: اگر کسی کو مچھلی دے دی جائے تو اس کی صرف ایک دن کی بھوک مٹ سکتی ہے لیکن اس کے مقابلے میں اگر اسے مچھلیاں پکڑنے والی راڈ دے کر یہ تربیت دی جائے کہ مچھلی کا شکار کس طرح کیا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ کیلئے خود کفیل ہو سکتا ہے۔ مہاتیر محمد کہتے ہیں: ہمارے ترقی کے بے شمار اصول ہیں: "ہم نے تاریخ کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ دنیا میں تعلیم کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔ لہٰذا ہم نے اپنے کل بجٹ کا 25% حصہ تعلیم پر خرچ کرنا شروع کر دیا" ﴿۱۰﴾۔ WDR-2005 کے مطابق عالم اسلام کے 57 ممالک کے 1500 بلین ڈالر کے مقابلے میں اکیلے امریکہ (29 کروڑ آبادی) کا GDP 10881 بلین ڈالر ہے یعنی پورے اسلام کے (144 کروڑ آبادی کے) مقابلہ میں 8 گناہ زیادہ، تو امریکہ میں تعلیمی ترقی بھی اسی حساب سے ہے۔ عالم اسلام کے 57 ممالک میں یونیورسٹیاں 600 سے کم ہیں جبکہ اکیلے امریکہ میں 5758 یونیورسٹیاں ہیں اور یہ یونیورسٹیاں بھی 10 گناہ زیادہ ہیں۔ سائنس دان بھی 3 لاکھ کے مقابلہ میں 11 لاکھ ہیں۔ اس کے آگے بھی اور کچھ ہے ایک بڑی یونیورسٹی کا امریکہ میں بجٹ اوسطاً ایک ارب ڈالر ہے مثلاً کارنل یونیورسٹی (Cornell University) کا 98-1997 کا سالانہ بجٹ ایک ارب 10 کروڑ ڈالر تھا۔

جاپان اکیلے کا GDP اگر 4326 بلین ڈالر عالم اسلام سے 3 گنا ہے تو جاپان میں یونیورسٹیاں بھی 1000 سے زیادہ ہیں جبکہ آبادی تقریباً 13 کروڑ ہے جاپان اکیلے کا تحقیق و ترقی کا بجٹ پورے عالم اسلام کے R & D کے بجٹ سے زیادہ ہے یعنی 36 ارب ڈالر۔

لہٰذا جب تک تعلیم کے معیار اور مقدار دونوں میں آگے بڑھ کر ترقی نہیں کریں گے دنیا سے پیچھے رہیں گے۔ شرح خواندگی میں اضافہ بھی اور تعلیم عصری اور قومی تقاضوں کے مطابق بھی ہونی چاہیے۔ اسطرح اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی بہت بڑی تعداد پیدا کر کے

اسے پیداواری شعبے (Production Sector) میں لگایا جائے۔ تحقیق وترقی کے عمل کو آگے بڑھایا جائے۔ عالم اسلام کے موجودہ نظام کی بڑی خرابی یہ ہے کہ بظاہر تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک فوج تیار ہورہی ہے جوملک کی تعمیر وترقی میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہی ہے نہ ہی ایسی کوئی صلاحیت رکھتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ میٹرک سے ہی نصاب کو پیشہ وارانہ تعلیم میں بدلا جائے تا کہ تعلیم کے معاشی پہلو کو قرار واقعی اہمیت حاصل ہو سکے۔ کامرس اور بزنس ایجوکیشن کو اعلیٰ معیار پر بڑھایا جائے۔ اور سب سے بڑھ کر اعلیٰ تعلیمی اداروں کو بین الاقوامی سطح کے علمی اور تحقیقی اداروں میں تبدیل کیا جائے۔ ان اداروں میں ترقی یافتہ ممالک سے اپنے تعلیم یافتہ محقق، ہنرمند اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں کمال رکھنے والے افراد کو پرکشش تنخواہیں دے کر واپس بلایا جائے۔ ان کے علاوہ بھی ہر میدان اور شعبے میں مہارت رکھنے والے افراد کو ترقی یافتہ ممالک سے بلا کر بھاری تنخواہوں پر تعینات کیا جاسکتا ہے۔ دس سال کیلئے ایک تعلیمی منصوبہ بندی کی جائے۔ GDP کا 25% فیصد صرف تعلیمی اور تحقیقی سرگرمیوں کیلئے وقف کیا جائے۔ دس سال کے بعد عالم اسلام کا نقشہ بدل جائے گا۔ کیونکہ جب تک عالم اسلام تعلیمی انحطاط سے نہیں نکلتا، دوسری قوموں کے برابر قطعاً نہیں آ سکتا۔ اس وقت عالم اسلام میں 800 ملین یعنی 80 کروڑ مسلمان ناخواندہ ہیں۔ باقی جو پڑھے لکھے ہیں وہ نیم پڑھے لکھے ہیں۔ صرف 5% فیصد مسلمان ہیں جو بین الاقوامی سطح پر صحیح پڑھے لکھے لوگ ہیں۔

......☆......☆......☆......

فصل دوئم

اجتہادی جمود

اجتہاد اسلامی شریعت کا اہم اور بنیادی رکن ہے۔ اجتہاد ہی کے ذریعے قرآن وسنت کے مطابق نئے آنیوالے مسائل کو تطبیق دی جاتی ہے اور نت نئے مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے شریعت کے ساتھ ہی مقاصد شریعت کے حصول کیلئے منہاج شریعت بھی نازل کر دیا۔ منہاج شریعت کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں: **تعقُّل ، تفکر ،تدبر ، تفقُّہ، تبصُّر ، تنظُّر** اور رویت" ﴿۱۱﴾ ہر دور کے مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ درپیش مسائل کے حل کیلئے مقاصد شریعت کو منہاج شریعت کے ذریعے تلاش کریں۔ شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام مصالح عقل پر مبنی ہیں ﴿ ۱۲﴾۔ رسول اللہ ﷺ درپیش مسائل پر خود اجتہاد کرتے صحابہ سے اجتہاد کرواتے اور بالآخر انفرادی اجتہاد اجتماعی اجتہاد کی شکل اختیار کر کے حکومت ومعاشرت کو خاص اسلوب میں ڈھالتا۔ خود قرآن نے اپنے بعض احکامات کو نئے حالات کے تحت منسوخ کیا کیونکہ نئے حالات نئے احکامات کا تقاضہ کرتے تھے اس طرح قرآن پاک کی بعض آیات ناسخ اور بعض منسوخ ہیں۔ شراب کے حوالے سے فرمایا: ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾۔ یعنی نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ پھر حکم ہوا شراب کو حرام کر دیا۔ خلفاء الراشدین نے عہد رسالت کے بعض اجتہادات کی جگہ نئے اجتہادات کئے۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ جن حالات میں یہ تعبیر کی تھی وہ حالات بدل گئے۔ " **مؤ لفة القلوب** " کی جو تعبیر رسول اللہؐ صلعم نے فرمائی تھی حضرت عمر نے اُس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ نئے حالات اس پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ علامہ اقبال نے اجتہاد کو اسلام میں حرکی اصول کا نام دیا تھا۔

The Principle of movement in the Structure of Islam.

علامہ اقبالؒ نے اپنی کتاب

" Re-construction of religious thoughts in Islam"

میں اجتہاد کا بھی ایک باب باندھا ہے اور اجتہاد پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں شراب پینے والے کو 40 کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بڑھا کر 80 کر دیئے ﴿۱۳﴾۔ اس مسئلے کی ایک وجہ تھی اور حضرت عمرؓ نے اجتہاد

کے ذریعے کوڑے بڑھا دیئے۔ 1771ء میں ہنگری اور بلغراد میں روس سے شکست کھا کر ترک سلاطین سمجھ گئے کہ جدید عسکری نظام، فوجی ساز و سامان سائنس اور ٹیکنالوجی میں وہ یورپی اقوام سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اور یورپ اُن پر علمی بالادستی قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ روس نے من مانی شرائط پر ترکی سے معاہدے کئے۔ 1774ء میں بھی " معاہدہ کیز کا " میں ترکی کو نیچا دکھایا۔ اس طرح روس، آسٹریلیا، فرانس اور انگلستان نے جب ترکی کے اندر جھانک کر دیکھا تو انہیں سلطنت عثمانیہ کا نظام حکومت، نظام قانون اور نظامِ معاشرت بالکل فرسودہ نظر آیا اور انہوں نے ترکی کی تباہی کو عنقریب اور یقینی سمجھ لیا۔ سب یورپی طاقتیں ترکی کو یورپ کا مردِ بیمار قرار دینے پر متفق ہوگئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطنت عثمانیہ ایک پرانے فقہی نظام پر قائم تھی۔ جو زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ فرسودہ اور ناکارہ ہو چکا تھا یہ دورِ جدید کے تقاضے پورے کرنے سے عاری تھا۔ فقہ اجتہاد سے کٹ کر خود بے جان اور بے روح ہو چکی تھی۔ اسی وجہ سے ترکی کی سیاست، قانون، معاشرت اور معیشت مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ اور اُس کے مقابلے میں اردگرد و یورپ میں جدید قسم کی جمہوری ریاستیں قائم ہو چکی تھی۔ روس اور آسٹریا نے ترکی کو آپس میں تقسیم کرنے کے منصوبے بنائے۔ ترکی نے بچاؤ کیلئے دوسرے یورپی ممالک سے معاہدے کئے۔ 1798ء میں نپولین نے ترکی سے مصر فتح کر کے چھین لیا۔ اس سے دوسری عرب ریاستوں میں بھی بغاوت کے آثار نمودار ہوئے۔ عثمانی سلاطین، سلطنت کو زوال سے نکالنے کا جو طریقہ اور تدبیر اختیار کرتے، مذہبی ادارے مخالفت شروع کر دیتے۔

سلطنت عثمانیہ کے دورِ عروج میں شیخ الاسلام کا مذہبی ادارہ اور مذہبی فوج ینی چری یا جینی سری بہت مضبوط تھے۔ یہ دونوں ادارے اصلاحات اور نئے اجتہاد کی مخالفت کرتے تھے۔ 1861ء کو سلطان عبدالعزیز تخت نشین ہوئے۔ وہ قدیم فقہ کے حامی اور اجتہاد کے مخالف تھے عبدالعزیز نے سلطنت کو خلافت میں بدل دیا۔ اب شیخ الاسلام اور مذہبی فوج (ینی چری) اصلاح اور اجتہاد کو غیر اسلامی سمجھتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ترکی کا نظام درہم برہم ہوگیا اور سلطنت ختم ہوگئی۔ حضور علیہ السلام کے بعد خلافت راشدہ قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ اجماع اور اجتہاد سے کام لیتی تھی۔ لیکن حقیقتاً فقہی مسائل اور اجتہاد کی بنیاد حضرت عمرؓ کے دور میں رکھی گئی۔ حدیث اور فقہ کا فن درحقیقت تمام تر اُن کا (عمر کا) ساختہ پرداختہ ہے...... فن کی ابتدا حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اوّل انہوں کے قائم کئے ﴿۱۴﴾۔ فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایت صحیحہ منقول ہیں وہ فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں۔ ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے اُن کی تقلید کی ہے ﴿۱۵﴾۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں " وہمچنیں مجتہدین درروس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اند این قریب ہزار مسئلہ باشد تخمیناً" ﴿۱۶﴾ یعنی تمام مجتہدین فقہ کے اہم مسائل میں حضرت عمرؓ کے تابع تھے اور یہ

مسائل تقریباً ایک ہزار تھے۔ شاہ ولی اللہ نے ان مسائل کی مدد سے فقہ فاروقی پر مستقل رسالہ لکھ کر اپنی کتاب ازالۃ الخلفا میں شامل کر دیا ہے۔ اس لئے تو عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا پلہ بھاری رہے گا ﴿۱۷﴾۔ خلافت راشدہ کے بعد بدقسمتی سے ملوکیت قائم ہوگئی۔ اجتماعی اجتہاد کا حکومتی ادارہ باقی نہ رہا۔ خلافت نے ملوکیت کا روپ دھار لیا۔ خلافت راشدہ میں مسائل پیش آتے تھے تو کھلی بحث ہوتی تھی۔ آزادی سے اجتہاد ہوتا تھا جس میں ذاتی نفع نقصان کا تصور تک نہ ہوتا تھا۔ جس طرح 16 ھ میں عراق عرب پر پورا قبضہ ہوگیا۔ یرموک کی فتح ہوئی تو امراءِ فوج نے مطالبہ کیا کہ مفتوحہ مقامات صلہءِ فتح کے طور پر انہیں جاگیر میں عنایت کئے جائیں اور مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو اُن کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی رائے اور اجتہاد تھا کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہے اور انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت اور ملک میں امن امان رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور کئی دوسرے کبار صحابہؓ جاگیر لینے پر اصرار کرتے تھے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ پھر عام اجلاس ہوا اور بحث ہوئی۔ پھر حضرت عمر نے ایک مدلل تقریر کی اور آیت پڑھی: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا﴾ (سورۃ الحشر) .... الخ۔ اس آیت کے آخری فقرے "﴿﴾ **والذین جاؤا من بعد هم** " سے حضرت عمر نے استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ آنے والی نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو بعد میں آنے والوں کیلئے کچھ نہیں رہتا۔ آپ کی تقریر اور استدلال کے بعد تمام لوگ بول اُٹھے کہ بے شک آپ کی رائے صحیح ہے ﴿ ۱۸ ﴾۔ اس طرح خلفاء الراشدین شریعت کی روح کو مدنظر رکھتے ہوئے اجتہاد کرتے اور مسائل کا حل اتفاق رائے سے کرتے۔

خلفاء الراشدین کے بعد خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔ مجتہدین نے انفرادی حیثیت سے اجتہاد کا سلسلہ جاری رکھا جس میں اجتماعیت پیدا کرنے والا کوئی ادارہ نہ تھا۔ جس کے نتیجے میں فقہی مذاہب پیدا ہوگئے۔ ملوکیت اجتہاد مطلق کے جاری رہنے سے خائف تھی۔ اُس نے اُس کی سخت حوصلہ شکنی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقلید، تعطّل اور جمود پیدا ہوگیا۔ آخر کار فقہ ملوکیت کو حتمی اور قطعی خیال کر لیا گیا اور عالم اسلام میں عام طور پر یہ نظریہ پھیل گیا کہ جسطرح اسلام آخری شریعت ہے اسی طرح فقہ ملوکیت شریعت کی آخری تعبیر ہے ﴿۱۹﴾ حالانکہ اگر جامد تقلید ہی کرنی ہوتی تو حضرت عمرؓ سے بڑھ کر فقیہ دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ جدید دنیا میں مغربی تسلط میں آنے

سے قبل عالمِ اسلام میں تین عظیم الشان مسلمان سلطنتیں قائم تھیں۔ سلطنت عثمانیہ، سلطنت مغلیہ اور سلطنت صفویہ، جب تک ان کو دور جدید کی ترقی یافتہ ریاستوں سے واسطہ نہ پڑا یہ اپنی فقہ پر قائم رہیں اور آگے بڑھتی گئیں۔ اسلئے کہ مقابلہ میں یورپ تھا جو سیاسی اور اخلاقی طور پر تباہ ہو چکا تھا اور اُن کے اندرونی طور پر بھی حالات مستحکم نہیں تھے اور بیرونی طور پر باہمی رسہ کشی رہتی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں میں نیا نیا جذبہ تھا۔ وہ آگے بڑھتے گئے۔ مگر جب جدید دور آیا، یورپ کو ہوش آئی اور یورپی طاقتیں جدید آئینی، قانونی ،معاشرتی سائنسی اور تکنیکی علوم کی قوت سے مسلح ہو کر عالم اسلام کی طرف بڑھیں تو مسلمان طاقتیں اُن کے آگے نہ ٹھہر سکیں۔ پھر اسلام کے مفکرین کو ہوش آیا کہ ہمارا فقہی قانون، آئین اور ملوکی دستور جدید قوتوں کے مقابلے میں کسی کام کا نہیں، ہمارا نصاب تعلیم جو پرانی فقہی روش پر چل رہا تھا (اور اب بھی چل رہا ہے) یہ فرسودہ ہو چکا ہے، ناکارہ ہو چکا ہے، اسے حالات کے نئے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ مگر افسوس کہ روایتی علماء، سخت گیر مقلدین اور ملوکیت کے حامیوں نے اپنی مذہبی طاقت کا غلط استعمال کیا اور سلطنتوں کو اجتہاد کی راہ سے ہٹا کر الحاد کی راہ پر ڈال دیا۔ اسلامی دنیا کی سب سے بڑی سلطنت، ترکی کی سلطنت، جو پورے عالم اسلام کی واحد نمائندہ حکومت تھی، اُس کے سلطان سلیم ثالث (1789-1807) نے ترکی سلطنت کو حالات کے مطابق جدید بنانے کا فیصلہ کیا انقلاب فرانس اسی کے دور میں برپا ہوا۔ انقلاب فرانس سے متاثر ہو کر سلطان سلیم نے اپنے مشیروں کی مدد سے ایک منصوبہ تیار کیا جس کا نام "نظام جدید" رکھا سلطان سلیم نے عسکری نظام کو جدید خطوط پر قائم کرنے کیلئے فرانس سے انسٹرکٹرز بلوائے تاکہ وہ ترک فوج کو جدید نظام کی تربیت دیں ﴿۲۰﴾۔ سلطان اپنے معاشرے اور دستور کو جدید اسلامی خطوط پر چلانا چاہتے تھے جہاں وہ نئے حالات کا مقابلہ کر سکیں۔ سلطان کو اس نظام جدید کے نفاذ میں اصل مزاحمت کا سامان علماء اور قدامت پرست طبقے سے کرنا پڑا۔ "جدید نظام" بڑا دانشمندانہ اقدام تھا مگر قدامت پرست لوگ اور علماء اُسے بھی برداشت نہ کر سکے۔ کیا یہ اُن کی بالغ نظری تھی؟ سلطان جیسے جیسے اصلاح ترقی اور اجتہاد کی طرف بڑھ رہا تھا، فقہ، تقلید اور جمود کی قوتیں اسی نسبت سے اُس کا راہ روکنے کیلئے مستعد ہو رہی تھیں۔ اور لوگوں کو خونریز تصادم کیلئے تیار کر رہی تھیں آخر کار شیخ الاسلام نے جو علماء کا سب سے بڑا قائد اور فقہ و فتویٰ کا آخری نمائندہ تھا، سلطان سلیم کی معزولی کا فتویٰ جاری کر دیا سلطان واجب القتل قرار پایا مذہبی فوج جینی سری نے 1807ء میں اسے قتل کر دیا۔

حالانکہ سلطان سلیم کا نظام بنیادی طور پر فوجی نظام کو جدید خطوط پر قائم کرنے کیلئے تھا۔ تاکہ دشمنانِ اسلام، روس، اسٹریا،

فرانس، انگلینڈ، جو مسلمانوں پر حملے کر رہے تھے، ترکی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کرنے کا سوچ رہے تھے، اُن کا مقابلہ کیا جا سکے۔ فوج کو طاقت ور بنانا قرآن پاک میں حکم ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ .... الانفال﴿۶۰﴾ تم سے جہاں تک ہو سکے دشمن کے مقابلے کیلئے فوجی قوت کے ساتھ گھوڑوں کو تیار رکھنے سے تیار اور مستعد رہو۔ تاکہ خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری ہیبت بیٹھ جائے۔

جدید نظام کے خلاف مذہبی طبقے کے ردِعمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ آہستہ آہستہ لوگوں میں اس طبقے کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی او رقوم الحاد کی طرف چلی گئی۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے فائدہ اٹھایا۔ خلافت ختم ہوئی، سیکولر نظام آ گیا۔ اسی طرح قدیم یورپ بھی 16 ویں اور 17 ویں صدی میں مذہبی طبقہ کے خلاف ہوا اور انقلاب آیا تھا۔ مارٹن لوتھر (1546-1483) کا نظریہ عام ہوا اور مذہب کے خلاف بغاوت ہوگی۔ اس طرح مسلمانوں کے اس طبقے کی ضد اور ہٹ دھرمی سے ترکی اپنے اُسی عسکری، تعلیمی اور قانونی نظام پر کھڑا رہ گیا جو صدیوں پرانا اور فرسودہ تھا جب کہ اُس کے مقابلے میں یورپ کا عسکری نظام، تنظیمی، تکنیکی اور اسلحے کے معیار کے لحاظ سے ترکی سے جدید اور ترقی یافتہ ہوتا چلا گیا۔ نئی اصلاحات، نظام تعلیم اور جدید سیاسی و قانونی نظام کی وجہ سے یورپ تیزی سے ترقی کرنے لگا سلاطین ترکی نے شیخ الاسلام، علماء اور دینی چری کو لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ نظام فقہ اور نظام مدرسہ و نصاب، بہت پسماندہ ہو چکے ہیں ان میں زمانے کا ساتھ دینے کی قوت باقی نہیں رہی، یہ جمود اور تقلید میں مبتلا ہیں یہ بانجھ ہو چکے ہیں، ان میں مادۂ تولید ختم ہو چکا ہے یہ تازہ افکار پیدا کرنے کے قابل نہیں، یہ ایسی نسل پیدا کرنے کے قابل نہیں جو جدید حالات اور تقاضوں کا ساتھ دے سکیں۔ لیکن وہ اپنی قدامت پرستی پر قائم رہے۔

دورِ جدید میں کوئی حکومت یا معاشرہ جدید علم و ماہرین کے بغیر نہیں چل سکتا۔ علم کلام، منطق، فلسفہ، تصوف اور قدیم فقہ اپنی افادیت کھو چکے ہیں۔ اب اجتہاد اور تحقیق کے ذریعے اسلامی علوم اور اداروں کی ارتقائی تاریخ منکشف کی جانی چاہیے۔ اگر ان علوم میں کوئی مفید عنصر عصرِ حاضر کی ترقی کا ساتھ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اسے باقی رکھا جائے اور بقیہ منطق، کلام، تصوف اور فقہ جامد کی تمام روایات سے نجات حاصل کی جائے۔ قرآن و حدیث اور اجتہاد کے ذریعے نئے راستے تلاش کئے جائیں تا کہ جدید دنیا کا مقابلہ ہو سکے۔ اس کیلئے پروگرام اسطرح بنایا جائے کہ تمام مسلم اقوام عربی رسم الخط اپنائیں۔ عالم اسلام مشترک سائنسی اصطلاحات اپنائے۔ نئی اصطلاحات وضع کرنے کیلئے کانفرنسیں منعقد کی جائیں تا کہ پورے عالم اسلام کا مشترکہ تربیتی پروگرام تشکیل پا سکے

۔مختلف ماہرین قانون کی تنظیموں کے درمیان باقاعدہ رابطہ پیدا کیا جائے۔ او آئی سی تنظیم کے تحت ایک باقاعدہ پروگرام تشکیل دیا جائے اور اُس پر عمل کو یقینی بنایا جائے ورنہ عالم اسلام موجودہ ذلت اور پستی سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ علماء کی تنگ نظری نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا۔ پس ان علماء اور تنگ نظر طبقے کا نظریہ اور عقیدہ بن چکا ہے کہ جسطرح قرآن و حدیث اٹل ہے اسی طرح فقہ کے اصولوں پر بنائی ہوئی شریعت بھی اٹل ہے۔ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا۔ آئندہ قیامت تک شریعت اور کاروبار حیات بس انہیں فقہی اصولوں کے مطابق چلیں گے۔ مغربی علوم پڑھنے والا کافر ہے اُن کی تعلیم یا اُن کے ہاں تعلیم حاصل کرنا کفر ہے۔ مغرب کا بالکل بائیکاٹ کرنا چاہیے وہ اُس حدیث کو بھول گئے کہ علم حاصل کرنا فرض ہے۔ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے۔ ((اطلب العلم و لو کان فی السین)) وہ یہ بھی بھول گئے کہ حضور علیہ السلام نے تو جنگ بدر کے کافر قیدیوں سے کہا تھا کہ دس دس مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دو۔ تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ بھلا کافروں نے مسلمانوں کو قرآن حدیث کی تعلیم دینی تھی؟ تعلیم تو کہیں سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

ولیم پکھتال نے اس لئے ان تنگ نظر علماء پر تنقید کی: ایسے علماء جن کا عمل "علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے" پر تھا اُس وقت تک ختم ہو چکے تھے ان کی جگہ اب ایسے لوگ آ چکے تھے جو "عالم" جیسے محترم و پر شکوہ لقب کے خواہش مند اور اس احترام و تکریم کے خواہاں تو ضرور تھے لیکن فریضہ حصولِ علم کو وہ اسی اسلام کے اندر محبوس سمجھتے تھے جس کا مخصوص تصور انہوں نے اپنے ذہن میں بٹھا رکھا تھا۔ اُن کی فکر و نظر کی کوتاہیوں اور تنگ دامنیوں نے اس عالمگیر و حریت بخش اور رہنما مذہب اسلام کو ایک ایسا معمولی اور تنگ نظر و محدود مذہب بنا دیا جیسا کہ ہر وہ مذہب بن جاتا ہے جو انسان اور خدا کے درمیان کسی دوسرے انسان کو بطور وسیلہ و واسطہ تسلیم کر لیتا ہے.........طبیعات کا ذوق تو پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ ان علماء نے اُن تمام علوم کو جو اہل مغرب سے حاصل کیے جا سکتے تھے، کافرانہ قرار دے کر مسلمانوں کو اُن سے متنفر کر دیا۔ حالانکہ پہلے مسلمان علم کے حصول میں، خواہ وہ کافروں سے ہی کیوں نہ حاصل ہوتا ہو، چین کے سفر پر بھی آمادہ رہتے تھے۔ اس آئین جہالت اور علم دشمنی کے ساتھ ساتھ اُن علماء کے غرور و تکبر اور خود بینی اور خود پسندی میں بھی اضافہ ہوتا گیا"۔ ﴿۲۲﴾ امین احسن اصلاحی نے کہا: اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر چند مخصوص اماموں کی تقلید کا رجحان پیدا ہو جانا اور پھر اس تقلید کا دین و شریعت بن جانا بھی تو ہے اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے مختلف فقہی گروہوں میں بے جا حمیت و تعصب پیدا ہو جانے سے بھی اس ذہنی وسعت اور آزادی کو بڑا نقصان پہنچا جو

اجتہاد وفکر کے نشو ونما کیلئے ضروری تھیں۔اس تعصب کے سبب سے ہر گروہ نے حق کو اپنے اپنے مسلک فقہی کے اندر محصور سمجھ لیا ....اب اگر تقلید کو ختم کر کے اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہے تو یہ کام محض تقلید کی مذمت کرنے اور اجتہاد کی منقبت بیان کرنے سے نہیں ہوگا بلکہ اُن اسباب کا مؤثر طریقوں سے ازالہ کرنا ہوگا جو اجتہاد کی اس بندش اور تقلید کے اس عالمگیر فروغ کے سبب بنے۔اس کیلئے ضروری چیز یہ ہے کہ ہمارا موجودہ نظام تعلیم بالکل بدل دیا جائے۔قدیم وجدید درسگاہوں کی تقسیم کو ختم کر کے ایک ہی جامع نظام جاری کیا جائے۔جدید علوم وفنون کو اپنایا جائے ﴿۲۳﴾............لہٰذا اجتہادی جمود کو توڑ کر، جدید دور میں زندہ رہنے کیلئے، نئی راہیں تلاش کرنا ہوں گی ورنہ مفلسی، بے بسی اور معاشی پستی سے دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں نکال سکتی۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ؕ ﴾ ﴿۲۴﴾ خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ☆ نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

علامہ اقبال نے کہا تھا:

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری

اے کشتۂ سلطانی وملائی وپیری

......☆......☆......☆......

فصل سوئم

اخوت بھائی چارے کا فقدان اور آپس کے اختلافات

اسلام نے مسلمانوں کو بھائی چارے کا سبق دیا۔ تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا۔ آپس میں رحم دل اور کافروں کیلئے سخت بنایا۔ لیکن ہم اس کے الٹ چل پڑے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ ﴿ ۲۵ ﴾ بے شک مومن بھائی بھائی ہیں ﴿فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ج ﴾ ﴿۲۶﴾ تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔ ﴿كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ ﴿ ۲۷ ﴾۔ گویا کہ (مومنین آپس میں) چونا گچ کی ہوئی دیوار کی طرح (مضبوط) ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ((المؤمن اخو المؤمن کالجسد الواحد)) ﴿ ۲۸ ﴾۔ مومن مومن کا (اسطرح بھائی ہے جیسے ایک ہی جسم ہوتا ہے ((لا یومن احدکم حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه)) ۔ تم میں سے کوئی بھی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کیلئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ یہ ہے مسلمان اور مسلمان کا آپس میں تعلق جو اسلام نے قائم کیا ہے عملی طور پر حضور نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات قائم کر کے دکھادیا اور آخری خطبے میں آپ نے فرمادیا۔ ((کلکم بنی آدم و آدم مـــن تـــراب)) ﴿ ۲۹ ﴾ تم سب بنی آدم ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔

ہم نے کیا کیا؟ جنگ جمل اور جنگ صفین سے آپس میں لڑنا شروع ہوئے، اموی اور عباسی آپس میں لڑے، ایک دوسرے کے خلاف سازشوں کے جال بچھائے۔ ایک دوسرے کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر قتل کیا۔ عباسیوں کے پہلے خلیفے کا تو نام ہی " السَّفَّـاح " (سفاح سے مراد خون بہانے والہ) مشہور ہوگیا۔ پھر ایک ہی گھر کے "دو بادشاہ" امین اور مامون آپس میں لڑے اور ایک قتل ہوا۔ عباسی اور اندلسی حکومت (جو اندلس میں بنی امیہ نے قائم کرلی تھی) کئی سال آپس میں لڑتے رہے۔ پھر مصر کی فاطمی حکومت نے دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ ظلم روا رکھا اور دوسری اسلامی حکومتوں کے خلاف یا آپس میں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہے۔ اندلس کی حکومت اور مسلم اقتدار تو ختم ہی آپس کی سازشوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ نئے دور میں، ہماری ہوش میں ایران عراق جنگ ہوئی جس کیوجہ سے مشرق وسطیٰ اور عالم اسلام معاشی طور پر بدحال ہوگیا۔ کویت پر عراقی قبضہ اور تباہی و بربادی ہوئی آج کل افغانستان اور عراق کی تباہی میں بھی مسلمان خود شریک ہیں۔ جدید دور میں ہم نے مغرب سے قومیت

(Nationalism) کا ایسا سبق سیکھ لیا جس نے باقی کسر بھی پوری کر دی۔ پچھلی تین چار صدیوں میں عالم اسلام مجموعی طور پر انحطاط کا شکار رہا۔ اس انحطاط، مفلسی اور سیاسی و معاشی پستی میں سراسر مسلمانوں کا اپنا ہاتھ ہے آپس میں بھائی چارے کے فقدان اور علماء کی تنگ نظری اور نیم تعلیم نے اُمّہ کی پستی میں اہم کردار ادا کیا۔ اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا اور پرانی تعلیم و تدریس کے راستے پر چلتے رہے جس تعلیم اور فقہی شریعت کا نئے دور سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔

مغرب کے اس دو تین سو سالہ تسلط نے ہمیں تباہ و برباد کر دیا۔ اس مغربی غلبے کے نتیجے میں مسلمانوں نے بدقسمتی سے مغرب سے قومیت اور قوم پرستی کا ایک منحوس تصور سیکھ لیا۔ مسلمانوں نے قومیت اور نسل پرستی کے اس تصور کو جلد قبول کر لیا۔ انیسویں صدی تک قوم پرستی اور نسل پرستی کے اس منحوس تصور سے مسلم امہ مانوس نہ تھی۔ اس پالیسی کی بدولت ہر ملک اور ہر نسل کا مسلمان بڑی حد تک اسلام کی بین الاقوامی برادری سے کٹ کر رہ گیا اور صرف اپنے ہی ملک اور اپنی ہی نسل کا نعرہ لگانے لگا۔ اس کی وفاداری، مغرب کی طرح اپنے ہی ملک تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اس کے حقوق و فرائض بھی اپنی ہی ریاست میں محدود و محصور ہو کر رہ گئے۔ دوسرے مسلمان ملک اس (مسلمان) کیلئے ویسے ہی اجنبی اور غیر ہو گئے جیسے ہو سکتے ہیں۔ تاریخ میں پہلی بار مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے دارالاسلام کی وحدت کو ختم کر کے رکھ دیا۔ جو قوم دنیا میں سب سے زیادہ اس نیشنلزم کے تصور سے دور تھی اُس نے اس تصور کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ مسلم قوم کا مقصد ہی کوئی اور تھا۔ خدا کا فرمان ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ﴿آل عمران: ١١٠﴾ تم بہترین امت ہو جو تمام نوع انسانی کیلئے اٹھائی گئی ہو۔ تم اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ بیسویں صدی میں اس مسلمان قوم نے مغرب سے قوم پرستی کا سبق سیکھ لیا اور اپنی بین الاقوامی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جو اس کو مفت میں ہاتھ آئی تھی۔ مفت میں اس لئے کہ قرآن میں ہے: ﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط﴾ ﴿الانفال: ٦٣﴾ اے پیغمبر! ان (مسلمانوں) میں الفت محبت پیدا کرنے کیلئے آپ ساری کائنات بھی خرچ دیتے تو بھی ان کے درمیان الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان الفت پیدا کر دی ہے اس نسل پرستی کا پہلا خمیازہ جنگ عظیم میں مسلمانوں کو بھگتنا پڑا جب ایک مسلمان قوم نے دوسری مسلمان قوم کے خلاف عین اس وقت بغاوت کر دی جب دشمن کے ساتھ برسر جنگ تھی۔ اس میں قصور دونوں قوموں کا تھا۔ اگر ایک نے اہل مغرب سے عربی قوم کا سبق سیکھ لیا تھا تو دوسری (ترکی) قوم نے اسی اہل مغرب سے تورانی کا سبق سیکھ لیا تھا۔ ایک ہی استاد کے دونوں شاگرد تھے۔ مغربی

تعلیم نے دونوں کے دلوں سے یہ بات نکال دی تھی کہ اُن دونوں کے درمیان اسلام کا بھی کوئی رشتہ ہے۔ ترک اس بات کو تو بھول گئے تھے کہ اُن کی سلطنت ایک اسلامی سلطنت ہے۔ اس سلطنت میں صرف ترکی النسل لوگ ہی نہیں بلکہ دوسری بہت سی مسلمان قومیں بھی ہیں اس میں عرب بھی ہیں۔ عجم بھی ہیں۔ افریقی بھی ہیں۔ اور سب اسلام کے وفادار تو ہو سکتے ہیں مگر تورانیت کے وفادار نہیں ہو سکتے۔ اگر انہیں مخلص اور وفادار بنانا ہے تو پہلے آپ اُن کیلئے مخلص اور وفادار بنیں۔ عرب اس بات کو بھول گئے کہ مغرب سبز باغ دکھا کر انہیں جس دشمن کے خلاف ہتھیار اٹھوا کر لے آئے ہیں۔ وہ اُن کے اپنے ہی مسلمان بھائی ہیں۔ عربوں کو آزادی کی امید دلا کر ترکوں کے خلاف لا کھڑا کیا۔ عرب مسلمانوں نے مغرب کے چکر میں آ کر اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف قتل و غارت گری کی۔ اس کا بدترین نتیجہ یہ نکلا کہ ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ترکوں کیلئے خود اپنی آزادی بچانی بھی مشکل ہوگئی اگر کسی طریقے سے ترکی بچ گیا تو جو بری بھلی خلافت صدیوں سے چلی آ رہی تھی اسے انہوں نے خود ختم کر دیا۔ سلطنت کا رشتہ دین و خلافت سے ختم کر ڈالا۔ ملک کو لادین (Secular) بنادیا۔ اسلامی روایات کو ایک دم ختم کر دیا۔ دوسری طرف عربوں کو وہ آزادی نہ ملی جس کی امید پر وہ مغرب کے کہنے پر اپنے ہی بھائیوں سے لڑے تھے اور غداری کی تھی۔ عراق پر انگریز قابض ہو گیا۔ شام اور لبنان پر فرانس مسلط ہو گیا۔ فلسطین انگریزوں کے انتداب (Mandate) میں دے دیا گیا۔ انہوں نے وہاں ایک یہودی ریاست بنادی۔

مسلمانوں میں نا اتفاقی اور اسلام:

جس نا اتفاقی اور آپس میں دشمنی نے ہمیں اس آخری حد تک پہنچا دیا ہے کہ اسرائیل ایک چھوٹا سا 68 لاکھ آبادی کا صہیونی ملک، پورے عربوں کو ذلیل و رسوا کر رہا ہے۔ جن کی تعداد تقریباً 35 کروڑ ہے اور وہ 23 عرب ملکوں (ARAB LEAGUE) میں رہ رہے ہیں۔ جولائی 2006 میں اس نے بغیر کسی وجہ کے اپنے ہمسائے ملک لبنان پر تقریباً 500 ہوائی اور میدانی حملے کیے ہیں جن میں سینکڑوں لوگ شہید اور اربوں ڈالر کے نقصانات ہوئے۔ ہوائی اڈے تک کو تباہ کر دیا۔ انہیں دنوں فلسطینیوں پر بیسیوں حملے کر کے سینکڑوں فلسطینیوں کو شہید کر دیا۔ حتٰی کہ وزیر اعظم اور وزیر داخلہ کے دفاتر پر حملے کیے۔ اس سے بھی آگے فلسطینی پارلیمنٹ کے کئی ممبران اور وزراء کو جبراً اغوا کر کے لے گئے (2 جولائی 2006) اس پر سارا عالم اسلام اور عرب ممالک بے بسی کے عالم میں خاموش ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ صرف اپنے اندر اتحاد اور اتفاق کی کمی ہے۔ عرب ممالک کا آپس میں اتفاق نہیں

۔او آئی سی کے ممبر ممالک قرآن پاک کی آیت ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ﴾ کی عملی تصویر بنے ہوئے ہیں کہ تم انہیں اکٹھے سمجھتے ہو حالانکہ اُن کے دلوں میں کھوٹ ہے (وہ متحد نہیں ہیں) لیکن اسلام نے جو شیرازہ بندی کی تھی اُس میں رنگ و نسل، خون، خاک اور زبان و ثقافت کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ جب سلمان فارسی سے اُن کا نسب پوچھا جاتا تو وہ فرماتے "سلمان بن اسلام" حضرت علیؓ اُن کے متعلق فرمایا کرتے تھے: "سلمان منا اھل بیت " ﴿۳۰﴾ سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے۔ صحابہ میں باذان بن ساسان اور اُن کے بیٹے شہر بن باذان تھے جن کا نسب بہرام گور سے ملتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت باذان کو یمن کا اور اُن کے بیٹے شہر بن باذان کو صنعاء کا والی مقرر فرما دیا ﴿۳۱﴾۔ بلال حبشی کو حضرت عمرؓ جیسے لوگ کہا کرتے تھے یا سیدی اور فرماتے: بلال سیدنا و مولی سیدنا۔ بلال ہمارے آقا ہیں اور ہمارے آقا کے غلام ہیں۔ صہیب رومی کو حضرت عمر نے اپنی جگہ پر امامت کیلئے کھڑا کیا ۔ حضرت حذیفہ کے غلام سالم تھے۔ بڑے عالم اور دانا تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت کہا تھا کہ آج اگر سالم ہوتے تو میں انہیں خلیفہ مقرر کرتا۔ وہ فوت ہو چکے تھے۔ حضرت زید بن حارثہ سے حضرت محمد ﷺ نے اپنی پھوپھی کی بیٹی کی شادی کی۔ حضرت زید بن حارثہ وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن پاک میں آیا ہے ﴿۳۲﴾۔ زید کے بیٹے اسامہؓ کو اُس لشکر کا سردار بنا کر جنگ کیلئے بھیجا جس میں ابو بکرؓ، عمرؓ، ابو عبیدہ بن جراح جیسے جلیل القدر صحابہ شریک تھے۔ انہی اسامہؓ کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا تھا کہ اسامہؓ کا باپ تیرے باپ سے افضل تھا اور اسامہ تجھ سے افضل ہے۔ حضور علیہ السلام نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخاۃ کا رشتہ قائم کیا۔ انصار نے اپنا آدھا آدھا مال مہاجرین کو دینے کی پیشکش کی۔ حتی کہ بعض صحابہ (انصار) جن کی دو بیویاں تھیں، ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کے ساتھ نکاح کر دیا جس کے پاس کوئی بیوی نہیں تھی۔

جنگ بدر اور احد کے موقع پر مہاجرین مکہ دین کی خاطر اپنے اپنے رشتہ داروں سے لڑے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمانؓ پر تلوار اٹھائی۔ حضرت حذیفہؓ نے اپنے باپ ابو حذیفہ پر حملہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے۔ خود رسول اللہ ﷺ کے چچا عباسؓ، چچازاد بھائی عقیلؓ اور داماد ابو العاصؓ بدر میں گرفتار ہوئے اور عام قیدیوں کی طرح رکھے گئے۔

فتح مکہ کے وقت حضور علیہ السلام غیر قبیلہ اور غیر علاقہ کے لوگوں کو لے کر خود اپنے قبیلہ اور اپنے وطن (مکہ) پر حملہ آور ہوئے اور فتح کیا۔ عربوں میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کوئی شخص خود اپنے قبیلہ اور اپنے وطن پر غیر قبیلہ والوں کو چڑھا لائے اور وہ

بھی کسی انتقام یا زر وزمین کے قضیہ کی بنا پر نہیں بلکہ محض ایک کلمہ حق کی خاطر۔

یہ ہے اخوت اور بھائی کے حوالے سے اسلام کا نظریہ اس اخوت اور بھائی چارے کو چھوڑ کر ہم امریکہ اور مغرب کی گود میں جا بیٹھے اور اپنے بھائی مسلمانوں کو چھوڑ دیا خدا پر بھروسہ کرنے کی بجائے امریکہ اور مغرب و کافروں پر بھروسہ کرنے لگ گئے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

فصل چہارم

جدید تحقیق کا فقدان

عالم اسلام میں تحقیق وترقی کا رجحان کم ہے۔ مسلمانوں اوراُن کی واحد نمائندہ تنظیم نے کبھی اسطرف خاص توجہ نہیں کی انفرادی طور پر بعض ممالک نے کچھ تحقیقی کام کیا ہے۔ جس کی بنیاد پرانہوں نے بعض شعبوں (Fields) میں ترقی کی ہے! جس طرح پاکستان کے ایٹمی توانائی کے شعبے میں کسی حد تک ترقی ہوئی ہے یہ ترقی بھی خالصتاً توانائی کے حوالے سے نہیں بلکہ ایٹمی اسلحے کے میدان میں ہے جس کا ملک کی ترقی میں کوئی کردار نہیں ہے اسی طرح ملائشیا نے پیداواری میدان (Production Sector) میں کافی ترقی کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملائشیا تیزی سے ترقی کرنے والے پہلے دس ممالک کی صف میں شامل ہوگیا ہے۔ دوسری صدی ہجری اور آٹھویں صدی عیسوی میں جب اسلام دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن کر ابھرا تھا تو اس وقت تعلیم اور تحقیق ہی تھی جو مسلم اُمۃ کی ترقی کی بنیاد بنی۔ تحقیق وترقی کا سب سے پہلا ادارہ مامون الرشید کے دور میں بغداد میں کھلا جو تیسری صدی قبل مسیح (B.C) سے لے کراب تک (830 تک) کا پہلا اہم ادارہ تھا۔ بقول P.K Hitti

> Al-Mamum in 830, established in Baghdad his famous Bayt-al-Hikmat, a Combination libray, Academy and translation bureau which in many respects proved the most important eductional institution. ﴿۳۳﴾

اس ادارے میں عیسائی، یہودی نیو مسلم سب آزادانہ تعلیمی وتحقیقی کام کرتے تھے ﴿۳۴﴾۔ مسلمانوں نے تعلیمی وتحقیقی کام کی اصل ابتدا نویں صدی عیسوی کے شروع میں کی۔ "بیت الحکمۃ" کی بنیاد بھی مامون نے 830 میں رکھی۔ ابتداء یونانی فلسفیوں اور سائنسدانوں کی کتابوں کے تراجم سے ہوئی۔ مسلمانوں نے گیلن (Galen) کے طب (Medicine) کے کام اور Paul of Aegina کے Medicine Work کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح یوکلڈ (Eudclid) (متوفی 650) اور پٹولمی (Ptolemy) کے ریاضی اور دوسری سائنسی تحقیق کو عربی میں منتقل کیا۔ ارسطو اور افلاطون کے یونانی فلسفے کو منتقل کیا اور اپنے علمی سفر کی ابتدا کی۔ مامون سے بھی پہلے تراجم کی ابتدا ہو چکی تھی۔ ابو یحیٰی ابن البطریق (جو کہ 796 اور 806 کے درمیان فوت ہوا) نے خلیفہ المنصور کیلئے گیلن (Galen) اور ہپوکریٹس (متوفی Hisppocrates, 636/B.C) کے اہم اہم کام کر ترجمہ کیا۔ اس نے Ptolemy کے کام "Quadripartitum" کو بھی عربی میں منتقل کیا۔ اُس دور کے مشہور مترجمین

اور محققین میں سے ابن البطریق، یحیٰ ابن ماسویہ، (متوفی 857)، ابن بختیشو، ابن اسحاق اور ثابت بن قرۃ (متوفی 973) زیادہ مشہور ہیں۔

یہ بات قابل ٹوٹ ہے کہ مسلمانوں نے یونانی، رومی ایرانی اور ہندی فلسفے اور سائنسی علوم کو اپنی زبان عربی میں منتقل کیا اور پھر اس کو پڑھا۔ یہ نہیں کہ ساری قوم کو پہلے یونانی زبان (Greek Language) سکھانے پر لگایا ہو پھر ہماری طرح انہوں نے جدید علوم سیکھنے کی کوشش کی ہو۔ انہوں نے اُس دور تک کے سارے فلسفے اور سائنس کو پہلے اپنی زبان عربی میں منتقل کیا اور پھر اسے پڑھا۔ تحقیق اور تعلیم و تدریس کے بعد عالم اسلام نے ابوعلی سینا پیدا کیا (980-1037) جس نے طب میں اپنی کتاب القانون لکھی جس کے پائے کی کتاب اُن سے پہلے انسانی تاریخ میں لکھی ہی نہیں گئی اور پانچ سو سال بعد بھی کوئی نہ لکھ سکا۔ جدید طب کی بنیاد ہی اُس پر ہے۔

علی الطبری نے بھی طب (Medicine) کے میدان میں نام پیدا کیا نویں صدی عیسوی کے وسط میں پروان چڑھے، طب اور طب میں اپنے تحقیقی و علمی کام .... " کتاب الدین " اور " فردوس الحکمۃ " (Paradise of Wisdom) کیوجہ سے دنیا میں نام کمایا۔ آپ کے تحقیقی کام میں فلسفہ اور علم فلکیات بھی کچھ حد تک شامل ہے جس کی بنیاد یونانی اور ہندی Sources ہیں۔

الرازی بھی (865-925) بہت بڑا اسکالر، مصنف اور محقق تھا۔ ایڈورڈ جی براؤن کے بقول

> " The greatest and the most original of all the muslim physicians, and one of the most prolific as an auther". ﴿ ۳۵ ﴾

الرازی نے 113 کتابیں لکھی جن میں 12 کیمسٹری پر تھیں۔ سرجری میں انہوں نے نام پیدا کیا۔ کیمسٹری میں بھی نام تھا۔ کیمسٹری میں کتاب: کتاب الاسرار لکھی۔ المجوسی کا تحقیقی کام کتاب الماکلی ہے۔ فلسفے میں الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن رشد، ابن طفیل اور ابن باجہ وغیرہ نے تحقیق و تالیف میں نام پیدا کیا۔ علم فلکیات اور ریاضی (Astronomy and Mathematics) میں البطانی، البیرونی (973-1050)۔ عمر الخیام (1023-1038) اور نصیر الدین طوسی نے نام پیدا کیا۔

مسلمانوں نے بہت بڑی بڑی لائبریریز قائم کیں جن میں بیٹھ کر لوگ سائنسی بحث اور تحقیق کیا کرتے تھے۔ دسویں صدی عیسوی میں الرے (Al-Ray) میں ایک ایسی لائبریری تھی جس کی کتابیں 400 اونٹوں کے لوڈ کے برابر تھیں

﴿۳۶﴾۔قرطبہ میں خلفیہ کی لائبریری میں 4 لاکھ کتابیں تھیں ۔ اُس وقت قرطبہ یونیورسٹی کی لائبریری میں 6 لاکھ کتابیں تھیں ﴿۳۷﴾۔ بیت الحکمۃ میں بہت بڑی لائبریری تھی۔ مسلم اُمہ نے ترقی کی تو اس کی بنیاد تحقیق اور تعلیم تھی۔ جس طرح آج عالم اسلام اور مغرب و امریکہ کے درمیان تعلیم، تحقیق، سائنس و ٹیکنالوجی اور سیاسی و معاشی ترقی کا فرق ہے اسی طرح قرونِ وسطیٰ میں ہمارا اور مغرب کا فرق تھا۔ تعلیم و تحقیق اور معاشی خوشحالی میں 90% فیصد حصہ مسلمانوں کا تھا۔ لیکن آج اُس کے الٹ عالمی کمائی یا جی ڈی پی (World-GDP) میں عالم اسلام کا حصہ 5% ہے اور ایکسپورٹ میں 8% اس کیوجہ یہ ہے کہ جب اندلس کا دارالخلافہ قرطبہ میں بنا تو وہاں مسلمانوں کی لائبریری میں 4 لاکھ کتاب تھی۔ جب کہ یورپ میں، سوئٹزرلینڈ میں، سینٹ گال لائبیریری میں اُس وقت چند سو کتابیں تھی۔ جب بغداد، قاہرہ، قرطبہ، علم کی روشنی سے چمک رہے تھے اور پوری دنیا ایشیا اور یورپ، سب علمی پیاس بجھانے کیلئے انہیں شہروں کی طرف بھاگتے تھے۔ اس وقت پورے یورپ میں کوئی قابل ذکر تعلیمی ادارہ یا دانش گاہ نہیں تھی۔

آج عالم اسلام کے 57 او آئی سی کے ممبر ممالک میں صرف 600 یا اُس سے بھی کم یونیورسٹیاں ہیں۔ آج اکیلے جاپان میں 1000 سے زائد یونیورسٹیاں ہیں جس کیوجہ سے جاپان کا جی ڈی پی 4400 بلین ڈالر ہے جبکہ اُس کی آبادی 14 کروڑ سے بھی کم ہے۔ 2003ء میں عالم اسلام کے 57 ممالک میں 120 کروڑ لوگ ہیں اور GDP تقریباً 1500 بلین ڈالر ہے، اور یہ جاپان سے تین گنا کم ہے۔ امریکہ سے 8 گناہ کم ہے۔ جرمنی، برطانیہ اور فرانس سب کا انفرادی GDP عالم اسلام سے زیادہ ہے جرمنی کا 2400، برطانیہ کا 1795 اور فرانس کا GDP 1747 بلین ڈالر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاپان تحقیق و ترقی پر 36 بلین ڈالر، جرمنی 17 بلین ڈالر، برطانیہ 10 بلین ڈالر اور فرانس اپنی تحقیق پر 9.5 بلین ڈالر ﴿۳۸﴾ اور امریکہ تقریباً 100 بلین ڈالر خرچ کرتا ہے۔ پاکستان پورے منسٹری اور سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پر 1998ء میں 3.8 ملین پونڈ خرچ کرتا تھا جو 280 ملین روپے بنتے ہیں اور تقریباً 7 ملین ڈالر بنتا تھا۔ پورے عالم اسلام کا تحقیق و ترقی کا بجٹ شاید ایک جاپان کے برابر بھی نہیں ہے امریکہ کے 293 ملیں لوگوں میں سے 1.1 ملین (11 لاکھ) لوگ مستند سائنسدان (Qualified Scientists) ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی 2004 میں تقریباً 1300 ملین ہے لیکن پورے عالم اسلام کے سائنسدانوں کی تعداد شرمناک حد تک 300000 (تین لاکھ) کے قریب ہے۔ ایک ملین مسلمانوں میں 230 سائنسدان ہیں جبکہ امریکہ میں 3700 فی ملین سائنسدان ہیں۔ سائنسدان سائنسی تحقیق اور اعلیٰ تعلیم سے بنتا ہے۔ امریکہ کے پاس 227 سے زائد سکالرز، عظیم

لوگ نوبل انعام یافتہ ہیں۔ عالم اسلام کے پاس کتنے ہیں؟ بس تعلیم وتدریس اور تحقیق وترقی کا یہی وہ فرق ہے، جس کی وجہ سے ہم دوسری ترقی یافتہ قوموں سے پیچھے ہیں۔ قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ علم والے اور جاہل کبھی برابر نہیں ہوسکتے: ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں۔ یقیناً نصیحت تو وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہیں ﴿ ۳۹ ﴾۔ دورِ عروج میں مسلمانوں کی ترقی کے پیچھے اُن کا علم، تحقیق اور اعلیٰ کردار تھا۔ اُن کے پیچھے بوعلی سینا، کندی فارابی، ابن رشد، ابن طفیل، الخوارزمی، ابن الہیثم، عمر الخیام، البیرونی، البطانی، الجاحظ اور بے شمار محققین فلسفی، سائنس دانوں اور علماء کا علمی اور تحقیقی کام تھا۔ آج ہم نے اس ورثے کو، اُس تحقیقی، علمی اور عملی زندگی کو ختم کردیا۔ علمی اور تحقیقی ورثے سے منہ موڑ لیا ہے اور رابطہ منقطع کرلیا ہے۔ اقبالؒ نے اس لئے کہا تھا:

بھلادی ہم نے آباء اپنے سے جو میراث پائی تھی

ثریا سے زمین پہ آسماں نے ہم کو دے مارا

آپ خود سوچئے کہ کیا آپ ایسے لوگوں سے دوستی کرنا چاہیں گے جو کہ جاہل معاشی طور پر بدحال، بددیانت، بدکردار اور بدزبان ہوں؟ لوگ تو ایسے رشتے داروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ تو کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی ملک، کوئی قبیلہ یا کوئی ایسا معاشرہ ایسے لوگوں کا محکوم ہوجائے۔ آج کل کے مسلمان معاشروں میں بدحالی، غربت، افلاس، جہالت، علم و تحقیق اور جدید رجحانات کی عدم موجودگی، کرپشن، دھوکہ اور فراڈ کی ایک عجیب افراتفری ہے۔ اس حالت میں کوئی دوسرا ملک تو کیا اپنے ہی لوگ مسلمانوں اور مسلم ممالک کو Reject کررہے ہیں ناکام لوگوں کے ساتھ تو کوئی بھی رہنا نہیں چاہتا۔

یہی تحقیق، علم اور اعمال ہی تو مسلمانوں نے بطور ہتھیار استعمال کئے تھے اور پوری دنیا کا دل جیت لیا تھا۔ اور اب بدقسمتی سے پوری دنیا کو ان ہتھیاروں کا استعمال سکھا کر خود بھول گئے ہیں۔ آج یورپ اور امریکہ یہی ہتھیار استعمال کرکے مسلمانوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ آج پورا عالم اسلام، خاص طور پر ترقی پذیر اور پسماندہ مسلم ممالک کے نوجوانوں کی شدید خواہش ہے کہ انہیں یورپ اور امریکہ کا ویزا مل جائے۔ وہ وہاں جاکر تعلیم حاصل کریں، کاروبار کریں، محنت مزدوری کریں۔ اس کیلئے وہ لاکھوں روپے لگانے اور یورپ اور امریکہ کی خوشبو سونگھنے کیلئے رات دن کوشش کرتے رہتے ہیں اور سردھڑ کی بازی لگانے کیلئے تیار اور بے تاب رہتے ہیں۔ لیکن 99% لوگ محروم رہتے ہیں اور ناامید ہوکر بیٹھ جاتے ہیں۔ کیا کبھی کوئی یورپین یا امریکہ کا کوئی باشندہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی،

سپین، اٹلی، سوئیٹرز لینڈ، آسٹریلیا، آسٹریا اور ناروے وغیرہ کے لوگ پسند کرتے ہیں کہ وہ پاکستان، بنگلہ دیش انڈونیشیا، افغانستان، ایران، سعودی عرب اور مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے کسی مسلمان ملک میں تعلیم حاصل کرنے یا اپنے آپ کو سیٹ کرنے کیلئے بے تاب یا خواہش مند ہوں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں .... اس کی ایک ہی وجہ ہے، وہ ہے جہالت، مفلسی، بد دیانتی، علم و تحقیق میں کوراپن۔ اصل میں دنیا کی خوشحالی اور آسودگی ہمیشہ علم اور تحقیق کی پیروی اور اتباع **(Follow)** کرتی ہے۔ جہاں سے علم رخصت ہو جائے ساتھ ہی خوشحالی بھی رخصت ہو جاتی ہے۔

......☆......☆......☆......

فصل پنجم

مغرب کی اندھی تقلید

کسی بھی انسان، معاشرے یا قوم کی ساری چیزیں نہ اچھی ہوتی ہیں نہ بری۔ ہر معاشرے میں خوبیاں اور خامیاں (Merits and demerits) ہوتی ہیں۔ کسی معاشرے کو کلی طور پر Reject یا Accept نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح مغرب کی بھی بہت ساری خوبیاں ہیں جو ہمیں اپنانی چاہییں۔ اور بہت سی خامیاں ہیں جس سے ہمیں دور (Avoid) رہنا چاہیے۔ کسی معاشرے کی اندھی تقلید تو ویسے ہی نارمل اور باشعور قوم کا شیوہ نہیں۔ کسی کی اچھائی اور خوبی کو ماننا اور چیز ہے لیکن کسی قوم یا معاشرے کو اپنے لئے نمونہ بنانا اور اس کی اندھی تقلید کرنا ایک دوسری چیز ہے۔ یہود نصاریٰ کے تعلق کے حوالے سے قرآن کہتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ م بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط﴾ ﴿۴۰﴾ اے ایمان والو ! یہود و نصاریٰ کو مت اپنا دوست بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

خدا کا ارشاد ہے: "**اللّٰه ولی الذین آمنو**" ﴿۴۱﴾ اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے۔ پھر فرمایا۔ ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ ﴿۴۲﴾ تمہارا دوست تو اللہ ہے، اُس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں...... آگے پھر فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ج﴾ ﴿۴۳﴾ اے ایمان والو! مت بناؤ اُن لوگوں کو جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل ٹھہراتے ہیں جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے اور نہ بناؤ کافروں کو دوست اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔ یہ ہیں یہود نصاریٰ اور مغرب والوں کے متعلق خدا کے احکامات۔ قرآن کے مطابق یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ کیونکہ یہ تمہارے دوست بن ہی نہیں سکتے۔ یہ تو آپس میں دوست ہیں۔ غلط فہمی میں نہ رہنا۔ دوسری بات یہ ہے کہ خدا اور خدا کے رسول کو دوست بناؤ اور انہیں کی پیروی کرو۔ اُن پر ہی بھروسہ اور توکل کرو۔ اور انسانوں میں تمہارے دوست خدا اور خدا کے رسول کے علاوہ صرف مومن ہی ہیں جن پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہود و نصاری مسلمانوں کے دین کو مذاق بناتے ہیں۔ شریعت کے احکامات اور قوانین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اصل میں یہ خدا اور خدا کے رسول کا مذاق اڑاتے ہیں کیونکہ شریعت اور دین اسلام اُن کا دیا ہوا ہے۔ لہٰذا ان کی تقلید تو کیا اُن کو دوست بھی سمجھنا مسلمانوں کی غلطی ہوگی اور ہے۔ جہاں تک علم سیکھنے اور سکھانے کا تعلق ہے اور کسی قوم کی خوبیاں لینے اور اپنانے کا

تعلق ہے تو اس میں کیا حرج ہے ترقی یافتہ قوموں کی تحقیق و ترقی سے فائدہ اٹھانا غلط نہیں ۔ پہلے مسلمانوں نے بھی یونانی فلسفیوں (Greek Philosophers) اور سائنسدانوں کے علم اور تحقیق کو بنیاد بنایا اور سیکھا تھا۔ خدا کے رسول کا فرمان ہے۔ ((اُطلبو العلم ولو کان فی السین)) ۔علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے۔ چین میں کونسے محدثین اور مفسرین تھے وہاں تو ابھی اسلام ہی نہیں پہنچا تھا صرف اُن کی علمی اور تحقیقی ترقی کی وجہ سے آپ نے یہ فرمایا تھا۔ حضور علیہ السلام کی ایک حدیث ہے۔ "علم کے افلاس سے بڑھ کر کوئی افلاس نہیں اور علم حاصل کرنے سے بہتر اور کوئی بہتری نہیں " (مسند احمد) دوسری حدیث ہے: "علم میں زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے" (مشکوۃ) مسلمانوں کیلئے موجودہ تہذیب جدید میں ضم ہو جانا سراسر خودکشی کے مترادف ہے کیونکہ اس کا مطلب تہذیب جدید کے تمام عیوب کو قبول کر لینا ہوگا۔ اگر مسلمانوں نے ایسا کیا تو کبھی بھی دنیا میں نیکی کے لیے سہارا و ممد ثابت نہ ہوں گے۔ لیکن اس تہذیب کو سراسر نظر انداز کر دینا بھی خودکشی سے کم نہیں ہوگا۔

جمال الدین افغانی انسویں صدی کے عظیم مصلح تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو انحطاط سے نکالنے کیلئے بہت کوششیں کیں اور کئی نسخے تجویز کیے 1857ء کی انگریز کے خلاف جنگ آزادی کے وقت وہ برصغیر میں موجود تھے ﴿۴۴﴾۔ وہ عرب، روس، ترکی اور یورپ جہاں کہیں بھی گئے انہوں نے مغربی علم و تحقیق اور مغرب کی بے انتہا طاقت کا مشاہدہ کیا۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ مغرب جلد عالم اسلام پر غالب آ جائے گا۔ انہوں نے عالم اسلام کو متحد ہونے کی تلقین کی۔ اُن کا کہنا تھا کہ "مسلمانوں کو نئی دنیا کی سائنسی ثقافت کو اپنی شرائط پر لازماً اپنا لینا چاہیے" ﴿۴۵﴾ افغانی کے گہرے دوست اور عالم اسلام کے مفکر اور مصلح ....محمد عبدہٗ (1849-1905) نے بھی انحطاط کا حل تعلیم ہی نکالا۔ انہوں نے یورپی فلسفے اور سائنس کا وسیع مطالعہ کیا۔" وہ جدید مغرب کے سیاسی، قانونی اور تعلیمی اداروں کو بہت پسند کرتے تھے" ﴿۴۶﴾ اُن کا خیال تھا کہ مغرب سے استفادہ کرنا چاہیے۔ سارے اہل کتاب برے بھی نہیں ہوتے قرآن کہتا ہے:﴿وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ﴿۴۷﴾: اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو اُن کیلئے بہتر تھا اُن میں ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں

آج پوری دنیا میں، علم کے ہر شعبے میں، امریکہ کی برتری ہے۔ اُس کے بعد یورپ ہے۔ دنیا کے تمام کے تمام ممالک سے لوگ وہیں پڑھنے جاتے ہیں۔ ان اقوام کی ترقی و خوشحالی اور کامیابی دیکھ کر ہر شخص اُن کے ساتھ دوستی اور تجارت کرنا چاہتا ہے، اُن ممالک کا شہری بننا چاہتا ہے۔

تازہ ترین مثال ڈنمارک کی ہے جس کے اخبار میں ہمارے پیغمبر ﷺ کی شان میں ایک کارٹون کے ذریعے گستاخی کی گئی تھی۔ 2006ء کے شروع میں اس کے خلاف پورے عالم اسلام میں مظاہرے ہوئے جلسے اور جلوس نکالے گئے۔ ان ہنگاموں میں درجنوں اپنے ہی مسلمان ہلاک ہوئے لیکن ڈنمارک کا ہم سب اسلامی ممالک، 57 ممالک کچھ نہ بگاڑ سکے نہ ہی عالم اسلام کے پیچھے لگ کر کسی بھی ملک نے اُس کے خلاف ہمارا ساتھ دیا۔ UNO میں اُس کے خلاف قرارداد تک پاس نہ کروا سکے۔ کیونکہ اگر چہ اُس کی آبادی 54 لاکھ ہے لیکن اُس کی فی کس آمدن 33750 امریکی ڈالر ہے۔ اُس کا ایکسپورٹ 68 بلین ڈالر ہے، GDP 213 ارب ڈالر (212404 ملین) ہے اتنی فی کس آمدن کسی اسلامی ملک کا نہیں۔ اس سے آدھا بھی کسی کا نہیں۔ ترکی کے علاوہ (جس کا 237 بلین GDP ہے) کسی ملک کا جی ڈی پی 213 بلین نہیں ہے۔ لیکن ترکی کی آبادی 7 کروڑ 70 لاکھ ہے جبکہ ڈنمارک کی صرف 54 لاکھ ہے۔ تو ڈنمارک کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ کون آئے گا۔ ڈنمارک سے دوستی آپکی خاطر کون ختم کرے گا۔ اس لئے مہاتیر محمد (سابق وزیر اعظم ملائشیا) نے کہا تھا "ترقی یافتہ ممالک میں پائی جانے والی پیشہ وارانہ اخلاقیات سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں" ﴿۴۸﴾ مہاتیر کہتے ہیں کہ: "اگر کسی معیشت کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہو تو اسے سب سے پہلے مقامی لوگوں کی ذہنی ترقی پر توجہ دینا چاہیے۔ اس کے معنی یہ ہرگز نہیں بنتے کہ اپنے مقامی کلچر کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے"۔ ﴿۴۹﴾

اگر ترقی یافتہ قوموں کی خوبیوں کو اپنانا ہے اور ضرور اپنانا چاہیے تو اپنے مذہب، کلچر اور تہذیب کے دائرے میں رہ کر اپنایا جائے ورنہ کوے کے ہنس کی چال چلنے کے مترادف ہوگا۔ اگر عالم اسلام اور دیگر ایشیائی اقوام کو مغربی اقوام کا مقابلہ کرنا ہے تو چند مخصوص مہارتوں کے حصول کے ساتھ ساتھ ہمیں معاشرتی اقتدار اور رویوں میں بھی تبدیلی لانی چاہیے۔ اگر یہ تبدیلی باہر کے لوگوں کی طرف سے، خاص طور پر مغرب اور امریکہ کے تسلط کی وجہ سے کی گئی تو ایک پر امن اور صحت مند فضا میں ایسا کرنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس طرح آجکل پاکستان میں تجربہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کبھی نظام میں، کبھی قانون میں اور سب سے اہم نظام تعلیم اور نصاب تعلیم میں منفی تبدیلیاں کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جس کو مذہب اور اسلامی روایات اور کلچر کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے۔ لوگوں کو امریکی اور مغربی بنانا اور اُن کے کلچر کو اپنانا ہمارا مقصد نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ایسا کرنے سے کبھی بھی متوقع نتائج حاصل نہیں ہو پائیں گے۔ ترکی اور مصر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں دوسری تہذیبوں اور ترقی یافتہ قوموں کی بہتر باتیں اپنانے سے

گھبرانا نہیں چاہیے مگر اپنی شناخت بطور مسلم ہر حالت میں برقرار رکھنی چاہیے۔ جرمنی، جاپان، سپین اور فرانس وغیرہ نے اپنی زبان اور کلچر میں رہ کر ترقی کی محض کوٹ پہننے، ٹائی لگانے اور انگریزی بولنے وجدید سائنس وٹیکنالوجی کی تعلیم سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر خطے میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں کو اپنی روایات، مذہب اور کلچر کے مطابق آگے بڑھنے کے مواقع ملنے چاہییں تاکہ ترقی کے نام پر بیرونی طاقتیں انہیں اپنے تہذیبی، معاشی اور معاشرتی ڈھانچوں میں تبدیلی کرنے پر مجبور کریں۔ اب یہ مسلمانوں کیلئے بہت بڑا چیلنج ہے کہ وہ باقی اقوام کے ساتھ بھائی چارے کی فضا میں رہتے ہوئے ترقی کی راہیں استوار کریں۔ خاص طور پر ایسے وقت میں جب گلوبلائزیشن اور نیو ورلڈ آرڈر سے مراد مغربی تہذیب، مغرب کے کاروباری طریقہ کار، معاشرتی نظام اور سیاسی نظام اپنانے سے لی جارہی ہو۔ جہاں تک خوبیوں کا تعلق ہے وہ اپنانی چاہییں لیکن اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں کہ جو امریکہ، مغرب یا انہیں کے تحت چلنے والے بین الاقوامی ادارے World Bank, IMF , WTO وغیرہ کہیں یا ہدایات دیں اُن پر عمل کرنا چاہیے یہ ادارے مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ ان کی پالیسیاں ہمیشہ عالم اسلام کے خلاف رہی ہیں۔ 1998 میں آئی ایم ایف کے مطالبات پر عمل ہی انڈونیشیا میں سوہارتو حکومت کے خاتمے کا باعث بنا۔ اس پر ڈاکٹر ہنری کسنجر (سابقہ وزیر خارجہ امریکہ) نے 5 اکتوبر 1998 کو انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبیون (International Herald Tribune) کے اداریے میں تحریر کیا کہ انڈونیشیا جو وسیع قدرتی ذخائر کا حامل ملک ہے اور جس کی پالیسیوں اور اقتصادی منصوبوں کی ورلڈ بنک نے بھی تائید کی تھی، سے آئی ایم ایف نے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے پندرہ بنک بند کر دے خوراک اور تیل پر سے اجارہ داریوں کو ختم کرنے کے ساتھ ہی سبسڈی (Subsidy) کو بھی ختم کرے اور جب یہ Subsidies ختم ہوگئیں تو تیل اور خوراک کی قیمتوں میں بڑا اضافہ ہوا جس سے چینی اقلیت کے خلاف نسلی فسادات کا آغاز ہوا، جو کہ ملکی کاروبار کے ایک بڑے حصے کے مالک ہیں۔ جس کے نتیجے میں انڈونیشیا سے "60 بلین ڈالر" کا انخلاء ہوا۔ زر کے اس بحران سے معیشت برباد ہوگئی اور اپریل 1998 تک "سوہارتو حکومت" اس دھاکے کی نظر ہوگئی۔ زر کا یہ بحران اقتصادی بحران کی صورت اختیار کر گیا۔ جس نے آخر کار سیاسی اداروں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں، جس سے کسی بھی قسم کی حقیقی معاشی اصلاح تعطل کا شکار ہوگئی۔

ہنری کسنجر بین الاقوامی معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ انسویں صدی اور بیسویں صدی کا نصف مغرب میں نیشنلزم اور قوم پرستی کے عروج کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں نے بھی مغرب سے قوم پرستی سیکھ لی اور مغرب کی تقلید میں ترکی، ایرانی، عربی اور افغانی کا نعرہ

بلند ہوا۔ مسلمان ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ جس کا نتیجہ مسلم قوم کی شیرازہ بندی میں نکلا۔ مغربی قومیں .... برطانوی، فرانسیسی، جرمن، ہسپانوی، اطالوی وغیرہ تو قوم پرستی میں متشدد تھے لیکن مسلمان اُن کی دیکھا دیکھی اُن کی اقتدا میں قوم پرست بن گئے۔ اُن کو خبر نہیں تھی کہ جو چیز مغرب کیلئے آبِ حیات ہے وہ اسلامی قوم کیلئے زہر قاتل ہے۔ مغربی قوموں کی بنیاد نسل، وطن اور زبان ورنگ کی وحدت پر قائم ہوئی ہے اسلئے ہر قوم مجبور رہے کہ وہ ہر اس شخص سے اجتناب کرے جو اس کا ہم قوم، ہم نسل اور ہم زبان نہ ہو۔ لیکن اسلامی قومیت کا معاملہ اس سے برعکس ہے اقبال نے اسی لئے کہا تھا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب پر نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی

اُن کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار

قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

عام مسلمان مما لک مغرب اور امریکہ اور اُن کے بنائے ہوئے بین الاقوامی اداروں سے امداد وصول کرتے ہیں پھر اُن کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق اُن کی راہنمائی میں انہی کی خواہشات کے مطابق اُس امداد کا استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ترقی کی بجائے تنزل ہوتا ہے۔ امداد صرف وقتی ضرورت پورا کرنے کیلئے ہوتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اگر اس امداد کو تعلیم وتربیت یا کسی پیداواری شعبے میں خرچ کیا جائے تو پھر بھی خاطر خواہ نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ چینی کہاوت ہے۔ کہ اگر کسی شخص کو مچھلی دے دی جائے تو اس کی صرف ایک دن کی بھوک مٹ سکتی ہے لیکن اگر اسے مچھلیاں پکڑنے والی راڈ دے کر یہ تربیت دی جائے کہ مچھلی کا شکار کس طرح کیا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ کیلئے خود کفیل ہو سکتا ہے۔ جو امداد ہم مغربی مما لک سے وصول کرتے ہیں اور جسطرح خرچ کرتے ہیں اس طرح ہم کبھی خود کفیل نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ امیر ملکوں کی طرف دیکھیں گے اور وہ مما لک امداد کے نام پر ہمارے داخلی اور خارجی معاملات میں دخل اندازی کرتے رہیں گے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ملک آپ کو قرض یا امداد دے اور آپ کے داخلی اور خارجی معاملات میں دخل نہ دے اور آپ اپنا تشخص بھی برقرار رکھیں۔

بہت سے لمبے عرصے تک امداد وصول کرنے والے مما لک ایسے ہیں جو آج غربت میں پسے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اُن کے

بجٹ کا زیادہ حصہ قرضوں کی واپسی میں صرف ہو جاتا ہے۔ جسطرح آج عالم اسلام امریکہ کی ہاں میں ہاں ملا رہا ہے اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ امریکہ ہر معاملے میں مسلم ممالک کو ہدایات اور احکامات جاری کرتا ہے۔ ہم اسی وقت بغیر سوچے سمجھے اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔ اس نے 1991ء میں عراق پر حملہ کیا ہم میں سے اکثر نے عراق کے خلاف کسی نہ کسی حوالے سے اُس کا ساتھ دیا۔ اس نے افغانستان کو تباہ کیا اور ہماری مدد چاہی تو ہم نے فوراً حمایت کی۔

اس نے دہشت گردی کے نام پر عالم اسلام پر جنگ مسلط کی تو اکثر مسلمان ممالک نے بر سر عام اور بہ بانگ دہل "دہشت گردی" کے خلاف امریکہ کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ اب عراق کی تباہی میں بھی کوئی مسلمان ملک اس کی اور مغرب کی مخالفت نہیں کر رہا۔ بلکہ بہت سارے مشرق وسطیٰ اور سنٹرل ایشاء کے ممالک ایسے ہیں جہاں امریکہ کے فوجی اڈے ہیں جہاں سے عراق اور افغانستان کو تباہ کیا گیا۔

عالم عرب نے امریکہ اور مغرب کی تابعداری میں ایران کے خلاف کئی سال جنگ لڑی جس کیوجہ سے عالم عرب خاص طور پر اور عالم اسلام عام طور پر بری طرح معاشی انحطاط کا شکار ہوا۔ اب بھی ہمارے اکثر داخلی اور خارجی فیصلے امریکہ میں ہوتے ہیں۔ اسرائیل کے ساتھ جتنے مذاکرات ہوتے ہیں اور آئندہ بھی جتنے متوقع ہیں وہ سب امریکہ کی چھتری کے سائے میں ہوئے ہیں۔ اگر ترقی کرنی ہے تو اس اندھی تابعداری سے جان چھڑانا ہوگی۔ عالم اسلام کے حکمرانوں نے جس امریکہ کی بات ماننے کا اور اُس کی تقلید کرنے کا تہیا کیا ہوا ہے اُس کے حکمرانوں اور دانشوروں کے اپنے متعلق خیالات کا بھی ہمیں علم ہونا چاہیے۔ تہذیبوں کے تصادم کا مصنف سیموئیل ہن ٹنگٹن کہتا ہے: مسلم جنگوؤں نے بین الاقوامی تنازعات کے سب سے بڑے مظہر کی حیثیت سے سرد جنگ کی جگہ لے لی ہے۔ ان جنگوں میں دہشت گردی کی جنگیں، خانہ جنگیاں، گریلا جنگیں اور بین الاقوامی تنازعات شامل ہیں۔ مسلم تشدد کی یہ مثالیں اسلام اور مغرب کے درمیان یا اسلام اور باقی دنیا کے درمیان تہذیبوں کے ایک بہت بڑے تصادم کی شکل اختیار کر سکتی ہیں ﴿۵۰﴾۔

فرانس فاکویاما کہتا ہے: اسلامی اسلامسٹ جو کسی طرح کے اختلاف کو برداشت کرنے کے روادار نہیں ہے، ہمارے دور کے فاشسٹ ہیں دار صل ہم اُن کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ ﴿۵۱﴾

لہذا ہمیں اندھے ہوکر امریکہ اور یورپ کی پیروی نہیں کرنی چاہیے بلکہ دانائی اور عقل مندی سے اپنی اچھائی برائی اور فائدہ نقصان کا بھی خیال رکھنا چاہے، تمام عالم اسلام کو ملکر منصوبہ بندی کرنی چاہیے کہ وہ کسطرح مغرب اور امریکہ پر سے انحصار کم کر سکتے ہیں۔ کس طرح اپنے معاملات، پیدوار، اسلحہ اور جدید ترقی اور تعلیم وتحقیق میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ امریکہ اور مغرب کی دخل اندازی کس طرح ہمارے ملکی معاملات میں کم ہوسکتی ہے۔ یہی باتیں آج سوچنے کی ہیں۔

☆☆☆

فصل ششم

تعلیم سے وابستہ افراد کی معاشی پسماندگی اور تحقیر

ہمارے معاشی اور معاشرتی انحطاط کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اساتذہ کا وقار اور عزت نہیں۔ تعلیمی اور تحقیقی کام میں مصروف اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی معاشی اور معاشرتی حالت کمزور ہوتی ہے ہمارے نکتہ نظر کے مطابق جو پالیسیاں اور اقدامات تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کیلئے ہوتے ہیں وہ سب اساتذہ کے گرد گھومتے ہیں۔ اگر استاد کا مقام و مرتبہ بلند ہوگا تو اس کے تعلیمی میدان میں اثرات بھی مثبت اور تعمیری ہوں گے۔ عام طور پر مقام و مرتبہ کیلئے لفظ Status استعمال ہوتا ہے جس کیلئے تین معیار ہوتے ہیں۔

۱۔ وقار یا ساکھ یا Prestige

۲۔ دولت یا Wealth

۳۔ تحکم یا حاکمانہ اختیارات (Administrative Powers)

معاشرے کے مختلف افراد کی جانب سے جو کسی فرد یا افراد کو احترام ملتا ہے اسے وقار یا ساکھ کہا جاتا ہے۔ جس کی ساکھ بہتر ہوگی اس کا مقام و مرتبہ بھی اعلیٰ سمجھا جائے گا۔

دوسرا معیار دولت ہے۔ جس کے پاس جتنی دولت ہوگی۔ اتنا ہی وہ خوش حال اور آسودہ زندگی گزارے گا۔ لطف اندوز ہوگا اور دوستوں اور رشتوں داروں میں اپنی فراخدلی سے عزت پائے گا۔

تیسرے معیار کا تعلق حاکمانہ اختیار یعنی تحکم سے ہے۔ جس کے پاس جتنے اختیارات ہوں گے اس کی طاقت اور مقام و مرتبہ میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔ وقار، دولت اور تحکم کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ان تینوں میں سے ایک بھی اگر کسی کے پاس ہو تو دوسرے دو خود بخود ہی آ جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے اساتذہ اور سکالرز کے پاس پاکستان میں ان تینوں میں سے کوئی بھی نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اسلام آباد کے حکومتی تحقیقی، سائنسی اور پالیسی ساز اداروں کے سکالرز اپنے معاشی مسائل کو حل کرنے کیلئے دوسرے پارٹ ٹائم جاب کرنے پر مجبور ہیں۔ اکثر کو ٹیوشنز پڑھاتے دیکھا جاتا ہے حالانکہ یہ افراد معاشرے میں اعلیٰ تعلیم یافتہ (Highly Qualified) ہوتے ہیں۔ اور اکثر کی اداروں میں کوئی نہ کوئی پوزیشن ہوتی ہے۔ یہ لوگ ماسٹر ڈگری ہولڈرز یا کم از گریجوایٹس ہوتے ہیں۔ اور پے سکیل میں گریڈ 19,18,17,16 کے ہوتے ہیں۔ لیکن اپنی تنخواہ میں گھر کا نظام نہیں چلا سکتے۔

ان کے مقابلہ میں کہیں کم پڑھے لکھے اور کم نمبروں والے گورنمنٹ ملازم جو پولیس، ایف آئی اے، کسٹم، انکم ٹیکس، ڈی سی آفس اور پبلک ڈیلنگ والے اداروں میں ملازم ہوتے ہیں، وہ زیادہ Status اورعزت ووقار کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر آسودہ ہوتے ہیں ۔حتی کہ بنکوں اور کارپوریشنز کے ملازمین اور آفیسران " تعلیم سے متعلقہ " لوگوں سے کہیں زیادہ معزز اور خوشحال ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل تعلیم وتدریس کی طرف رجحان کم ہے۔ ٹیچرز وہ لوگ بنتے ہیں جو دوسری کسی اچھی جگہ ایڈجسٹ نہیں ہو پاتے ۔ اور ذہین اور Talented لوگ استاد بننے کے بعد بھی کوشش سے کسی دوسری طرف چلے جاتے ہیں۔ تحقیق کے نتائج سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ استاد کا پیشہ درمیانہ طبقہ کے پیشوں کی فہرست میں سب سے آخر میں ہے جس کی وجہ سے معاشرے کے ذہین طلبہ تدریس کا شعبہ اختیار کرنے میں جھجک محسوس کرتے ہیں ۔ اس عنصر کی وجہ سے تعلیمی اداروں میں تدریس کا معیار متاثر ہو رہا ہے جو اساتذہ کے مقام ومرتبہ میں کمی کا باعث بن رہا ہے۔ یہ مسئلہ اگر چہ عالمی ہے لیکن مسلم ورلڈ میں خاص طور پر اساتذہ اور تدریسی شعبے پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی ۔ یورپ اور امریکہ میں استاد اور پروفیسر کا مقام معاشرے کے عام افراد سے بہت اونچا ہے۔ امریکہ کی آجکل وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس کسی یونیورسٹی میں پروفیسر تھیں ۔ اس تحقیقی کام کیوجہ سے ان کی شہرت ہوئی اور دنیا کے سب سے طاقت ور ملک کی، صدر کے بعد طاقتور ترین پوزیشن میں کام کر رہی ہیں ۔

اسلام نے ٹیچر اور استاد کا بہت مرتبہ قائم کیا ہے۔ قرآن پاک میں خدا نے اپنے پیغمبر کو معلم کہا ہے۔ **یُعَلِّمُهُم الکتاب والحکمۃ** ۔﴿۵۲﴾ حضور علیہ السلام نے خود کہا: ((بعثت معلماً)) یعنی میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔

لہٰذا جب تک علم سے وابستہ لوگوں، ٹیچرز اور محققین کو جائز مقام (Due Respect) نہ دیا گیا اور معاشی مسائل سے بے نیاز نہ کیا گیا اس وقت تک تعلیمی معیار بہتر نہیں ہو سکے گا۔ اور اساتذہ اور محققین وسکالرز دلجمعی سے کام نہیں کریں گے ۔

☆ ☆ ☆

فصل ہفتم

قیادت کا فقدان

بد قسمتی سے اس وقت پوری اسلامی دنیا میں کوئی بھی ایسا قائد نہیں ہے جس کا احترام سارا عالم اسلام کرتا ہو یا جس میں ایسی صلاحیت ہو کہ امہ اُس کی بات پر کان دھرے۔ اپنی کمزوریوں اور مغربی پالیسیوں کیوجہ سے سارا عالم اسلام بکھرا ہوا ہے۔ OIC کے سارے 57 ممبران کا اتفاق تو دور کی بات ہے۔ عرب لیگ جس میں 22 یا 23 عرب ممالک (جہاں عربی زبان بولی جاتی ہے) شامل ہیں اُن کا کبھی آپس میں اتفاق نہیں ہوا۔

اس وقت عالم اسلام میں تین شخصیات ہیں جن پر اگر عالم اسلام اعتماد کرے تو سیاسی اور معاشی میدان کے علاوہ مذہبی اور اخلاقی وروحانی معاملات بھی درست ہو سکتے ہیں۔ ایک شاہ عبداللہ، سعودی عرب کا حکمران اور دوسرا مہاتیر محمد۔ شاہ عبداللہ کو مجموعی طور پر قائد مان لیا جائے اور معاشی منصوبہ بندی اور پالیسیوں کے لئے مہاتیر محمد کو عالم اسلام کا انچارج بنا دیا جائے۔ اور تیسرے نمبر پر ترکی حکومت کی منت سماجت کر کے نجم الدین اربکان (سابق وزیر اعظم ترکی) کو رہا کر کے عالم اسلام کا سیاسی اور تنظیمی سربراہ بنا دیا جائے۔ اوران کے ساتھ عالم اسلام کی تنظیم OIC کو ایسا فعال بنایا جائے کہ وہ حقیقتاً مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم ہو۔ پھر اس تنظیم کے منصوبوں پالیسیوں اور فیصلوں پر عملدر آمد کو یقینی بنایا جائے۔ اس کے بغیر کامیابی ممکن ہیں۔ قیادت اور تنظیم کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔ یا پھر OIC کے ممبر ممالک مل بیٹھ کر، ایمانداری، دانائی اور عقلمندی سے، خوف خدا کو دل میں رکھتے ہوئے اتفاقِ رائے سے مسلم اُمہ کی قیادت کا فیصلہ کریں تا کہ عالم اسلام کو موجودہ سیاسی، معاشی، اخلاقی اور تعلیمی و تحقیقی انحطاط سے جلد از جلد نجات دلائی جا سکے۔

فصل ہشتم

عالم اسلام کی موجودہ سیاسی و معاشی حالت اور مفلسی

(یہ حصہ، Approving Committee کی ہدایت پر اضافے کے ساتھ شامل کیا گیا)

نوٹ : مسلمان ممالک میں مسلمانوں کا موجودہ حکومتی ، سیاسی و معاشی نظام کا اضافہ Approving committee نے انٹرویو کے دوران تجویز کیا۔

بدقسمتی سے عالم اسلام پچھلی دواڑھائی صدیوں سے معاشی، سیاسی اور روحانی لحاظ سے اپنی تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ عالم اسلام کے پاس نہ وسائل قدرت (Natural Resources) کی کمی ہے نہ انسانی وسائل (Human Resources) اور مین پاور کی۔ زمین (Land, Area) ان کے پاس بہت ہے پوری دنیا کے 103 ملین کلومیٹر جغرافیائی علاقے میں سے مسلمانوں کے پاس 30.51 ملین کلومیٹر ہے جو کہ 29.62% ہے (ورلڈ بنک 2000 رپورٹ)اس وقت دنیا کی آبادی 6 ارب 47 کروڑ ہے جس میں مسلمان 1 ارب 44 کروڑ ہیں یعنی مسلمانوں کی آبادی دنیا کی آبادی کا 22.26 فیصد ہے ﴿۵۳﴾ اقوام متحدہ کے 192 ممبر ممالک میں 57 مسلمان ممالک ہیں۔ دنیا کی بہترین افرادی قوت، بہترین معدنیات اور زرعی وسائل اسلامی دنیا میں موجود ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق 67% تیل 50% گیس کے ذخائر مسلمان ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ دنیا کی 92% پٹسن، 89% گوند، 75% خوردنی تیل (Edible Oil) 68% مصالحہ جات 52% ٹن، 73% معدنیات، 33% فاسفیٹ، 32% کپاس، 5% زرعی اجناس اور 10% گنا عالم اسلام میں پائے جاتے ہیں ﴿۵۴﴾۔ اس لحاظ سے مسلم دنیا کو ایک بڑی معاشی قوت کے طور پر ابھرنا چاہیے تھا۔ مگر افسوس کہ ہماری وقعت آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ 57 ممالک اور 144 کروڑ کے عالم اسلام کو مغرب، امریکہ اور پوری دنیا 67 لاکھ آبادی کے اسرائیل کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔ ڈیڑھ دو کروڑ یہودی اور اُن کا ملک اسرائیل طاقت کے لحاظ سے عالم اسلام سے کئی گناہ زیادہ طاقت ور اور اثر و رسوخ کے مالک ہیں۔ دنیا کی آبادی میں 22.26% حصہ اور تیل اور گیس میں 67% حصہ ہونے کے باوجود دنیا کے جی ڈی پی (GDP) میں اُن کا حصہ صرف 5% ہے اور دنیا کے ایکسپورٹ (Export) میں 8%

ہے۔اسلامی ممالک کا آپس کی تجارت کا حجم تقریباً 13% ہے ﴿۵۵﴾۔

آبادی کے لحاظ سے اسلامی دنیا کے چار بڑے بڑے ممالک انڈونیشیا، پاکستان، بنگلہ دیش اور نائجیریا ہیں اوران چاروں ملکوں کی مجموعی آبادی عالم اسلام کی مجموعی آبادی کا 45% ہے۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ یہ چاروں ممالک دنیا کے بدعنوان ترین ممالک میں شامل ہیں۔ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی اکتوبر 2005 کی رپورٹ کے مطابق شفافیت کے اعتبار سے دنیا کے 158 ملکوں کا جائزہ لیا گیا تو بنگلہ دیش 158 ویں نمبر پر ہے۔نائجیریا 152 ویں نمبر پر، پاکستان 144 ویں اور انڈونیشیا 137 نمبر پر ہے۔ دنیا کے 25 شفاف ترین ملکوں میں کوئی مسلمان ملک شامل نہیں اور دنیا کے 16 بدعنوان ترین ملکوں میں 09 اسلامی ممالک شامل ہیں۔ یہ 9 ممالک بنگلہ دیش، چاڈ، ترکمانستان، نائجیریا، آوری کوسٹ، تاجکستان، سوڈان، صومالیہ اور پاکستان ہیں۔انسانی وسائل (Human Resources) کے حوالے سے اسلامی ممالک کی آبادی تقریباً 96 فیصد ایسی ہے جو نچلے درجے پر آتی ہے اس بات کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کی آپس میں تجارت کے بڑھنے سے یعنی 13% سے 70% ہونے سے عالمی تجارت میں ان کا حصہ 5% سے 8% تو ہوسکتا ہے لیکن آبادی کے تناسب سے 22.26% اُس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک مسلمان اعلیٰ تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ تحقیق اور ترقی (Research and development) کے میدان میں یورپ اور امریکہ کے برابر نہیں آتے۔

☆☆☆

فصل نہم

عالم اسلام اور دوسری ترقی یافتہ قوموں کی معیشتوں (Economies) کا تقابلی جائزہ

سب سے پہلے اس بات پر روشنی ڈالی جائے گی کہ ملکی معیشت کیا ہوتی ہے ملکی پیداوار کیا ہے اور قومی پیداوار کیا ہوتی ہے۔ کسی ملک کی معاشی حالت کا کس طرح اندازہ لگایا جاتا ہے۔

قومی آمدنی کی تعریف Gross National Product (GNP):

کسی ملک میں ایک سال کے دوران ہونے والی سب آخری استعمال کی اشیاء وخدمات (Final goods and services) کی بازاری قیمتوں کی صورت میں زری مالیت کو خام قومی پیداوار کہا جاتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں .... کسی ملک کے لوگ قدرتی وسائل اور سرمائے کی مدد سے ایک سال کے دوران زرعی اجناس، مثلاً گندم، کپاس، چاول وغیرہ، مصنوعات مثلاً کپڑا، موٹر کاریں، ادویات، ٹیلی ویژن، مشینیں وغیرہ اور معدنیات لوہا، تیل، سنگِ مرمر، کوئلہ وغیرہ اور مختلف خدمات مثلاً استادوں، ڈاکٹروں، وکیلوں، انجینئروں، کاریگروں، مزدوروں کے ذریعے جو اشیاء پیدا کرتے ہیں اور خدمات مہیا کرتے ہیں۔ ان کی مجموعی مالیت جو بازاری قیمتوں کے مطابق لگائی گئی ہو کو خام قومی پیداوار کہتے ہیں۔

ڈاکٹر الفرڈ مارشل کے مطابق، محنت اور سرمائے کی مدد سے اشیاء وخدمات کا مجموعہ جو کسی ملک کے لوگ ایک سال میں پیدا کرتے ہیں، قومی آمدنی کہلاتا ہے۔

> "GNP is the total market value of final goods and services, produced in an economy (Country) in one years' time"

قومی آمدنی میں وہ آمدنی بھی شامل ہے جو پاکستان کے باشندے دوسرے ملکوں مثلاً عرب ممالک، یورپ اور امریکہ وغیرہ سے کما کر پاکستان بھیجتے ہیں۔

خام ملکی پیداوار Gross Domestic Product (GDP):

کسی ملک کے افراد ایک سال کے دوران آخری استعمال کی جتنی بھی اشیاء وخدمات اندرون ملک پیدا کرتے ہیں، اُن کی بازاری مالیت کو "خام ملکی پیداوار یا Gross Domestic Product (GDP) کہتے ہیں۔

> GDP refers to the market value of final goods and services, produced with- in the Country.

پس جب خام قومی پیداوار سے بیرون ملک سے حاصل ہونے والی آمدنی منہا کردی جائے تو خام ملکی پیداوار حاصل ہوتی ہے۔

جیسے GNP-FI = GDP

GNP اور GDP میں فرق یہ ہے کہ پاکستان کے باشندے جو مشرق وسطیٰ و دیگر غیر ممالک مثلاً یورپ اور امریکہ وغیرہ سے ہر سال جو رقوم بھیجتے ہیں وہ پاکستان کی خام قومی پیداوار (GNP) کا حصہ ہے۔لیکن پاکستان کی خام ملکی پیداوار (GDP) کا حصہ نہیں۔کیونکہ یہ رقوم پاکستان میں نہیں کمائی گئی ﴿۵۶﴾ لہٰذا کسی بھی ملک کی معاشی صورت حال، امارت یا غربت کا جائزہ لینے کیلئے اُس کی سال بھر کی کمائی GDP کو(یاGNP) کو دیکھا جاتا ہے۔

عالم اسلام کی معیشت کا جائزہ:

آج 2006ء کے وسط میں پوری دنیا کی آبادی تقریباً 650 کروڑ یا 6ارب 50 کروڑ ہے جس میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً 145 کروڑ (1.45 بلین) ہے۔مسلم اُمہ کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا تقریباً 22.26% ہے۔ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ (World Development Report, 2007) کے مطابق پوری دنیا کی مجموعی خام پیداوار (GDP) کا تخمینہ(Value) 44384 ارب ڈالر ہے۔﴿۵۷﴾ جبکہ آبادی 6438 ملین یعنی 6ارب 43 کروڑ 80 لاکھ ہے۔اس طرح اگر World-GDP کا فی کس آمدن(Per Capita) نکالا جائے تو 6987ڈالر بنتا ہے اور دنیا میں ملکوں کی تعداد تقریباً 200 ہے جن میں 192 ممالک اقوام متحدہ (UNO) کے ممبر ہیں۔ان میں مسلمان ممالک کی تعداد 60 کے لگ بھگ ہے جن میں او۔آئی۔سی (O.I.C) کے رکن ممالک 57 ہیں اسلامی دنیایا او۔آئی۔سی کے رکن ممالک کی صورت حال اس حقیقت سے آشکار ہوتی ہے کہ دنیا میں توانائی اور قدرتی وسائل کے تقریباً 60% ذخائر رکھنے کے باوجود 57 او۔آئی۔سی رکن ممالک کا کل جی ڈی پی (GDP) ملا جلا کر شرمناک حد تک تقریباً2300 ارب ڈالر (2300 Billion Dollar) بنتا ہے اور یہ ورلڈ GDP کا تقریباً 5% ہے یعنی 2300/44384 اور آبادی 22.26% ہے اگر پوری دنیا کے لوگوں کی اوسط فی کس آمدن 6987امریکی ڈالر ہے تو دنیا کی اوسط فی کس آمدن کے معیار پر صرف سعودی عرب، فی کس آمدن 11770، کویت

فی کس آمدن 24040 ڈالر ﴿۵۸﴾ اور متحدہ عرب امارات، اومان، قطر اور برونائی آتے ہیں۔ 6987 ڈالر فی کس آمدن کے گروپ میں آنے والے ممالک کی آبادی تقریباً 3 کروڑ بنتی ہے جو اسلامی ممالک کی کل آبادی کا 3% ہے اور دنیا کی آبادی کا 0.4% ہے۔

اس کے مقابلہ میں ترقی یافتہ اقوام کے افراد کی تعداد 101 کروڑ ہے۔ اُن کا GDP 34466 بلین ڈالر ہے۔ اور فی کس آمدن (Per Capita Income) 35131 ڈالر ہے۔ عالم اسلام کیلئے باعث ندامت بات یہ ہے کہ 57 ممالک میں سے کسی ایک ملک کی فی کس آمدن اتنی نہیں ہے اور نہ ہی تناسب سے کسی ایک ملک کا GDP اتنا ہے۔ بلکہ بات اس سے بھی آگے ہے کہ 35131 ڈالر کا نصف 17065 ہے۔ کویت اور امارات کے علاوہ کسی اسلامی ملک کا فی کس آمدن 24040 یا اُس سے زائد نہیں ہے۔ ﴿۵۹﴾

ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ 2007 کے مطابق

مسلم اُمہ کے ممالک کی معیشت کا انفرادی جائزہ ﴿۶۰﴾

ایکسپورٹ ملین ڈالر میں Export in Billions	غربت کی لکیر کے نیچے آبادی Population below Poverty Line %	فی کس آمدن Per Capita Income	خام ملکی پیداوار Gross Domestic Product	آبادی Population	ملک کا نام Country
0.7	25%	2600ڈالر	08بلین ڈالر	3200000	البانیہ
44	12%	2730ڈالر	102بلین	31800000	الجزائر
4.3	49.6%	1240ڈالر	13بلین	8200000	آزربائیجان
9	49.8%	470ڈالر	60بلین	138100000	بنگلہ دیش
2.4	19.5%	2440ڈالر	9بلین	4100000	بوسنیا ہرزیگووینا
2.5	40.2%	1010ڈالر	17بلین	16100000	کیمرون
3.2	64%	400ڈالر	5.4بلین	8600000	چاڈ
1	40%	370ڈالر	0.3بلین	7900000	گنی
86	27.1%	1280ڈالر	287بلین	214500000	انڈونیشیا
58	-	2770ڈالر	196بلین	66400000	ایران
4	11.7%	2500ڈالر	13بلین	5300000	اردن
28	34.6%	2930ڈالر	57بلین	14900000	قازغستان
17	-	6180ڈالر	22بلین	4500000	لبنان
2	-	2830ڈالر	06بلین	2000000	مقدونیہ

ملائشیا	24800000	130بلین	5000ڈالر	-	140
مالی	11700000	05بلین	380ڈالر	63.8%	1
موریطانیہ	2700000	02بلین	560ڈالر	46.3%	0.5
مراکش	30100000	52بلین	1730ڈالر	36.3%	10
نائجر	11800000	3.4بلین	240ڈالر	63%	0.4
نائجیریا	135600000	99بلین	560ڈالر	34.1%	43
پاکستان	148400000	110بلین	690ڈالر	32.6%	17
کویت	2500000	74بلین	24.40	-	44
سعودی عرب	22500000	310 بلین	11770 ڈالر	-	178
سینی گال	10000000	08بلین	710ڈالر	33.4%	1.6
سیری لیون	5300000	1.2بلین	220ڈالر	68%	0.15
شام	17400000	26بلین	1380ڈالر	-	6
تاجکستان	6300000	2.3بلین	330ڈالر	35.7%	1
تیونس	9900000	28بلین	2890ڈالر	-	10.4
ترکی	70700000	363بلین	4710ڈالر	-	73
ترکمانستان	4900000	07بلین	1500ڈالر	-	5
ازبکستان	25600000	13.7بلین	510ڈالر	27.5%	5
یمن جمہوریہ	19200000	14بلین	600ڈالر	41.8%	5
بینن(Benin)	6700000	04بلین	510ڈالر	33%	.620
یوگنڈا	25300000	09بلین	280ڈالر	44%	1

انغانستان	25888797	07بلین	250ڈالر	80%	-
مصر	67600000	89بلین	1250ڈالر	16.7%	10

مجموعی طور پر عالم اسلام یا او۔آئی۔سی کے 57 ممالک کا GDP تقریباً 2300 بلین ڈالر بنتا ہے جبکہ آبادی 120 کروڑ ہے جبکہ پوری دنیا کے تقریباً 200 ممالک کا GDP 44384 ہے جبکہ آبادی 6.5 بلین یا 650 کروڑ ہے۔اس طرح پوری دنیا کی تقریباً 5% کمائی یا (جی ڈی پی) ان 22.26% کے حصہ میں آتی ہے۔اس کمائی کا زیادہ تر حصہ قدرتی وسائل یعنی تیل کی برآمد سے حاصل ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کی عقل وذہانت یا علم اور ٹیکنالوجی کا کوئی کمال نہیں۔

عالم اسلام کے ٹوٹل 2300 بلین GDP کے مقابلے میں..................امریکہ (USA) کا GDP 12455، جاپان کا 4505، جرمنی کا 2781 بلین ڈالر، فرانس کا 2110 بلین ڈالر اور انگلینڈ کا GDP 2192 بلین ڈالر ہے۔جبکہ اُن کی آبادی............امریکہ کی آبادی 29 کروڑ دس لاکھ، جاپان کی 12 کروڑ 72 لاکھ، جرمنی کی 8 کروڑ 26 لاکھ، فرانس کی 5 کروڑ 97 لاکھ (یعنی تقریباً 6 کروڑ)، اور برطانیہ کی 5 کروڑ 93 لاکھ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے امریکہ کی معیشت (Economy) یا GDP پورے عالم اسلام کے 57 ممالک سے 7، 8 گنا بڑی ہے۔جاپان کا GDP، 13 کروڑ آبادی کے ساتھ عالم اسلام کے GDP سے 3 گنا بڑا ہے۔جرمنی تقریباً ڈبل ہے اور ایک فرانس اور ایک سنگل ملک، برطانیہ جس کی آبادی بالترتیب 6 , 6 کروڑ بھی نہیں ہے۔عالم اسلام اور اُس کے 57 ممالک سے بھی معاشی لحاظ سے بڑے اور مضبوط ہیں اس سے بڑی ذلت اور رسوائی کیا ہو سکتی ہے۔

پاکستان کی معاشی حالت اور پسماندگی:

پاکستان عالم اسلام کا نہایت اہم رکن ہے ترقی کے دعوے بھی بڑے بڑے کرتا ہے اس کی معاشی حالت کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔یہ امر ہر پاکستانی کیلئے باعث تشویش ہے کہ موجودہ مالی سال 06-2005 بھی گزشتہ مالی سال کی طرح معیشت کے شعبے میں منفی رجحانات کے ساتھ مکمل ہوا۔موجودہ سال کا تجارتی خسارہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا خسارہ تھا اگر برآمدات

(Exports) 18 ارب ڈالر کے قریب ہیں تو درآمدات (Imports) 28 ارب ڈالر تک پہنچ گئی ہیں اس طرح موجودہ سال 2005-06 میں تجارتی خسارہ 11 ارب ڈالر ہے۔ برآمدات اور درآمدات میں اتنا بڑا گیپ یعنی ایک تہائی، کسی ملک کی معیشت کیلئے تباہ کن دھچکا ہوتا ہے۔اس کی مثال ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں میں کہیں نہیں ملتی ، مالی سال 2006-07 میں حکومت 835 ارب روپے کا ٹیکس اکٹھا کرے گی جبکہ 2005-06 میں 811 ارب روپے کا ریونیو اکٹھا ہوا ۔ ہماری شرح نمو (Economic growth rate) 6.6 فیصد ہے جبکہ ہمارے جیسے دوسرے ممالک کا 8.6 اور 8.8 فیصد ہے چین کا 9.9 فیصد ہے ایک طرف کشکول توڑنے کی بات ہو رہی ہے دوسری طرف ورلڈ بنک پانچ سال کیلئے 6.5 ارب ڈالر قرض دے رہا ہے اور ایشیائی بنک بھی 2 سے 3 سال کے لیے 4 ارب ڈالر قرض دے رہا ہے ﴿۶۱﴾ موجودہ وزیر اعظم اور حکومت یہی بات کہتے آ رہے ہیں کہ دفاعی اخراجات میں کمی سے بچنے والی رقم ترقیاتی فنڈ کے طور پر استعمال کی جائے گی۔ ہماری سلامتی کو اگر کوئی خطرہ ہے تو بھارت سے ہو سکتا ہے بھارتی فوج کی تعداد 13 لاکھ 25 ہزار ہے جبکہ ہماری 6 لاکھ 20 ہزار ہے ہماری معیشت (Economy) کا سائز بھارتی معیشت کا ساتواں حصہ ہے بھارت کا جی ڈی پی (GDP) 691 ارب ڈالر ہے جبکہ پاکستان کا GDP صرف 96 ارب ڈالر ہے ہماری معیشت پر دفاعی اخراجات کا بوجھ 5 فیصد ہے جبکہ بھارت کا دفاعی بجٹ تقریباً 2.5 فیصد ہے دیگر ہمارے جیسے ممالک دفاع پر اپنے GDP کا تقریباً 2.2 خرچ کرتے ہیں۔ دفاعی بجٹ کا 25% پنشنوں پر خرچ ہوتا ہے۔ دفاعی بجٹ کی تفصیلات کہیں درج نہیں ہوتی ہیں ہماری آرمی دنیا کی ساتویں بڑی آرمی ہے۔ 9 جوہری طاقتوں میں پاکستان بھی شامل ہے لیکن انسانی ترقی کے اعتبار سے ہمارا 129 واں نمبر ہے۔ دنیا کی نویں اور مسلم ورلڈ کی پہلی جوہری طاقت ضرور ہیں لیکن ہم سماجی، سیاسی، اقتصادی، تعلیمی اور اخلاقی بنیاد سے ابھی تک محروم ہیں۔ 59 سالہ آزادی میں 32 سال فوج کی حکمرانی میں گزارے ہیں۔ اور ابھی تک فوج حکمرانی کر رہی ہے ملک پر 37 ارب ڈالر کا قرض ہے جو ہمارے GDP کا 40% ہے۔

"ورلڈ اکنامک فورم" جس کے داووس (سوئٹزرلینڈ) کے سالانہ اجلاس کے حوالے سے صدر اور وزیر اعظم اپنی کامیابیوں کے دعوے کرتے ہیں۔ وہ پاکستان کی حالت کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ ورلڈ اکنامک فورم گزشتہ پانچ، چھ سال سے ایک رپورٹ The Global Competetiveness Index ﴿۶۲﴾۔ شائع کر رہا ہے جس میں دنیا کے مختلف ممالک کی تین بنیادوں پر درجہ بندی کی جاتی ہے یعنی index (i)Growth Competetiveness Index.(ii)Technology

(iii) Public Institutions Index. اس میں معیشت کی کیفیت، اداروں کی حالت اور سرمایہ کاری کیلئے سازگار ماحول کی صورت کو سامنے رکھا جاتا ہے اس ادارے کی رپورٹ 2004-2005 کے مطابق، جس میں 100 سے زیادہ تحقیقی اداروں نے حصہ لیا اور یہ 160 اشاریوں (Indicators) کی بنیاد پر مرتب کی گئی ہے اس رپورٹ میں پاکستان کا نمبر 104 ملکوں میں 91واں ہے یعنی ہم معاشی دوڑ میں سب سے پیچھے رہ جانے والے 14 ملکوں میں سے ایک ہیں۔ اس اشاریے میں بھارت کا نمبر 55واں ہے اور مسلمان ملکوں میں دو ہم سے کم تر اور گیارہ ہم سے بہتر ہیں اس سے بھی زیادہ شرم کی بات یہ ہے کہ 2004 کی فہرست کا مقابلہ جب 2003 سے کیا جائے تو پاکستان اوپر جانے کی بجائے نیچے چلا جاتا ہے 2003 میں ہم 101 ملکوں میں 73 ویں نمبر پر تھے اور 2004 میں ہم 91 ویں نمبر پر آ گئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہم ترقی کرنے کی بجائے نیچے کی طرف لڑھک رہے ہیں ﴿ ۶۳ ﴾۔

معروف ادارے ٹرانس پیرنسی انٹرنیشنل کی بدعنوانی کے متعلق رپورٹ (Corruption Index) 2003ء میں بھی پاکستان 133 ممالک کے شفافیت کے جائزے میں 92 نمبر پر تھا 2004 میں 145 ممالک میں گر کر 129 ویں نمبر پر اور پچھلے سال 2005 کے جائزے کے مطابق دنیا کے بدعنوان ترین 158 ملکوں میں شفافیت کے اعتبار سے 144 ویں نمبر پر ہے اس کا مطلب یہ ہے 2003ء میں 133 ملکوں کے جائزے میں اچھے کردار اور شفافیت کے لحاظ سے 91 ملک ہم سے اچھے تھے 2004ء میں 145 میں سے 128 ہم سے اچھے تھے اور 2005ء میں 158- 144 ملک میں سے بہتر تھے۔ اس طرح 2005 کی رپورٹ یہ بھی کہتی ہے کہ شفافیت کے لحاظ سے بنگلہ دیش 158 میں 158 ویں نمبر پر، نائجیریا 152 ویں اور انڈونیشیا 137 ویں نمبر پر ہے 2005ء کی اسی رپورٹ میں پہلے 25 شفاف ترین ملکوں میں کوئی مسلمان ملک شامل نہیں۔ جبکہ دنیا کے 16 بدعنوان ترین ممالک میں 09 مسلمان ملک ہیں۔ انسانی وسائل کی ترقی (Human Resources Development) کے لحاظ سے اسلامی ملکوں کی تقریباً 96% آبادی نچلے درجے پر آتی ہے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ خود حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق معیشت کے بہت سے اشاریوں (Indicators) میں جون 1999 کے مقابلے میں ابتری آئی ہے۔ 1998-99 میں افراط زر کی شرح (Inflation rate) 5.7 فیصد تھی جو 2004-05 میں بڑھ کر 9.3 % ہوگئی ﴿ ۶۴ ﴾ 2005-06 میں بھی تقریباً 9 فیصد ہے افراط زر میں اضافے کی وجوہات میں ملک میں ٹیکسوں کا غیر منصفانہ

نظام، غیر ترقیاتی اخراجات میں اضافہ اور عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں کمی ہونے کے باوجود پٹرول کے نرخ کم نہ کرنا شامل ہیں۔

جہاں تک تجارتی خسارے (Trade Deficit) کا تعلق ہے تو 99-1998 میں پاکستان کا تجارتی خسارہ 1.6 ارب ڈالر تھا جبکہ 05-2004 میں یہ خسارہ بڑھ کر 6.2 بلین ڈالر ہوگیا اور اب 06-2005 میں بڑھ کر یہ خسارہ 11 بلین ڈالر ہوگیا ہے۔ 11 ارب ڈالر کا خسارہ ہمارے ٹوٹل بجٹ کا تقریباً 45% ہے یہ پاکستان کی معیشت اور اُس کی بہتری کے دعوے کرنے والوں کے چہرے پر بہت بڑا دھبہ ہے جون 1999 میں بنکوں نے اپنے کھاتہ داروں کو اوسطاً 7.96 فیصد سالانہ منافع دیا تھا جبکہ جون 2005 میں یہ شرح (سود یا منافع) کم ہو کر 2.55 رہ گئی یہ بات نوٹ کرنا ہے کہ پاکستان میں بنکوں میں پاکستانی کرنسی میں کھاتے نفع نقصان میں شرکت کی بنیاد کر کھولے جاتے ہیں۔ 1999 میں بنکوں کا منافع 5.2 ارب روپے تھا جو 2004 میں حیرت انگیز طور بڑھ کر 52.1 ارب روپے ہوگیا۔ بنکوں کے منافع میں اس قدر اضافہ اور کھاتہ داروں کے منافع میں اس قدر کمی کی پاکستان کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ حیرت بلکہ بددیانتی کی انتہا یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی ردِعمل نہیں آیا۔

D-8 مسلم ممالک کا پہلا تجارتی بلاک اور اُس کا جائزہ:

D-8 ممالک کے معاہدے سے مراد مسلمانوں کے 8 ترقی پذیر ممالک کے درمیان ہونے والا وہ معاہدہ ہے جو 1997 میں ترکی کے شہر استنبول میں وجود میں آیا۔ آٹھ ترقی پذیر مسلمان ممالک جو آپس میں اس معاہدے کے تحت ایک تجارتی بلاک بنا کر آپس میں تجارت کو فروغ دینا چاہتے ہیں یہ، پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، ملائشیا، ایران، ترکی، مصر اور نائجیریا ہیں۔ اس بلاک کی مجموعی آبادی 568 ملین ﴿۶۵﴾ یعنی 56 کروڑ 80 لاکھ ہے افرادی قوت کا تخمینہ 300 ملین ہے ان 8 ممالک کے GDP کا تخمینہ 850 بلین ڈالر ہے جو یورپ کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک سے کم ہے فی کس آمدنی کے لحاظ سے پاکستان، بنگلہ دیش، نائجیریا اور انڈونیشیا سب سے پیچھے ہیں۔ (پاکستان کی فی کس آمدن 470، بنگلہ دیش کی 450، نائجیریا 370 اور انڈونیشیا کی 850 ڈالر ہے۔ 06-2005ء) باقی ممالک کا فی کس آمدن 1000 ڈالر سے زیادہ ہے (ایران 2000، ترکی 2990، ملائشیا 4000 اور مصر 1500 ڈالر ہے)۔ WTO کی رپورٹ 2003 کے مطابق 12.6 ٹریلین کی عالمی تجارت میں ان کا

حصہ صرف 447 بلین ڈالر ہے جو 3.5 فیصد بنتا ہے۔ ان ممالک کی مجموعی برآمدات (Exports) 224.89 بلین ڈالر جبکہ درآمدات (Imports) 222.25 بلین ڈالر بنتی ہے۔ لیکن یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ D-8 کے تین ممالک، ملائشیا، انڈونیشیا اور ترکی دنیا کے ٹاپ 40 ممالک میں شامل ہوگئے ہیں ملائشیا کی ایکسپورٹ اس وقت 110 بلین ڈالر کے قریب ہے اور امپورٹ تقریباً 85 بلین ڈالر یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ D-8 ممالک جن کی آبادی تقریباً 57 کروڑ اور برآمدات 224.89 بلین ڈالر ہیں اس کے مقابلہ میں نیدرلینڈ Netherlands کی آبادی ایک کروڑ 62 لاکھ ہے اُس کی ایکسپورٹ 293.43 بلین ڈالر ہے﴿ ۲۶ ﴾۔ سنگاپور کی آبادی 43 لاکھ اور برآمدات 150 بلین سویڈن کی برآمدات 101 اور سوئٹزرلینڈ کی 100.5 بلین جبکہ اُن کی آبادی بالترتیب 90 لاکھ اور 73 لاکھ ہے۔ انگلینڈ کا 6 کروڑ کی آبادی کے ساتھ 304 بلین اور امریکہ کا 30 کروڑ کی آبادی کے ساتھ 724 بلین ڈالر یہ حقائق ایسے ہیں جس سے مسلم اُمہ کی پستی اور معاشی ذلت پر ہر مسلم ممبر کو رونا آتا ہے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ممبر ممالک نے اپنے ہاں دستیاب وسائل کو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے فروغ کیلئے صحیح انداز میں استعمال نہیں کیا۔ D-8 ممالک کے ساتھ پاکستان کی تجارت 2003ء میں مجموعی تجارت کا 8% تھا۔

مسلم ممالک کے درمیان قائم ہونے والی اس تجارتی تنظیم کو اقتصادی تعاون کی علاقائی قائم تنظیموں کی مانند چلانے کی اشد ضرورت ہے ابھی تک حقیقی معنوں میں اس تجارتی تنظیم کے ممبر ممالک آپس میں کوئی قابل ذکر تعاون نہیں کر رہے ہیں۔ جب تک یہ ممالک آپس میں تجارتی ڈیوٹیز اور ٹیرف میں ایک دوسرے کو رعائتیں نہیں دیں گے اُس وقت تک اُن کے درمیان تجارت فروغ نہیں پاسکے گی۔ اس وقت دنیا میں علاقائی تجارت کا دور دورہ ہے۔ امریکہ، میکسکو اور کینیڈا کے درمیان قائم ہونے والا تجارتی بلاک NAFTA، بین العلاقائی تجارت کے فروغ میں 67 فیصد حصے کے ساتھ سب سے نمایاں ہے یورپین یونین جس کے ممبرز کی تعداد اب 15 سے بڑھ کر 25 ہوگئی ہے، کے ممالک کی آپس میں تجارت 62 فیصد ہے اسی طرح جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک ASEAN کی آپس میں تجارت 25% اور 21 ممالک کے افریقی اتحادی بلاک COMESA کی آپس کی تجارت 22% ہے ان تجارتی بلاکوں سے عالمی تجارت کے رجحان کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بدقسمتی سے مسلم دنیا کا اس طرح کا مضبوط تجارتی بلاک کوئی بھی نہیں ہے مسلمانوں کی عالمی تنظیم (OIC) او۔آئی۔سی اگر ہے تو وہ بے جان گھوڑا ہے جس نے مسلم دنیا کے وسائل کے حل میں کبھی ذمہ دارانہ کوشش نہیں کی۔

او۔آئی۔سی، اسلامی ممالک کی تنظیم (OIC):

اسلامی ممالک کی تنظیم (او۔آئی۔سی) کا قیام 25 ستمبر 1969ء کو مراکش کے دارالخلافہ رباط میں عمل میں آیا۔ 21 اگست 1969ء کو مسجد اقصیٰ پر یہودی حملے اور اسے نذر آتش کرنے کی کوشش کے ردِ عمل میں مسلم ممالک کا ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ تمام مسلم سربراہان ایک ایسی تنظیم کے قیام پر متفق ہوگئے جہاں مسلم امہ کو درپیش مشکلات کے حل کی بھرپور کوششیں کی جاسکیں خصوصاً مسجد اقصیٰ اور یروشلم کو یہودی قبضے سے آزاد کروانے کیلئے اقدام کئے جاسکیں۔ مارچ 1970ء میں جدہ میں اس تنظیم کے اجلاس میں اس کے سیکرٹری جنرل کا انتخاب عمل میں آیا اور وقتی طور پر جدہ ہی میں اس کا مرکزی دفتر قائم کیا گیا۔ فروری 1972ء میں ایک اجلاس میں اس کا چارٹر تیار کیا گیا اور جدہ ہی میں اس کے صدر دفتر کی تعمیر کی منظوری دی گئی۔ تمام مسلم ممالک کے وزرائے خارجہ کا اجلاس ہر سال منعقد کیا جاتا ہے ہر سال نئی تجاویز پیش کی جاتی ہیں اور تنظیم کے کئے جانے والے فیصلوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تنظیم میں وزارتی سطح پر کئی کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں اور ہمیشہ کی جاتی رہی ہیں تاکہ رکن ممالک کے مابین سائنسی تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی شعبوں میں تعاون کیا جاسکے۔ ان کمیٹیوں میں القدس کمیٹی، اطلاعات وثقافتی معاملات کی کمیٹی (Comiac) معاشی وتجارتی تعاون کی کمیٹی (Comcec)، سائنس وٹیکنالوجی میں تعاون کی کمیٹی (Comstech) اور اسلامی امن کمیٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ 14 کمیٹیاں مختلف معاملات اور تنازعات کے حوالے سے قائم ہیں جن میں تنازع فلسطین، تنازع کشمیر اور افغانستان شامل ہیں۔ تمام تر معاشی طاقت، تیل اور گیس کی قوت، دنیا کے 57 ممالک اور 145 کروڑ آبادی کے باوجود جو کہ پوری دنیا کی 22.26% بنتی ہے، یہ تنظیم اب تک بھرپور طاقت کا مظاہرہ نہیں کرسکی۔

او۔آئی۔سی اگرچہ مسلمانوں کی ترقی وخوشحالی کیلئے بہترین پلیٹ فارم ہے مگر اُس کے پاس اپنی قراردادوں پر عمل درآمد کروانے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ او۔آئی۔سی نے اپنے آپ کو اور مسلم اُمّہ کو ایسی بھرپور طاقت بنانے کا عملی طور پر کبھی نہیں سوچا جو پورے عالم میں اپنا وزن اور اثر ورسوخ بنا سکے جسطرح ڈیڑھ کروڑ یہودیوں کا یا اُن کے مسلمان ممالک کے درمیان گھرے ہوئے 67 لاکھ آبادی والے اسرائیل کا وزن اور طاقت ہے۔ O.I.C نے سینکڑوں قراردادیں پاس کیں مگر اُن پر کبھی عمل نہیں ہوا اور نہ ہی ہو رہا ہے۔ اگر 1981ء میں اسرائیل کے مکمل بائیکاٹ کا مطالبہ کیا تو کئی رکن ممالک نے اس کے باوجود اسرائیل سے تعلقات اُستوار کئے۔ مثلاً ترکی، مصر، اردن وغیرہ نے اس طرح قدرتی آفات کا مل کر مقابلہ کرنے کیلئے اُس طرح کا ردِ عمل کبھی نہیں ہوا

جسطرح کا ہونا چاہیے پاکستان کے حالیہ زلزلے 2005ء میں او۔آئی۔سی بہت دیر سے جاگی اور پھر اپنی طاقت اور حیثیت کا عشر عشیر بھی نہیں کیا جتنا اسے کرنا چاہیے تھا۔رکن ممالک کا ایک گھمبیر مسئلہ یہ بھی ہے کہ اُن کے سیاسی اختلافات انہیں یکجا نہیں ہونے دیتے ۔ایران جیسا انقلابی ملک بھی ممبر ہے اور ترکی جیسا سیکولر بھی جس نے اسرائیل کے ساتھ کئی معاہدے کیئے جن میں فوجی معاہدے بھی شامل ہیں رکن ممالک ایک دوسرے کے ساتھ جنگیں بھی کرتے رہے۔جسطرح ایران،عراق جنگ ہوئی اور بہت سارے ممالک نے صلح کروانے کی بجائے ایک فریق کی بھرپور مدد کی۔حالانکہ اس کے پیچھے اسلام دشمن قوتوں کا ہاتھ تھا جن میں یہود و نصاریٰ،یورپ اور اسرائیل اور اُن کا سرپرست امریکہ بھی شامل ہے۔اسی طرح کویت پر عراق کا حملہ جس کے نتائج سے پورا عالم اسلام ہل گیا اور معاشی طور پر تباہی کے دہانے پر آ کھڑا ہوا۔اس کے علاوہ O.I.C کا کوئی باقاعدہ بجٹ نہیں۔2000-01ء میں اس کا سالانہ بجٹ صرف ایک کروڑ 14 لاکھ ڈالر تھا ﴿۶۷﴾۔اس کی کارکردگی یہ ہے کہ جس مقصد کیلئے یہ بنائی گئی تھی اُس کیلئے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

روزنامہ جنگ کی ایک رپورٹ کے مطابق 2000ء سے 2006ء تک تقریباً ڈھائی ہزار فلسطینی شہید ہو چکے ہیں اور او۔آئی۔سی مسجد اقصیٰ کو اسرائیل کے قبضے سے نہیں چھڑا سکی۔اسرائیلی قبضے کے حوالے سے O.I.C نے جتنی قراردادیں آج تک پاس کی ہیں اسرائیل نے آج تک ایک بھی نہیں مانی بلکہ توجہ ہی نہیں کی۔حتیٰ کہ اسرائیل کے خلاف UNO نے جو قراردادیں پاس کی ہیں اُن پر بھی نہ آج تک عمل ہوا۔اور نہ ہی O.I.C اپنے اثر ورسوخ سے اُن پر عمل کرواسکی۔بلکہ اس سے بھی آگے بات یہ ہے کہ O.I.C کی قراردادوں پر اسرائیل نے کبھی کان دھرا ہی نہیں اور یہ 57 رکن ممالک آج تک اسرائیل کو کسی قسم کا Give and Take کرنے پر مجبور بھی نہیں کر سکے۔اس طرح عراق پر امریکہ نے جنگ مسلط کی تو کم از کم ایک اجلاس یا ایک قرارداد ہی امریکہ کے خلاف پاس کر دیتے جس میں اُس کی مذمت کی ہوتی۔یہ او۔آئی۔سی کی بہت بڑی ناکامی ہے۔او۔آئی۔سی کا ایک اور بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے بیشتر ممالک امریکہ کی ناراضگی مول نہیں لے سکتے۔

دیکھا جائے تو او۔آئی۔سی کے رکن ممالک کے پاس بے پناہ طاقت وسائل اور خاص طور پر قدرتی وسائل ہیں۔مگر اُن سب میں اتحاد اور یگانگت کی کمی ہے۔حالانکہ اسلام کا بنیادی درس ہی اتحاد اور بھائی چارہ ہے ﴿﴾ **کونوا عباداللّٰہ اخوناً۔** یعنی اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ یعنی مومن بھائی بھائی ہیں۔پھر ارشاد خداوندی ہے ﴿وَاعْتَصِمُوْا

بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص﴾ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔ خدا کے رسولؐ نے فرمایا! "مومن مومن کا اسطرح بھائی ہے جسطرح ایک جسم ہوتا" اسی اتحاد و بھائی چارے کے فقدان کی وجہ سے ہم باقی دنیا سے پیچھے ہیں۔ دنیا بھر میں بیشتر زمینی بحری راستوں کے سنگم اسلامی ممالک میں ہیں دنیا کی ہر چیز مسلم ممالک میں موجود ہے دنیا کی ہر قسم کی Skill عالم اسلام کے پاس ہے حتی کہ ملائشیا نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے دنیا میں تیزی سے ترقی کیسے ممکن ہے پیداوار کیسے بڑھائی جاسکتی ہے Exports کیسے بڑھائی جاسکتی ہے اُس کا ایکسپورٹ اب تقریباً 120 بلین ہے۔ ملک میں مختلف النسل اور کئی مذاہب کے لوگ ہیں لیکن دنیا کے پہلے دس تیز ترین ترقی کرنے والے ممالک میں شامل ہے اس کے باوجود ناخواندگی، عدم رواداری، بھائی چارے کا فقدان اور سیاسی اور جمہوری کلچر کی عدم موجودگی کی وجہ سے عالم اسلام ذلت اور بے چارگی کی زندگی گزار رہا ہے۔

1967ء میں اسرائیل نے بھاری عددی اکثریت والے اور اپنے سے کہیں زیادہ قدرتی وسائل والے درجنوں ممالک کا گریباں پکڑا، ذلیل ورسوا کیا اور اُن کے اہم علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ شام کی جولان پہاڑیاں، جزیرہ نمائے سینا اور غزہ وغیرہ کا علاقہ قبضے میں لے لیا یہ لڑائی صرف چار دن چلی اور اسرائیل نے تقریباً 24 ہزار مربع میل کا علاقہ عربوں سے چھین لیا﴿ ٦٨ ﴾ تمام مسلم ممالک آئی ایم ایف کے شکنجے میں بُری طرح پھنسے ہوئے ہیں کوئی بھی مسلم ملک اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا مستقل رکن نہیں ہے ایک اسلامی بنک قائم کیا گیا مگر عالمی بنک کے سامنے اُس کی اپنی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے عرصہ پہلے ایک بار سربراہی اجلاس میں مشترکہ نیوز ایجنسی قائم کرنے کا فیصلہ ہوا مگر بے سود، یورپین یونین، آسیاں اور امریکہ میکسیکو اور کینیڈا کے NAFTA کی طرح کا تجارتی بلاک مسلمانوں کا نہیں ہے اگر D-8 بنا ہے تو غیر مؤثر آپس میں عدم تعاون کا شکار ہے کوئی مشترکہ منڈی یا تجارتی بلاک نہیں بین الاقوامی سطح کا کوئی بڑا مالیاتی ادارہ یا مواصلاتی مرکز موجود نہیں نہ ہی ایسا زیر غور ہے۔ خلیجی جنگوں کے درمیان اور بعد میں امریکہ نے مشرق وسطی میں اپنے فوجی اڈے بنائے امریکہ نے کویت اور سعودی عرب میں اپنے فوجی اڈے قائم کیے۔ قبل ازیں وہ قطر، اومان، ترکی اور بحرین میں فوجی اڈے قائم کر چکا تھا اسطرح خلیج فارس اور بحیرہ عرب میں اُس کے جنگی بحری بیڑے مستقلاً موجود ہیں۔ جاپان میں قائم امریکی مرکز سے امریکہ ملائشیا اور انڈونیشیا کی نگرانی کر رہا ہے تنازع کشمیر اور مسئلہ فلسطین، افغانستان اور عراق ایسے محاذ ہیں جہاں مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام ہو رہا ہے او۔ آئی۔ سی اور اس کے رکن ممالک میں اتنا بھی دم خم نہیں کہ وہ ان لڑائیوں کو روک سکیں اور مسلمان ممالک کو تباہی سے بچا سکیں اگر اسرائیل کے خلاف متحدہ طور پر قرارداد پاس ہوتی ہے اور اُس کے

بائیکاٹ کا فیصلہ ہوتا ہے تو O.I.C کے رکن ممالک کئی ایسے ہوتے ہیں جو اُس کے ساتھ خفیہ یا اعلانیہ معاشی حتی کہ فوجی روابط بڑھا لیتے ہیں یا انہوں نے سفارتی تعلقات استوار کئے ہوتے ہیں۔ ایسے ممالک کے خلاف O.I.C کبھی کوئی کاروائی نہ کر سکی یہی نہیں بلکہ رکن ممالک کے مابین پیدا ہونے والے تنازعات کے حل کیلئے بھی کوئی ٹھوس اور کامیاب کوشش نہیں کی جا سکی۔ ایران، عراق، افغانستان، کشمیر، قبرص، سنٹرل ایشیاء یا افریقہ کے ممالک اور عالم اسلام کا کوئی معاملہ ایسا نہیں ہے جس میں O.I.C کوئی کردار ادا کرتی نظر آتی ہو۔ اسطرح کے معاملات میں بجائے یک جہتی کے تنظیم منقسم ہوگئی جس کا نقصان مسلم دنیا نے اٹھایا۔ 1991ء میں میں بارہ عرب ممالک کے سربراہان نے سینیگال میں ہونے والے سربراہ اجلاس میں احتجاجاً شرکت نہیں کی۔ ان سربراہان کا احتجاج فلسطین اور اردن کے خلاف تھا جنہوں نے کویت پر عراق کا قبضہ جائز قرار دیا تھا اور عراق کی طرف سے کی جانے والی کاروائی کو جائز قرار دیا تھا۔

او آئی سی کا موجودہ سربراہی اجلاس، دسمبر 2005:

او۔ آئی۔ سی کا یہ اجلاس 8,7 دسمبر کو سعودی عرب کے شہر جدہ میں ہوا۔ یہ بڑا غیر معمولی اجلاس تھا۔ 7 سے 8 دسمبر 2005 تک رہنے والا اجلاس انتہائی سخت انتظامات کے تحت ہوا۔ تقریباً تمام مسلم ممالک کے سربراہان نے اس اہم اجلاس میں شرکت کی۔ کچھ ممالک کے سربراہان مختلف وجوہ کی بناء پر اجلاس میں شرکت نہ کر سکے لیکن ان کے نمائندوں نے کی۔ ان میں مصر کے حسنی مبارک، لیبیا کے معمر قذافی، الجیریا کے صدر عبدالعزیز بوتفلیقہ کے علاوہ شام اور ٹیونس کے سربراہان شامل ہیں جن کی غیر حاضری اس موقع پر محسوس کی گئی۔ اَن جانی مجبوریوں کی بناء پر اکثر بڑے بڑے سربراہوں نے مذہبی انتہا پسندی اور شدت پسندی کا متحد ہو کر مقابلہ کرنے پر زور دیا ان سربراہوں میں پاکستان کے پرویز مشرف اور سعودی عرب کے شاہ عبداللہ بھی شامل ہیں لیکن بدقسمتی سے اس مذہبی انتہا پسندی، غیر تمندی، ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے درمیان فرق واضح نہیں کیا کسی بھی سربراہ نے اسلامی انتہا پسندی کی جامع تعریف نہیں کی۔ بس جیسے مغرب، امریکہ اور اسرائیل اور ہندوستان جیسے ممالک تعریف کرتے ہیں اسی کی اتباع کر رہے تھے۔

آخر پر اعلان مکہ ہوا۔ مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا جسے اعلان مکہ کا نام دیا گیا جس کے اہم نکات یہ ہیں۔ (ا) اسلام امن

اور رواداری کا مذہب ہے جو ہر قسم کی انتہا پسندی کی مذمت کرتا ہے۔(۲) تمام مسلمان ممالک انتہا پسندی کے خلاف متحد ہو جائیں اور دہشت گردی کا مقابلہ کریں۔(۳) تمام رکن ممالک تعلیمی نصاب کو عصر حاضر اور اسلامی تعلیمات کے مطابق تیار کریں۔(۴) اسرائیل مقبوضہ علاقے خالی کرے۔(۵) یروشلم کی تاریخی اور اسلامی شناخت کا تحفظ کیا جائے۔(۶) عراق اور عراقی عوام کے خلاف دہشت گردی کی مذمت (۷) کشمیری عوام کی خواہش کے مطابق کشمیر کا فیصلہ کیا جائے۔(۸) اسلامی ممالک کی مشترکہ انسانی حقوق کی تنظیم کا قیام عمل میں لایا جائے۔(۹) مسلم ممالک کے خلاف بیرونی جارحیت اور دھمکیوں کا مل کر مقابلہ کیا جائے وغیرہ (۱۰) مسلم ممالک کے مابین تجارت میں اضافہ کیا جائے اور فری ٹریڈ زون قائم کیا جائے۔(۱۱) مسلم دنیا اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان خلاء کو پر کرنے کیلئے سائنسی میدان میں مثبت اقدامات کئے جائیں۔ یہ تھا اسلامی سربراہی کانفرنس کا مشترکہ اعلامیہ جسے اعلان مکہ کا نام دیا گیا اور دس سالہ ایکشن پلان کی منظوری دی گئی۔

ڈاکٹر اختیار بیگ کا آنکھیں کھولنے والا تجزیہ:

ڈاکٹر اختیار بیگ روزنامہ جنگ کے کالم نویس اور اعلیٰ پائے کے معاشی تجزیہ نگار ہیں اب وہ حکومت کے کسی اعلیٰ عہدے پر بھی تعینات ہیں 2004ء میں وہ اپنے بیٹے کے کالج گئے جو امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے اُن کا بیٹا بوسٹن میں Bentey کالج میں زیر تعلیم ہے انہوں نے وہاں کے تعلیمی ماحول اور زیر تعلیم طلبہ کا تجزیہ پیش کیا جو اسطرح ہے Bentey کالج بڑا اعلیٰ تعلیمی ادارہ ہے اس میں جن طلبہ کو داخلہ ملا اُن میں سب سے زیادہ تعداد انڈیا کی ہے جو کہ 80 ہے اُس کے بعد چائنہ 43، اُس کے بعد بالترتیب انڈونیشیا، ترکی، جاپان، لاطینی امریکہ اور خلیجی ممالک ہیں۔ بیگ صاحب کہتے ہیں میں اپنے چچازاد ڈاکٹر بلال کے ساتھ MIT اور ہارورڈ یونیورسٹی (Harward University) گیا وہاں Ph.D کے مقالے دیکھے۔ اُن کا سرسری سا مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ 50% ڈاکٹریٹ کے مقالے چین کے فارغ التحصیل طلبہ کے نیوکلیئر فزکس، میڈیسن، علم فلکیات اور Metallergy وغیرہ پر تھے اُس کے بعد خاص تعداد انڈین طلبہ کی تھی جنہوں نے ریاضی اور آئی ٹی پر اپنے مقالے لکھے تھے۔ اور اُس کے بعد دوسرے ممالک کے طلبہ آتے تھے مقصد یہ ہے کہ ہمارے خطے کے لوگ خصوصاً چین اور انڈیا اعلیٰ تعلیم میں خاصے آگے ہیں اور اُن کے طلبہ دنیا کی جدید ترین یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس اعلیٰ اور جدید تعلیم کے ذریعے وہ اپنے ملک کی معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے ملک میں اعلیٰ تعلیم کو وہ فوقیت نہیں۔ چین میں ہر سال ہزاروں طلبہ جدید تعلیم میں ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں

انجینئر اور ڈاکٹر بن رہے ہیں اپنی صنعتوں میں جدید ٹیکنالوجی متعارف کروا رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ چین نے سائنسی اور معاشی میدان میں اتنی جلدی ترقی کی ہے اب اُس کا GDP 1500 ڈالر سے زیادہ ہے اُس کا فی کس آمدن 1200 ڈالر ہے غربت کی لکیر کے نیچے زندگی گزارنے والوں کی تعداد صرف 4% ہے جبکہ آبادی دنیا کی سب سے بڑی اور پوری دنیا کی 20% یعنی 1.3 بلین، (130 کروڑ) ہے اس کا سالانہ شرح نمو (Economic growth rate) دنیا میں سب سے زیادہ تقریباً 10% اس کے مقابلہ میں پاکستان .... آبادی پندرہ کروڑ بیس لاکھ، فی کس آمدن تقریباً 600 ڈالر، GDP تقریباً 96 بلین، غربت کی لکیر کے نیچے زندگی گزارنے والے (Below Poverty Line) 33% آبادی، انڈیا کی آبادی ایک ارب سات کروڑ GDP 600 بلین ڈالر، فی کس آمدن 550 ڈالر غربت کی لکیر کے نیچے زندگی گزارنے والے 28% ہیں۔ امریکہ میں بھی ہر جگہ چائنہ ہی کا سامان پڑا ہوا ہے۔ اکثر ضروریات کی چیزیں چائنہ کی ہیں اور سستی ہیں۔

بیگ صاحب نے اپنے تجزیے میں یونیسکو ورلڈ ایجوکیشن رپورٹ ﴿۲۹﴾ (UNO) کا حوالہ دیا جو غالباً 2004 کی تھی۔ اس رپورٹ میں مختلف ممالک کا اعلیٰ تعلیم میں ایک مقابلاتی جائزہ پیش کیا گیا جس کے مطابق سب سے زیادہ اعلیٰ تعلیم (17 سال تا 23 سال کی عمر کے گروپ) کا تناسب امریکہ میں 79.7% ہے اُس کے بعد کوریا 58.8%، سنگاپور میں 35.2%، جاپان میں 30.4% قطر میں 27.5%، فلپائن میں 26.2%، کویت میں 24.2%، ہانگ کانگ 22.7%، بحرین 20.2%، ترکی 19.6%، مصر 16.9%، سعودی عرب 13.9%، ایران 12.7%، انڈونیشیا 10.2%، انڈیا 6% اور پاکستان میں سب سے کم 2.6% جو کہ ہمارے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ پاکستان میں سائنس اور آرٹس کے طلبہ کا تناسب 70.30 ہے یہ 50.50 ہونا چاہیے بلکہ سائنس کا تناسب 50% سے بھی زیادہ ہونا چاہیے ہمارے بیچلر لیول پر فیل ہونے طلبہ کا تناسب 66% ہے ماسٹر ڈگری میں یہ تناسب 45% ہے فال آؤٹ کا یہ تناسب بہت زیادہ ہے۔ ہماری یونیورسٹیوں کا 25% بجٹ تنخواہوں اور الاؤنسز کی نظر ہو جاتا ہے جبکہ 8% یوٹیلٹی 15% تعلیمی سرگرمیوں پر اور صرف 1.7% تحقیق و ترقی (R & D) پر خرچ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے تحقیق کے شعبے میں یونیورسٹیاں کوئی قابل قدر خدمات سرانجام نہیں دے رہی ہیں۔ ہماری یونیورسٹیوں میں Ph.D کی ڈگری ہولڈر اساتذہ کا تناسب 29% ہے۔ پاکستان میں ہر سال تقریباً 200 کے لگ بھگ Ph.D کی ڈگری حاصل کرنے والے ہیں انڈیا میں تقریباً 7000 ہیں۔

بعض ایشیائی ممالک سے ہمیں ایک سبق ملتا ہے جیسے سنگاپور، کوریا، جاپان۔ سنگاپور نے تقریباً 23 سال پہلے علمی بنیادوں پر اپنی معاشیات اور معیشت کو ترقی دینے کیلئے ایک بڑے پروگرام کا آغاز کیا تھا قومی تعمیر کیلئے سب سے زیادہ اعلیٰ تعلیم کو ترجیح دی گئی

جس کے نتیجے میں اُس کی دو یونیورسٹیوں کا سالانہ بجٹ ایک ارب چالیس لاکھ ڈالر (1.4 بلین ڈالر) مختص کیا گیا۔ پاکستان میں ہماری 46 یونیورسٹیوں کا (یا اس وقت تقریباً 50 یونیورسٹیوں کا) ترقیاتی بجٹ صرف 90 لاکھ ڈالر ہے ﴿ ۷۰ ﴾ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کتنا پیچھے ہیں۔ امریکہ کی ایک بڑی یونیورسٹی کا اوسط سالانہ بجٹ تقریباً ایک ارب ڈالر ہے کارنل یونیورسٹی کا 1998 کا سالانہ بجٹ 1.1 بلین ڈالر یعنی ایک ارب 10 کروڑ تھا ﴿ ۷۱ ﴾ اسی طرح جاپان میں تقریباً 1000 یونیورسٹیاں ہیں صرف ٹوکیو شہر میں 126 یونیورسٹیاں ہیں جبکہ پاکستان میں تقریباً 50 اور عالم اسلام سارے میں 600 سے بھی کم۔

باب چہارم

حوالہ جات

۱۔ آرٹیکل، روزنامہ Daily Dawn، ۱۵ اپریل، ۱۹۹۸۔

۲۔ ڈاکٹر اختیار بیگ، جنگ، لاہور، ۱۷ستمبر ۲۰۰۴ ۔

۳۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان، جنگ، لاہور، ۱۸دسمبر ۲۰۰۳۔

۴۔ ڈاکٹر فرخ سلیم The News، ۲۵/۰۷/۲۰۰۴۔

۵۔ ایضاً

۶۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان، روزنامہ جنگ ۱۸دسمبر ۲۰۰۳ ۔

۷۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ(WDR) ۲۰۰۵۔

۸۔ ایضاً

۹۔ ایشیاء کا مقدمہ، مہاتیر محمد (اردو ترجمہ) صفحہ ۳۷ ۔

۱۰۔ جاوید چودھری، جنگ لاہور، ۲۴مارچ ۲۰۰۵ ۔

۱۱۔ یوسف گوار یہ، ڈاکٹر، اجتہاد، ص: ۱۰ ۔

۱۲۔ شبلی، الفاروق، ص:۳۲۵۔

۱۳۔ ایضاً ص : ۳۲۸ ۔

۱۴۔ شبلی ایضاً، ص:۳۳۰۔

۱۵۔ ایضاً ص : ۳۴۳۔

۱۶۔ ازالۃ الخفا، حصہ دوم ، ص:۸۴۔

۱۷۔ قاضی بن عبدالبرا، ازالۃ الخفاء ص : ۱۸۵ ۔

۱۸۔ شبلی، ص : ۲۰۶

۱۹۔ ڈاکٹر یوسف گورایہ، اجتہاد، ص: ۱۱ ۔

۲۰۔ برنارڈلیوس، ایمرجنسی آف ماڈرن ترکی، ص:۵۶-۵۵ ۔

۲۱۔ الانفال : ۶۰۔

۲۲۔ مارماڈیوک ولیم پکھتال، اسلامی ثقافت اوردورجدید، ص : ۶۱۔

۲۳۔ امین احسن اصلاحی،جدید اسلامی ریاست میں قانونی سازی اور مسائل۔

۲۴۔ الرعد: ۱۱۔

۲۵۔ الحجرات : ۱۰۔

۲۶۔ القرآن۔

۲۷۔ الصف : ۴۔

۲۸۔ حدیث۔

۲۹۔ حدیث،خطبہ حجۃ الوداع

۳۰۔ مودودی، امت مسلمہ کے مسائل ص : ۷۸۔

۳۱۔ ایضاً۔

۳۲۔ الاحزاب: ۲۷۔

۳۳۔ P.K Hitti, History, P-310

۳۴۔ ایضاً۔

۳۵۔ Adward G. Browne, Arabian medicine, (Cambridge ,1921), P- 44.

۳۶۔ Hitti P- 413.

۳۷۔ یورپ پراسلام کےاحسان،ڈاکٹرغلام جیلانی برق، ص : ۱۴۲ ، ۱۴۳۔

۳۸۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان، ڈان، ۱۵ اپریل ۱۹۹۸۔

۳۹۔ الزمر: ۹۔

۴۰۔ المائدہ:۵۱

۴۱۔ البقرۃ:۲۵۷

۴۲۔ المائدہ:۵۵

۴۳۔ ایضاً : ۵۷

۴۴۔ اے کیرن آرم سٹرانگ، مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال، ص: ۱۶۸۔

۴۵۔ ایضاً۔

۴۶۔ ایضاً ،ص:۱۶۹۔

۴۷۔ آل عمران: ۱۱۰۔

۴۸۔ مہاتیر محمد، ایشیا کا مقدمہ (اردو ترجمہ)، ص:۴۲۔

۴۹۔ ایضاً۔

۵۰۔ نیوزویک کا ڈاؤس، خصوصی ایڈیشن، دسمبر ۲۰۰۱۔

۵۱۔ ایضاً ....فاکویاما کا مضمون "Our Real Enemy "

۵۲۔ البقرہ:۱۵۱

۵۳۔ شاہد حسن صدیقی، ڈاکٹر، روزنامہ جنگ، ۱۵ دسمبر ۲۰۰۵۔

۵۴۔ عبدالمجید ساجد، روزمانہ جنگ لاہور، ۳۰ دسمبر ۲۰۰۵۔

۵۵۔ شاہد حسن صدیقی، ڈاکٹر، جنگ لاہور، ۱۵ دسمبر ۲۰۰۵۔

۵۶۔ تفصیلات کے لیے حنیف اسلم کی کتاب نظریۂ معاشیات ص:۳۹۷ تا ۴۰۱

۵۷۔ ورلڈ بنک، ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۰۷۔

۵۸۔ ایضاً ۔

۵۹۔ سورسز، ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۰۷ء۔

۶۰۔ WDR-2007ء۔

۶۱۔ خالد محمود ہاشمی، کشکول اور قرض میں قرض، نوائے وقت، ۱۹ جون ۲۰۰۶ء۔

۶۲۔ The Global Competetiveness Report 2004-2005.

۶۳۔ خورشید احمد، پروفیسر، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، ص:۸

۶۴۔ شاہد حسین صدیقی، ڈاکٹر، روبہ زوال معیشت جنگ، ۱۱ جنوری ۲۰۰۶ء۔

۶۵۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۰۳ء۔

۶۶۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ، ۲۰۰۵ء، ص ۲۶۳:۔

۶۷۔ عبدالمجید ساجد، او۔آئی۔سی کا کردار، روزنامہ جنگ، لاہور، ۳۰ دسمبر ۲۰۰۵ء۔

۶۸۔ مودودی، امتِ مسلمہ کے مسائل، ص :۱۳۶۔

۶۹۔ اختیار بیگ مرزا، ڈاکٹر، جنگ ۱۷ ستمبر ۲۰۰۴ء۔

۷۰۔ عطاء الرحمان، ڈاکٹر معاشی ترقی کا روڈ میپ، جنگ ۱۸ دسمبر ۲۰۰۳

۷۱۔ عطاء الرحمان، ڈاکٹر، ڈان، 15 اپریل 1998ء

باب پنجم

جدید دور کی معاشی طاقتیں

فصل اول

معاشی ترقی کے موجودہ وسائل، عوامل اور طریقے

ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ 2007﴿ ۱ ﴾کے مطابق پوری دنیا کی آبادی 6438 ملین یا6 ارب، 43 کروڑ 8لاکھ ہے اس میں ترقی یافتہ اور High Income والی آبادی 1011 ملین یا 1 ارب 1 کروڑ ہے۔ پوری دنیا کا ٹوٹل GDP 44384871 ملین یا 44384.871 ارب ڈالر ہے۔ پوری دنیا کی اس ٹوٹل آمدن یا GDP میں ترقی یافتہ ممالک کے لوگوں کا حصہ یا اُن کا GDP 34466 ارب ڈالر ہے۔ World - GDP کو جب پوری دنیا کے لوگوں پر تقسیم کریں گے تو فی کس آمدن (Per Capita) 6987ڈالر بنے گا۔ جبکہ صرف ترقی یافتہ ممالک کے GDP ، 34466 بلین ڈالر کو تقسیم کیا جائے تو فی کس آمدن (Per Capita Income) 35528 ڈالر بنے گی۔ جبکہ کم آمدن والے 2ارب35 کروڑ لوگوں کاGDP، 1363ارب ڈالر اور فی کس آمدن 580ڈالر ہے۔ اور مڈل انکم کے 3ارب 7 کروڑ لوگوں کاGDP 8113 اور فی کس آمدن 2640ڈالر ہے۔

اسی طرح پوری دنیا کی ایکسپورٹ، (WDR-2005کے مطابق) 7479592 ملین ڈالر ہے جس میں سے صرف ترقی یافتہ (High Income) ممالک کی ایکسپورٹ 5491151 ملین ہے۔

پوری دنیا میں سب سے بڑا GDP امریکہ کا ہے یعنی 12455 بلین ڈالر۔ امریکہ World's Largest Economy ہے۔

دوسری بڑی معیشت جاپان ہے اُس کا GDP 4505 بلین ڈالر ہے۔ تیسرے نمبر پر جرمنی کا GDP 2781 بلیں ڈالر، برطانیہ چوتھے نمبر پر 2192 بلین ڈالر، فرانس کا GDP پانچویں نمبر پر 2110 بلین ڈالر، اٹلی کا GDP 1723

بلین ڈالر ہے۔

آئندہ صفحات میں معاشی ترقی کے طریقہ کار کا مختصر تعارف کرواتے ہیں اور ساتھ ہی ترقی کی انتہا کی تھوڑی سی جھلک بھی۔

مختصراً یہ ہے کہ معاشی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک عوامی شعور بیدار نہیں ہوتا۔ جب تک تعلیم عام نہیں ہوگا۔ جب تک انسانی وسائل کو ترقی نہیں دی جاتی۔ جب تک تعلیم کے ساتھ تعلیم کے اہم شعبوں، سائنس و ٹیکنالوجی، کامرس و بزنس، فزکس، کیمسٹری اور میتھ یعنی جدید تعلیم میں اعلیٰ پائے کی تحقیق نہیں ہوتی، معاشرہ اور ملک ترقی نہیں کر سکتا۔

امریکہ اگر دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے تو اُس کی اصل وجہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں تحقیق و ترقی ہے۔

ناروے ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اس کا مختصر تعارف کرتے ہیں تاکہ نظام اور ترقی کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ طارق شہباز صاحب نارویجن پارلیمنٹ کے رکن رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ " اگر ناروے میں شراب اور بے حیائی نہ ہوتو یہ ایک اسلامی فلاحی معاشرہ ہے "۔ ﴿۲﴾ ناروے میں قانون کی حکمرانی ہے۔ تعلیم، صحت رہائش، اشیائے خورد و نوش، جان و مال کا تحفظ اور امن و امان۔ یہی تو ایک فلاحی ریاست کی نشانیاں ہیں۔ یہ ناروے میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔

ناروے کی آبادی 46 لاکھ ہے۔ اس کا رقبہ 3 لاکھ 24 ہزار 2 صد 20 (324220) مربع کلومیٹر ہے۔ اس کا GDP 284 ارب ڈالر ہے۔ فی کس آمدن 59590 امریکی ڈالر ہے۔ جو غالباً دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اور پاکستان سے تقریباً 80 گنا زیادہ ہے۔

ناروے میں 46 لاکھ آبادی کیلئے 10995 صنعتیں اور تجارتی مراکز ہیں۔ ٹیکنیکل ایجوکیشن کیلئے 7136 ادارے اور اعلیٰ تعلیم کیلئے 7313 کالج اور سکول و دیگر ادارے موجود ہیں۔ 2001ء میں اُس کے 81000 (اکیاسی ہزار سے زائد) سے زائد طلبہ و طالبات اندرونِ ملک اور 6000 سے زائد بیرون ملک اعلیٰ تعلیم میں مصروف تھے۔

آمد و رفت کیلئے حکومت نے 12723 " واٹر بوٹس " 1852 ریل گاڑیاں، 2335097 کاریں، 87286 بسیں، 35667 ویگنیں، بار برداری کیلئے 176456 ٹرک، 50000 برفانی سکوٹر کا اہتمام کر رکھا ہے۔ عام سفر کیلئے 90,000 موٹر سائیکل، 951 ائیر کرافٹ اور 140 ہیلی کاپٹروں کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اس بھاری ٹریفک کو رواں رکھنے کیلئے 91443 کلومیٹر لمبی سڑکیں، 4178 کلومیٹر ریلوے لائن اور 54 ائیر پورٹ بنائے گئے ہیں۔ مواصلاتی نظام کو ٹیلی فون کے ذریعے مربوط کرنے کیلئے ٹیلی نار (Tele-Nor) کے تحت 33 لاکھ 14 ہزار (3314378) ٹیلیفون کنیکشن اور

3679246 موبائل فون کے کنیکشن جاری کئے گئے۔﴿۳﴾

یہ ایک چھوٹی سی مغربی یورپ کی ریاست ہے۔ ڈنمارک، سویڈن، سوئٹزرلینڈ سب ایسے ہی ہیں۔ یہ ریاستیں واقع ہی فلاحی ریاستیں (Welfare States) ہیں اور اصول وقانون اور حقوق وفرائض کی وہی جھلک نظر آتی ہے جو ایک اسلامی ریاست میں آنی چاہیے۔ بدقسمتی سے عالم اسلام میں کوئی بھی ریاست کسی بھی لحاظ سے اس پائے کی نہیں ہے۔ مغرب میں معاشی ترقی کیلئے سب سے بڑا وسیلہ اچھی اور معیاری تعلیم اور پھر تعلیم وتحقیق تک رسائی ہے وہاں حکومتی سطح تک اعلیٰ تعلیم کیلئے ایسی سہولتیں ہیں کہ جو شخص چاہیے بلا جھجک اور بغیر کسی معاشی مسئلے کے اپنی تعلیم اور اعلیٰ پائے کی تحقیق کو جاری رکھ سکتا ہے۔

☆☆☆

فصل دوئم

مغرب کی معاشی ترقی

امریکہ کی معاشی ترقی اوراس کا جائزہ:

امریکہ کارقبہ تقریباً 95لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔آبادی(WDR-2005 کے مطابق) 29 کروڑ 10لاکھ ہے۔فی کس آمدن 43740ڈالر GDP 12455 بلین ڈالر ہے۔امریکہ میں 5758 یونیورسٹیاں کام کررہی ہیں (جبکہ عالم اسلام کے 57ممالک میں 600کے لگ بھگ یونیورسٹیاں ہیں)۔امریکہ میں 11لاکھ اعلیٰ درجے کے سائنس دان ہیں۔اب تک 227 سے زائد امریکیوں نے نوبل انعام حاصل کیا ہے۔امریکہ میں3800 افراد فی ملین سائنسدان ہیں جبکہ عالم اسلام کی 144 کروڑ آبادی اور 57 ممالک میں صرف 300000(تین لاکھ) سائنسدان ہیں اور وہ 230 فی ملین بنتے ہیں۔

امریکن کانگرس کی لائبریری۔ (Congress Library):

امریکی کانگرس کی لائبریری دنیا کی سب سے بڑی لائبریری ہے اس لائبریری کی 530 میل لمبی Book Shelves میں128 ملین لائبریری آئٹم رکھی گئی ہیں۔اس Collections میں 29 ملین کتابیں اور دوسرا چھپا ہوا (Published) میٹریل ہے ستائیس لاکھ ریکارڈنگ، 12 ملین فوٹوگراف، 5ملین میوزک آئٹمز اور 57ملین(5 کروڑ 70لاکھ)مخطوطہ جات ہیں۔اس لائبریری میں ہرروز (In every working day) 22000آئٹمز (یعنی اخبارات، کتابیں رسائل، میگزین وغیرہ) آتی ہیں جن میں سے ہرروز10,000 کو محفوظ کر کے لائبریری کا حصہ بنالیا جاتا ہے۔یعنی اس لائبریری میں ہرروز تقریباً10000 آئٹمز کا اضافہ ہوتا ہے۔اسلامی ممالک میں کتنی ایسی لائبریریاں ہیں؟ کتنے مسلمان ممالک کی قانون ساز اسمبلیوں میں اس قدر مطالعاتی مواد (Study Material) ہے؟ کونسا ملک اتنا اہتمام کرتا ہے اور تعلیم اور مطالعہ کے ساتھ اتنا پیار کرتا ہے؟

اس قدر تعلیم کا پھل:

امریکہ کی آبادی عالمی آبادی کا تقریباً 4% ہے (یعنی 6 ارب 47 کروڑ میں 29 کروڑ 10 لاکھ)۔ رقبے کے لحاظ سے روس کا نصف اور چائنہ سے تھوڑا سا بڑا جس کی (چین کی) آبادی تقریباً 125 کروڑ ہے۔

دنیا میں توانائی (Energy) کی پیداوار 362 کواڈرلین (Quadrillion) بی ٹی یو (BTU) (BTU : British Thermal Units) ہے۔ امریکہ اس عالمی توانائی (Energy) کا 25% اکیلا استعمال کرجاتا ہے۔ امریکہ 85 بلین انڈے سالانہ کھاجاتا ہے جو انڈوں کی عالمی پیداوار کا ایک تہائی (One-Third) ہے ۔ پوری دنیا جتنی چکس (مرغی) سالانہ پیدا کرتی ہے، امریکہ اُن میں سے 40% فیصد اکیلا کھا جاتا ہے۔ (پوری دنیا کا.......... جی ہاں پوری دنیا کی 40% مرغیاں امریکہ کھاتا ہے) امریکہ ماہانہ 12 بلین پونڈ دودھ استعمال کرتا ہے۔ اور یہ پوری دنیا کے ماہانہ دودھ کی پیدوار کا ایک تہائی ہے۔

امریکہ ہر سال یا امریکی ہر سال دوسرے ممالک سے 1000 بلین ڈالر سے زائد کی اشیاء خرید کر استعمال کرتے ہیں۔ جنوری تا نومبر 2000 امریکہ نے امپورٹس (Imports) پر 1.3 ٹربلین یا 1300 بلین ڈالر خرچ کئے۔

نومبر 2000 کے 30 دنوں میں امریکہ نے 123 بلین ڈالر کی اشیاء اور خدمات درآمد کیں (123 بلین اشیاء اور خدمات پر خرچ کئے) اور تجارتی خسارہ (Trade deficit) 33 بلین تھا۔ ﴿۴﴾

یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ دنیا کی 40% تحقیق و ترقی امریکہ میں ہوتی ہے۔ دنیا کے تقریباً 40% ریسرچ آرٹیکل امریکہ سے چھپتے ہیں۔ امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا تناسب پوری دنیا میں زیادہ ہے اور یہ 79.7% ہے ﴿۵﴾۔ امریکہ میں ہر دوسرے بندے کے پاس گاڑی بلکہ گاڑی کا تناسب اس سے بھی زیادہ ہے۔ امریکہ پوری دنیا کا تقریباً 45% ڈیفنس بجٹ استعمال کرتا ہے۔ پوری دنیا میں دفاع پر -/1000 بلین سالانہ خرچ آتا ہے۔ امریکہ کا ڈیفنس بجٹ تقریباً 450 بلین ڈالر ہے۔ پوری دنیا کے ایک تہائی وکیل امریکہ میں ہیں۔

معاشرتی بیگاڑ اور برائیاں:

اگر امریکہ میں سالانہ 24 لاکھ شادیاں ہوتی ہیں تو 22 لاکھ سے زیادہ طلاقیں ہوجاتی ہیں۔ امریکہ میں ایک کروڑ 10 لاکھ افراد بغیر شادی اور نکاح کے ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ ان میں 12 لاکھ افراد ایسے ہیں جو ہم جنس پرست

(Homosexuals) ہیں ﴿۶﴾۔ امریکہ میں سالانہ 3لاکھ 70 ہزار عورتیں اسقاط حمل کرواتی ہیں جس میں 67% عورتیں شادی شدہ ہوتی ہیں ﴿۷﴾۔ اسی طرح برطانیہ میں ایک لاکھ نوے ہزار عورتیں ہر سال اسقاط حمل کرواتی ہیں جن میں 75% غیر شادی شدہ ہوتی ہیں۔ امریکہ میں ہر روز تین ہزار کے قریب ناجائز بچے پیدا ہوتے ہیں۔ امریکہ میں ہر دو منٹ کے بعد زیادتی کا کیس ہوتا ہے۔ جو سالانہ سات لاکھ 75ہزار کے قریب ہے امریکہ میں ہر ساتویں عورت زیادتی کا شکار ہوتی ہے۔ ﴿۸﴾۔ امریکہ دنیا میں پولیس مین کا کردار ادا کرنے کیلئے 400 بلین ڈالر سے زائد اپنے دفاع کے بجٹ میں خرچ کرتا ہے۔ 400بلین ڈالر اگر پسماندہ ممالک میں لگایا جائے تو ساری دنیا کی بھوک ختم کرنے کیلئے کافی ہے۔

اس طرح ترقی کے ساتھ ساتھ بگاڑ بھی مغربی ممالک میں اپنے عروج پر ہے۔ معاشرے تباہ ہو گئے ہیں کوئی معاشرتی روایات نہیں ہیں۔ خاندانی نظام بالکل ختم ہو گیا ہے۔ بوڑھے والدین کا کوئی سہارا نہیں بنتا اور وہ Old Houses میں آخری زندگی گزارتے ہیں۔ ٹینشن اور پریشانی میں خودکشی کر لیتے ہیں۔

اولاد ہفتے دو ہفتوں یا بعض اوقات مہینوں کے بعد چکر لگا لیتی ہے۔ والدین کو اولاد پر کوئی قانونی کنٹرول حاصل نہیں۔

تعلیم و تحقیق اور امریکہ و دوسری عالمی معاشی طاقتوں کے عروج کی انتہا:

امریکہ کے پاس اس وقت دنیا کی تقریباً 30% کمائی اور دولت ہے۔ دنیا کے 44384بلین GDP میں امریکہ (USA) اکیلے کا حصہ 12455 ہے جو تقریباً 30% بنتا ہے۔ دفاع میں پورا عالم (World) تقریباً ایک ہزار (1000) بلین خرچ کرتا ہے۔ اس میں سے امریکہ تقریباً 450 بلین ڈالر خرچ کرتا ہے۔ جو کہ دنیا کا 45% بنتا ہے۔ نومبر 2003 میں امریکی ایوانِ نمائندگان نے 400 ارب ڈالر کے فوجی اخراجات کی منظوری دی تھی ﴿۹﴾ جس میں ابتک (جولائی 2006 تک) تقریباً 50 بلین ڈالر کا اضافہ ہو چکا ہے۔ اور یوں یہ 450 بلین ڈالر کے لگ بھگ ہو گیا ہے۔ ﴿۱۰﴾

دفاعی ریسرچ اور اس پر اخراجات:

2 جون 2001 کی اشاعت میں اکانومسٹ میگزین (Economist) کے ایک تجزیہ نگار نے انکشاف کیا کہ پینٹا گون اوسطاً ایک ارب ڈالر یومیہ خرچ کرتا ہے پینٹا گون امریکہ کا ڈیفنس ہیڈ کوارٹر ہے اس وقت جولائی 2006 تک اس سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ یعنی کل دفاعی اخراجات جس میں ریسرچ، تربیت اور اسلحہ شامل ہے تقریباً 450ارب ہیں۔ امریکی اخراجات جو

صرف دفاعی ریسرچ پر اٹھتے ہیں وہ یورپی ممالک کے اس مد میں کل اخراجات سے چار گنا زائد ہیں ﴿۱۱﴾۔ امریکہ اپنی دفاعی پالیسی کا ہر سال جائزہ لیتا ہے۔ اس کے لئے ایک یا دو نہیں، ماہرین پر مشتمل پورے 20 گروپ کام کرتے ہیں۔

امارت:

1997ء میں پوری دنیا میں 52 لاکھ افراد ملین پتی (Millianairs) تھے جو 2000 میں 72 لاکھ ہو گئے۔ آج دنیا کا یہ امیر ترین طبقہ پوری دنیا کی ایک تہائی دولت پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ فوربس (Forbes) میگزین نے 425 ارب پتیوں (Billionairs) کی فہرست تیار کی ہے۔ ان میں 274 امریکی ہیں۔ ان میں ایک امریکی ڈینس ٹیٹو Dennis) (Tito بھی شامل ہے جس نے اپریل 2001ء میں روس کے سویوز (Soyoz) راکٹ کے ذریعے خلائی سفر کا لطف اٹھانے کیلئے 20 ملین ڈالر خرچ کئے تھے ﴿۱۲﴾۔ 20 جنوری 2005ء کو صدر بش کی دوسری ٹرم کی حلف برداری ہوئی تو محض ایک دن کی تقریب پر 50 ملین ڈالر خرچ کئے ﴿۱۳﴾۔

اس کے برعکس "ایکشن ایڈ انٹرنیشنل" نے مئی 2005ء میں رپورٹ دی کہ G-7 ممالک کے غریب ملکوں کی امداد کے فیاضانہ رویئے کی صورت حال یہ ہے کہ وہ اونٹ کے منہ میں زیرہ کے برابر ہوتی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ 2003 میں جو امداد دی وہ G-7 تنظیم میں شامل ملکوں کی اوسطاً آمدنی کا صرف 0.1% (زیرو پوائنٹ ون فیصد) ہے۔ پھر ایک المیہ یہ ہے کہ اس رقم کا اکثر حصہ اُن آمروں اور غیر جمہوری حکمرانوں نے ہڑپ کر لیا جو بدقسمتی سے ان غریب ممالک پر مسلط ہیں۔

امریکہ کی عالمی دہشت گردی اور عالم امن کی تباہی:

مسٹر جوزف ایس نائی (Joseph S. Nye) ایک امریکی منصف ہیں انہوں نے اپنی کتاب

"The Paradox of American Power"

میں لکھا ہے: امریکہ، اس کی معیشت اور اُس کی فوج ایک متشدد طاقت (Hard Power) میں تبدیل ہو چکی ہے۔ تجارتی عالمگیری کا مسئلہ ہو یا بین الاقوامی تعلقات یا این جی اوز .... کا ان مسائل کو نرمی سے سنوارا جائے۔ امریکہ کی خارجہ پالیسی مخصوص مفاد پرست گروپوں کے ہاتھ میں ہے جس سے قومی مفادات پس منظر میں چلے گئے ہیں۔ اب امریکہ کو ایک نرم طاقت بننا چاہیے۔ اس کیلئے یک سمتی راستے (Unilateralism) کی بجائے کثیر سمتی راستے اپنانا ہوں گے۔ ﴿۱۴﴾

پوری دنیا کے پرانے " نوآبادیاتی آقاؤں" کی جگہ اب امریکہ اکیلے نے سنبھال لی ہے امریکی بدقسمتی سے اس دور کو " امریکی امن" (Pax Americana) کا دور کہتے ہیں۔ امریکہ تجارتی اور عسکری معاہدوں کے ذریعے پہلے غریب ملکوں کے ذرائع دولت کا استعمال کرتا ہے اور اگر ضروری سمجھتا ہے تو پھر اُن پر فوجی تسلط بھی حاصل کر لیتا ہے۔ امریکہ کی خارجی پالیسی ہمیشہ جارحانہ رہی ہے۔ اس کی بنیاد معاشی استحصال (Economic Exploitation) پر ہے پھر معاشی پابندیوں (Sanctions) اور معاشی جبر (Economic Coercion) کا حربہ استعمال کرتا ہے اگر یہ حربہ ناکام رہے تو پھر جنگ کی دھمکی دیتا ہے اور اس مرحلے کا آخر جنگ (Violence) کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جنگ میں امریکہ کا سارا زور مخالف کے " ذرائع دولت " کو بموں کے کے ذریعے تباہ و برباد کرنے پر ہوتا ہے۔ خلیج کی پہلی لڑائی (عراق کے خلاف (1990-1991) کے دوران امریکہ نے پہلے 42 دنوں میں ایک لاکھ دس ہزار فضائی حملے کئے۔ یعنی ہر 30 سیکنڈ پر حملہ کیا گیا ۔پینٹا گون کے ذرائع کے حوالے سے ان حملوں میں 88 ہزار 5 سو بم گرائے گئے۔ اس سے عراق کے تمام معاشی ذرائع تباہ ہو گئے ۔لڑائی میں ایک لاکھ عراقی کام آئے ۔عراق کے ایک سکڈ حملے میں سعودی عرب کی امریکی بیس میں موجود 37 امریکی مارے گئے ۔اس کے مقابلے میں امریکہ نے نیم متحرک یورنیم (Depleted Uranium) اور لیزر گائیڈڈ بم گرا کر عراق کی 17 ہزار فوجی گاڑیاں عملے سمیت تباہ کر دیں۔ عراق تعمیر نو میں مصروف تھا کہ 20 مارچ 2003ء سے اسے دوبارہ امریکی و برطانوی حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ گارڈین اخبار نے اس وقت انکشاف کیا کہ جنگی اخراجات 12 ارب ڈالر ماہانہ ہوں گے۔ 9 اپریل 2003 کو سقوط بغداد ہوا۔ دونوں الزام ....تباہی پھیلانے والے ہتھیار اور القاعدہ سے عراق کا تعلق ....دونوں جھوٹے نکلے۔

صدام کے دونوں بیٹے، عدی اور قصی، شہید ہو گئے صدام جیل میں بند، نائب صدر طٰہٰ گرفتار، وزیر دفاع ہاشم خود حکام کے حوالے ہو گیا لیکن عراقی عوام پہلے سے زیادہ مزاحمت کر رہے ہیں۔ اب امریکہ اور اتحادی کہتے ہیں کہ "مزاحمت کار غیر ملکی عناصر ہیں" گویا قابض حملہ آور امریکی، برطانوی اور دوسرے اتحادی عراق کے نمائندے ہیں۔ سنی اکثریت کے شہر فلوجہ میں چار امریکیوں کی ہلاکت کے بدلے امریکی فوج نے ہزاروں عام شہری ہلاک کر دیئے جن میں عورتیں اور بچے بھی کثیر تعداد میں شامل تھے۔ ایسی بربریت کی مثال نازیوں کے ہاں بھی نہیں ملتی۔

1980ء میں امریکہ نے عراق، ایران جنگ کا منصوبہ بنایا۔ جنگ آٹھ سال تک جاری رہی۔ 10 لاکھ افراد ہلاک ہوئے

۔ جنگ کے پورے عرصے میں امریکہ عراق اور صدام کا پشت پناہ رہا۔ عراق کا کویت پر حملہ بھی امریکی سازش تھی۔ عراق میں امریکی سفیر مس گلاس پائی کو نہ صرف حملے کا علم تھا بلکہ اس کے ذریعے صدام کو امریکا کی شہ بھی تھی۔ پھر اسامہ کو زندہ یا مردہ پکڑنے کیلئے افغانستان پر حملہ کیا۔ یہ ملک پہلے ہی سالہا سال کی جنگ سے تباہ حال تھا، لڑائی شروع ہونے کے دو ہفتے بعد پینٹا گان نے اعلان کیا کہ افغانستان پر روزانہ ایک سو ہوائی حملے ہوتے ہیں جس میں دو ہزار بم مختلف نشانوں پر گرائے جا رہے ہیں۔ اس لئے لنڈن کے میئر کن لونگ اسٹون (Ken Livingstone) نے بی بی سی کو جولائی 2005 کو انٹرویو دیتے ہوئے (لندن حملوں کے بعد) کہا: "ہماری نوجوان نسل ہمارے دوہرے معیار سے نالاں ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب ہماری پوری خارجہ پالیسی ہی غلط ہے۔ مغرب گزشتہ پچاس برسوں سے عرب دنیا میں مداخلت کر رہا ہے جو کہ صرف تیل کیلئے ہے" پھر انہوں نے کہا: اگر آپ ہمیں اسطرح کے لندن حملوں سے بچانا چاہتے ہیں تو آپ کو فوراً عراق سے باہر نکل جانا چاہیے۔ ﴿۱۵﴾۔

......☆......☆......☆......

فصل سوئم

مغرب اور ترقی یافتہ ممالک کے علمی و تحقیقی ادارے ﴿۱۶﴾

امریکہ :

امریکہ میں 5758 یونیورسٹیاں ہیں جہاں تعلیم و تحقیق کا کام اعلیٰ معیار پر جاری ہے۔ امریکہ میں ایک اچھی یونیورسٹی کا بجٹ اوسطاً ایک ارب ڈالر ہے۔ تحقیق و ترقی (Research and development) پر امریکہ 100 ارب ڈالر سے زائد خرچ کرتا ہے۔ ڈیفنس ریسرچ کا بجٹ، امریکہ کا پورے یورپ سے 4 گناہ زیادہ ہے۔ ڈیفنس ریسرچ کیلئے بیس (20) مختلف شعبے تحقیق و ترقی میں سرگرداں ہیں۔ امریکہ میں 11 لاکھ سائنسدان ہیں۔ 227 سے زائد نوبل انعام یافتہ ہیں۔

جاپان:

جاپان تحقیق و ترقی کے شعبے میں تقریباً 36 ارب ڈالر سالانہ خرچ کرتا ہے جاپان میں تقریباً 1000 یونیورسٹیاں کام کر رہی ہیں۔ ایشیا کی پچاس بہترین یونیورسٹیوں (Top Fifty Universities) میں سے 10 جاپان میں پائی جاتی ہیں (پاکستان میں پچاس میں سے ایک بھی نہیں) جاپان کا GDP تقریباً 4505 بلین ڈالر ہے جو پوری دنیا کے GDP کا ساتواں حصہ ہے۔ دنیا کی بہترین کار جاپان تیار کرتا ہے دنیا میں سب سے زیادہ کاریں جاپان میں تیار ہوتیں ہیں اور ایکسپورٹ ہوتی ہیں ۔ یہ دنیا کی دوسری بڑی معیشت ہے صرف ٹوکیو شہر میں 125 یونیورسٹیاں پائی جاتی ہیں پورے پاکستان میں 50 اور پورے عالم اسلام میں 600 سے بھی کم یونیورسٹیاں ہیں۔ جاپان کی آبادی 12 کروڑ 72 لاکھ ہے۔

جرمنی:

جرمنی کی آبادی 8 کروڑ 26 لاکھ، GDP 2781 بلین ڈالر اور فی کس آمدن 34580 ڈالر ہے۔ جرمنی میں اعلیٰ پائے کے تعلیمی ادارے ہیں۔ اعلیٰ ٹیکنالوجی میں دنیا بھر میں پہلا نمبر ہے اپنی تحقیق اور ترقی کی بنا پر اپنی پیدوار اور مشینری کا اس قدر معیار ہے کہ جرمنی کی اشیاء تقریباً دنیا میں سب سے مہنگی ہیں۔ پوری دنیا میں جرمنی کی ایکسپورٹ سب سے زیادہ یعنی 970 بلین ڈالر ہے ﴿۱۷﴾۔ امریکہ 904 کے ساتھ دوسرے اور جاپان 596 ارب ڈالر کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہے۔ 30% سے زائد جرمن یونیورسٹی لیول کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جرمنی میں اعلیٰ تعلیم کیلئے مختلف ممالک سے ہزاروں لوگ جاتے ہیں۔ جرمنی

میں درجنوں لائبریریاں ایسی ہیں جن میں 20 لاکھ سے ایک کروڑ تک کتابیں ہیں جن سے تعلیم و تحقیق کرنے والے سکالرز استفادہ کرتے ہیں۔

فرانس:

فرانس میں 400 کے لگ بھگ یونیورسٹیاں ہیں۔ بہت بڑی بڑی لائبریریاں ہیں۔ پیرس کی مین پبلک لائبریری میں ایک منی ٹرین بھی چلتی ہے جس پر لوگ، مطالعہ کرنے والے، ادھر سے اُدھر جا سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ لائبریری میں آنے والوں کو گورنمنٹ کی طرف سے ہر قسم کی سہولت دی جاتی ہے حتٰی کہ چائے، مشروبات اور کھانے کیلئے حسب ضرورت پیش کیا جاتا ہے۔ ریسرچ اور تحقیق کرنے والے کو بہت سہولتیں دی جاتی ہے تا کہ معاشی پریشانیوں سے دور وہ تدریس اور تحقیق کام کر سکے۔ فرانس کا آر اینڈ ڈی کا بجٹ دس ارب ڈالر (10 Billion) ہے۔ 400 سے زائد اعلیٰ تعلیمی ادارے اعلیٰ تعلیم و تحقیق کیلئے مصروف عمل ہیں۔ شمالی افریقہ کے اکثر طلبہ و طالبات فرانس کے تعلیمی اداروں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ فرانس کی آبادی 5 کروڑ 97 لاکھ، GDP 2110 بلین ڈالر، فی کس آمدن 34810 ڈالر اور ایکسپورٹ 459 بلین ہے۔ فرانس کی ایکسپورٹ دنیا بھر میں چوتھے نمبر پر ہے ساتویں صدی عیسوی میں فرانس دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی بلکہ ساتویں صدی کو فرانس کی صدی کہا جاتا ہے جسطرح انسیویں صدی برطانیہ کی اور بیسویں صدی کو امریکہ کی صدی کہا جاتا ہے۔

برطانیہ:

برطانیہ کی آبادی 5 کروڑ 93 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ اس کا GDP, (WDR-2007 کے مطابق) 2192 ڈالر اور Per Capita Income 37600 ہے برطانیہ کا ایکسپورٹ 378 بلین ڈالر ہے اور یہ ایکسپورٹ کے لحاظ سے پانچویں نمبر پر ہے۔

تحقیق و ترقی کا بجٹ تقریباً 11 بلین ڈالر ہے۔ 500 یونیورسٹیاں ہیں جن میں تقریباً نصف طلبہ و طالبات دوسرے ممالک سے ہیں۔ ٹونی بلیئر، وزیر اعظم برطانیہ نے 30 ستمبر 2003 کو برن ماؤتھ کے مقام پر پرزور انداز میں کہا تھا: " میری حکومت کی تین بڑی ترجیحات ہیں، تعلیم، تعلیم اور تعلیم "۔ ﴿۱۸﴾ اس میں انہوں نے اعلیٰ تعلیم پر زیادہ زور دیا۔ برطانیہ نے اپنی تعلیم اور تحقیق کی ہی بدولت دوسو سال دنیا پر حکومت کی اور دنیا کے سب سے بڑے ملک، ہندوستان پر تقریباً 150 سال حکومت کی۔

اسی طرح آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ ہیں جو مغربی دنیا سے دور ہونے کے باوجود مغرب کے برابر ترقی یافتہ ہیں۔ اس کی اصل وجہ اُن کی تعلیم پر توجہ ہے آسٹریلیا میں دنیا کی بہترین یونیورسٹیاں ہیں جہاں پوری دنیا سے لوگ تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔

آسٹریلیا کی آبادی تقریباً 2 کروڑ ہے، GDP 700 بلین ڈالر اور فی کس آمدن 32220 ڈالر ہے۔ 106 بلین ڈالر ایکسپورٹ ہے۔ نیوزی لینڈ کی فی کس آمدن 25960 ڈالر ہے۔

سنگاپور:

سنگاپور کی آبادی 43 لاکھ ہے۔ GDP 116 بلین ڈالر اور فی کس آمدن 27490 ڈالر ہے۔ ایکسپورٹ 229 ارب ڈالر ہے۔ یہ مشرقی ایشیا کا بہت بڑا تجارتی ملک ہے۔ تقریباً 83-1982 میں حکومت سنگاپور نے وزیر اعظم کے پروگرام کے مطابق اعلیٰ تعلیم کے فروغ کیلئے ایک بہت بڑے منصوبے پر کام شروع کیا تاکہ ملکی معیشت کو علمی اور تحقیقی بنیادوں پر ترقی دی جا سکے۔ سنگاپور نے اس مقصد کیلئے اپنی دو یونیورسٹیوں کا بجٹ ایک ارب 40 لاکھ ڈالر مختص کیا۔ 23 سال پہلے سنگاپور کیلئے دو یونیورسٹیوں کا اتنا بڑا بجٹ بہت بڑی بات تھی۔ یاد رہے کہ ہماری 50 کے قریب یونیورسٹیوں کا کل ترقیاتی بجٹ (2003 میں) تقریباً ایک کروڑ ڈالر تھا﴿۱۹﴾۔ پاکستان کے پورے نظام تعلیم کا بجٹ (1997 سے پہلے تک) بھی اتنا نہیں ہے۔

☆......☆......☆

فصل چہارم

ترقی یافتہ ممالک کی معیشتوں کا مختصر جائزہ

Key Indicators of Development of Advanced Countries

ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ 2007 کے مطابق ﴿۲۰﴾

ایکسپورٹ Exports in Billions	فی کس آمدن Per Capita Income	جی ڈی پی GDP in Billions	آبادی Population	ملک کا نام Country
106 بلین ڈالر	32220 ڈالر	700 بلین	20000000	آسٹریلیا
123	36280 ڈالر	304 بلین	8100000	آسٹریا
329	35700 ڈالر	364 بلین	10300000	بلجیم
359	32600 ڈالر	1115	32000000	کینیڈا
86	47390	254	5400000	ڈنمارک
66	37460	193	5200000	فن لینڈ
459	34810	2110	61000000	فرانس
970	34580	2781	82600000	جرمنی
42	18620	123	7000000	اسرائیل
366	30010	1723	57600000	اٹلی
596	38580	4505	128000000	جاپان
284	15830	787	47900000	کوریا
401	36620	594	16200000	نیدرلینڈ
22	25960	109	4000000	نیوزی لینڈ

ناروے	5000000	284	59590	103
پرتگال	11000000	173	16170	38
سنگاپور	4300000	116	27490	229
سپین	43000000	1123	25360	186
سویڈن	9000000	354	41060	129
سوئٹزرلینڈ	7300000	366	54930	125
برطانیہ	60000000	2192	37600	378
امریکہ	290000000	12455	43740	904
یونان	10700000	213	19670	17
آئرلینڈ	3900000	196	40150	109
ہانگ کانگ	7000000	177	27670	292

☆ ☆ ☆

باب پنجم

حوالہ جات

۱۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۰۷

۲۔ محمد صغیر قمر، سفر بلادِ غرب کا، ص : ۷۷

۳۔ ایضاً، ص: ۷۸-۷۷، نوٹ: یہ تفصیلات ۲۰۰۱ء کی ہیں جب آبادی ۴۴۴ لاکھ تھی۔

۴۔ یہ ساری تفصیلات ڈاکٹر فرخ سلیم کے آرٹیکل سے لیں جو ۱۱ فروری ۲۰۰۱ء کو ڈیلی دی نیوز میں چھپا۔

۵۔ ڈاکٹر اختیار بیگ، جنگ ۷ ستمبر ۲۰۰۴ء

۶۔ بحوالہ انیس الرحمان، در پردہ حقائق .United States census Bureau, Consus 2000

۷۔ ایضاً اور .USA Today , June 3, 2003۔

۸۔ ایضاً انیس الرحمان۔

۹۔ فیض احمد، شہابی، مقبوضات اور بیرونی اڈے، ص :۱۰، ادارہ متعارف اسلامی لاہور۔

۱۰۔ جنگ ستمبر ۲۰۰۶۔

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ شہابی، عیسائی یہودی این جی اوز گٹھ جوڑ، ص : ۹

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ Joseph کا آرٹیکل, Economist, 23-03-2002

۱۵۔ شہابی، مقبوضات ص : ۱۵۔

۱۶۔ عطاء الرحمان، ڈاکٹر، روزنامہ ڈان، ۱۱۵ اپریل ۱۹۹۸

۱۷۔ WDR-2007۔

۱۸۔ عطاء الرحمان، ڈاکٹر، آرٹیکل، جنگ ۱۸ دسمبر ۲۰۰۳۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ World Development Report 2007

باب ششم

عالم اسلام کی معاشی بدحالی میں دوسری قوموں اور بین الاقوامی اداروں کا کردار

فصل اول

یورپ اور امریکہ، یہود و ہنود:

1۔ یہودی (Jews)

عالم اسلام کے خلاف گزشتہ 100 سال سے جتنی سازشیں ہوئیں اور آج تک ہو رہی ہیں، اُن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق صیہونی تحریک اور اسے چلانے والے یہودیوں سے ہے۔ مغرب، امریکہ و یورپ اور بین الاقوامی تنظیمیں یعنی یو این او وغیرہ تو محض مہرے ہیں۔ اس وقت یہودی، اُن کی تحریک یعنی صیہونی تحریک (Zionist Movement) اور اُن کا ملک اسرائیل اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ پوری دنیا کے اہم کاروباری مراکز، بنک، کارپوریشنیں، میڈیا اخبارات اہم رسائل و میگزینز وغیرہ (News week etc) سب اُن کے قبضے میں ہیں۔ آج کے میڈیا کو ہم Jewish Controlled Media کہہ سکتے ہیں۔ پورے مغرب اور یورپ کے اہم شہروں میں اہم کاروبار اُن کے قبضے میں ہیں۔ حکمران طبقہ اور مشرق و مغرب کا اشرافیہ اور بااثر طبقہ تقریباً اُن کے زیر اثر ہے اور اکثر اُن میں فری میسن ﴿ ا ﴾ (FREEMASON) سے وابستہ ہیں یہ یہودیوں کی عالمی خفیہ تنظیم ہے جس کے ذریعے دنیا کے اعلیٰ طبقوں کے بااثر لوگوں کو مختلف ترغیبات کے ذریعے خفیہ اور شعوری طور پر یہودی عالمی منصوبوں کے مطابق ڈھالا جاتا ہے۔

اسرائیل کے ہاتھوں عراق کی جوہری تنصیبات کی تباہی:

امریکہ اسرائیل اور مغرب اس بات پر متفق ہیں کہ مسلم ممالک کو کسی بھی طرح جوہری طاقت بننے سے روکا جائے۔ اس سلسلے میں عراق اور لیبیا کی ایٹمی صلاحیت ختم کرنے کے بعد ایران اور پھر پاکستان کی آزمائش کسی بھی وقت ہوسکتی ہے۔ پاکستان پر جوہری پھیلاؤ کی ذمہ داری ڈالنے والا امریکہ خود ماضی میں جوہری پھیلاؤ کا سب سے بڑا سبب رہا ہے۔ امریکہ کی ایٹمی لیبارٹریوں

میں کام کرنے والے یہودی سائنسدان اور ٹیکنیشن اسرائیل کو چوری چھپے ہر طرح کی "جوہری امداد " مہیا کر رہے تھے۔ غالباً تاریخ کا سب سے بڑا جوہری پھیلاؤ امریکہ کی جانب سے ہوا جب امریکی ریاست پنسلونیا کے ایٹمی ری ایکٹر سے یہودی امریکی سائنسدان "شپرو" نے امریکہ کا افزودہ شدہ یورینیم بڑی تعداد میں چوری کر کے اسرائیل پہنچا دیا۔ ﴿۲﴾ جسے ڈیمونہ کے اسرائیلی جوہری ری ایکٹر میں ایٹمی ہتھیار بنانے کیلئے استعمال کیا گیا۔ عرب اخبار الاتحاد کے مطابق اسرائیل نے امریکہ سے چوری کردہ یورینیم سے 100 کے قریب جوہری ہتھیار بنائے ہیں۔

سوویت یونین (اب روس) پہلا ملک ہے جس نے 7 اگست 1959ء کو سب سے پہلے عراق کو جوہری پلانٹ مہیا کیا۔ اپریل 1975ء کو عراق کے نائب صدر صدام حسین نے روس کا دورہ کیا۔ اُس وقت عراق کے صدر احمد حسن البکر تھے۔ صدام حسین نے روسی اعلیٰ حکام سے اسلحے کی خریداری کے بہت سے معاہدے کئے۔ صدام حسین نے روس سے بہت بڑا ایٹمی ری ایکٹر پلانٹ لینے کی بھی کوشش کی لیکن صدام کی شرائط پر معاہدہ نہ ہو سکا اسی سال یعنی 1975ء کو ماہ ستمبر میں صدام حسین فرانس گئے اور وہاں فرانس کے صدر " جاک شیراک " سے ایک بہت بڑے ایٹمی ری ایکٹر خریدنے کا معاہدہ کر لیا جو 93 فیصد یورینیم افزودہ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ پھر ایک سودا اٹلی کے ساتھ بھی کیا تاکہ جوہری پروگرام کو مزید مضبوط بنایا جا سکے۔ عراق نے جوہری پلانٹ کی تربیت لینے کیلئے نوجوان سائنسدانوں کو فرانس بھی بھیج دیا۔ فرانس کے ساتھ جوہری معاہدے کے ایک ماہ بعد ہی 15 اکتوبر 1975ء کو اسرائیل کے وزیر اعظم اسحاق رابن اور وزیر خارجہ ایغال الون کی ملاقات ہوئی جس میں طے کیا کہ خفیہ کاروائیوں کے ذریعے عراق کے نوجوان سائنسدانوں کو تربیت حاصل کرنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیا جائے۔ موساد نے اس منصوبے کیلئے جنرل "یتساحق" کی قیادت میں باقاعدہ ایک خفیہ یونٹ تشکیل دے دیا اور عراقی نوجوان سائنسدانوں کی لسٹ بنالی جو فرانس میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے گئے ہیں یا دوسرے ممالک میں سائنسی تعلیم و تحقیق میں مصروف ہیں۔ مئی 1977ء کو مناحیم بیگن اسرائیل کا وزیر اعظم بنا تو اس نے عراقی سائنسدانوں والی فائل پر لکھا کہ صرف عراقیوں کا پیچھا کرنا ہی کافی نہیں بلکہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ موساد نے اس آپریشن میں کئی عراقی سائنسدانوں کو ہلاک کیا۔ عراقی جوہری پروگرام کیلئے کام کرنے والے مصری ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر یحیٰی المشہدی کو " موساد " نے پیرس میں قتل کر دیا۔ یحیٰی نے جوہری تعلیم ماسکو یونیورسٹی سے حاصل کی تھی اور اس کے بعد پی ایچ ڈی کی اور عراق کے جوہری پروگرام سے منسلک ہو گئے 1980 کے وسط میں یورپ کی ایسی کمپنیوں کے دفاتر یا لیبارٹریوں میں دھماکے ہونے شروع

ہو گئے جو عراق کے ایٹمی منصوبے سے تعاون کرتی تھیں۔ اس لئے بہت سی کمپنیوں نے عراق سے تکنیکی تعاون ختم کر دیا۔

ستمبر 1980ء کو فرانس نے معاہدے کے مطابق ایٹمی ری ایکٹر نا قابل یقین حفاظتی انتظام میں وسطی بغداد پہنچا دیا جس کو روس کے پرانے ری ایکٹر تموز 17 کے قریب نصب کیا گیا۔ اس کے ساتھ 20 کے قریب فرانسیسی ماہرین بھی عراق پہنچے۔

اسرائیل کی پارلیمنٹ کینسیٹ (Knesset) میں عراق کے ایٹمی ری ایکٹر پر گرما گرم بحث ہوئی۔ اس سلسلے میں فیصلہ کیا گیا کہ تباہی کا رسک لینا چاہیے حالانکہ "موساد" اور ملٹری انٹیلی جنس "امن" میں اس سلسلے میں اختلاف تھا۔

اسرائیل کی سرحد اور بغداد کے درمیان 800 کلومیٹر کا فاصلہ تھا اس منصوبے کی تفصیلات وزیر اعظم بیگن، آرمی چیف اینان اور آپریشن بابل کے ماسٹر مائنڈ سیلا کے درمیان تھیں۔ سات جون 1981ء کو اسرائیلی جنگی طیاروں نے عراق کا ایٹمی ری ایکٹر تباہ کر دیا۔ باقی کسر 1990 میں امریکی فوجوں کے حملوں اور طیاروں نے پوری کر دی جو کویت کو آزاد کروانے کیلئے عراق پر حملہ آور ہوئے تھے۔

اپریل 2003ء میں امریکی عراق پر قابض ہو کر صدام حسین کو اپنا ہی مہیا کردہ اسلحہ تلاش کر رہے تھے جس کے حصول کیلئے صدام حسین نے کئی بلین ڈالر خرچ کئے اور دنیا کے امیر ملک کے عوام کو غریب ترین سطح پر لے آیا۔

عراقی سائنسدانوں کا قتل:

2003ء میں امریکہ نے عراق پر حملہ کیا اور قابض ہو گیا۔ ساتھ ہی "موساد" بھی سرگرم ہو گئی اور عراقی سائنسدانوں کو چن چن کر قتل کیا جن کی تعداد تقریباً 2000 تھی تا کہ عراق ان سائنسدانوں کے ذریعے دوبارہ طاقت بننے کا نہ سوچے۔ کویت کے ہفت روزہ "المجتمع" کے مطابق موساد کے 5000 سے زائد جاسوس عراق میں داخل ہو گئے تھے ﴿۳﴾ اور کئی ملکوں کے علاوہ امریکی سی آئی اے بھی موساد کے ساتھ عراقی سائنسدانوں کے قتل میں ملوث رہی ہیں۔

انہوں نے 1500 سے 2000 تک عراقی سائنسدان، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، ماہرین تعلیم علماء اور مفکرین کو منظم انداز میں قتل کیا۔ اس کا اعتراف موجودہ عراق کے وزیر برائے انسانی حقوق بختیار امین نے 20 مارچ 2005 کو عراقی جریدے "المدیٰ" کو انٹرویو دیتے ہوئے بھی کیا۔ عراقی جریدہ "الزمان" نے اپنی 22 مارچ 2004 کی اشاعت میں عراقی وزارت داخلہ کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع کی کہ ایک سال کے دوران ایسے ایک ہزار عراقیوں کو قتل کو کیا گیا جن کا تعلق سائنس،

انجینئرنگ، طب، فکر و تعلیم اور عسکری معاملات میں تکنیکی امور سے تھا۔ 2 مئی 2004ء کو عراق پر قابض اتحادی فوج کے ترجمان جنرل مارک کیمٹ نے بھی یہی انکشاف کیا کہ پراسرار ہاتھوں کے ذریعے سب سے زیادہ وہ عراقی ہلاک کئے گئے جن کا تعلق اعلیٰ تعلیم اور تکنیکی مہارت سے تھا۔

عراق کیلئے فرانس کے تیار کردہ ایٹمی ری ایکٹر فرانس میں ہی تباہ:

فرانس نے 1977ء میں ایک اور معاہدے کے تحت عراق کیلئے دو ایٹمی ری ایکٹر تیار کروائے جو غالباً 1979ء میں تیار ہو گئے اور ان کو عراق کے شہر بصرہ کی بندرگاہ تک لے جانے کیلئے فرانس کی ساحلی بندرگاہ "تولون شہر" میں شپ منٹ تیار کھڑی تھی۔ لیکن ری ایکٹر ابھی تک سٹوروں میں تھے۔ اسرائیل کی ایجنسی "موساد" نے منصوبہ بنا کر اُن سٹوروں پر دھماکہ کر دیا جس سے دونوں ری ایکٹر تباہ ہو گئے جن پر فرانس کے 300000 گھنٹے اور 17 ملین ڈالر صرف ہوئے تھے۔ دھماکوں سے کچھ بھی نہ بچ سکا۔

بلڈر برج:

بلڈر برج صیہونیت کی سب سے اعلیٰ درجے کی تنظیم ہے جس میں دنیا کے اعلیٰ ترین اور بااختیار لوگ شامل ہیں۔ یہ لوگ پوری دنیا کو کنٹرول کرتے ہیں۔

"فری میسن" اس کے بعد ہے۔ اس کا ہر سال اجلاس ہوتا ہے جو تقریباً سال کے وسط میں ہوتا ہے۔ یہ اہداف مقرر کرتے ہیں اور اُن اہداف کو حاصل کرنے کیلئے منصوبے تشکیل دیتے ہیں اور پھر خفیہ طاقتور طاقتیں اُن منصوبوں پر عمل درآمد کرواتی ہیں۔ ان کے اجلاس خفیہ ہوتے ہیں۔ اُن اجلاسوں میں کوئی صحافی اور غیر متعلقہ آدمی نہیں جا سکتا ہے۔ 17 مئی 2003 میں اس کا سالانہ اجلاس پیرس سے 20 کلومیٹر دور تریفول پارک ہوٹل میں ہوا۔ مہمانوں کے لئے غیر معمولی انتظامات تھے۔ تمام تر انتظامات امریکی سی آئی اے کے ہاتھ میں تھے۔ ہوٹل کے ارد گرد بیسیوں کلومیٹر کا علاقہ نو گو ایریا (No go area) تھا جو عام انسانوں کیلئے ممنوع تھا۔ حسب سابق میڈیا کو جھانکنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ حکومتوں پر حکومت کرنیوالی اس عالمی صہیونی تنظیم کے اجلاس میں ہالینڈ کی ملکہ بیاتریس، سپین کے بادشاہ خوان کارلوس اور اُن کی اہلیہ ملکہ صوفیا، فن لینڈ کے سابق وزیر اعظم بافولیپو نان، سابق وزیر خارجہ امریکہ ہنری کسنجر، امریکی وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ، نائب وزیر دفاع پال ولفووٹز، امریکی وزیر خارجہ کولن پاول اور وائٹ ہاؤس کے مشیر

رچرڈ ڈیبرل نمایاں تھے۔اس مرتبہ بھی کسی اخبار، رسالے، ٹی وی، ریڈیو چینل سے اس اہم اور خفیہ اجلاس کی کوئی خبر شائع نہیں ہوئی ۔سوائے وائٹ بلوور (White Blower) نامی جریدے کے ایڈیٹر جوزف فرخ کے اُس نے روشنی ڈالی: کیا آپ نظریہ سازش پر یقین رکھتے ہیں؟ کیا آپ طاقت ور لوگوں پر یقین رکھتے ہیں؟ میرے پاس آپ کیلئے خبر ہے............... ایسے طاقتور لوگ حقیقتاً موجود ہیں........... اپنے مقاصد کیلئے دنیا بھر میں جال بچھاتے ہیں۔ دیکھیں یہ ان کی طاقت کتنی ہے کہ ان کے اجلاس کی کوریج دنیا کے کسی میڈیا میں نہیں ہوسکتی۔ اس نے ہمیشہ پردۂ اخفا میں رہنا ہوتا ہے۔﴿۴﴾ دوسرا اشارہ بی بی سی کے نامہ نگار "ایما جین کیربی" کا تھا جس کا عنوان تھا: طاقت کے دلالوں کا خفیہ اجلاس۔ اپنی رپورٹ میں "بلڈر برج" کا نام لئے بغیر اس نے کہا کہ : "ایسی تنظیم کا اجلاس ہوا ہے جس پر سے پردہ اُٹھانا ممکن نہیں، اس اجلاس میں عالمی سطح کی سیاسی و مالی شخصیات جمع ہوئیں" ﴿۵﴾۔ایک انگریز صحافی جان رونسون Jhon Ronson کو تھوڑی سی رسائی ہوئی پھر اس نے اس کے متعلق ایک مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا! "وہ مہم جو انتہا پسندوں کے ساتھ" "Them: Adventures with Exremists" جان رونسون نے بھی فرخ والی بات کہی وہ لکھتا ہے کہ: "اس تنظیم" بلڈر برج" کا اجلاس ہر سال ہوتا ہے، جو خفیہ ہوتا ہے، جس پر بے پناہ اخراجات ہوتے ہیں۔ اس کی سرگرمیاں عالمی میڈیا سے پوشیدہ رکھی جاتی ہیں۔ اجلاس میں ڈسکس (Discuss) ہونے والے تمام موضوعات انتہائی خفیہ رکھے جاتے ہیں۔ ان میں شرکت کرنے والی شخصیات عالمی سیاست کی کرتا دھرتا ہوتی ہیں۔ میرا یقین ہے کہ بلڈر برج نامی تنظیم عالمی سیاست پر اثر انداز ہونے کیلئے اجلاس کرتی ہے"۔

اس تنظیم کا بانی سویڈن کا ایک کاروباری شخص "جوزف ایچ رینٹنگر Jospeh H. Rentinger" ہے جس کے عالمی سیاسی میدان میں خاصے تعلقات تھے۔ اس تنظیم کے نظریات بنانے میں امریکہ کے صدر آئزن ہاور بھی شامل ہیں جنہوں نے جوزف کی مدد کیلئے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی تھی۔ اس کمیٹی میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر جنرل والٹر بیڈل سمتھ (Walter Bedell Smith) اور سی ڈی جیکسن (C.D Jackson) بھی شامل تھے جنہوں نے اس منصوبے کے مطابق یورپی دانشوروں سے مل کر کام کیا﴿۶﴾۔ اس کا پہلا اجلاس مئی 1954ء کو ہالینڈ کے شہر Oaster Beek کے ایک فائیو سٹار ہوٹل " بلڈر برج " میں منعقد ہوا جس کی صدارت ہالینڈ کے شہزادے برنہارڈ نے کی۔ اس کے بعد وہ بائیس (22) سال تک اس کے اجلاسوں کی صدارت کرتا رہا۔ پہلے اجلاس میں اس عالمی خفیہ تنظیم کا نام ہوٹل کے نام پر بلڈر برج رکھا گیا۔

اس تنظیم کے ارکان کی تعداد 120 تک ہے جن میں 80 یورپین ممالک کے اور 35 ارکان کا تعلق شمالی امریکہ یعنی امریکہ (USA) اور کینیڈا سے ہے۔ ارکان کے تین حصوں میں سے ایک حصہ عالمی سطح پر سیاسی شخصیات پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ دو حصے بین الاقوامی سطح پر اقتصادی، تعلیمی اور صنعتی شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ ارکان مستقل ہوتے ہیں جیسے امریکہ کے ہنری کسنجر جبکہ باقی دوسری قسم کے ارکان غیر مستقل ہوتے ہیں۔

ترکی میں اثرات اتنے ہیں کہ ترکی میں اس کا اجلاس دو مرتبہ ہو چکا ہے اس تنظیم کا سالانہ اجلاس ترکی میں پہلی مرتبہ 1959ء میں استنبول کے ہوٹل "جنار" میں ہوا اور دوسری مرتبہ ترکی کے سیاحتی علاقے "چشمہ" میں "التن یونس" کے خوبصورت قریہ میں، 1975ء میں ہوا۔ اس میں ترکی کے مشہور صنعتکار صلاح الدین بایزید نے شرکت کی جو بلڈر برج کے مستقل رکن تھے۔ اُس کے علاوہ اخباری ایمپائر اور ٹی وی چینل AVT کے مالک "نج ہیلکن"، ترکی سنٹرل بنک کے صدر غازی ارجل ،سابق وزیر پروفیسر امرا کوناصوی، ترک پارلیمنٹ کے سابق اسپیکر حکمت جیتن اور سابق ترک وزیر خارجہ اسمٰعیل جم شامل تھے۔

گزشتہ 20-25 سال سے امریکہ اور برطانیہ میں سیاسی کامیابی کیلئے اس تنظیم سے وابستگی ضروری ہوگئی ہے۔ امریکہ کے کئی صدر اس تنظیم سے وابستگی کے بعد ہی وائٹ ہاؤس تک پہنچے ہیں جن میں ریگن، بش، کلنٹن اور بش جونیئر شامل ہیں۔ اسی لئے تو سابق صدر امریکہ نے کہا تھا: "میرا ایمان ہے کہ: امریکہ پر اسرائیل کی بقا کو یقینی بنانا ایک لازمی امر ہے" ﴿۷﴾۔ سابق برطانوی وزیر اعظم تھیچر نے ترکی میں ہونے والے بلڈر برج کے 1975ء کے اجلاس میں شرکت کی تھی۔ اس کے بعد اسے وزیر اعظم بنایا گیا تھا۔ موجودہ برطانوی وزیر اعظم گمنام تھا۔ کمیونسٹ نظریات رکھتا تھا جو کہ یورپ میں سیاسی موت ہوتی ہے لیکن کمیونسٹ نظریات سے تائب ہو کر صہیونی تنظیم بلڈر برج سے وابستہ ہوگیا جس کے بعد وزیر اعظم بنا ﴿۸﴾۔ اسی لئے ٹونی بلئر نے اپنی عوام کی رائے کے برعکس، اپنی وزارت عظمیٰ کو داؤ پر لگا کر بھی صہیونیت کی چاکری میں افغانستان اور عراق کو تباہ کرنے میں ہر قسم کا ساتھ دیا ۔ جو ملک صہیونیوں کے برعکس کام کرتا ہے اُس میں دہشت گردی بھی پھیلائی ہے جسطرح انہوں نے اٹلی میں دہشت گرد تنظیم "گلاڈو" کے ذریعے اٹلی میں دہشت گردی پھیلائی تھی۔ سوئٹزرلینڈ کے شہر برن میں 1976ء کے سالانہ اجلاس میں یہ طے کیا کہ یورپ میں سرمایہ داری نظام کے تحفظ کیلئے اور اٹلی اور فرانس کے خلاف کاروائی کیلئے دہشت گردوں کو تربیت دے جائے۔

کویت کے جریدے "المجتمع" نے رپورٹ دی کہ 2003 کے پیرس کے اجلاس میں بلڈر برج نے اسلامی دنیا

میں آمریت کی توسیع کی ہے جبکہ امریکہ اور یورپ کو جمہوریت کے نعرے کے نفاذ سے الگ ہونے کی ہدایت کی ہے کیونکہ حماس (فلسطین)، رفاہ (ترکی) اور FIS (الجزائر) کی طرح اسلامی تحریکیں ان مغرب نواز حکمرانوں اور امریکہ اور مغرب نواز حکومتوں پر غلبہ حاصل کر سکتی ہیں۔ عالم اسلام میں مغرب اور امریکہ نواز یہ حکومتیں اپنے اقتدار کو طول دینے کی خاطر ہر قسم کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں۔ ﴿۹﴾

روس اور اسرائیل کا باہمی تعلق:

اسرائیل کے قیام اور اُس کی بقا میں جس طرح امریکہ، برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک نے بڑھ چڑھ کر حصہ ڈالا اسی طرح روس کی اشتراکی حکومت نے کیا اور اسرائیل کی بڑھ چڑھ کر مدد کی۔

مارکسی تحریک کو عملی شکل دینے والی شخصیات میں لینن، ٹراٹسکی اور کاگانوچ کے نام قابل ذکر ہیں۔ لینن یہودی ماں کا بیٹا تھا، دادی اور بیوی بھی یہودی تھی۔ ٹراٹسکی کی ماں اور باپ دونوں یہودی تھے۔ کاگانوچ کا باپ یہودی اور ماں گمنام تھی۔ کارل راڈیک کا پورا خاندان متشدد یہودی تھا۔

سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورچ میں لینن نے صیہونی لیڈر وائز مین، جاک لیوے، آسٹریا کے یہودی پروفیسر مولیر ونڈسیم اور پولینڈ کے یہودی پروفیسر ڈیوڈ ہارن سے ملاقات کی۔ مزید برآں لینن اور وائز مین کے درمیان مئی 1916ء میں ایک یہودی صنعتکار دانیال شوبن کے مکان پر کئی ملاقاتیں ہوئیں جن میں کمیونسٹ انقلاب کے منصوبے، "یہودی منصوبہ برائے مشرق " (P.J.O) پر بحث ہوئی۔ ان ملاقاتوں کی روئیداد جاک لیوے نے قلمبند کی ہے جاک لیوے کے مطابق لینن نے وائز مین سے کہا:

> ''روسی انقلاب کی کامیابی کی بدولت ہی یہود یورپ کے سلاطین اور حکام کے کابوس سے نجات پا سکتے ہیں اور انہیں حکومت کے اندر اعلیٰ مراتب حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور اُن کا وفادار تشخص بحال ہو سکتا ہے۔ یہ انقلاب پراگندہ حال یہودی قوم کا وہ مقصد پورا کرے گا جسے پورا کرنے سے 1789ء کا فرانسیسی انقلاب بھی عاجز رہا۔'' ﴿۱۰﴾

وائز مین نے اس پر رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: یہود کیلئے مشرق کا دروازہ اسی وقت کھلے گا جب عثمانی سلطنت کا کلیسا مسمار کر دیا جائے گا عثمانی سلطنت اگر ختم ہوگئی تو اُس کے ساتھ ہی وہ تمام رکاوٹیں اور دیواریں دور ہو جائیں گی جوارضِ موعود کی

طرف پیش قدمی میں حائل ہو رہی ہیں لینن کے مجوزہ انقلاب کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر سائکٹے اپنی کتاب "صہیونت اور بالشویک انقلاب" میں رقم طراز ہے: اشتراکی تحریک کے تمام زعما یہودی تھے اور ٹراٹسکی کی قیادت میں انہوں نے یہ منصوبہ انجام دیا۔ یہودی مصنف جاک لیوے نے اپنے ایک خط میں کہا (جو 4 ستمبر 1921 میں لکھا گیا): " میں نے لینن کو زیورچ میں خوب پہچان لیا تھا جہاں ایسے متعدد اجتماعات منعقد ہوئے جن میں اشتراکی تحریک نے شرکت کی تھی۔ صہیونی جمعیت کا جنرل سیکرٹری حاییم وائز مین بھی اس میں شریک تھا" ﴿۱۱﴾ یاد رہے کہ کارل مارکس بھی یہودی تھا اور اُس کا خاندان "ربی" تھا۔

2۔ ہندو قوم اور مسلمان:

ہندو قوم کی منفی اور اسلام دشمن سرگرمیوں کا تعلق 90% پاکستان کے ساتھ ہے۔ ہندو اور مسلمان ایک ہزار سال سے زائد اکٹھا رہنے کے باوجود بھی ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکے۔ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے مسلمانوں کا علیحدہ وطن بنایا گیا مگر ہندو مسلم دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد ہی ہندوستان نے پاکستان کو غیر مستحکم کرنے اور پھر پاکستان کو ختم کر کے ہندوستان میں ضم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا جس پر آج تک وہ عمل پیرا ہے مگر ایسا ممکن نہ ہوا۔ پاکستان ایک مضبوط ایٹمی طاقت کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر قائم ہے۔ اس وقت ہندوستان اور پاکستان کے پچاس کروڑ عوام کی خط غربت کے نیچے (Below Poverty Line) زندگی گزارنے کی اصل وجہ ہی ان کی آپس میں دشمنی ہے ورنہ یہ ممالک بھی شاید آج تائیوان، سنگاپور، ہانگ کانگ، کوریا اور ملائشیا کی طرح ترقی یافتہ یا تیزی سے ترقی کرنے والے ملک ہوتے۔ انڈیا نے ایک لاکھ سے زیادہ کشمیریوں کو پچھلے 16 سال میں صرف اس لئے ہلاک کیا کہ وہ آزادی چاہتے ہیں اور مسلمان ہیں۔ چونکہ ہندو دھرم میں کسی صحیفے یا آسمانی کتاب کا تصور نہیں اس لئے ہندو "چانکیا" کے بتائے ہوئے اصولوں پر آج بھی عمل کرتے ہیں۔ چانکیا نے اپنی مشہور کتاب آرتھ شاستر میں ہندوؤں کے لئے سیاسی فلسفے کے بنیادی اصول انتہائی تفصیل سے بیان کئے۔ جو آج بھی بھارت کے پورے سیاسی نظام کا ڈھانچہ، جنگ اور امن دونوں حالتوں میں انہی اصولوں پر استوار ہے۔

چانکیا کی تعلیمات:

چانکیا کی تعلیمات کا حصہ ہے کہ اپنے ہمسایہ کو ہمیشہ اپنا دشمن سمجھو ﴿۱۲﴾۔ ہندوستان اسی پر عمل کر رہا ہے کہ چانکیا نے وضاحت سے کہا تھا: " تمہارا سب سے قریبی ہمسایہ کبھی تمہارا دوست نہیں ہوسکتا۔" جبکہ ہمارے پیغمبرؐ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے

ہمسایوں کے حقوق پر اتنا زور دیا ہے کہ مجھے ایسا لگتا تھا کہ کہیں خدا تعالیٰ اُن کو وراثت میں حصہ دار نہ بنا دے۔

انڈیا نے انٹیلی جنس کے محاذ پر ہمارا مقابلہ کرنے کیلئے ایک نیٹ ورک "را" (Raw) (Research and Analysis wing) قائم کر رکھا ہے جس میں ہزاروں تربیت یافتہ لوگ ہیں۔ اس کے ذریعے انڈیا اپنے اندرونی اور بیرونی محاذوں پر اپنے منصوبوں کی تکمیل کرتا ہے۔ "را" ہی کے ذریعے انڈیا نے مشرقی پاکستان کو علیحدہ کیا۔ بنگلہ دیش میں چونکہ 15 سے 20 فیصد ہندو بھی ہیں اس لئے را کو وہاں جلد کامیابی ہوئی اور بنگلہ دیش انہیں سالہا سال کی "سازشوں" اور "محنتوں کے ذریعے معرضِ وجود میں آیا۔ "را" سندھ میں بھی کئی سالوں سے سرگرم ہے۔ کئی ایجنٹ پکڑے گئے ہیں۔ را نے سندھ میں دونوں طرف اپنے طویل بارڈر پر کئی ایجنٹ مقرر کیے ہوئے ہیں جن کے ذریعے خفیہ کاروائیاں کرواتا رہتا ہے۔ پاکستان کی آئی ایس آئی نے کافی حد تک اس کا توڑ کیا ہے۔ ان بھارتی ایجنٹوں کو بھارتی سفارت خانے یا قونصلیٹ میں موجود انٹیلی جنس کے افسروں سے احکامات ملتے رہتے ہیں۔ اداروں کے یہ خفیہ افسران اکثر اوقات خود بھی سیاستدانوں اور عوامی رہنماؤں سے رابطے کرتے ہیں اور انہیں مالی امداد کے علاوہ "مفید مشوروں" سے بھی نوازتے ہیں بعض اوقات ان انتہائی تربیت یافتہ اور باخبر ایجنٹوں کو پاکستان کے سیکورٹی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔

کشمیر میں "را" کا ایجنڈا:

☆ کشمیر میں درج ذیل مقاصد کے تحت را کا نیٹ ورک کام کر رہا ہے۔

۱۔ کشمیریوں کو پاکستان کی سیاسی، سفارتی اور اخلاقی امداد سے محروم رکھنا۔

۲۔ مجاہدین کے مختلف نظریاتی گروہوں میں اختلاف پیدا کرنا۔

۳۔ کشمیری مجاہدین کے جذبوں کو سرد کرنا۔

۴۔ عالمی سطح پر پاکستان کے خلاف اس قدر پراپیگنڈا کرنا کہ اسے دہشت گرد ملک قرار دلوایا جائے۔

۵۔ عام کشمیریوں کے دلوں میں مجاہدین کے خلاف نفرت پیدا کرنا۔

۶۔ خود مختار کشمیر کا پراپیگنڈا کرنا۔ اس کیلئے بھارت نے بعض سیاستدانوں اور کالم نویسوں کو خریدا ہوا ہے جو برصغیر اور یورپ میں اس مہم کو چلائے ہوئے ہیں۔

انڈیا نے ہمیشہ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ واحد پاکستان دشمن ملک ہے۔ اس کے مقابلے کیلئے پاکستان

کواربوں ڈالر اعلانیہ اور خفیہ بجٹ بنانا پڑتا ہے۔ پاکستان کو اپنے دفاع پر بے حساب پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے ورنہ پاکستان بھی ہانگ کانگ، کوریا، سنگاپور اور ملائشیا کی طرح خوشحال ہوتا۔ پاکستان کو ترقی یافتہ بننے کیلئے کشمیر کا مسئلہ حل کرنا ہوگا اور انڈیا کے ساتھ باعزت طریقے سے مسائل حل کرنا ہوں گے۔

ہندو ذہنیت:

ہندوؤں کی کتاب "ارتھ شاستر" سنسکرت زبان میں لکھی گئی ہے اس کتاب میں ہندوؤں کا بنیادی فلسفہ اور سیاست کیلئے کچھ اصول بتائے ہیں جو ہندو مذہب اور سیاست میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۔ حصول اقتدار اور ملک گیری کی ہوس کبھی ٹھنڈی نہ ہونے پائے۔

۲۔ ہمسایہ ملکوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا سلوک رکھا جائے جو دشمنوں کے ساتھ رکھا جاتا ہے (جیسا پاکستان، چین، اور بنگلہ دیش کے ساتھ ہے)۔

۳۔ دل میں ہمیشہ نفرت کا لاوا پکتے رہنا چاہیے۔ ہر طرح سے جنگی خطرے کا امکان قائم رکھنا چاہیے اور جنگی تیاریوں میں کمی نہیں ہونی چاہیے۔ جنگ میں تشدد سے کام لیا جائے۔

۴۔ ہمسایہ ملکوں میں مخالفانہ پراپیگنڈا، تخریبی کاروائیاں اور ذہنی انتشار مسلسل جاری رہنا چاہیے۔

۵۔ امن کا خیال تک دل میں نہ لایا جائے خواہ ساری دنیا اس پر مجبور کرے۔ ﴿۱۳﴾

" گاندھی کے بارے میں قائداعظم نے کہا تھا: گاندھی جی کا مقصد وہ نہیں ہے جو وہ زبان سے کہتے ہیں اور جو اُن کا درحقیقت مقصد ہوتا ہے اسے کبھی زبان پر نہیں لاتے" سیوا جی کا فرمان تھا: "میری تلوار مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے۔"

برہمن سمرتھ رامداس کا حکم تھا: آپ محبت سے رہو لیکن اپنے مسلمان دشمنوں کو ڈھونڈ کر اپنے راستے سے ہٹا دو۔ لوگوں کے دلوں میں ان ملیچھوں کا مقابلہ کرنے کا خیال پیدا کرو۔

1925ء میں ہندوؤں کے مشہور راہنما نے کہا تھا کہ جب ہم طاقتور ہو جائیں گے تو مسلمانوں کے سامنے شرائط رکھیں

گے:

(۱) قرآن کو الہامی کتاب مت مانو۔

(۲) محمد ﷺ کو خدا کا نبی مت مانیں۔

(۳) مکہ کے ساتھ اپنا تعلق نہ رکھو۔ نعوذ باللہ من ذالک ﴿۱۴﴾

قیام پاکستان کے بعد ہندوؤں کے نظریات:

ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی فرماتے ہیں:

''ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ پاکستان کو پھر سے ہندوستان کا حصہ بنالیا جائے۔ خواہ یہ معاشی دباؤ سے ہو، فوجی دباؤ سے ہو، اسلحہ کے دباؤ سے، سیاسی دباؤ سے یا دیگر ذرائع استعمال کرنے سے ہو''۔

1937ء سے 1939ء تک کانگریس رول (Congress Ministries) نے مسلمانوں پر ظلم کی انتہا کر دی اور واضح کر دیا کہ ہندو اور مسلمان اکٹھے نہیں رہ سکتے جب تک مسلمان ہندوؤں کو اپنا آقا نہ مان لیں۔

ہندوؤں نے گائے کے ذبح پر پابندی لگا دی۔ مسلمان گائے کا گوشت نہیں کھا سکتے۔ اذان تک پابندی لگا دی۔ مسجدوں میں نمازیوں پر حملے شروع کر دیئے نماز کے اوقات میں گانا بجانا اور شور شرابا شروع کر دیا۔

اس طرح کے 72 واقعات صوبہ بہار میں ہوئے، 33 متحدہ صوبہ جات میں ہوئے ﴿۱۵﴾ اور باقی کئی جگہوں پر کئی واقعات ہوئے۔

حیدر آباد کی مسلم اکثریت کی ریاست ہندوستان نے ہڑپ کر لی۔ کشمیر میں 40 لاکھ آبادی میں 80 فیصد مسلمان تھے لیکن بھارت نے پہلے ساز باز کر کے انگریزوں سے ضلع گورداسپور کی دو تحصیلیں حاصل کیں جن کے ذریعے کشمیر کا راستہ ملا اور پھر کشمیر پر فوج کشی کر دی۔ وقتی طور پر مہاراجہ کشمیر نے پاکستان کے ساتھ معاملات کو جوں کا توں رکھنے کا معاہدہ یعنی Stand Still Agreement کیا۔ ساتھ ہی ڈوگرہ کو ریاست کا وزیر اعظم بنا دیا جس نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا ﴿۱۶﴾۔ جواہر لال نہرو نے کہا: ہماری سکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت جناح کو پاکستان بنا لینے دیں اور اس کے بعد معاشی طور پر ایسے حالات پیدا کرتے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کریں کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں مدغم کر لیں

﴿۱۷﴾۔ بھارت نے پاکستان پر 1965ء اور 1971ء میں دو جنگیں بھی مسلط کیں۔

3۔ امریکہ...... عالم اسلام کی معاشی تباہی کی اصل وجہ:

آج پوری دنیا امریکہ کے آگے بے بس ہے۔ جاپان جیسی معاشی طاقت، جرمنی اور فرانس جیسی معاشی اور دفاعی کے ساتھ ساتھ خودار قوتیں، روس اور چین جیسی بڑی ایٹمی طاقتیں آج امریکی نیو ورلڈ آرڈر اور پوری دنیا کو اپنے تابع کرنے اور لوٹنے کے منصوبوں کے سامنے بے بس نظر آتی ہیں آج عالمی آبادی میں سے 90% امریکی پالیسیوں کے مخالف ہیں، اُس کے منصوبوں سے نالاں ہیں، اُسے دنیا کا سب سے بڑا ڈاکو گردانتے ہیں، دنیا کو لوٹنے کیلئے ہر قسم کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے والا سمجھتے ہیں حتی کہ خود امریکی باشعور اور دانشور طبقہ جس کو انسانیت کا تھوڑا سا بھی درد ہے چلا اُٹھتا ہے۔ امریکی مصنف نوم چومسکی تک پکار اٹھے ہیں۔"دوسروں کے معاملات میں مداخلت اور تباہ کن پالیسیاں امریکی حکومتوں کے جرائم سے پردہ اٹھانے کیلئے کافی ہیں"۔﴿۱۸﴾

عراق اور افغانستان تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ اُن پر امریکہ نے انسانیت سوز حملے کئے اور کھنڈرات بنا دیا۔ پورے عالم اسلام کو اس طرح جکڑ لیا ہے کہ وہ اپنے لئے کچھ کر سکتے ہیں اور نہ دوسرے مسلمان بھائی کے لیے سہارا بن سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اپنے برادر ملک کیلئے دشمن کا آلہ ضرور بن سکتے ہیں۔ امریکی سامراج سے مل کر بعض مسلمان ممالک نے اپنے ہی برادر ملکوں کو تباہ کیا۔ بہت سے مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے افغانستان پر حملوں کیلئے امریکی اور اتحادی افواج کو اڈے فراہم کئے۔ ان میں بعض اہم عرب ممالک، سنٹرل ایشیاء اور پاکستان بھی شامل ہیں۔

امریکہ کی اس عالمی دہشت گردی کی وجہ سے پوری دنیا اس سے نفرت کرتی ہے لیکن کسی کو اس کے آگے ٹھہرنے اور اُس کے "دنیا کو مسخر کرنے کے منصوبے" کے آگے سینہ سپر ہونے کی جرأت نہیں۔ امریکی محکمہ خارجہ نے اس نفرت کا اس طرح اظہار کیا۔ محکمہ خارجہ نے اپریل 2001 میں گلوبل دہشت گردی کے نمونوں کی رپورٹ میں دعوٰی کیا کہ عالمی طور پر تقریباً 47% دہشت گردی کے حادثات میں امریکی شہریوں اور املاک کو نشانہ بنایا گیا"۔ ﴿۱۹﴾

امریکہ سے نفرت اور اُس کے شہریوں اور املاک کو دنیا بھر میں اس لئے نشانہ بنایا جاتا ہے کہ اُس نے دنیا اور خاص طور پر عالم اسلام کا جینا دوبھر کیا ہوا ہے۔ 25 دسمبر 2001 کو صدر بش نے ایک انتظامی حکم نمبر 13324 جاری کیا جس کے تحت ایسی 27 تنظیموں کی جو القاعدہ کے ساتھ جڑی ہوئی سمجھی جاتی تھیں املاک منجمد کر دی گئیں۔ امریکہ کے محکمہ خزانہ کو وسیع اختیارات دیئے

گئے کہ عدم تعاون کی صورت میں ساری دنیا کے بنکوں پر پابندی لگا سکیں ﴿۲۰﴾۔

امریکہ کی اس عالمی ٹھیکہ داری اور دہشت گردی میں اقوام متحدہ بھی پوری مدد اور معاون ہے۔ اقوام متحدہ نام کا ایک بین الاقوامی ادارہ ہے اصل میں UNO امریکہ کی پابند ہے۔ اقوام متحدہ کی 28 ستمبر 2001ء کی قرارداد نمبر 1373 کے مطابق ارکان ریاستوں پر لازم ہے کہ وہ "دہشت گردوں" کو کسی قسم کی حمایت، مالی امداد اور پناہ فراہم نہ کریں ﴿۲۱﴾۔ اپریل 2002 میں 140 سے زیادہ ممالک میں "مشتبہ دہشت گردوں" کی 104 ملین ڈالر کی املاک روک لی گئی تھیں۔ انڈونیشیا اسلامی دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ یہ ملک تقریباً 40 سال (یعنی 1957ء سے 2000 تک) امریکہ کی خفیہ اور اعلانیہ سازشوں اور دہشت گردی کا شکار رہا ہے۔ ﴿۲۲﴾ "1957ء میں جب صدر سکارنو روس کے دورے سے واپس آیا تو اس نے انڈونیشیا میں پارلیمانی جمہوریت کی ناکامی کا اعلان کیا۔ اس نے کہا: تین ہزار چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل انڈونیشیا جیسے ملک کیلئے پارلیمانی طرز حکومت موزوں نہیں" ﴿۲۳﴾۔ یاد رہے کہ 1949ء میں اپنی آزادی سے 1957ء تک انڈونیشیا میں پارلیمانی جمہوریت تھی۔ سکارنو کے اس بیان پر امریکی حکومت چونک اُٹھی۔ اسے خدشہ تھا کہ سکارنو مکمل طور پر اشتراکیوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ امریکہ نے سکارنو حکومت کو غیر مستحکم کرنے (Destabilize) کرنے کیلئے جزیرہ سماٹرا میں حکومت مخالف عناصر کو حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کیلئے منظم کیا اور سی آئی اے (CIA) کا نیٹ ورک قائم کر دیا۔ 15 فروری 1958ء کو صدر مقام بدانگ (سماٹرا) میں 47 سالہ ڈاکٹر سفرالدین کی زیر قیادت ایک انقلابی کونسل نے سماٹرا کی نئی حکومت کا اعلان کر دیا۔ انڈونیشیائی حکومت نے جلد ہی بغاوت ناکام کر دی اور باغی جرنیلوں کو بھی مزا چکھایا۔

مئی 1958ء کو انڈونیشیائی حکومت نے ایک امریکی پائلٹ ایلن لارنس پوپ کو گرفتار کیا جب اُس کا طیارہ توپ کے گولے سے تباہ ہوا اور وہ پیراشوٹ کے ذریعے زمین پر اترنے میں کامیاب ہو گیا اگرچہ پیراشوٹ ایک ناریل کے درخت میں پھنسنے کیوجہ سے اس کی دائیں ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ بعد میں اس پر مقدمہ چلا لیکن صدر کنیڈی کے کہنے پر اسے چھوڑ اگیا ﴿۲۴﴾۔ اسی طرح سی آئی اے کے ذریعے امریکہ نے 1953ء میں ایران کے وزیر اعظم محمد مصدق کی حکومت کا تختہ الٹا۔ محمد رضا شاہ پہلوی کی حکومت کو مضبوط کرنے کیلئے امریکہ مصدق کی جگہ جنرل فضل زاہدی کو وزیر اعظم بنانا چاہتا تھا ﴿۲۵﴾۔ اصل وجہ یہ تھی کہ وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق کے ایرانی کیمونسٹ پارٹی سے خاصے اچھے تعلقات تھے جس سے امریکہ اور برطانیہ خطرہ محسوس کرتے تھے۔ جب ڈاکٹر

1951ء میں وزیراعظم بنا تو جنرل فضل زاہدی وزیر داخلہ تھا لیکن بعد میں مستعفی ہو گیا۔ "بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ سی آئی اے (CIA) کی اس سازش کو کامیاب بنانے کیلئے ایران میں سب سے اہم کردار سابق صدر امریکہ روز ویلٹ کے پوتے کم روز ویلٹ نے ادا کیا" ﴿۲۶﴾۔ اور مصدق کا تختہ الٹ دیا گیا۔

مصدق اور شاہ ایران کے درمیان کشمش کے نتیجے میں شروع میں تو مصدق کے حق میں مظاہرے ہوئے اور شاہ خاندان سمیت ملک سے بھاگ گیا اور بغداد میں پناہ لی۔ پھر وہاں سے اپنی خوبصورت بیوی ملکہ ثریا کے ہمراہ روم چلا گیا۔ لیکن کم روز ویلٹ کی قیادت میں سی آئی اے سرگرم تھی۔ کچھ ہی دنوں میں حالات مصدق کے خلاف ہو گئے اور مصدق کا مخالف عنصر غالب آ گیا۔ حتیٰ کہ زاہدی نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور مصدق کو گرفتار کر کے جیل میں بھیج دیا گیا۔

ایرانی تیل پر قبضہ اصل مقصد تھا۔ اگست 1958ء کو کئی یورپی ممالک کی ایک متحدہ کمپنی نے پچیس سال کے لئے ایران سے تیل کا معاہدہ کیا۔ برطانیہ کی پہلی اجارہ داری ختم ہو گئی۔ معاہدے کے تحت سابق اینگلو ایرانی آئل کمپنی کو تیل کی کل پیداوار کا چالیس فیصد (40%)، امریکی کمپنی کے ایک گروپ کو چالیس فیصد (40%) اور رائل ڈچ آئل کمپنی کو چودہ فیصد (14%) اور ایک فرانسیسی کمپنی کو چھ فیصد (6%) حصہ ملا۔ اس سودے کی رو سے ایران کو تیل کی کل آمدنی میں سے نصف حصہ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ اینگلو ایرانی آئل کمپنی کو 7 کروڑ ڈالر معاوضہ دینے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ ﴿۲۷﴾

سی آئی اے کے منصوبوں کو کامیاب کروانے والا یہی " کم روز ویلٹ " دو سال بعد مصر میں "اپنی ڈیوٹی" پر چلا گیا تا کہ جمال عبدالناصر کی حکومت کو غیر مستحکم کرے جو امریکی پالیسیوں کے خلاف تھا۔ امریکہ جمال عبدالناصر کے خلاف اُس وقت ہوا جب اُس نے ناصر کو اُس کی شرائط پر اسلحہ دینے سے انکار کر دیا اور جمال الناصر نے، پھر 21 ستمبر 1953ء کو اعلان کیا کہ روس سے اسلحہ حاصل کرنے کیلئے ایک معاہدے پر دستخط کرنے والا ہے ﴿۲۸﴾۔ پھر امریکہ نے اسرائیل سے 1956ء میں مصر پر حملہ کروا دیا اور فرانس اور برطانیہ نے بھی اس حملے میں اسرائیل کی مدد کی ﴿۲۹﴾۔ بظاہر امریکہ نے حملے کی مذمت کی۔ روس نے دھمکی دی کہ اگر برطانیہ اور فرانس باز نہ آئے تو ماسکو لنڈن اور پیرس پر میزائلوں کی بارش کر دے گا جس کیوجہ سے حملہ ختم ہو گیا۔

سینیٹر کیری نے پوری بین الاقوامی برادری اور قانون و اخلاق کو ٹھکراتے ہوئے کہا تھا کہ " اگر صدام حسین امریکہ کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا ہے تو امریکہ کو حق حاصل ہے کہ اسے سزا دے اس نے کہا کہ اگر عراق امن کیلئے خطرہ ہے تو ہمیں سیکورٹی کو

نسل کے فیصلوں کا خیال نہیں رکھنا چاہیے "﴿۳۰﴾۔

انسانیت، بین الاقوامی قوانین اور اقوام متحدہ کی توہین:

امریکہ کی آبادی دنیا کی تقریباً 5% ہے لیکن وہ دھونس، بلیک میلنگ اور سازشوں کے ذریعے باقی ماندہ 95 فیصد کے سروں پر سوار ہے۔ وہ دھکا دے کر روندنے یا طاقت سے اپنی طرف کھینچنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ کوریا سے لے کر ویت نام اور پھر عراق تک اُس نے کسی بھی عالمی بحران کو دانشمندانہ طریقے سے حل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ ظلم و تعدی، طاقت اور بدمعاشی کے ذریعے ہی ہمیشہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر جگہ اندھی طاقت استعمال کی۔ امریکہ ہمیشہ آمروں اور غیر جمہوری حکومتوں کا دوست رہا۔ اصل میں امریکہ کو کسی نظام سے غرض نہیں کہ وہ جمہوری ہے یا غیر جمہوری یا فوجی۔ اسے صرف اپنے مفادات عزیز ہیں۔ اپریل 1999ء کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ نے 1997ء میں غیر جمہوری حکومتوں کو 8.3 بلین ڈالر کی امداد دی۔ 1998ء میں امریکہ کے ایک خفیہ تربیتی پروگرام کا پتہ چلا جس کے تحت امریکہ کی اسپیشل آپریشن فورسز نے 9 ہزار سے زائد غیر ملکی فوجیوں کو 200 جنگی مشقوں کے ذریعے فوجی تربیت دی بیشتر فوجیوں کا تعلق غیر جمہوری ممالک سے تھا۔﴿۳۱﴾

ستمبر 2004ء تک اقوام متحدہ کے دفتر میں 549 بین الاقوامی معاہدوں کا ریکارڈ موجود ہے۔ اُن میں سے امریکہ نے صرف 157 معاہدوں کی تصدیق کی ہے۔ جس کا تناسب 29% ہے﴿۳۲﴾۔ امریکہ کے ایک پرائیوٹ تحقیقاتی انسٹیٹیوٹ برائے زراعت و تجارتی پالیسی (I.A.T.P) کی 2004ء کی رپورٹ کے مطابق امریکہ نے بین الاقوامی لیبر تنظیم (I.L.O) کے 162 معاہدوں میں سے صرف 14 پر دستخط کئے ہیں، ماحولیاتی تحفظ کے گیارہ معاہدوں میں سے امریکہ نے صرف تین پر دستخط کئے۔ 1964ء میں پہلا جنیوا کنونشن ہوا جس کی رو سے جنگ کے دوران شہریوں کا تحفظ، زخمیوں کے علاج و معالجے اور جنگی قیدیوں سے سلوک کے قوانین وضع کئے گئے۔ امریکہ نے ابھی تک اس کے دو پروٹوکول تسلیم نہیں کئے۔ "اعلیٰ کمیشن برائے انسانی حقوق" نے "انفرادی دانشورانہ حقوق ملکیت کے لئے 23 معاہدے کئے ہیں۔ امریکہ ان میں سے صرف 3 معاہدوں کو تسلیم کرتا ہے۔

سی ٹی بی پر امریکہ نے ساری دنیا سے تقریباً دستخط کروائے لیکن خود نہیں کئے اور اسرائیل نے بھی نہیں کئے۔ 125 ملکوں نے ماحول کے تحفظ کے لئے کیوٹو پروٹوکول (Kyoto Protocol) پر دستخط کئے لیکن 2001 میں امریکہ نے مسترد کر دیا کہ

اس کی معیشت متاثر ہوگی۔ مارچ 1990ء میں خطرناک ایٹمی اور صنعتی فضلے کو ملکی حدود سے باہر منتقل نہ کرنے کا باسل کنونشن (Basel Convention) ہوا 163 ملکوں نے دستخط کئے لیکن امریکہ نے نہیں کئے۔ ﴿۳۳﴾

1986ء میں عالمی عدالت نے نکاراگوا کے خلاف امریکی فوج کے استعمال کی مذمت کی اور کہا کہ امریکہ باغیوں کو جس قسم کی فوجی امداد دے رہا ہے وہ انسانی امداد نہیں۔ اس پر امریکی حکومت نے عالمی عدالت کی مذمت کر ڈالی ﴿۳۴﴾ اور اپنے اقدامات کو جائز قرار دیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے پھر اسی قسم کی قرارداد پاس کی لیکن جب وہ سیکورٹی کونسل میں گئی تو امریکہ نے ویٹو کر دیا ۔عراق کے معاملے میں امریکہ نے آرٹیکل 51 کی توہین کی جس میں کہا گیا کہ طاقت کی بجائے مسئلے کا حل بات چیت کے ذریعے نکالا جائے یا ثالثی کے ذریعے۔ امریکہ نے اُن تمام لوگوں اور ریاستوں پر تنقید کی جو ثالثی کے طرف دار تھے ﴿۳۵﴾۔ پانامہ پر حملے میں سیکورٹی کونسل میں امریکی سفیر تھامسن کیکرنگ نے کہا کہ ہمارے مفادات کے حوالے سے آرٹیکل 51 امریکہ کو حملے کی اجازت دیتا ہے۔ 1982 میں امریکہ کی مدد سے اسرائیل نے لبنان پر حملہ کر دیا جو کہ سیکورٹی کونسل کی قرارداد کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ 1996ء میں امریکہ نے نکاراگوا میں امریکی فوجی مداخلت کے سلسلے میں عدالت کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ کھلی بین الاقوامی غنڈا گردی ہے۔ اسے کسی مہذب ملک کا طریقہ کار قرار نہیں دیا جاسکتا ﴿۳۶﴾۔

بین الاقوامی قانون کے تحت، دفعہ 14 کے مطابق امریکہ افغانستان پر حملہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ آرٹیکل 14 کہتا ہے:
کسی ایسی باغی تحریک کے کسی حصے کا عمل جو کسی ریاست کی حدود میں یا اُس کے زیر انتظام کسی دوسرے خطے میں ہو، بین الاقوامی قانون کے تحت ریاست پر الزام نہیں سمجھا جائے گا۔

کسی ایک ملک کے خلاف کوئی دوسرا ملک از خود کوئی کاروائی نہیں کر سکتا۔ دفعہ 33 دفعہ 34 اور دفعہ 37 کے تحت اقدامات کی ناکامی کی صورت میں سلامتی کونسل دفعہ 41 کے تحت معاشی پابندیاں اور دفعہ 42 کے تحت فوجی کاروائی کا فیصلہ کر سکتی ہے مگر ایسی فوجی کاروائی کوئی ملک خود نہیں کر سکتا اور نہ اقوام متحدہ کو نظر انداز کر کے کسی اتحاد (Coalition) کے ذریعے کر سکتا ہے بلکہ یہ اقدام اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کی فوجوں کے ذریعے دفعہ 46، اور 47 کے تحت اقوام متحدہ کی ملٹری سٹاف کمیٹی کے تحت ہو سکتے ہیں اور یہ سلامتی کونسل کے مشورے اور اجازت سے ہی کوئی اقدام کر سکتی ہے اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت چارٹر کی دفعہ 94 میں درج ہے کہ یہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کا فرض ہے کہ اگر کوئی ملک چارٹر کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا از خود نوٹس لے اور

سلامتی کونسل میں معاملہ پیش کرے۔

لیکن بیسیوں دفعہ امریکہ نے اقوام متحدہ کے چارٹر کی صرف خلاف ورزی ہی نہیں بلکہ توہین کی ہے لیکن کبھی بھی اس کے خلاف ایکشن کی بات نہیں ہوئی۔ اس کے مقابلے میں اگر عراق اور افغانستان جیسا ملک ایک قرارداد کے ماننے میں تاخیر کردے تو حکومتوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں بھٹو نے جب ایٹمی طاقت بننے کیلئے کام شروع کیا تو امریکہ خلاف ہو گیا اور ذوالفقار علی بھٹو کو اقتدار سے الگ کرنے کیلئے کوششیں شروع کردیں۔ 1977ء کی بھٹو مخالف تحریک میں سی آئی اے کا بڑا ہاتھ ہے۔ بھٹو کا تختہ الٹنے کی خاطر امریکہ نے اپوزیشن کو بھرپور مالی اور سیاسی امداد فراہم کی ﴿۳۷﴾۔ 9 اگست 1976 کو امریکہ کے وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے لاہور میں بھٹو سے ملاقات کی اور انہیں ایٹمی تکنیک کے حصوں اور فرانس سے ایٹمی ری پروسسنگ پلانٹ کے حصول سے روکنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس ملاقات میں کسنجر کو بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ بھٹو کا ایٹمی طاقت بننے کا فیصلہ اٹل ہے۔ کسنجر نے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے بھٹو سے کہا: "مسٹر بھٹو ہم تمہیں ایک عبرت ناک مثال بنا دیں گے" ایک اور مثال دی "مسٹر بھٹو جب سامنے سے ریل گاڑی آتی دکھائی دے تو عقلمند پٹری سے ہٹ جاتا ہے" ﴿۳۸﴾۔ یہی ملاقات ذوالفقار علی بھٹو کے زوال کا سبب بنی اور بھٹو کے خلاف سی آئی اے کے ذریعے امریکہ متحرک ہو گیا اور بھٹو کے بعض قریبی ساتھیوں کو بھی خفیہ طور پر خرید لیا۔ بعض امریکی سفارتکاروں نے براہ راست پی این اے کے لیڈروں سے "دوستی" کی اور مالی اور سیاسی امداد شروع کی ﴿۳۹﴾۔

بھٹو کے مقدمے کے دوران "واشنگٹن سے پاکستان میں اپنے دفتر کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ بھٹو کا پھانسی کے تختے تک پہنچنا یقینی بنایا جائے" ﴿۴۰﴾ یہ پیغام کسی نہ کسی طریقے سے ISI کے ہاتھ بھی لگ گیا۔

منیر احمد خان 1972ء میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن (PAEC) کے چیئرمین بنے۔ پاکستان نے سکالرشپ پر منیر احمد خان کو امریکہ بھیجا جہاں انہوں نے کیرولینا سٹیٹ کالج میں ایٹمی توانائی کی تعلیم کی حاصل کی اور خوشحال زندگی کیلئے وہاں ہی رہ گئے اور واپس پاکستان نہ آئے۔ 1972ء میں بھٹو نے بلوا کر کمیشن کا چیئرمین بنایا۔ مگر منیر احمد خان نے "اپنے آقاؤں" کے منصوبوں کے مطابق ایسی پالیسیاں بنائیں کہ پاکستان ایٹمی توانائی میں کوئی خاص ترقی نہ کرسکا۔ پاکستان کے سب کے سب سائنسدان اس بات پر متفق تھے کہ منیر احمد خان نے جان بوجھ کر غلط پالیسیاں بنائیں اور اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کے تحقیقی کام کو نہ تو کبھی سراہا اور نہ ہی اسے قومی مفاد کیلئے استعمال کرنے کی اجازت دی۔ منیر احمد خان کے معاندانہ رویے کی وجہ سے بہت سے قابل،

لائق اور اور باصلاحیت نوجوان سائنسدان پاکستان چھوڑنے اور بیرون ملک ملازمتیں تلاش کرنے پر مجبور ہو گئے ﴿۴۱﴾۔ ڈاکٹر عثانی جیسے عظیم سائنسدان بھی اُن کے ہاتھوں رسوا ہوئے کیونکہ انہیں کام کرنے کا جنون تھا۔ ڈاکٹر عثانی نے کراچی میں کینیڈا کے دیئے ہوئے بجلی گھر " کونوپ " پر رات دن کام کیا جس کا افتتاح 1972ء میں ہوا تھا۔ تحقیق سے انکشاف ہوا کہ منیر احمد خان کے امریکیوں کے ساتھ خاصے روابط ہیں وہ اور اُن کے اہل خانہ اکثر امریکی سفارتکاروں کی نجی محفلوں میں دیکھے جاتے تھے ایک مرتبہ جب منیر احمد خان اور اُن کی اہلیہ چھٹیاں گزارنے یورپ گئے تو اپنی دو نوجوان بیٹیوں کو اپنے ہمسائے میں رہنے والے ایک امریکی سفارت کار کے پاس چھوڑ گئے جو غیر شادی شدہ تھا۔ یہ دونوں لڑکیاں پورے دو ماہ امریکی سفارتکار کے ساتھ رہیں اور اس عرصہ میں کوئی پاکستانی فیملی انہیں ملنے نہیں آئی اور نہ ہی وہ کسی کے پاس گئیں۔ ﴿۴۲﴾ ڈاکٹر عبدالقدیر کے کام میں مداخلت کیلئے منیر احمد خان نے بہت کوشش کی کہ وہ اُس کی ماتحتی میں کام کریں۔ مگر ضیاء الحق نے ڈاکٹر قدیر کے کام کو منیر احمد سے بالکل علیحدہ رکھا۔ ایک دفعہ منیر احمد کی سرگرمیوں کی وجہ سے تحقیقات کے بعد جنرل ضیاء الحق نے ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ میں اسے ایٹمی توانائی کمیشن کی چیئرمین شپ سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور منیر احمد خان کی جگہ ایک اور صاحب کو نامزد بھی کر دیا۔ اجلاس کے خاتمے کے بعد جب "جنرل ضیاء الحق واپس جانے لگے تو جنرل کے ایم عارف نے انہیں روک لیا اور چند منٹ تک اُن سے باتیں کرتے رہے " گفتگو ختم ہونے کے بعد کے ایم عارف میٹنگ روم میں آئے اور اعلان کیا کہ " منیر احمد خان کی ریٹائرمنٹ کا فیصلہ واپس لے لیا گیا ہے وہ بدستور PAEC کے سربراہ رہیں گے" ﴿۴۳﴾۔

مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا کردار ہمیشہ عربوں کے لئے تباہ کن رہا ہے۔ دوستی کی آڑ میں ہمیشہ امریکہ نے عرب ممالک کو اندر سے کھوکھلا اور کمزور کرنے کی کوشش کی۔ اسرائیل کے مفادات کو ہمیشہ ترجیح دی۔ امریکہ نے لیبیا کو معاشی طور پر تباہ کر دیا۔ 1986ء میں امریکی طیاروں نے لیبیا پر حملے شروع کئے جن کے فوراً بعد وائٹ ہاؤس پیغام بھیجا کہ قذافی ہلاک ہو گئے ہیں مگر قذافی زندہ تھے۔ مسلسل دباؤ اور دہشت گردی کے سامنے قذافی بے بس ہو گئے اور آخر کار ہتھیار ڈال دیئے اور امریکہ کی ہر بات ماننے کا حلف اُٹھالیا۔ پاکستان میں ایٹمی توانائی کے لئے امریکہ ہمیشہ رکاوٹ بنتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر کو نشان عبرت بنانے کا کامیاب منصوبہ بنایا۔ ویانا میں تباہی اور بربادی میں 100% کردار اور دباؤ امریکہ کا ہے جس میں ہزاروں لوگ ہلاک ہوئے اور اربوں روپے کا نقصان ہوا اور علاقہ کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ سینکڑوں فوجی ہلاک ہوئے۔ وسطی ایشیا کی ریاستیں آجکل امریکی اڈوں اور منصوبوں کا گڑھ ہیں امریکہ نے وسطی ایشیائی ریاستوں میں بالادستی قائم کرنے کیلئے تاجکستان، ازبکستان اور کرغزستان کو ایک معاہدے سے

منسلک کیا اور ان تینوں اہم ملکوں کی ایک اسٹریٹجک مثلث قائم کردی جسے وسطی ایشیا کے سیاسی، اقتصادی اور عسکری امور کی چابی کہا جاتا ہے۔ یہ چابی اب امریکہ کی جیب میں ہے۔ مئی 2000ء میں امریکہ نے ازبک امریکہ عسکری کمیٹی کے نام پر ایک نئی چال چلی جس کے تحت امریکہ نے تاشقند کو عسکری تکنیکی امداد مہیا کرنی شروع کی جن کا اصل مقصد ان ممالک کے تیل اور گیس کے ذخائر پر قبضہ کرنا ہے۔ تاشقند سے 500 کلومیٹر دور خان آباد کا عسکری اڈہ بھی امریکہ کے حوالے کردیا گیا ﴿۴۴﴾ اسی طرح کرغزستان میں "مناس" کا ہوائی اڈہ کرغیزی حکومت نے پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد امریکہ کے حوالہ کیا ہے۔ مناس کا یہ ہوائی اڈہ کرغیزی دارلحکومت " بیشکیک "کے بالکل قریب ہے ﴿۴۵﴾ جمعرات 28 فروری 2002 کو پہلا امریکی فوجی جارجیا کے دارالحکومت " تبلیسی پہنچا۔ جارجیا کے سب سے بڑے عسکری اڈے " قادیانی " سے سوویٹ فوج کے انخلا کے بعد امریکی فوجیں براہِ راست اس اڈے میں داخل ہوئیں تھیں۔ ازبکستان اور کرغیزستان کے بعد یہ تیسرا سوویٹ اڈہ تھا جہاں امریکیوں نے اپنے مستقر قائم کئے ﴿۴۶﴾۔ امریکہ ہمیشہ دانشمندی سے نہیں بلکہ دہشت گردانہ انداز میں گفتگو کرنے کا عادی ہو چکا ہے۔ امریکی نائب صدر ڈک چینی نے کہا تھا کہ ہمارا ہدف اُن ریاستوں ہی کو نیست و نابود کردینا ہے جو دہشت گردی کو فروغ دیتے ہیں ﴿۴۷﴾ رچ لوری نے اسلامی ممالک پر حملوں کے حوالے سے کہا: اگر ہم دمشق یا تہران یا جو کچھ بھی ہو، اُس کا ایک حصہ ملیا میٹ کردیں تو یہ بھی حل کا ایک جزو ہے ﴿۴۸﴾۔

اسٹیو ڈیلوری لکھتے ہیں:

> ''21ویں صدی کے اس پرل ہاربر کا جواب اتنا ہی سادہ ہونا چاہیے جتنا کہ تیز............... بلاتاخیر حرامیوں کو قتل کردو اور وہ شہر اور وہ ملک جو اُن کیڑوں مکوڑوں کی سرپرستی کرتے ہیں اُن پر بمباری کردو''۔ ﴿۴۹﴾

ہنری کسنجر نے بھی ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے بعد کہا تھا:

> ''حکومت کو ایک منظم ردِ عمل کی ذمہ داری لینی چاہیے امید کرنی چاہیے کہ یہ اسطرح اختتام کو پہنچے جسطرح پرل ہاربر کا حملہ اختتام کو پہنچا تھا، یعنی اس نظام کی تباہی جو اس کا ذمہ دار ہے''۔ ﴿۵۰﴾

امریکہ نے ہمیشہ مشرق وسطی میں اسرائیل کو سپورٹ کیا۔ اُس کی ہر جائز و ناجائز بات اور حرکت کو سراہا اور اس کے خلاف کسی قسم کا کوئی قدم نہ خود اٹھایا اور نہ ہی کسی دوسرے ملک کو اجازت دی۔ 1973ء سے 2000 تک سلامتی کونسل میں مشرق وسطی پر 90 قراردادیں پیش کی گئیں جن میں 33 کو امریکہ نے ویٹو کیا ﴿۵۱﴾۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ان قراردادوں میں اسرائیل

کوتنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ امریکہ نے مشرق وسطیٰ میں عربوں کو "سیدھا کرنے کیلئے" 1973ء کے بعد اپنی اسرائیل کیلئے امداد میں چار گنا اضافہ کیا جس کے نتیجے میں امریکہ اسرائیل کو فوجی اسلحہ فراہم کرنے والا سب سے بڑا ملک بن گیا ﴿۵۲﴾۔

عالم اسلام اور دوسری دنیا کو دہشت زدہ کرنے کیلئے امریکہ کا دفاعی بجٹ:

نومبر 2003ء کو امریکی ایوان نمائندگان نے امریکہ کیلئے 400 ارب ڈالر کا بجٹ منظور کیا ﴿۵۳﴾۔ تین سال میں مزید اضافہ ہوا اور اب 2006ء میں امریکہ کا دفاعی بجٹ تقریباً 450 بلین ڈالر ہو گیا ہے۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ پوری دنیا کا 2006ء میں دفاعی بجٹ تقریباً ایک ہزار (1000) بلین ڈالر ہے۔ جس میں پاکستان کا بجٹ دفاعی بجٹ تقریباً 2 بلین ڈالر ہے بھارت کا دفاعی بجٹ تقریباً 17 بلین اور چین کا تقریباً 40 بلین ڈالر ہے۔ امریکہ دفاعی ریسرچ پر پورے یورپ کے دفاعی ریسرچ سے 4 گناہ زیادہ خرچ کرتا ہے۔ امریکہ میں دفاعی پالیسی کیلئے 20 مختلف گروپ یا ادارے کام کر رہے ہیں تا کہ پورے عالم اور خاص طور پر عالم اسلام کو اچھے طریقے سے اپنے "شکنجے" میں رکھا جا سکے اور اُن سے نپٹنے کیلئے بہتر منصوبہ بندی کی جا سکے۔ اسطرح امریکہ کا دفاعی بجٹ پورے دنیا کے دفاعی بجٹ کا 45% ہے جبکہ اس کی آبادی تقریباً دنیا کی 5% ہے۔

امریکہ کا جاسوسی نظام اور اس کیلئے کام کرنے والی ایجنسیاں:

امریکہ کا جاسوسی نظام دنیا کا عظیم ترین اور مہنگا ترین نظام ہے۔ اس نظام نے پوری دنیا کے خون میں اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہیں اور امریکہ کے مفاد کیلئے ہر جائز و ناجائز طریقے کیلئے اس نظام کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ امریکہ اپنے نیو ورلڈ آرڈر اور نظریات کو ان ایجنسیوں کے ذریعے پوری طاقت اور قوت سے نافذ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ امریکہ کا اولین مقصد اس وقت عالم اسلام کے وسائل پر قبضہ اور نیو ورلڈ آرڈر کے تحت نہ آنے والے ممالک کی بربادی اور تباہی ہے۔ دہشت گردی کے نام پر عالم اسلام پر دہشت گردی اور لوٹ مار اس نظام کے اہم مقاصد میں شامل ہے۔ مشرق وسطیٰ میں گریٹر اسرائیل اور پھر اسرائیل کو دفاعی اور اقتصادی طاقت بنانا کہ پورا عالم عرب بلکہ عالم اسلام اُس کو چیلنج نہ کر سکے بلکہ اسرائیل ہر کسی کو انفرادی یا اجتماعی طور پر للکارنے کی پوزیشن میں آ جائے۔

1-C.I.A:

صرف سی آئی اے (CIA) کا سالانہ بجٹ 30 ارب ڈالر سے زائد ہے۔ دنیا میں اس کے ایک لاکھ کل وقتی کارکن اور اہلکار ہیں۔

2۔ F.B.I:

FBI داخلی سلامتی کا ذمہ دار ہے۔ اُس کا بجٹ 03 ارب ڈالر ہے۔ اس کے امریکہ میں 55 مراکز اور 27 ہزار 8 سو کارکن ہیں۔

3۔ National Reconnaissance Office:

یہ بھی ایک جاسوسی ادارہ ہے جس کا بجٹ 6 ارب 20 کروڑ ہے۔

4۔ نیشنل سیکورٹی اتھارٹی (NSA):

نیشنل سیکورٹی اتھارٹی (NSA) بھی ہے۔ اس میں 21 ہزار ملازمین ہیں۔ اس میں معلومات جمع کرنے کا دنیا کا اعلیٰ ترین نظام ہے۔ اس کا (NSA کا) لمبا چوڑا نیٹ ورک ہے۔ اس کا بجٹ کئی ارب ڈالر ہے۔

5۔ نیشنل امیجری اینڈ میپنگ ایجنسی:

ایک ادارہ نیشنل امیجری اینڈ میپنگ ایجنسی ہے۔ اس کا بجٹ ایک ارب 20 کروڑ ڈالر ہے۔

اس طرح صرف نگرانی اور انٹیلی جنس کے ادارے سالانہ 50 ارب ڈالر بجٹ لیتے ہیں۔ ان کے علاوہ معلومات حاصل کرنے کی Non-Intelligence ایجنسیوں کا سالانہ بجٹ 27 ارب ڈالر ہے۔ گویا صرف جاسوسی اور دوسری معلومات کے حصول کیلئے امریکہ سالانہ 77 ارب ڈالر خرچ کر رہا ہے ﴿۵۴﴾۔

حد یہ ہے کہ ایجنسیوں کے اس مربوط نظام کے باوجود 9/11 کا اتنا بڑا حادثہ پیش آ گیا۔ دو مختلف ہوائی اڈوں سے جہاز اڑے جن میں 19 خودکش ہائی جیکر شامل تھے جنہوں نے امریکہ کی تاریخ بدل دی۔ فروری 1993ء میں بھی ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں بم کا دھماکہ ہو چکا تھا جس میں 6 افراد ہلاک ہوئے تھے۔ اپریل 1995ء میں اوکلاہاما کا حادثہ ہوا جس میں 128 افراد ہلاک ہوئے جس کا ملزم ایک امریکی دہشت گرد ٹم میکوی (Tim Meveigh) تھا۔ 1998ء میں کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارتخانوں میں ہونے والی دہشت گردی میں 224 افراد ہلاک ہوئے۔ اکتوبر 2000 میں امریکی بحری جہاز یو ایس ایس کول کا واقعہ جس میں 17 افراد ہلاک ہوئے۔

ان سب حالات اور حادثات کے باوجود تمام خفیہ اور بر سر زمین ایجنسیوں کی ناکامی اصل لمحہ فکریہ ہے۔ لیکن اس کا کوئی ذکر نہ امریکی صدر کے بیانات میں ہے اور میڈیا کی لفظی جنگ میں حالات اور واقعات کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ 9/11 کے حملے کسی منظم امریکی گروہ کی طرف سے ہیں۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ یہودیوں کی عالمی سازش تھی جس کو بنیاد بنا کر وہ عالم اسلام کے خلاف ایک منظم منصوبہ بندی کرنے کیلئے راہ ہموار کرنا چاہتے تھے یہ حادثہ بھی ٹم میکوی (Tim Meveigh) کے گروہ کی جانب سے ہو سکتا ہے کیونکہ اس نے عدالت میں اس سے زیادہ ہلاکتوں کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ صدر بش کی ریاست ٹیکساس کا Jaco نامی منظم گروہ بھی ہو سکتا ہے جس نے ایک پورے قصبے کو آگ لگا کر تباہ کر دیا تھا ﴿۵۵﴾۔ اس طرح پورے عالم اسلام کی تباہی اور بربادی کا منصوبہ اور عملی جامہ امریکہ ہی کا کارنامہ ہے۔ ان منصوبوں کے پیچھے یہودی لابی کا دماغ ہے۔ امریکہ اور اسرائیل کا شجرۂ نصب ایک ہی ہے۔ دونوں دنیا پر اپنی گرفت چاہتے ہیں۔ عالم اسلام کے وسائل پر کنٹرول چاہتے ہیں۔ مشرق وسطی کا نقشہ اپنی مرضی سے بنانا چاہتے ہیں۔ اور اپنے سامنے کسی کو مدمقابل تو کیا اُف تک کرتا دیکھنا نہیں چاہتے۔

فصل دوئم

مسلمان ممالک میں مغرب اور امریکہ کی پالیساں

آج عالم اسلام کی بدبختی یہ ہے کہ اُس کی اندرونی اور بیرونی پالیسیاں(Internal and External Policies) وہ خودنہیں بناتے بلکہ مغرب اور امریکہ کے ہاتھ میں ہیں۔ عالم اسلام کی عقلمندی، شعور، علم اور دور اندیشی کا عالم یہ ہے کہ ہم نے نہ تو ماضی بعید اور ماضی قریب سے سبق سیکھا ہے اور نہ حال سے۔ مستقبل کی دور اندیشی نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ آج بھی ہم اُن مغربی طاقتوں کی دوستی پرفخر کرتے ہیں، ان پر اعتماد کرتے ہیں، اُن کے نظام اپنانے میں اپنی عافیت اور ترقی سمجھتے ہیں۔ اُن کی سیاسی ،سماجی، اخلاقی، جمہوری اور قانونی روایات پرفخر کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر انہیں اپنا آقا و مولی اور نجات دہندہ سمجھتے ہیں جنہوں نے ہر موقع پر ہمیں دھوکہ دیا۔ سپین میں 25 نومبر 1491ء کو عرب مسلمان ریاست کے حکمران ابوعبداللہ محمد (غرناطہ میں آخری مسلم حکمران، متوفی 3 جنوری 1492ء) نے، ناکہ بندی، فاقہ مستی، احسان مندی اور خوف و طمع کے ہاتھوں مجبور ہو کر، اسپین کی عیسائی ریاست کے حکمران شاہ فرڈی ننیڈ چہارم (1452ء - 1516ء) اور ملکہ ازابیلہ (1451ء - 1504ء) کے سامنے ہتھیار ڈالے اور حصول امن کے نام پر معاہدے پر دستخط کئے۔ بعد میں یہ صلح نامہ اور معاہدۂ امن اندلس کے مسلمانوں کیلئے پروانۂ موت ثابت ہوا۔ پھر ہوا کیا؟ 1499ء میں اُن تمام مسلمانوں کو جو عیسائیت قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھے، اسپین سے نکل جانے کا حکم دیا۔ 1502ء میں ایسے تمام مسلمانوں کے قتل کا فرمان جاری کر دیا اور آخرکار اندلس سے مسلمانوں کی نسل ہی ختم کردی۔

ہم نے اس سے کیا سبق لیا؟ ہم نے یہ سبق لیا کہ 30 اکتوبر 1991 کو اسپین کے شہر میڈرڈ میں، امریکہ اور یہودیوں پر اعتماد کرتے ہوئے عالم عرب نے مشرق وسطی میں " معاہدۂ امن " کی بات چیت شروع کردی۔ اسطرح امریکہ اور روس کی بلائی ہوئی نام نہاد " مشرق وسطی امن کانفرنس " کا انعقاد ہوا۔ اس حادثے سے ٹھیک پانچ (500) سو سال پہلے، 25 نومبر 1491ء کو اسپین کی اسی سرزمین پر مسلمانوں اور اسپین کی عیسائی حکومت کے درمیان معاہدہ ہوا جو مسلمانوں کی تباہی کا سبب بنا۔ اندلس ہی میں مولائے حسن وہ آخری حکمران تھا جس نے عیسائیوں کو خراج دینے سے انکار کر دیا۔ جب مسلمان زندگی اور موت کی

لڑائی لڑ رہے تھے تو عیسائیوں نے اُن کے دونوں بیٹوں، ابوعبداللہ محمد اور یوسف سے اُس کے خلاف بغاوت کروادی۔ اگر چہ مولائے حسن نے اپنے دونوں بیٹوں کو شکست دے دی مگر عیسائیوں کے مقابلے سے دست کش ہونا پڑا۔ تنگ آ کر مولائے حسن نے حکومت اپنے بھائی الزاغل کو دے دی۔ عیسائیوں نے ابوعبداللہ محمد کو مسلح کر کے اُس (یعنی چچا) کے خلاف کھڑا کر دیا۔ آخر کار الزاغل نے بھی فرڈی عینڈ سے صلح کر لی کیونکہ ایک طرف وہ تھا، دوسری طرف بھتیجا اور تیسری طرف فرڈی عینڈ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بالآخر الزاغل اور ابو عبداللہ محمد دونوں ہی جلا وطن ہو کر کسمپرسی کی زندگی اور عبرت ناک موت سے دو چار ہوئے۔ اسپین کے عیسائیوں نے کسی امن معاہدے کا پاس نہ کیا۔

اسی طرح بیسویں صدی کے شروع میں برطانیہ نے عربوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھایا۔ عربوں کو سبز باغ دکھائے۔ عربوں کو ترکوں کے خلاف لا کھڑا کیا کہ تمہیں ترکوں سے نجات دلا کر آزادی دی جائے گی۔ عربوں نے مغرب کا اثر قبول کیا اُن کی پالیسیوں اور منصوبہ کو گلے لگایا اُن سے عرب قومیت (Arab Nationalism) کا سبق سیکھا۔ مغرب کی تعلیم اور تہذیب کو اپنایا اور اُن کے فلسفوں کو گلے لگایا۔ اُن کا سیاسی غلبہ اور تہذیب و فلسفہ مسلمانوں پر مصیبت بن کر گرا۔ اُس نے ہمارے دل و دماغ کو بدل دیا۔ اُن کے اسی منحوس فلسفے اور تہذیب کی وجہ سے ہم نے قومیت کا سبق سیکھا جس نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ ہر ملک اور نسل کا مسلمان ایک بڑی حد تک اسلام کی بین الاقوامی برادری سے کٹ کر صرف اپنے ہی ملک اور اپنی ہی نسل کا آدمی بن کر رہ گیا۔ اس کا نتیجہ جنگ عظیم اول میں یہ نکلا کہ ایک مسلمان قوم نے دوسری مسلمان قوم کے خلاف عین اس وقت بغاوت کی دی جب کہ وہ دشمنوں سے برسر جنگ تھی۔ عربوں نے ترکی کے خلاف بغاوت کر دی اور دشمنوں کی صف میں شامل ہو گئے۔ عرب مسلمان اس بات کو بھول گئے کہ مغرب کے عیسائیوں اور کافروں کے دکھائے ہوئے سبز باغ کے فریب میں آ کر جن کے مقابلے میں وہ ہتھیار اُٹھا رہے ہیں وہ اُن کے اپنے ہی مسلمان بھائی ہیں اور جس آزادی کی امید دلا کر انہیں اپنے بھائیوں سے لڑایا جا رہا ہے وہ غلامی کا ایک دوسرا پھندا ہے جسے خود اُن کے اپنے ہاتھوں سے اُن کے گلے میں ڈالنے کا سامان کیا جا رہا ہے اس کے نتیجے میں اس بدترین صورتحال نے جنم دیا کہ ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، ترکوں کیلئے خود اپنی سلطنت بچانی بھی مشکل ہو گئی۔ پانچ سو سال سے اسلامی مرکز چلا آ رہا تھا وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ خلافت کا خاتمہ خود مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے کیا۔

" مصطفیٰ کمال نے ترکی قوم پر فتح حاصل کی " اور اسے مذہب و روحانیت سے دور کر کے ملک کو سیکولر سٹیٹ میں تبدیل

کر دیا۔ ادارہ خلافت کا خاتمہ کر دیا، شرعی اداروں، محکموں اور قوانین شریعت کو منسوخ کر دیا اور سوئیٹزرلینڈ کا قانون دیوانی، اٹلی کا قانون فوجداری اور جرمنی کا قانون تجارت نافذ کر دیا۔ پرسنل لاء کو یورپ کے قانون دیوانی کے مطابق کر دیا۔ دینی تعلیم ممنوع قرار پائی۔ پردہ کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ عربی حروف کی جگہ لاطینی حروف جاری ہوئے۔ عربی میں اذان ممنوع قرار پائی حتی کہ ایک انگریز مؤرخ آرمسٹرانگ نے کہا کہ اتاترک نے ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا اور قوم کا نقطۂ نظر ہی بدل دیا﴿۵۶﴾۔ دستوری طور پر (By Constitution) ترکی کو لادین ریاست (Secular State) قرار دے دیا گیا۔ فوج کا کردار ملکی سیاست اور جمہوریت میں دستوری طور پر رکھ دیا گیا۔

ملکی معاملات اور سیاست میں مغربی تہذیب اور اثر و رسوخ اتنا بڑھ گیا اور ترکی حکومت اور فوج نے مغربی نظام کو اس قدر گلے سے لگالیا کہ اسلام کا نام لینا اور قرآن وحدیث کی بات کرنا جرم قرار دے دیا گیا۔ پارلیمنٹ میں اگر ارسطو اور افلاطون کا حوالہ دیا جاتا تو ممبران توجہ سے سنتے لیکن اگر قرآن وحدیث سے کوئی حوالہ دیا جاتا تو پارلیمنٹ میں چیخ وپکار واعتراض اور الزام شروع ہو جاتا اور پارلیمنٹ میں یہ شرمناک منظر دیکھنے کو ملتا ہے کہ اراکین میز اور ڈیسک بجا بجا کر بولنے والے کو خاموش کرا دیتے۔ ترکی جمہوریہ کے دستور کی دفعہ 24 میں جو بات کہی گئی ہے وہ دنیا کے کسی دستور میں موجود نہیں ہے دفعہ 24 کی عبارت یہ ہے: "وہ الفاظ اور عبارتیں جو مذہب کی نگاہ میں مقدس ہیں۔ اُن کا استعمال قانون کی نگاہ میں جرم ہے"۔ نیز یہ کہ "حکومت کے کسی جز و یا بنیاد کو مذہب سے ہم آہنگ کرنا ممنوع ہے"۔

حالانکہ امریکہ جس کی ترکی تقلید کرتے ہیں اُس کا دیباچہ اس عبارت سے شروع ہوتا ہے: " ہم قادر مطلق گاڈ کے نام سے اس دستور کا آغاز کرتے ہیں"۔

نجم الدین اربکان، سابق وزیر اعظم اور رفاع پارٹی کے سربراہ، جو آج کل "پس دیوار زنداں " ہیں، نے دفعہ 24 پر بحث کی اور اسے ختم کرنے کیلئے کہا۔ لیکن پارلیمنٹ نے سخت مخالفت کی۔ اربکان کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ جو بات ہمارے دستور کی دفعہ 24 میں ہے وہ دنیا کے کسی دستور میں نہیں۔ حالانکہ دنیا کے اُس وقت 160 دساتیر تھے۔ امریکہ کے دستور کا حوالہ دیا جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو پارلیمنٹ نے انکار کر دیا کہ ہمیں امریکہ کا دستور منظور نہیں۔ حالانکہ ڈالر پر بھی تحریر ہے "ہم گاڈ پر یقین رکھتے ہیں"۔ پھر اربکان کے حامیوں نے سوئیٹزرلینڈ کا دستور دکھایا جس کی عبارت ہے " حکومت سرکاری سکولوں میں جو تعلیم دے گی اسے کسی

پہلو سے بھی اس قوم کے عقائد سے مختلف یا متصادم نہ ہونا چاہیے " اس کی فوٹو کاپی تقسیم کی۔ لیکن پارلیمنٹ کے ممبرز بیک وقت بول پڑے کہ "یہ دفعہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہے" پھر اربکان کہتے ہیں کہ ہم نے کہا: آپ اسرائیلی مملکت اور یہودیوں کی تعظیم و کریم کرتے ہیں۔ آیئے ہم اس دستور کی دفعہ 24 کی بجائے اسرائیل دستور کی دفعہ کو اختیار کر لیں "جو کہتی ہے:" ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے صحراؤں اور ریگستانوں سے ہمیں نجات دی اور ان بلادِ مقدسہ تک ہماری رسائی کی ﴿۵۷﴾۔ چنانچہ انہوں نے اسرائیلی دستور کو بھی ٹھکرا دیا۔

فصل سوئم

عرب، افریقہ اور ایشیاء کی نئی آزاد شدہ ریاستوں میں مغربی اور امریکی اثر ورسوخ

ایشیاء

پاکستان:

مغرب اور امریکہ کی وجہ سے پاکستان نے روس اور کمیونسٹ بلاک کو 40 سال تک اپنا دشمن بنائے رکھا۔ وقت آنے پر امریکہ نے 1965-1971 اور کمیونسٹ زوال کے بعد آج تک ہمیشہ ہمارے مقابلہ میں بھارت کی مدد کی جبکہ روس پہلے ہی ہمیں اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ آج بھی ہم امریکہ اور مغرب کے غلام اور اُن کی ہر بات ماننے کیلئے ہمیشہ بے تاب رہتے ہیں۔ Front Line State ہونے کے باوجود بھارت سے حال ہی میں دفاع کا بہت بڑا معاہدہ کیا۔ ہم نے امریکہ کے حکم پر اپنے ہی مسلمان بھائیوں یعنی طالبان حکومت کو تباہ و برباد کرنے میں امریکہ کی کھل کر مدد کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آج افغان حکومت، جس کا سرپرست امریکہ ہے، ہماری دشمن اور ہمارے دشمن بھارت کی دوست ہے۔ ہم نے امریکہ اور مغرب کی تابعداری میں اپنے بھائیوں کو وانا میں تباہ وبرباد کیا۔ ہزاروں لوگوں کو ہلاک کیا اور اربوں کی جائیداد تباہ کی یہ سب کچھ پاکستان ہی میں ہوا اور پاکستانیوں ہی کے خلاف ہورہا ہے۔ ہم نے مغرب کی تابعداری میں اپنا نصاب تعلیم تک بدل دیا۔ اپنے ہی ملک کی اسلامی تحریکوں اور جماعتوں پر پابندی لگائی اور اُن کیلئے عذاب بنے۔

امریکہ کی پالیسیوں کے آگے اس حد تک ہم بے بس ہیں کہ اٹامک انرجی کمیشن (PAEC) جیسے نازک اور اہم قومی ادارے پر ہم نے نہ چاہتے ہوئے بھی بیس (20) سال تک منیر احمد خان جیسے ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث انسان کو چیئرمین بنائے رکھا۔ ملک دشمن سرگرمیوں کیوجہ سے ریٹائر کرنے کے فیصلے کے فوراً بعد ملک کے صدر ضیاء الحق نے اس کی جبری ریٹائرمنٹ کا فیصلہ اسی وقت واپس لے لیا ﴿۵۸﴾۔ ہمارے ملک میں حکومت کے خلاف تحریکیں امریکہ کی مرضی اور مدد سے چلتی ہیں اور سابق وزیر اعظم کی پھانسی تک کی منصوبہ بندی امریکہ کرتا ہے ﴿۵۹﴾۔ ایک اہم مثال ڈاکٹر کریگ لاہور میں امریکی قونصلیٹ میں پولیٹکل آفیسر تھا۔ بھارت نواز تھا اور جہاں جاتا تھا یہی کہتا تھا کہ دوقومی نظریہ صریحاً غلط تھا اور ہندوستان کو تقسیم نہیں ہونا چاہتے تھا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان 1000 میل سے زیادہ کا فاصلہ ہے پھر یہ ایک ملک کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ کریگ 1960ء کی دہائی میں پاکستان میں تھا۔

70 کی دہائی میں امریکہ، ڈاکٹر کریگ کو دوبارہ لاہور میں امریکہ کا کونسل جنرل بنا کر بھیجنا چاہتا تھا مگر ذوالفقار علی بھٹو نے اسے پاکستان آنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اسی ڈاکٹر کریگ کو بھٹو کی بیٹی نے امریکن انسٹیٹیوٹ آف پاکستان سٹیڈیز کا سربراہ بنا دیا﴿۶۰﴾۔ اس سے اندازہ لگالیں کہ امریکہ کتنا طاقتور ہے اور کس حد تک اُس کا حکم چلتا ہے۔

ایران:

1953ء میں ایران کے وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق کے خلاف بغاوت امریکہ کی CIA ہی نے کروائی تھی جس کے نتیجے میں جنرل فضل کو وزیر اعظم بنایا گیا اور رضا شاہ پہلوی کی شہنشائیت کو مضبوط کیا گیا تھا۔ پھر امریکہ نے اپنی مرضی سے ایران کا آپس میں تیل بانٹا اور اہم حصہ برطانیہ کو بھی ملا﴿۶۱﴾۔ اُس وقت سے موجودہ اسلامی انقلاب تک (1979ء تک) ایران میں امریکہ ہی کی پالیسیاں چلتی تھیں۔ انقلاب کے بعد ایران میں امریکی دخل اندازی بند ہوئی۔

انڈونیشیا:

انڈونیشیا بھی زیادہ تر امریکی اثر کے زیر سایہ رہا ہے۔ 13 جنوری 1998ء کو صدر امریکہ بل کلنٹن کا ایک نمائندہ لارنس سمرس (Lawrence Summers) ایک وفد کے ہمراہ صدر انڈونیشیا، سوہارتو سے ملا اور مالی اصلاحات لانے کیلئے اُن پر دباؤ ڈالا۔ فوراً بعد 16 جنوری کو صدر سوہارتو نے مالی اصلاحات کا اعلان کر دیا﴿۶۲﴾۔ آئی ایم ایف نے کہا کہ وہ ان اصلاحات پر نظر رکھے گا۔ مغرب، امریکہ اور یو این او کے دباؤ پر انڈونیشیا نے 1999ء میں تیمور کی آزادی کیلئے ریفرنڈم کروایا اور آخرکار مشرقی تیمور کو آزاد کر دیا۔

مشرقِ وسطیٰ

مصر:

امریکہ اور اُس کے عرب اتحادی 1980ء کے عشرے سے مصر میں باقاعدہ فوجی مشقیں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ستمبر 2001 میں 2000 امریکی فوجی مصر آئے تھے﴿۶۳﴾۔ مارچ 2002 میں امریکی نائب صدر ڈک چینی قاہرہ آئے اور ساؤتھ کیمپ میں امریکی فوجیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: " امریکی راہنمائی میں افغانستان سے اسلامی ملیشیاؤں کا صفایا کر دیا گیا "﴿۶۴﴾۔ مصر نے اسرائیل کے ساتھ 1979 میں امن معاہدہ کیا۔ حسنی مبارک مشرق وسطیٰ میں امریکہ کے بڑے اتحادی

ہیں۔مصر نے سارے عربوں سے ناراضگی مول لے کر امریکہ کی خواہش پر اسرائیل سے امن معاہدہ کیا جو کہ عربوں سے (امریکہ کی وجہ سے) غداری تھی۔عام مصری عوام حسنی مبارک کی امریکہ اور اسرائیل دوستی سے نالاں ہیں۔اسی لئے حسنی مبارک پر آٹھ دفعہ حملہ ہوا۔﴿۶۵﴾

سعودی عرب:

جنگ میگزین 24اپریل، 2005ء میں لکھتا ہے: سعودی عرب کے شاہی حکمران اپنے دشمنوں اور مخالفین سے سعودی عرب کی حفاظت کیلئے کلی طور پر امریکہ پر انحصار کرتے ہیں۔ان دشمنوں میں بیرونی اور اندرونی دونوں شامل ہیں۔اس کے علاوہ کئی عشروں سے امریکہ سعودی عرب کی شاہی حکومت کو جدید ترین اسلحے اور ہتھیاروں کی ایک بڑی مقدار فراہم کرتا چلا آ رہا ہے۔فوجی مشیر،انسٹرکٹرز اور تکنیکی کاروں کی ایک قابل ذکر تعداد بھی ہتھیاروں اور اسلحے کی اس فراہمی میں شامل رہی ہے۔

فروری 1945ء میں امریکی صدر فرینکلن ڈی روز ویلٹ اور سعودی عرب کے فرماں روا شاہ عبدالعزیز ابن سعود کے درمیان اہم ملاقات ہوئی جس کے نتیجے میں " یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ سعودی عرب امریکہ کو تیل کی فراہمی مستقل طور پر جاری رکھے گا،جس کے عوض امریکی حکومت سعودی عرب کے تحفظ اور دفاع کی تمام ذمہ داری قبول کرتی ہے "﴿۶۶﴾۔حقیقت میں دیکھیں تو امریکہ اور سعودی عرب کے تعلقات کا تسلسل اسی ملاقات کے دوران طے پانے والے معاہدے کا نتیجہ ہے سعودی عرب اور اُس کی پانچ اتحادی عرب ریاستوں نے 1991 اور 1997 کے دوران دفاع پر 195 ارب ڈالر خرچ کئے۔سعودی عرب میں کئی سال تک تقریباً5000 امریکی فوجی رہے ہیں جن پر500 ملین ڈالر سالانہ کے لگ بھگ خرچ آتا تھا۔امریکہ 60 سال سے سعودی عرب میں بڑا مؤثر کردار ادا کر رہا ہے۔گزشتہ 60 سالوں میں سعودی عرب کا دفاعی انتظام تقریباً امریکہ کے ہاتھ میں ہے ۔آج کل سعودی عرب اور امریکہ میں تھوڑی سی دوریاں ہیں۔لیکن امریکہ سعودیہ میں اس حد تک سرایت کر گیا ہے کہ سعودیہ ادھر اُدھر دیکھنے کی جسارت نہیں کرتا۔امریکہ کا زیادہ تر تیل سعودیہ سے آتا ہے۔

عمان:

عمان ہمیشہ امریکی اور برطانوی اتحادی رہا ہے۔ 1990 کی خلیجی جنگ میں خلیجی ریاستوں نے اسلامی دنیا کو ساتھ لے

کر چلنے کی بجائے امریکن و برٹش اتحاد کا ساتھ دیا۔ کیونکہ امریکہ اور برطانیہ کا یہی حکم تھا۔ اکتوبر 2001ء میں برطانیہ اور عمان نے مشترکہ صحرائی مشقوں میں حصہ لیا جس میں 37 ہزار فوجی شریک ہوئے۔ " 15 مارچ 2002ء میں امریکی نائب صدر ڈک چینی عمان آئے اور بحیرہ عرب میں تعینات امریکی طیارہ بردار جہاز (Johne Stennis) کا معائنہ کیا۔ ڈک چینی کی موجودگی میں ہارنیٹ (Hornet) جیٹ جولیزر رہنما بموں سے لیس تھے، افغانستان پر حملے کیلئے روانہ ہوئے "﴿۶۷﴾۔ ڈک چینی اس طرح پھر رہے تھے جیسے کوئی لیڈر اپنے ملک میں اپنی فوجوں کے درمیان ہوتا ہے۔

امریکہ کا اثر ورسوخ مشرق وسطیٰ میں اس حد تک ہے کہ امریکن دن کہتا ہے تو دن ہے۔ رات کہتا ہے تو رات ہے۔ امریکہ کے اشارے پر عراق نے ایران کے خلاف جنگ لڑی اور امریکہ اور مغرب کے اشارے پر مشرق وسطیٰ کی ساری ریاستیں، سعودی عرب، کویت، امارات اور عمان و بحرین سمیت، ایران کے خلاف متحد ہو گئیں اور اربوں ڈالر ضائع کئے۔

کویت:

خلیجی جنگ میں کویت کا سارا نظام امریکہ اور اتحادیوں کے ہاتھ میں تھا۔ کویت نے امریکہ کے علاوہ کسی سے مدد نہیں مانگی اس نے عالم اسلام کی مدد لینا اور اُس کے سامنے مدد کی اپیل کرنا گوارہ نہ کیا۔ اصل میں امریکہ، کویت میں اس حد تک Penetrate کر گیا ہے کہ جو وہ کہتا ہے کویت اسی طرح کرتا ہے۔

جون 1997 میں جب امریکی وزیر دفاع ولیم کوہن کویت آئے تو اس وقت ایک طیارہ بردار جہاز سمیت امریکہ کے 26 جنگی بحری جہاز خلیج میں موجود تھے﴿۶۸﴾۔ ان میں ایک گائیڈڈ میزائل بردار جہاز فٹز جیرالڈ (Fitzgerald) بحرین کے ساحل پر لنگر انداز تھا۔ 20 اگست 1997ء کو کویت نے برطانیہ سے 128 ملین کے بدلے 100 میزائل لینے کا معاہدہ کیا۔ فرانس سے گن بوٹس بھی لیں۔ خلیج کی جنگ کے بعد کویت نے 2002 تک 12 ارب ڈالر کا ایک دفاعی منصوبہ مکمل کیا۔ 1992ء اور 1996ء کے درمیان 4.1 ارب ڈالر کا اسلحہ خریدا﴿۶۹﴾۔ 1998 میں امریکہ اور کویت کے درمیان 4 ماہ کی طویل فوجی مشقیں ہوئیں﴿۷۰﴾۔ 3 مئی 1998 کو امریکی سینٹرز کے ایک وفد نے ولی عہد اور وزیر اعظم سعد عبداللہ سے ملاقات کی اور کویت کو فوجی لحاظ سے امریکہ کا مثالی شریک کار قرار دیا﴿۷۱﴾۔ ایک دفاعی رپورٹ کے مطابق امریکہ کے 130 ملکوں میں 702 بیرونی اڈے ہیں﴿۷۲﴾۔ کویت جیسے چھوٹے سے ملک میں امریکہ کا فوجی اڈہ 1600 مربع میل میں ہے﴿۷۳﴾

کویت سٹی کے گرد بھی امریکی فوجوں کا حصار ہے۔کویتی تیل کی صنعت پر مکمل امریکہ کا قبضہ ہے۔تو پھر کیسے ممکن ہے کہ کویت امریکہ کے آگے اُف بھی کرے؟عراق میں امریکہ کا اڈہ 25 مربع کلومیٹر میں واقع ہے﴿۷۴﴾۔اب تو سارا عراق ہی امریکہ کا اڈہ ہے ۔سعودیہ کا شاہ سلطان ائیر بیس ستمبر 2003 تک امریکی اڈہ بنا رہا۔

مشرق وسطیٰ دنیا کا سب سے بڑا اسلحہ اور ہتھیار بازار ہے۔اسلحے کی اس سب سے بڑی مارکیٹ میں دنیا کا 40 فیصد اسلحہ فروخت ہوتا ہے۔صرف 1993 میں یہاں 22 ارب ڈالر کا اسلحہ فروخت ہوا تھا﴿۷۵﴾۔فروری 2001ء میں کویت نے امریکہ کے ساتھ کئے گئے 1991ء کے دفاعی معاہدے میں 10 سال کو توسیع کر دی ہے جس کی رو سے ساڑھے چار ہزار (4500) امریکی فوجی کویت میں تعینات ہیں﴿۷۶﴾۔

قطر:

قطر 1997ء سے 6 لاکھ بیرل تیل یومیہ نکال رہا ہے۔2000ء سے 7 سے 8 لاکھ بیرل یومیہ پیداوار ہے۔ روس اور ایران کے بعد قطر میں گیس کے سب سے بڑے ذخائر ہیں۔قطر کی جنرل پٹرولیم کارپوریشن (OGPC) نے امریکہ کی فلپس پٹرولیم کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے قطر میں ایک پیٹرو کمپلیکس تعمیر کیا جائے گا جس پر 825 ملین ڈالر خرچ آئے گا ﴿۷۷﴾۔اس میں امریکی کمپنی کا حصہ 49% ہے۔فروری 1997ء میں امیر قطر نے دوحہ میں واقع راس لافان (Ras Lafan) میں مائع گیس کے ایک ٹرمینل کا افتتاح کیا۔فرانس کے وزیر صحت سمیت 600 مندوبین/مہمان موجود تھے۔یہ ٹرمینل ایک امریکی فرم بیکٹل کے فنی تعاون سے پانچ سال میں مکمل ہوا﴿۷۸﴾۔اس ٹرمینل سے 30 ملین ٹن گیس سالانہ برآمد ہوگی۔قطر کا دوسرا بڑا گیس منصوبہ " ڈولفن پروجیکٹ " ہے جو فرانسیسی اور امریکی کمپنیوں کے تعاون سے پایہ تکمیل ہوگا۔قطر میں گیس کے ذخائر 378 کھرب مکعب فٹ ہیں۔اس لحاظ سے دنیا میں گیس کے یہ تیسرے بڑے ذخائر ہیں﴿۷۹﴾۔

قطر امریکہ کا حلیف ہے جہاں گلف کا سب سے بڑا امریکی اسلحہ ڈپو اور 5 ہزار (5000) امریکی فوجی موجود ہیں ﴿۸۰﴾قطر پوری طرح امریکہ کے شکنجے میں ہے۔امریکہ کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکتا۔

یمن:

فروری 1998ء میں یمن اور امریکہ نے مشترکہ فوجی مشقیں کیں۔امریکہ کی دوستی کی وجہ سے یمن اور اریٹریا کے درمیان

جزیزہ حنیش الکبیر کی ملکیت پر امریکہ اور مغربی ملکوں نے یمن کا ساتھ دیا۔ امریکی دوستی کی وجہ سے یمنی حکومت نے اسلام پرستوں کے خلاف (اپنے ہی ملک یمن میں) ایک بڑی مہم شروع کی۔ یمن میں امریکی دوستی کی وجہ سے عوام میں یمن حکومت کے خلاف سخت نفرت ہے جس کی وجہ سے غیر ملکیوں کو اغوا اور قتل کرنے کی مہم شروع کی گئی۔ 12 اکتوبر 2000 کو اس ردعمل میں امریکی بحری جنگی جہاز کول (Cole) میں کشتی ٹکرانے سے دھماکہ ہوا جس میں 17 امریکی ملاح ہلاک ہو گئے۔

11 ستمبر 2001 کے بعد یمنی حکومت نے اسلام پرستوں کے خلاف کریک ڈاؤن کیا اور صدر صالح نے اعلان کیا کہ اُن کی حکومت امریکہ کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں یمن میں موجود القاعدہ ارکان سے نپٹے گی۔ دسمبر 2001ء میں اسلامی گروپوں کی جھڑپوں میں 22 افراد ہلاک ہوئے ﴿۸۱﴾۔ یمن بھی دوسری عرب ریاستوں کی طرح امریکہ کا تابع فرمان ہے۔

وسطی ایشیائی ریاستیں:

1991ء میں سوویٹ یونین (روس) کے ٹوٹنے کے بعد روس اقتصادی بحران کا شکار ہو گیا اور اسے معاشی سہارے کیلئے مغرب اور امریکہ کی ضرورت تھی۔ امریکہ کو وسطی ایشیائی ریاستوں میں کھل کھلا کر کھیلنے کا موقع مل گیا جس کی وجہ سے امریکہ نے جی بھر کر فائدہ اٹھایا اور مسلم ریاستوں میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حتیٰ کہ اسرائیل وہاں بڑا متحرک ہو گیا امریکہ نے تاجکستان، ازبکستان اور کرغیزستان کے ساتھ معاہدے کئے۔ مئی 2000ء میں امریکہ نے ازبک امریکہ عسکری کمیٹی تشکیل دی جس کی رو سے واشنگٹن نے تاشقند کو عسکری تکنیکی امداد مہیا کرنا شروع کی۔ تاشقند کے قریب 500 کلومیٹر کے فاصلے پر خان آباد کا عسکری اڈہ امریکہ کے حوالہ کیا گیا جو امریکہ کا پہلا عسکری اڈہ بن گیا ﴿۸۲﴾۔

افغانستان کے حملوں کے بعد امریکہ نے بات چیت کے ذریعے کرغیزستان میں 5000 امریکی افواج اتار دیں۔ کرغیز حکومت نے "مناس" کا ہوائی اڈہ جو دارالحکومت بیشکیک کے قریب واقع ہے، امریکی فوج کے حوالہ کر دیا۔ اس کیلئے پارلیمنٹ نے منظوری دی ﴿۸۳﴾۔ یہ ملک کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ ہے۔ اسی طرح جارجیا میں بھی حکومت نے قادیان کا ہوائی اڈہ امریکہ کے حوالہ کیا۔ اس طرح امریکہ وسطی ایشیا میں اپنے پنجے گاڑنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ماسکو کے سیاسی ماہرین کے مطابق جارجیا کی حکمت عملی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ علاقے میں امریکی فوج کے طویل المیعاد قیام کا بندوبست کر رہا ہے۔ روس اس سے پریشان ہے۔

مشرق وسطیٰ میں مغرب اور امریکہ کی پالیسی:

1991ء میں " مشرق وسطیٰ امن کانفرنس " سے جس امن معاہدے کا آغاز ہوا اس کا منصوبہ اور منطقی نتیجہ کیا ہوگا ؟ ان مقاصد کی واضح نشاندہی اسرائیل کے قیام سے پہلے ہی امریکی جائنٹ چیف آف سٹاف کی ایک ٹاپ سیکرٹ رپورٹ (نمبر 1684/11 ، مورخہ 31 مارچ 1948) میں کردی گئی تھی۔ یہ مقاصد اسرائیل کے ہی نہیں بلکہ مغرب کے بھی ہیں۔

(۱) ابتداء میں فلسطین کے ایک حصے پر یہودی اقتدار۔

(۲) پھر فلسطین میں یہودیوں کا غیر محدود داخلہ جو اب تک جاری ہے۔

(۳) پھر پورے فلسطین پر یہودی اقتدار کی توسیع۔

(۴) پھر اردن، لبنان، شام سے بھی آگے اسرائیل کی توسیع۔

(۵) پھر پورے مشرق اوسط پر اسرائیل کا فوجی اور معاشی تسلط۔

امریکی جائنٹ چیف آف سٹاف کے الفاظ میں "اس پروگرام کے سارے مرحلے یہودی لیڈروں کے نزدیک یکساں طور پر مقدس ہیں" ﴿۸۴﴾۔ امن کانفرنس کا مطلب یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امن کیلئے امریکہ، اسرائیل اور مغرب جس طرح کا فیصلہ کریں گے عرب اُس کو ماننے کے پابند ہوں گے۔ امن میں وہ لوگ شریک ہوں گے جو اسرائیل کی مرضی کے مطابق ہوں گے۔ فلسطینی محدود اختیارات اور کٹے پھٹے فلسطین کیلئے اسرائیل کے آگے ناک رگڑیں۔ عرب ممالک علیحدہ علیحدہ اسرائیل سے اپنی اپنی شرائط طے کرلیں۔ ان عرب ممالک میں امریکہ کے پرانے یارانِ وفادار بھی ہیں۔ جنگ خلیج میں امریکہ کے احسان کے بوجھ تلے دبے ہوئے حکمران بھی ہیں۔ وہ ملک بھی ہیں جو اپنے اوپر اللہ کے بعد (بلکہ اس سے پہلے بھی)، زمین پر امریکہ کو ہی اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو برملا اس بات کا اعلان کرچکے ہیں کہ اہل فلسطین اسرائیل سے کوئی مقابلہ کریں نہ کریں ہم ضرور ہی کریں گے (جسطرح مصر) امریکہ اور اسرائیل کا منصوبہ یہ ہے کہ اسطرح فلسطینی بالکل تنہا رہ جائیں گے۔ اس پس منظر میں سارے فلسطین پر اسرائیل کا قبضہ رہے گا۔ ہر عرب ملک اسرائیل سے کوئی نہ کوئی معاہدہ طے کرنے کا بہانہ تلاش کرے گا۔ اس طرح جب عرب ممالک اسرائیل کے امن معاہدوں میں بندھ جائیں گے تو ان کو غیر مسلح کیا جاسکے گا رفتہ رفتہ اُن کی معیشت کے دروازے بھی اسرائیل اور مغرب کیلئے کھول دیئے جائیں گے۔

یہ منصوبہ امن مشرقِ وسطیٰ تک ہی محدود نہیں۔ ہر مسلمان ملک جو کسی طرح بھی طاقتور ہو، سر اُٹھانے کی جرأت نہ کرے، امریکہ اور مغرب کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرے، آج یا کل اُس کی باری آنے والی ہے۔ ایران اور شام آجکل انتظار کر رہے ہیں۔ پاکستان کی باری شاید ذرا ٹھہر کر ہے۔ لیکن عراق اور افغانستان اسی سرکشی کی وجہ سے تاخت و تاراج ہو چکے ہیں۔ اسی تناظر میں باقی اسلامی دنیا کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

افریقہ:

الجزائر:

فرانسیسی استعمار کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ غلامی کے بعد 1962ء میں آزاد ہونے والا افریقہ کا یہ دوسرا بڑا ملک آج بھی مغرب کے شکنجے میں ہے 10 لاکھ جانوں کی قربانی سے آزاد ہونے والے ملک میں پہلا آزادانہ الیکشن 1991ء میں ہوا جس میں عباس مدنی کی پارٹی اسلامک سالویشن فرنٹ (FIS) کامیاب ہوئی لیکن دوسرے مرحلے کا الیکشن ہی ملتوی کر دیا گیا اسلامی محاذ نجات (FIS) کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کیا گیا۔ ملک میں مغرب کی پروردہ فوج کے خلاف جیتی ہوئی پارٹی نے ہنگامہ آرائی شروع کی۔ ملک شدید بحران کا شکار ہو گیا۔ اب تک تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد ہلاک ہو چکے ہیں ﴿۸۵﴾۔ اربوں ڈالر کی املاک کو نقصان پہنچا۔ تقریباً 50 ارب ڈالر کا اب تک نقصان ہو چکا ہے۔ مغرب اور امریکہ کی پالیسیاں اتنی مضبوط ہیں کہ جمہوری طریقے سے جیتی ہوئی پارٹی کو اقتدار نہیں دیا گیا ملک تباہی کے دہانے پر ہے۔

بیروت کا ایک صحافی احمد یاسین کہتا ہے: "امریکہ شمالی افریقہ میں ایک جانب مصر اور دوسری جانب مراکش جیسے اہم ملکوں میں حکومتی سطح پر کبھی بھی اسلامی تحریکوں کو کھل کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ اگر ان ممالک میں اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے تو لیبیا، الجزائر اور ٹیونس میں اسلامی عناصر کھل کر سیاسی زور پکڑ جائیں گے جس کا دوسرا مطلب علاقے میں امریکی اور یورپی حکمت عملی کا خاتمہ ہوگا۔"

مراکش اور ٹیونس نے اسرائیل سے اپنے تعلقات قائم کر لئے ہیں۔ فروری 1998ء میں ٹیونس میں یہودیوں اور

مسلمانوں کی پہلی مشترکہ میٹنگ ہوئی جو اپنی نوعیت کی پہلی میٹنگ تھی۔ ﴿۸۶﴾

نائجیریا:

نائجریا میں مغربی ممالک کے اثر اور دباؤ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اکتوبر 1999ء سے 2001ء تک نائجیریا میں 12 ریاستوں (یا صوبوں) نے اپنی اپنی ریاست میں اسلامی قانون نافذ کردیا۔ زمفارا (Zamfara) پہلی ریاست تھی جس میں اسلامی قانون نافذ ہوا۔ لیکن 18 مارچ 2002ء کو نائجیریا کی حکومت نے امداد دینے والے ملکوں (اور مغرب) کے دباؤ پر اسلامی شریعت نافذ کرنے والی 12 ریاستوں کی حکومتوں کو معطل کیا کہ شرعی قوانین کا نفاذ غیر آئینی ہے۔ مسلم ریاستوں نے وفاقی حکومت کو مسترد کردیا۔ 21 مارچ کو وفاقی حکومت نے شرعی قوانین کو علی الاعلان غیر آئینی قرار دے دیا ﴿۸۷﴾۔

......☆......☆......☆......

فصل چہارم

عالم اسلام کی معاشی بدحالی میں یو این او، آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کا کردار

اقوام متحدہ (UNO):

پہلی جنگ عظیم کے بعد لیگ آف نیشنز (League of Nations) کا قیام عمل میں آیا۔ امریکہ کے صدر ولسن کے 14 نکات کی روشنی میں دوسری جنگ عظیم کے قضیوں (Disputes) کو حل کرنے کی کوشش کی گئی اور معاہدہ ورسیلز (Treaty of Versailles) عمل میں آیا۔ آئندہ تباہی اور جنگوں سے بچنے کیلئے ایک بین الاقوامی مجلس اقوام عمل میں آئی۔

The basic principal of League of Nations was that: "All the nations of the world should promise to settle disputes peacefully and protect each other against agression" ﴿۸۸﴾

یہ معاہدہ (TreatyofVersailles) 28 جون 1919ء میں ہوا جس کے ذریعے سے لیگ آف نیشنز وجود میں آئی۔
دوسری جنگ عظیم کے بعد مجلس اقوام مرحومہ کا جنازہ پڑھا گیا اور ساتھ ہی اقوام متحدہ کی تنظیم (United Nations Organization) کا قیام عمل میں آ گیا۔ اس کا باقاعدہ قیام 24 اکتوبر 1945ء کو عمل میں آیا﴿ ۸۹﴾۔ UNO کا بھی وہی مقصد تھا جو مجلس اقوام کا تھا یعنی

"To save succeeding generations form the scourge of war"﴿۹۰﴾۔

اقوام متحدہ امریکہ اور مغرب کی لونڈی ہے اور اس کی ساری سرگرمیاں امریکہ کی گرد گھومتی ہیں۔ اقوام متحدہ کے چہرے پر سب سے بڑا دھبہ بڑی طاقتوں کے ہاتھ میں ویٹو پاور (Veto Power) کا ہے۔ اس کے آرٹیکل نمبر 2 کی زیر دفعہ (2) (3) اور (4) کے مطابق UNO کی بنیاد، اُس کا یہ اصول ہے:

"Sovereign eguality of all its members".

آرٹیکل 2 کی زیر دفعہ (7) UNO کو بھی روکتی ہے کہ وہ ایسے معاملات سے پرہیز کرے جو کہ ریاست کے اختیارات کے دائرے میں آتے ہیں۔ جبکہ آرٹیکل 51 ہر ریاست کو Self Defence کا حق دیتا ہے۔ آرٹیکل 44 اور 56 کے مطابق

ہر ممبر ملک ضمانت دیتا ہے کہ وہ Universal Respect کو فروغ دے گا اور بغیر کسی تخصیص کے یعنی رنگ، زبان و نسل، مذہب اور سیکس، وہ انسانی حقوق کی پابندی کرے گا۔ لیکن UNO اس قسم کے جھگڑوں اور جنگوں کو روکنے میں ناکام رہی۔ اس کی 60 سال سے زائد زندگی میں تقریباً 25 ملین لوگ جھگڑوں اور جنگوں میں ہلاک ہو گئے ہیں۔

کشمیر میں ایک لاکھ آدمی اپنی خود مختاری اور آزادی کی راہ میں ہلاک ہو گئے۔ الجزائر میں 1992ء سے ابتک ڈیڑھ لاکھ لوگ ہلاک ہوئے جو صرف اپنے جمہوری حقوق مانگ رہے ہیں۔ فلسطین میں اب تک لاکھوں لوگ شہید ہو چکے ہیں اور تقریباً 5 لاکھ مہاجر ہو چکے ہیں۔ افغانستان میں 20 لاکھ مسلمان مارے گئے 9 ستمبر کے بعد بھی ایک لاکھ سے زائد لوگ ہلاک ہو چکے اور ملک مزید تباہ ہوا ہے۔ عراق میں مغربی تشدد، دہشت گردی اور ظلم و ستم کی وجہ سے اب تک تقریباً 18 لاکھ لوگ ہلاک ہو چکے ہیں جن میں ڈیڑھ لاکھ صرف جنگ میں ہلاک ہوئے اور باقی معاشی پابندیوں کی وجہ سے جو 1990 سے لاگو تھیں۔

انڈیا کشمیر کے پر رائے شماری (Plebiscite) کی قراردادوں پر عملدرآمد سے انکاری ہے اور اس طرح وہ آرٹیکل 134 اور 99 کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اسرائیل نے بیسیوں قراردادوں کو نظر انداز کیا۔ مگر اُس کیخلاف کوئی ایکشن نہیں، لیکن عراق کے خلاف ایک قرارداد کی وجہ سے ایسی جنگ مسلط کی کہ اسے کھنڈرات بنا دیا۔ UNO کے چارٹر کے آرٹیکل 7 کی رو سے UNO کو اختیار ہے کہ وہ کسی ممبر کے دفاع کیلئے دوسری جارح ریاست کے خلاف طاقت استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن بوسنیا، کوسووا اور فلسطین میں اقوام متحدہ نے بے شرمی کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ سربیا نے UNO کے 400 اہلکاروں کو یرغمال بنا لیا پھر بھی سربیا کو سزا نہ دی گئی یو۔ این سیکرٹری جنرل نے اس کے الٹ کہا کہ یو این فورسز 25000 سے کم کر کے 1200 کر دینی چاہیے۔ ﴿۹۱﴾

اقوام متحدہ کے دوہرے معیار نے اسے مغرب کے ہاتھوں میں ایک سیاسی آلہ بنا دیا ہے۔ یہ عالمی ادارہ پہلے بوسنیا اور کوسوا کی نسل کشی (Genocide) پر خاموش تھا۔ اس سے پہلے مغربی افریقہ کی نسلی تطہیر (Ethinic Cleansing) پر بھی کئی دہائیاں آنکھیں بند کر رکھیں۔ اس وقت غزہ، کشمیر، الجزائر، افغانستان، عراق اور فلپائن میں انسانیت سوز حالات اور ظلم و بربریت پر یو این او بالکل خاموش ہے۔ اسی لئے تو R.H. Tawney نے کہا تھا:

> The united Nations and the world bank which were expected to be free from an ethnocentric bias, did not fulfil the expectations. ﴿۹۲﴾

پوری دنیا خاص طور پر پسماندہ اور ترقی پذیر دنیا، میں سوچ تیزی سے جڑ پکڑ رہی ہے کہ یو این او میں کوئی بنیادی نوعیت (Structural and Functional) کی تبدیلی ناگزیر ہو چکی ہے۔ اس کو بالکل ختم بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ دنیا کی واحد بین الاقوامی تنظیم ہے۔ اس کی سیکورٹی کونسل کو بالکل ختم (Abolish) کر دینا چاہیے اور تمام فیصلے کثرت رائے سے ہونے چاہیں۔ جکارتہ میں غیر جانبدار ممالک (NAM) کی طرف سے بھی 1992 کی کانفرنس میں یہی مطالبہ کیا گیا کہ ویٹو پاور کا خاتمہ ہونا چاہیے کیونکہ اس میں کمزور قوموں کا استحصال ہوتا ہے۔

فلسطین میں جب انگریزوں کا قبضہ ہوا اور اعلان بالفور کے ذریعے ایک صہیونی ریاست کی منظوری دی تو صہیونی ریاست کے منصوبے پر عمل مجلس اقوام (League of Nations) کے ذریعے ہوا۔ مجلس اقوام کی پشت پر بڑی طاقتوں، فرانس اور برطانیہ وغیرہ نے صہیونی ریاست کے قیام کیلئے اسطرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا گویا کہ وہ یہودیوں کی ایجنٹ ہیں۔ 1922ء میں مجلس اقوام نے فیصلہ کیا کہ فلسطین کو انگریزوں کے انتداب (Mandate) میں دے دیا جائے۔ اس وقت کی مردم شماری کے مطابق مسلمان عربوں کی آبادی 660641، عرب عیسائیوں کی 71464 اور یہودیوں کی 82790 تھی۔ یہودیوں کی یہ آبادی 1917ء میں 56 ہزار تھی جو پانچ سال کے اندر بڑھ کر 1922ء میں 83 ہزار ہوگئی ﴿۹۳﴾۔ برطانیہ نے انتظام وانصرام کیلئے "مسٹر ہربرٹ سموریئل" کو فلسطین کا سربراہ مقرر کیا جو ایک کٹر یہودی تھا۔ سموریئل نے عربی کے ساتھ عبرانی کو بھی فلسطین کی سرکاری زبان بنا دیا ﴿۹۴﴾۔ سر ہربرٹ سموریئل کا دستِ راست بینٹوک بھی یہودی تھا۔ اب سرکار یہودی، اختیارات یہودیوں کے پاس، فلسطین کی ہر اہم پوسٹ (key post) یہودیوں کے پاس تھی۔ لہذا ساری دنیا کے یہود کا رخ فلسطین کی طرف ہوگیا۔ یورپ کے ہزاروں یہودی فلسطین میں آباد ہونے کیلئے عرب غریبوں کی زمینیں کوڑیوں کے بھاؤ خریدنے کیلئے سرگرم ہوگئے۔ چنانچہ 1922ء میں جہاں سارے فلسطین میں یہودیوں کی آبادی 80 ہزار کے لگ بھگ تھی۔ 1935ء میں یہودی آبادی 8% سے ایک تہائی ہوگئے ﴿۹۵﴾۔ مجلس اقوام نے برطانیہ کو انتداب کا پروانہ دے کر پوری بے شرمی کے ساتھ ہدایت بھی کی کہ یہ اب اُس کی ذمہ داری ہے کہ فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنانے کیلئے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کرے۔ صہیونی تنظیم کو سرکاری طور پر باقاعدہ تسلیم کر کے اسے نظم ونسق میں شریک کرے اور اُس کے مشورے اور تعاون سے یہودی قومی وطن کی تجویز کو عملی جامہ پہنائے فلسطینیوں کے حوالے سے صرف اتنی بات کی کہ اُن کے مذہبی اور شہری (Civil) حقوق کا خیال رکھا جائے۔ سیاسی حقوق کا اُس میں سرے سے

کوئی ذکر نہ تھا ﴿۹۶﴾۔ یہ تھا اقوام متحدہ کا انصاف جسے دنیا میں انصاف اور امن قائم کرنے کیلئے وجود میں لایا گیا تھا۔ اس سے یہودیوں کی بڑی طاقتوں اور مجلس اقوام میں اثرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ فلسطین میں یہودیوں کو ہر قسم کی سہولتیں دی گئیں جبکہ عربوں پر بھاری ٹیکس لگائے اور بہانوں سے زمینیں ضبط کی گئیں۔ 1937ء میں پیل کمیشن کے ذریعے فلسطین کو تقسیم کرنے اور دو تہائی یہودیوں کو اور ایک تہائی فلسطینیوں کو دینے کی سفارش کی گئی۔ یہودی اب 6 لاکھ ہو گئے تھے۔

1947ء میں برطانوی حکومت نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا کیونکہ مجلس اقوام نے جو ذمہ داری برطانیہ پر عائد کی تھی وہ اس نے پوری کر دی اب آگے کا کام آنجہانی مجلس کی نئی جانشین اقوام متحدہ (UNO) انجام دے۔ یہ دوسری تنظیم (UNO) بھی پہلی مجلس کی طرح دنیا میں امن و انصاف کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اس کا انصاف ملاحظہ فرمائیں۔ 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کو یہودیوں اور عربوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کے حق میں 33 اور مخالفت میں 13 ووٹ آئے۔ تین ووٹ زبردستی حاصل کئے گئے ورنہ تقسیم نہیں ہونی تھی۔ اس تقسیم کی رو سے 33 فیصد یہودیوں کو 55 فیصد اور 67 فیصد عربوں کو 45 فیصد رقبہ دیا گیا۔ حالانکہ اس وقت تک فلسطین کی زمین کا صرف 6 فیصد رقبہ یہودیوں کے قبضے میں تھا ﴿۹۷﴾۔ "یہ تھا اقوام متحدہ کا انصاف" یہودی اس پر بھی راضی نہ تھے۔ انہوں نے مار دھاڑ کر عربوں کو نکالنا اور زیادہ سے زیادہ حصے پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں جو مظالم عربوں پر کئے گئے، آرنلڈ ٹائن بی اُن کے متعلق اپنی کتاب A study of History میں کہتا ہے کہ وہ کسی طرح اُن مظالم سے کم نہ تھے جو نازیوں نے خود یہودیوں پر کئے تھے۔ دیریاسین میں 9 اپریل 1948ء میں قتل عام ہوا جس میں عربوں کی عورتوں، بچوں اور مزدوروں کو بے دریغ قتل کیا گیا اور عورتوں کو برہنہ کر کے جلوس کی شکل میں سڑکوں پر لایا گیا۔ ﴿۹۸﴾ 14 مئی کو جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کے مسئلے پر بحث ہو رہی تھی، یہودی ایجنسی نے رات کے دس بجے اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اور سب سے آگے بڑھ کر امریکہ اور روس نے اسے تسلیم کر لیا۔ یہودی ریاست کے قیام کے اعلان کے وقت تک 6 لاکھ عربوں کو زبردستی بے گھر کیا جا چکا تھا۔

کشمیر کے مسئلے پر بھی انڈیا نے برسرِ عام اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ماننے سے انکار کر دیا ہے جن میں رائے شماری (Plebiscite) کی بات کی گئی ہے اور انڈیا کے خلاف یواین او اور مغربی طاقتوں نے کوئی ایکشن نہیں لیا۔

سوڈان میں ڈارفر کا مسئلہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ امریکہ کے حکم پر UNO نے فوراً 2004 میں قرارداد منظور کر

دی کہ 30دن کے اندر اندر " جنج وید " ملیشیا کو ختم نہ کیا گیا تو سوڈان پر پابندیاں (Economic Embargo) عائد کر دی جائیں گی ﴿۹۹﴾۔

اس وقت فلسطین کی حماس حکومت پر اسرائیل ظلم کی انتہا کر رہا ہے۔ لبنان پر حملوں کی بارش کر رہا ہے۔ ہزاروں لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ اربوں ڈالر کی املاک کو نقصان پہنچا ﴿۱۰۰﴾۔ وحشت، بربریت اور درندگی کی انتہا ہے لیکن اقوام متحدہ اسرائیل کے خلاف کسی قسم کی کاروائی نہیں کر رہا ہے۔

لہٰذا اب تک اقوام متحدہ دنیا میں امن اور انصاف قائم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اس کی Restructuring کی ضرورت ہے سیکورٹی کونسل کے اختیارات ختم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی طاقتوں کی Veto Power کی طاقت کا خاتمہ بھی ہونا چاہیے۔ جنرل اسمبلی کی سادہ اکثریت سے معاملات حل کرنے چاہییں۔

مالیاتی ادارے (WTO ,World Bank, IMF) :

اس وقت تمام بڑے مالیاتی ادارے غیر مسلموں کے کنٹرول میں ہیں۔ جن کی سرپرستی صیہونیوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اکثر مسلمانوں ہی کا پیسہ جمع کرتے ہیں اور مسلمانوں ہی کو اس میں سے توہین آمیز اور ناقابل قبول شرائط پر قرض دیتے ہیں اور پھر مسلمانوں کو خاص طور پر اور ایشیا اور افریقہ کے دوسرے غیر مسلم غریب ممالک کو عام طور پر سود در سود کے ایسے جال میں پھنساتے ہیں کہ وہ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ امریکہ، مغرب اور صیہونیوں نے مختلف مالیاتی اداروں یعنی WTO , WB , IMF کے ذریعے ایسے جال بچھائے ہوئے ہیں کہ اُن سے بچنا ناممکن ہے۔

اس وقت صورتحال یہ ہے عالم اسلام کے تقریباً سب ممالک ان بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے سودی شکنجے میں اس قدر پھنسے ہوئے ہیں کہ یہ اپنے بجٹ کا وافر حصہ انہیں قرضوں کی واپسی (Debt Servicing) میں لگا دیتے ہیں اور ملک کے ترقیاتی کاموں (Development Programs) کیلئے کچھ نہیں بچتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ملک محنت اور بھاگ دوڑ کے باوجود پسماندہ کا پسماندہ ہی رہتا ہے۔ اس وقت ترکی کے اوپر بیرونی قرضہ کا بوجھ 132 ارب ڈالر ہے۔ پاکستان کا بیرونی قرضہ 38 ارب، الجزائر کا 23 ارب، بنگلہ دیش پر 18، ارب مصر کا 31 ارب ڈالر، انڈونیشیا کا 133 ارب، اردن کا 8 ارب،

لبنان کا 17 ارب ، ملائشیا کا 49 ارب ،مراکش 19 ارب ، ٹیونس 13 ارب اور شام پر بیرونی قرضہ 22 ارب ڈالر ہے ﴿۱۰۱﴾۔اس طرح دنیائے اسلام قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں اور ان ممالک میں ترقیاتی کاموں کی رفتار نہ ہونے کے برابر ہے۔اگر تھوڑے ،بہت ترقیاتی کام نظر آتے ہیں تو وہ عوام پر مزید بوجھ ڈال کر اُن کا خون نچوڑا جاتا ہے اور ترقیاتی کاموں پر لگایا جاتا ہے۔جس طرح پاکستان میں تیل اور گیس وغیرہ کو مہنگا کر کے اربوں ڈالر کمایا جاتا ہے۔عالم اسلام اگر آج سینکڑوں بلین ڈالر کے قرضے میں دبا ہوا ہے تو یہ صرف امریکہ، یورپ صہیونی اوران کے بین الاقوامی جال ہی میں جو ان کے بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی شکل میں "دنیا کی خدمت" کر رہے ہیں۔قرض دینے کے ساتھ ساتھ یہ مالیاتی ادارے ایسی ایسی کڑی شرائط لگاتے ہیں کہ برطانیہ کی سابقہ وزیراعظم مارگریٹ تھیچر بھی جب 1979ء میں وزیراعظم بنیں تو چلا اٹھیں کہ آئی ایم ایف ہماری معیشت پر بھونڈے انداز میں کنٹرول حاصل کرنا چاہتی ہے ﴿۱۰۲﴾۔

آئی ایم ایف (International Monetary Fund):

جولائی 1944ء میں بریسٹن ووڈز، امریکہ میں ایک کانفرنس ہوئی۔ 27 دسمبر 1945ء کو 29 ملکوں نے اس کے چارٹر پر دستخط کئے۔یکم مارچ کو اس نے باقاعدہ کام شروع کیا۔

بنیادی طور پر آئی ایم ایف کا مقصد مالی اور تکنیکی امداد (Financial and Technical Assistance) فراہم کرنا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ کڑی شرائط عائد کرتا ہے کہ وہ قرض لینے والے ملک کی کڑی طور پر معاشی نگرانی (Economic Survaillance) بھی کرے گا۔عام طور پر جو امداد ملتی ہے وہ ٹیکنیکل امداد یا ٹیکنالوجی کی صورت میں نہیں ہوتی بلکہ ایسے کاموں کیلئے ہوتی ہے جس میں ایسے لگالیا اور کھالیا یا ساتھ ہی امداد دینے والے ملک اپنے ٹیکنیشن اور عملہ بھی بھیج دیتے ہیں جو کہ تنخواہوں اور مراعات کی مد میں امداد کا بیشتر حصہ کھا جاتے ہیں۔عام طور پر یہ ترقیاتی کاموں کے لئے ہوتی ہے۔اگر یہ امداد تعلیم یا ٹیکنالوجی کے شعبے میں صرف اور خرچ کی جائے تو پھر بھی خیر ہے۔لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ایک چینی کہاوت ہے کہ اگر کسی شخص کو مچھلی دے دی جائے تو اس کی صرف ایک دن بھوک مٹ سکتی ہے۔لیکن اگر اسے مچھلیاں پکڑنے والی راڈ دے کر یہ تربیت دے دی جائے کہ مچھلیاں کیسے پکڑنی ہیں اور مچھلیاں کا شکار کیسے کیا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ کیلئے خود کفیل ہو سکتا ہے۔مغربی ملکوں اور مالیاتی اداروں کی ایسی امداد کا بہت بڑا حصہ خورد برد ہو جاتا ہے۔اور کبھی کبھار کسی پراجیکٹ کے اختتام پر یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔ایسی ترقیاتی امداد

ایک لمبے عرصے تک وصول کرتے رہنے سے کبھی بھی کوئی ملک خود کفیل نہیں ہوسکتا۔ وہ ہمیشہ امداد کیلئے امیر ملکوں کی طرف دیکھتا رہتا ہے جوامداد کے نام پراس کے داخلی اور خارجی معاملات میں دخل اندازی کرتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی امداد لیتے رہنے والے ممالک فقیروں اور منگتوں کی طرح نسل درنسل منگتے ہی رہتے ہیں۔ کبھی نارمل زندگی گزارنے کے قابل نہیں بن سکتے۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ امیر ممالک یا مالیاتی ادارے غریب اور پسماندہ ممالک کو اقتصادی امداد کے نام پر جو کچھ دیتے ہیں اس سے کہیں زیادہ وہاں سے لے جاتے ہیں۔ یہی کام ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کرتے ہیں اس کے بعد امداد دینے والے ملک کی خواہش بھی ہوتی ہے کہ امداد قبول کرنے والا ملک اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی کرے۔ امداد وصول کرنے والے ملک کو ایسا موقع بھی نہیں دیا جاتا کہ وہ کسی قسم کی تنقید کرے یا کسی قسم کی تجویز پیش کر سکے۔ ایسی صورت میں جب کہ کوئی ملک خوراک بھی کسی امداد کی مد میں حاصل کرتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ بین الاقوامی سطح پر اپنے تشخص کو برقرار رکھ سکے جس میں اُس کی خارجہ اور معاشی پالیسیاں اُس کی عوام کی خواہشوں کے مطابق ہوں۔ اِس وقت بہت سارے افریقی اور ایشیائی ممالک اسی قسم کی امداد ایک لمبے عرصے تک وصول کرتے رہنے کے بعد انتہائی غریب ہو چکے ہیں یہ امداد قرضوں کی واپسی کی صورت میں اُن کے بجٹ پر بہت بڑا بوجھ ہے۔ بے شک یہ امداد اُن کی مالی مشکلات کو دور کرنے کیلئے دی گئی تھی لیکن اُس نے انہیں مزید غریب کر دیا۔

آئی ایم ایف، تیسری دنیا کے علاوہ صنعتی ملکوں کو بھی قرضے دیتا ہے۔ اسی طرز کا معاہدہ اُس نے 1976ء میں برطانیہ سے بھی کیا تھا۔ اسی 1976ء کے صنعتی معاہدے کی شرائط کے حوالے سے مسز تھیچر نے کہا تھا کہ آئی ایم ایف ہماری معیشت پر بھونڈے طریقے سے کنٹرول حاصل کرنا چاہتی ہے۔

آئی ایم ایف پر ہمیشہ امریکہ کا اثر ورسوخ رہا ہے۔ امریکہ کا حصہ اُس میں 17 فیصد شرح ووٹ کا ہے اور یہ سب سے زیادہ ہے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک (World Bank) ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ یہ دونوں جولائی 1944 کی بریٹن ووڈز (Bretton woods) کانفرنس کی پیداوار ہیں۔ دونوں کا صدر ایک ہی ہوتا ہے ﴿۱۰۳﴾۔ ہمیشہ دونوں کا صدر روایتی طور پر امریکی ہوتا ہے ہمیشہ سے ان دونوں پر یہودیوں کا کنٹرول ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے سے عالمی معیشت میں پنجۂ یہود نظر آتا ہے۔ مالیات پر یہودیوں کا کنٹرول پرانا ہے اسی لئے تو اقبال نے کہا: فرنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے۔

آئی ایم ایف کے بارے میں مہاتیر محمد، سابق وزیراعظم ملائشیا کا کہنا ہے: مسئلے کی اصل جڑ آئی ایم ایف نہیں بلکہ اس کے پیچھے

وہ غلط طریقہ کار ہے جس سے بیمار معیشتوں کی بحالی کا کام لیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ اگر آئی ایم ایف کے تجویز کردہ حل پر عمل درآمد شروع کیا جائے تو اس سے ایسے نامساعد حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن کی درستگی کیلئے کئی دہائیاں درکار ہوتی ہیں اور یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ اُس کے تجویز کردہ حل پر عمل درآمد روک دیا جائے۔ ﴿۱۰۴﴾

(کرنسی بحران کے حوالے سے) اب آئی ایم ایف نے تسلیم کیا ہے کہ مشرقی ایشیائی اقتصادی بحران کے حل کرنے کے سلسلے میں اس سے تھوڑی سی غلطی ہوئی ہے۔ آئی ایم ایف کے نزدیک یہ ایک چھوٹی سی غلطی ہوسکتی ہے لیکن ہمیں اس کی بڑی قیمت چکانا پڑ رہی ہے ﴿۱۰۵﴾۔

آئی ایم ایف کی اسی غلطی کی وجہ سے مشرقی ایشیا میں 1997ء کا کرنسی بحران شدت اختیار کر گیا۔ ابتداً اگرچہ امریکی یہودی سرمایہ کار، سوروس (Soros) جیسے سٹہ بازوں کی سٹہ بازی کی وجہ سے ہوئی لیکن کرنسی بحران (1997ء) میں شدت، آئی ایم ایف کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے آئی۔ جس کی وجہ سے بقول مہاتیر محمد کئی ٹریلین ڈالر کے اثاثے، جس میں کروڑوں لوگوں کا خون پسینہ شامل تھا، تباہ ہو گئے۔ کئی جگہوں پر جانی نقصان ہوا اور اس کے ساتھ ہی کئی حکومتوں کے تختے الٹ گئے ﴿۱۰۶﴾۔

اصل میں آئی ایم ایف کا قیام دوسری جنگ عظیم کے بعد بین الاقوامی اقتصادیات میں توازن قائم رکھنے کیلئے عمل میں آیا تھا۔ جنگ کے بعد اقتصادی تعمیر کیلئے آئی ایم ایف نے فکس کرنسی ایکسچینج ریٹس کا نظام ترتیب دیا۔ جس نے بڑی کامیابی کے ساتھ جنگ کے بعد دیوالیہ ہو جانے والے ممالک کو نہ صرف سنبھلنے بلکہ خوشحال ہونے کا موقع فراہم کیا۔ بعد میں آہستہ آہستہ امریکہ اور بڑے مغربی ممالک کی اُن سازشوں کا شکار ہو گئی جن کا مقصد غریب ممالک کا خون چوسنا اور عالم اسلام اور پسماندہ ممالک کو ہمیشہ کیلئے اپنے زیر اثر رکھنا تھا۔ اس وقت امریکہ، مغرب اور اُن کے اوپر یہودی دماغ آئی ایم ایف اور اس جیسے دوسرے مالیاتی اداروں کی وجہ سے ہی دوسرے اور تیسرے درجے کی دنیا کا اقتصادی خون چوس رہے ہیں۔

ورلڈ بنک World Bank:

ورلڈ بنک کا آغاز 1946ء میں ہوا اور اس کا اہم مقصد غریب ممالک کو مالی اور تکنیکی قرضے فراہم کرنا تھا۔ مختلف ملکوں کیلئے ورلڈ بنک نے کئی کنسورشیم بنائے ہیں جن کی سفارش کے بغیر قرضہ ملنا مشکل ہے۔ ورلڈ بنک اقوام متحدہ کی ایجنسی برائے ترقیاتی پروگرام کی انتظامی ایجنسی (Executive Agency) کے طور پر کام کرتا ہے۔ اس لئے اقوام متحدہ کوئی بھی ترقیاتی پروگرام

شروع کرنے سے پہلے ورلڈ بنک سے اس بارے میں مکمل سروے رپورٹ طلب کرتی ہے۔نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ورلڈ بنک سے مالی تعلقات رکھنے کا معاہدہ کیا۔ورلڈ بنک کے حصص متعلقہ ملکوں کی حیثیت کی مناسبت سے ہیں۔سب سے بڑا حصہ امریکہ کا ہے جسے 16.40% ووٹوں کا اختیار حاصل ہے۔جاپان کا 7.27%، جرمنی کا 4.49% اور برطانیہ اور فرانس کے حصے برابر 4.31% ہیں۔باقی حصے دنیا کے دوسرے ملکوں کے پاس ہیں۔

بنک کا پریذیڈنٹ روایتی طور پر ایک امریکی ہوتا ہے کیونکہ امریکہ سب سے بڑا حصہ دار ہے۔ورلڈ بنک نے 1952ء کو پاکستان ریلوے پراجیکٹ کیلئے 27.2 ملین ڈالر قرضہ دیا۔1960ء میں سندھ طاس معاہدہ بھی ورلڈ بنک کے ذریعے ہوا۔

ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے قرضے راہ راست پر (On Track) رہنے سے مشروط ہوتے ہیں۔پاکستان سمیت کوئی بھی قرضدار ملک اس وقت تک اپنا بجٹ نہیں بنا سکتا جب تک بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی تجاویز اُس میں شامل نہ ہوں اگر ان مالیاتی اداروں کی تجاویز پر عمل نہ کیا جائے تو یہ امداد بند کر دیتے ہیں۔اسی لئے پاکستان نے آئی ایم ایف سے قرضہ نہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔جبکہ ورلڈ بنک سے اُس کی وابستگی برقرار ہے۔

اگرچہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک نے جنگ عظیم دوم کے بعد آزاد تجارتی ممالک کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ بین الاقوامی اقتصادی بحرانوں پر قابو پانے میں یہ دونوں بین الاقوامی مالیاتی ادارے بری طرح ناکام رہے۔ مئی 1998ء میں آئی ایم ایف کے مطالبات ہی تو انڈونیشیا میں سوہارتو حکومت کے خاتمے کا باعث بنے حتی کہ ہنری کسنجر نے بھی کہہ دیا کہ آئی ایم ایف کی پالیسیوں پر عمل کی وجہ سے انڈونیشیا میں مالی بحران پیدا ہوا جس کے نتیجے میں چینی اقلیت کے خلاف نسلی فسادات کا آغاز ہوا اور نتیجتاً ملک اقتصادی بحران کی لپیٹ میں آ گیا۔ملک سے 60 بلین ڈالر انخلا ہوا۔زر کے اس بحران سے معیشت تباہ ہوگئی اور اپریل 1998ء تک سوہارتو حکومت ان دھاکوں کی نذر ہوگئی۔﴿۱۰۷﴾

خوش قسمتی سے ملائشیا نے آئی ایم ایف کی (تجاویز اور پالیسیوں کی) اس کڑوی گولی (Tablet) کو قبول نہ کیا کیونکہ بقول مہاتیر محمد کے، ہمارے خیال میں دوا بیماری سے زیادہ مہلک تھی۔اور ہم نے بڑی ہٹ دھرمی سے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اور اگر ہم نے اس کی بات مان لی ہوتی تو آج مزید مسائل سے دوچار ہوتے ﴿۱۰۸﴾۔اب تو آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک مالی معاملات سے آگے سیاسی مشورے تک دینے لگ گئے ہیں۔2002ء کی آئی ایم ایف کی رپورٹ کے مطابق حصہ داروں کے مفاد کی خاطر

قابل لحاظ سیاسی امور یکسر نظر انداز نہیں کیے جاسکتے"۔ رپورٹ میں 99-1998 کے واقعات (پاکستان کے جوہری تجربات اور فوجی انقلاب) کو افسوسناک واقعات قرار دیا گیا۔ جن کے نتیجے میں پاکستان کو ملنے والے قرضے بند کر دیئے گئے لیکن "مارچ 2000ء میں امریکی صدر کلنٹن پاکستان میں آئے تو پابندیاں ختم ہوئیں اور اسی سال نومبر میں آئی ایم ایف نے پاکستان کو 600 ملین ڈالر کی امداد دی" ﴿۱۰۹﴾۔ ورلڈ بنک کے ایک سابق ایڈوائزر ولیم ایسٹرلی (William Easterly) نے اپنی کتاب ترقی کا فریب "The Elusive Quest for Growth" میں امداد دینے والے ملکوں کی 40 سالہ تاریخ کا جائزہ لیا۔ اُس کا کہنا ہے کہ امیر ملکوں کی غلط اور استحصالی پالیسیوں کی وجہ سے غریب ممالک ابھی تک غربت سے نہیں نکل سکے۔ انہوں نے غریب ملکوں کی طرف سرمائے کے بہاؤ کو ایک فریب قرار دیا۔ غربت کی سطح وہی ہے جو پہلے تھی۔ ولیم ایسٹرلی نے ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کو اس ناکامی کا ذمہ دار قرار دیا۔

ورلڈ بنک، آئی ایم ایف اور قرضے فراہم کرنے والے دوسرے اداروں نے 1980ء میں چند شرائط سے وابستہ ترکیبی مطابقت کا پروگرام (Structural Adjustment Program, SAP) شروع کیا لیکن 20 سال کے دوران یہ ثابت ہوا کہ یہ پروگرام بھی سرمایہ دار ملکوں کا پھیلایا ہوا ایک جال ہے۔

اس پروگرام کے تحت غریب ملکوں کو مجبور کیا جاتا کہ اپنے ترقیاتی پروگرام کو چھوڑ کر پہلے ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے قرضے ادا کریں۔ اسی لئے تو گارڈین نیوز سروس کے ایک مضمون میں کہا گیا: "عالمی بنک اور آئی ایم ایف نے پوری یو این (UNO) کی تنظیموں کو اپنی کالونی بنا رکھا ہے" ﴿۱۱۰﴾۔

عالمی تجارتی تنظیم (World Trade Organization WTO):

ڈبلیو ٹی او کی تنظیم (WTO) باقاعدہ طور پر یکم جنوری 1995ء میں وجود میں آئی۔ اصل میں یہ مالیاتی تنظیم GATT ہی کی نئی شکل اور نیا نام ہے۔ GATT کافی دیر سے نئی عالمی تجارتی تنظیم (WTO) کے قیام کیلئے کوشش کر رہا تھا۔ اس کے 1986ء سے 1994ء تک تسلسل سے یورگوائے (URUGUAY) میں مذاکرات ہوتے رہے جو لاطینی امریکہ (Latin America) کا ایک ملک ہے آخر کار یکم جنوری 1995ء کو WTO باقاعدہ وجود میں آگئی اور اس کے بعد جی اے ٹی ٹی (GATT) پس منظر میں چلی گئی۔ البتہ WTO کے معاہدے میں GATT کو ایک ضمیمے کی صورت میں باقی رکھا گیا

﴿۱۱۱﴾۔ اپریل 2003ء تک 146 ممالک اس کے رکن بن چکے تھے۔ تنظیم کا بڑا مقصد گلوبلائزیشن (Globalization) یا (Economic Globalization) ہے۔ ﴿۱۱۲﴾ WTO ایک ایسی تنظیم ہے جو آزاد سرمایہ کارانہ پالیسی کی حامی ہے جس کے ذریعے صنعتی ملکوں کے سرمایہ کار غریب ملکوں میں سرمایہ کاری کر کے اپنی کمائی ہوئی دولت واپس لے جاسکیں گے۔ یہ تنظیم امیر ترین کثیر قومی کارپوریشنوں کی نمائندگی کرتی ہے جو 4/5 عالمی دولت کی مالک ہیں﴿۱۱۳﴾۔ WTO اصل میں آزاد منڈی (Free Marketing) کی معیشت کے فلسفے کا دوسرا نام ہے۔" اگر یوں کہا جائے کہ آزاد منڈی کی معیشت کا فلسفہ ہی وہ بنیاد ہے جس پر کہ ڈبلیو ٹی او (TWO) کا عقوبت خانہ استوار ہے تو بے جا نہ ہوگا" ﴿۱۱۴﴾۔ یہ کھلی منڈی صنعتی ترقی یافتہ ملکوں کیلئے استحصال کی کھلی ڈُل ہے اور یہ آزاد منڈی امیر ملکوں کے غریب ملکوں کے استحصال کی آزادی ہے﴿۱۱۵﴾۔

سید عظیم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "یہ وہ باسی کھانا ہے (یعنی آزاد منڈی اور جی اے ٹی ٹی کے بعد) جس کے سامراجی ڈبلیو ٹی اور یسٹورنٹ میں عالمی بیرے، امریکی سامراج نے، بڑے اہتمام سے، نئے تڑکے لگا کر پیش کیا ہے۔ مگر غریب اور کمزور ملک ایک دونوالے تو درکنار، دیکھتے ہی قے کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں" ﴿۱۱۶﴾۔ اصل میں اس WTO کے معاہدے کے مطابق بھیڑیئے کو بھیڑ اور بکریاں کو چیرنے پھاڑنے کیلئے کھلا چھوڑ دیا ہے۔ آزاد منڈی اور آزاد کاروبار میں، جس میں کوئی روک ٹوک نہ ہو، امیر ملکوں کو غریب ممالک کا استحصال کرنے کیلئے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ WTO کے یکم جنوری 1995ء کو بنتے ہی تمام ترقی یافتہ ممالک نے اس (WTO) کے معاہدوں میں شمولیت اختیار کر لی جبکہ صرف چند ترقی پذیر ممالک نے ایسا کیا۔

1999ء میں عالمی تجارتی تنظیم کا پہلا اجلاس امریکہ کے شہر سیٹل (Seattle) میں ہوا جو نو(9) دن (26 نومبر تا 6 دسمبر) جاری رہا۔ اس موقع پر مسلسل مظاہرے ہوتے رہے۔ 30 نومبر کو نشن سنٹر مظاہرین کے گھیرے میں آ گیا۔ 2 دسمبر کو پولیس نے مظاہرین کو منتشر کرنے کیلئے آنسو گیس اور ربڑ کی گولیاں استعمال کیں۔ لیکن کوئی حربہ کارگر نہ ہوا اور سیٹل (Seattle) اجلاس ناکام ہو گیا﴿۱۱۷﴾ یہ مظاہرے WTO کی غلط اور استحصالی پالیسیوں کی وجہ سے ہو رہے تھے جن کی وجہ سے غریب ممالک کو بہت بڑے نقصانات کا خدشہ تھا اور امیر ممالک کو بلا روک ٹوک غریب ممالک کو لوٹنے کے انتظامات ہو رہے تھے۔

اسی طرح WTO کے دوسرے عالمی اجلاس اسی انجام سے دوچار ہوئے۔ نومبر 2001ء میں دوحہ، قطر میں ایک اجلاس منعقد ہوا۔ یہ ایک پُر امن اجلاس تھا کیونکہ قطر کی حکومت نے مظاہرین کو یہاں آنے سے روک دیا تھا۔ تنظیم کے وزرائے خارجہ کی

پانچویں میٹنگ میکسیکو کے سیاحتی شہر کانکوں (Cancun) میں ہوئی جو 14 ستمبر تک مسلسل 5 دن جاری رہی۔ دنیا بھر سے ہزاروں مظاہرین وہاں Cancun میں اکٹھے ہوگئے اور یہاں زبردست مظاہرے کرتے رہے۔ جنوبی کوریا کے ایک مظاہرہ کرنے والے نے چھری مار کر خودکشی کی لی ﴿۱۱۸﴾۔

کانکوں (Cancun) اجلاس کے دوران برازیل کی رہنمائی میں ترقی پذیر ملکوں نے G-21 تنظیم تشکیل دے کر WTO اقدامات کی مخالفت کی۔ ان G-21 ممالک میں پاکستان، انڈیا اور چین بھی شامل تھے۔ اسطرح ایشیا، افریقی یونین، کریبئین اور بحرالکاہل کے ترقی پذیر ممالک کو ملا کر یہ تعداد 61 بنتی ہے جن کی آبادی عالمی آبادی کا دو تہائی (2/3) ہے۔

WTO تنظیم دوسری مالیاتی تنظیموں کی طرح ترقی یافتہ ممالک کے ہاتھ میں ایک ایسا معاشی استحصالی کارڈ ہے جس کو کھیل کر امیر ممالک، غریب ممالک کا ایک جدید ترین طریقے سے معاشی شکار کرنا چاہتے ہیں۔

اس ظاہری آزاد تجارت اور پرفریب معاشی مساوات کا نعرہ اس وقت منافقت میں بدل جاتا ہے جب ترقی یافتہ ممالک مل کر ترقی پذیر ممالک پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ زراعت پر سبسڈی (Subsidy) ختم کریں یہ ایک ناروا اور دھونس کا مطالبہ ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک زرعی شعبے کو لگ بھگ 300 ارب ڈالر کی سبسڈی دیتے ہیں جو بیرونی ممالک کو دی جانے والی امداد سے دگنی ہے ﴿۱۱۹﴾ کانگون (Concun) میں صنعتی ملکوں اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان زراعت، سرمایہ اور تجارتی ضابطے کے قوانین پر اتفاق نہ ہوسکا اور میٹنگ ناکام ہوگئی اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان کا کہنا تھا کہ WTO کو وہ کام نہیں کرنے چاہیں جن سے ترقی پذیر ممالک غربت کی دلدل میں پھنس کر رہ جائیں ﴿۱۲۰﴾۔

کانکوں کانفرنس کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ WTO ترقی پذیر ملکوں کی امیدوں پر پوری نہ اتری اور میٹنگ کے درمیان اُس کا رویہ غیر جمہوری رہا اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح امریکہ پوری دنیا کے ساتھ عام طور پر اور عالم اسلام اور ترقی پذیر ملکوں کے ساتھ خاص طور پر غیر اخلاقی، غیر جمہوری، دھونس اور آمرانہ رویہ رکھتا ہے اور پوری دنیا اس کی ہاں میں ہاں ملاتی ہے، اسی طرح WTO کا رویہ ہے۔ کیونکہ WTO بھی تو امریکہ، یورپ اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کی اسی طرح تابعدار اور غلام ہے، جس طرح UNO، ورلڈ بنک، IMF اور ایشیائی ترقیاتی بنک اور دوسرے بین الاقوامی ادارے ہیں۔

کانکون میٹنگ کی ناکامی امریکہ اور یورپی یونین کیلئے بہت بڑا صدمہ تھی۔ اس میٹنگ میں ترقی پذیر ممالک نے ترقی یافتہ

ممالک (Developed Countries) کے استحصالی اور ظالمانہ رویے کے خلاف بھرپور احتجاج کیا اور اُن کے تابعداری کرنے سے صاف انکار کیا۔ اسی لئے کانکوں میٹنگ میں موجود امریکہ کے تجارتی نمائندے رابرٹ زولک (Robert Zoellick) نے صحافیوں کو پریس بریفنگ دیتے ہوئے ترقی پذیر ملکوں پر سخت تنقید کی۔ رابرٹ زولک کا کہنا تھا کہ ترقی پذیر ملکوں (Developing Countries) نے WTO کے ایجنڈے کی تکمیل میں روڑے اٹکائے۔ اس (زولک) نے دھمکی دی کہ اب امریکہ اپنے مقاصد کیلئے کثیر سمتی محاذوں (Multiple Fronts) کی طرف حرکت کرے گا ﴿۱۲۱﴾۔ یورپی یونین کا مؤقف بھی امریکہ سے ملتا جلتا ہے لیکن یورپین یونین کا مؤقف یہ بھی ہے کہ WTO کے طور طریقوں کو بدلنے کی ضرورت ہے ﴿۱۲۲﴾۔ اس وقت ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے درمیان سب سے بڑا تنازع زراعت میں سبسڈی (Subsidies) کا ہے۔ اس وقت امیر ممالک اپنے ملکوں میں زراعت پر اربوں ڈالر Subsidy دیتے ہیں۔ جبکہ ترقی پذیر ممالک پر ایسا کرنے میں مختلف طریقوں سے مختلف قسم کی پابندیاں ہیں۔ عالمی بنک اور آئی ایم ایف بھی انہی خطوط پر غریب ممالک پر سبسڈی فراہم نہ کرنے کیلئے دباؤ ڈالتے ہیں۔ اس کیلئے پاکستان کی مثال دینا کافی ہے جہاں بجٹ سازی ہیں۔ IMF کی رائے شامل ہوتی ہے ﴿۱۲۳﴾۔ امریکہ، مغرب اور اُن کے زیر اثر بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی ظالمانہ اور کڑی شرائط کی وجہ سے ترقی پذیر معیشتوں (Developing Economics) میں مہنگائی میں اضافہ ہوتا۔ Inflation Rate ریٹ بہت بڑھ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے غربت (Poverty) میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں 1999ء کے فوجی انقلاب کے بعد بجلی کے نرخوں میں تین سال کے اندر گیارہ بار اضافہ ہوا جو 10% سے لے کر 47% تھا ﴿۱۲۴﴾۔ حتیٰ کہ نومبر 2002ء میں IMF کی طرف سے بیان آیا کہ اب بجلی کے نرخوں میں مزید اضافہ نامناسب ہے ﴿۱۲۵﴾۔ مئی 2003ء کے آغاز پر خبریں آئیں کہ عالمی مالیاتی فنڈ (IMF) نے اگلے قرضوں کیلئے پاکستان پر چار شرائط عائد کی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ اضافی ٹیکس (With Holding Tax) ختم نہ کیا جائے ﴿۱۲۶﴾ IMF کی 2002ء کی رپورٹ میں واضح طور پر بتایا گیا کہ وہ متعلقہ ملکوں کی سیاست کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ 2002ء کی رپورٹ میں بے نظیر بھٹو، نواز شریف اور مشرف حکومت کا جائزہ پیش کیا گیا اور پاکستان کے ایٹمی دھماکوں پر بھی بحث کی گئی ﴿۱۲۷﴾۔ یکم جنوری 2005ء سے عالمی تجارت تنظیم کا نظام قائم ہونے سے غریب اور امیر ملکوں میں مزید فاصلے بڑھنے کا امکان ہے۔ غریب ممالک امیر ممالک کی اس "یکساں تجارتی نظام کی پالیسی" کی یلغار کا مقابلہ نہیں کر سکیں

گے پاکستان اور بنگلہ دیش جیسے ممالک اس سے بُری طرح متاثر ہو سکتے ہیں۔ بنگلہ دیش اگرچہ کپاس پیدا کرنے والا ملک نہیں لیکن ٹیکسٹائل اور کپاس سے متعلقہ پیداوار (Cotton Related Products) یعنی گارمنٹس اور ہوزری وغیرہ میں اُس نے کافی کامیابیاں حاصل کی ہیں لیکن موجودہ بین الاقوامی تجارتی پالیسیوں کی وجہ سے بنگلہ دیش کی ان صنعتوں کو بہت نقصان پہنچا ہے جس کے نتیجے میں بہت ساری فیکٹریاں بند ہو چکی ہیں۔ پاکستان بھی ٹیکسٹائل کی صنعتوں میں بُری طرح زوال کا شکار ہے اس کی ٹیکسٹائل کی صنعت عدم ترغیبات (یعنیLack of Incentive) کی وجہ سے کمزور ہو چکی ہے البتہ بھارت اور چین اس سے فائدہ اٹھا کر نئی منڈیوں کی تلاش کر سکتے ہیں ﴿۱۲۸﴾۔ اس ساری بحث کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ، مغرب اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک نے ترقی پذیر ممالک اور خاص طور مسلم ممالک کے معاشی استحصال اور لوٹ مار کیلئے ایسے پرفریب اور ظالمانہ قسم کے بین الاقوامی ادارے بنائے ہیں جنہوں نے ان ممالک کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ اس معاشی استحصال اور ظلم کے بعد اگر یہ ممالک اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں تو مختلف حربوں سے انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں کئی قسم کے روڑے اٹکائے جا رہے ہیں۔ عالم اسلام کو اس معاشی ظلم اور اقتصادی تشدد سے بچنے کیلئے اجتماعی کوشش کرنی چاہیے۔ پہلے اس کے اسباب اور پھر اس کا حل (Solution) ڈھونڈنا پڑے گا اس کیلئے مسلم امہ کا معاشی اتحاد بہت ضروری ہے۔ اگر امریکہ (USA) کی 52 ریاستیں (52-States) اکٹھی ہو سکتی ہیں جن میں 26 لاکھ مربع کلومیٹر رقبے پر پھیلی ہوئی الاسکا جیسی ریاستیں بھی شامل ہیں (الاسکا جتنا بڑا ملک پورے عالم اسلام میں نہیں ہے)، مغربی اور مشرقی یورپ کے 25 ممالک یورپین یونین بنا سکتے ہیں اور کامن کرنسی یورو (EURO) پر متفق ہو سکتے ہیں، آسیان (ASEAN) بن سکتی ہے، امریکہ، کینیڈا اور میکسیکو کے درمیان ہونے والا تجارتی بلاک NAFTA بن سکتا ہے، 21 ممالک کا افریقی اتحاد COMESA بن سکتا ہے تو عالم اسلام کا مشترکہ تجارتی بلاک کیوں نہیں بن سکتا؟

موجودہ وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ عالم اسلام کی مشترکہ معاشی تنظیم ہو جس کا آپس میں کاروبار اور تجارت کم از کم 60% ہو۔ یورپین یونین کی آپس کی تجارت 62% ہے، ASEAN ممالک کی آپس کی تجارت 25% ہے، 21 ممالک کے افریقی اتحاد کی 22% ہے، جبکہ عالم اسلام یا 57 او آئی سی ممبر ممالک آپس کی تجارت اُن کی مجموعی تجارت کا 13% ہے۔

نجم الدین اربکان، سابق وزیر اعظم ترکی نے ایک کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں عالم اسلام کے 8 ترقیاتی ممالک نے G-8 کے نام سے ایک اقتصادی اور تجارتی بلاک بنایا تھا۔ اب عالم اسلام کو اپنا ایک مشترکہ بنک بنانا چاہیے جو بین الاقوامی معیار کا

ہو۔تمام مسلمان ممالک خاص طور پر عالم عرب اس اسلامی بنک میں اپنا پیسہ جمع کروائیں اور پھر وہاں سے دوسرے ترقی پذیر اسلامی ممالک کو قرضے دیئے جائیں، ہر ملک میں وہاں کے حالات، ماحول اور پیداوار کے حوالے سے صنعتیں قائم کی جائیں۔ عالم اسلام میں تعلیم و تحقیق، سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کیلئے بین الاقوامی معیار کے مطابق یونیورسٹیاں قائم کی جائیں جہاں بین الاقوامی معیار (International Standard) کے اساتذہ لگائے جائیں اور تحقیقاتی اداروں میں بین الاقوامی سطح کے Equipment رکھے جائیں اور اعلیٰ پائے کی لیبارٹریز قائم کی جائیں۔اسی طرح عالم اسلام کی ایک مشترکہ کرنسی ہونی چاہیے اور مسلمان ممالک آپس میں اسی کرنسی کے ذریعے تجارت کریں۔

حوالہ جات

۱۔ An ancient, wide spread secret Society, Longman, P-516

۲۔ در پردہ حقائق، ص : ۱۱۸۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ انیس الرحمان، اسلام اور صہیونی نیٹ ورک، ص : ۷۳ - ۷۴۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ ایضاً۔

۷۔ Ronald Regan, An American Life, Chapter-57.

۸۔ اسلام اور صہیونی نیٹ ورک ص ۸۰۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ مولنا ارسلان بن اختر، یہود و نصاریٰ، ص : ۱۴۶۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ سید احمد ارشاد ترمزی، حساس ادارے، ص: ۱۱۴۔

۱۳۔ مولنا محمد ارسلان بن اختر، یہودی نصاریٰ، ص۱۵۹ میں تفصیل درج ہے۔

۱۴۔ ایضاً ص ۱۶۰۔

۱۵۔ اشتیاق قریشی، Struggle for Pakistan. ص : ۸۷۔

۱۶۔ پروفیسر شیخ محمد رفیق، مطالعہ پاکستان ص ۱۴۷۔

۱۷۔ محمد ارسلان، یہود و نصاریٰ، ص ۱۶۴۔

۱۸۔ چومسکی،نوم، Rogue States (اردو ترجمہ، بدمعاش ریاستیں)، ص : ۱۵۔

۱۹۔ پال ٹوڈ،گلوبل انٹیلی جنس (اردو ترجمہ)، ص:۲۳۔

۲۰۔ ایضاً، ص: ۲۴۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ ڈیوڈ وائز، تھامس بی راس، سی آئی اے کی سیاہ کاریاں، ص : ۱۰۰۔

۲۴۔ ایضاً ص : ۹۸۔

۲۵۔ ایضاً ص : ۱۶۴۔

۲۶۔ ایضاً ص : ۱۶۳۔

۲۷۔ ایضاً ص : ۱۶۷۔

۲۸۔ ایضاً ص : ۱۶۸۔

۲۹۔ ایضاً ص : ۱۷۲۔

۳۰۔ بدمعاش ریاستیں (نوم چومسکی) ، ص: ۱۸۔

۳۱۔ فیض احمد شہابی، استحصال اور جارحیت، ص : ۱۱۔

۳۲۔ شہابی، ص ۱۱۔

۳۳۔ اس کی تفصیلات کیلئے ایضاً ص : ۱۲ ، ۱۳۔

۳۴۔ چومسکی، بدمعاش ریاستیں ص ۲۰۔

۳۵۔ ایضاً، ص : ۲۰۔

۳۶۔ امریکہ مسلم دنیا کی بے اطمینانی، ص : ۱۹۰۔

۳۷۔ بریگیڈیئر سید احمد ارشاد ترمزی، حساس ادارے ص:۴۳۔

۳۸۔ ایضاً ص : ۴۴۔

۳۹۔ ایضاً ص : ۴۵۔

۴۰۔ ایضاً ص : ۴۸۔

۴۱۔ ایضاً ص ۸۷۔

۴۲۔ ایضاً ۔

۴۳۔ ایضاً ۔

۴۴۔ درپردہ حقائق ص ۱۳۷۔

۴۵۔ ایضاً ص : ۱۳۸۔

۴۶۔ ایضاً ص : ۱۳۹۔

۴۷۔ امریکہ اور مسلم دنیا کی بے اطمینانی، ص :۱۴۴۔

۴۸۔ واشنگٹن پوسٹ 13 ستمبر 2001۔

۴۹۔ نیویارک پوسٹ 12 ستمبر 2001۔

۵۰۔ واشنگٹن پوسٹ 12 ستمبر 2001۔

۵۱۔ جنگ سنڈے میگزین، 6 اگست 2006۔

۵۲۔ ایضاً۔

۵۳۔ استحصال اور جارحیت شہابی، ص : ۱۰۔

۵۴۔ ہفت روزہ گارڈین، 20 تا 26 ستمبر 2001 ، ص: ۵۔ (بحوالہ امریکہ اور مسلم دنیا کی بے اطمینانی ،ص: ۵۲ - ۱۵۱۔

۵۵۔ تفصیلات کیلئے پروفیسر خورشید احمد، مسلم دنیا کی بے اطمینانی۔

۵۶۔ Armstrong , H.C, Grey Wolf , P-290.

۵۷۔ عبیداللہ فہد فلاحی، ڈاکٹر، جدید ترکی میں اسلامی بیداری ، ص : ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹۔

۵۸۔ حساس ادارے (احمد ارشاد ترمزی، بریگیڈیئر)، ص: ۹۰۔

۵۹۔ ایضاً ص: ۴۵ - ۴۶ - ۴۴۔

۶۰۔ ایضاً ص:۱۰۶۔

۶۱۔ سی آئی اے کی سیاہ کاریاں، ص: ۱۶۷ - ۱۶۶۔

۶۲۔ مسلم دنیا، ص: ۱۳۶۔

۶۳۔ ایضاً ص: ۵۳۷۔

۶۴۔ ایضاً۔

۶۵۔ جنگ میگزین، 24اپریل،2005۔

۶۶۔ جنگ میگزین، 3 اپریل، 2005، ص: ۱۰۔

۶۷۔ مسلم دنیا، ص: ۴۰۲۔

۶۸۔ ایضاً ص: ۴۷۸۔

۶۹۔ ایضاً۔

۷۰۔ ایضاً ص: ۴۷۹۔

۷۱۔ ایضاً۔

۷۲۔ مقبوضات اور بیرونی اڈے، شہابی، ص: ۳۱۔

۷۳۔ ایضاً۔

۷۴۔ مقبوضات اور بیرونی اڈے،شہابی، ص: ۳۱۔

۷۵۔ مسلم دنیا، ص:۴۷۷۔

۷۶۔ ایضاً ص:۴۸۰۔

۷۷۔ ایضاً۔

۷۸۔ ایضاً ۔

۷۹۔ ایضاً۔

۸۰۔ ایضاً۔

۸۱۔ تفصیلات کیلئے مسلم دنیا2002۔

۸۲۔ درپردہ حقائق ص ۱۳۷۔

۸۳۔ ایضاً ۔

۸۴۔ خرم مراد، مغرب اور عالم اسلام ، ص: ۱۰۲ ، ۱۰۳۔

۸۵۔ جنگ 7 اکتوبر 2005۔

۸۶۔ محمد انیس الرحمان، اسلام اور صہیونی نیٹ ورک، ص : ۳۰۹۔

۸۷۔ مسلم دنیا، ص : ۳۲۲۔

۸۸۔ History of the United States of America by P.S. Joshi P-90.

۸۹۔ ایضاً۔

۹۰۔ The Nation، 18 اگست ، 1995۔

۹۱۔ ایضاً ، 28 اگست 1995۔

۹۲۔ Measures for the Economic Development of under developed countries (New Yark: UNO 1951)

۹۳۔ مودودی، امت مسلمہ کے مسائل ص ۱۵۸۔

۹۴۔ یہودیت، یوسف ظفر، ص : ۲۶۲۔

۹۵۔ ایضاً ص : ۲۶۳۔

۹۶۔ امت مسلمہ کے مسائل، ص : ۱۵۸

۹۷۔ یہودیت یوسف ظفر،ص :۲۶۳۔

۹۸۔ مسلم امہ کے مسائل، ص : ۱۶۲۔

۹۹۔جنگ میگزین ص ۱۰، 20 اگست 2004۔

۱۰۰۔ جون، جولائی، اگست 2006ء کے حملے۔

۱۰۱۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ، 2005۔

۱۰۲۔ شہابی عالمی تنظیمیں، ص :۱۲۔

۱۰۳۔ ایضاً، ص : ۱۳۔

۱۰۴۔ مہاتیر محمد،ایشیا کا مقدمہ، ص : ۱۰۲۔

۱۰۵۔ ایضاً۔

۱۰۶۔ ایضاً ص : ۱۰۲۔

۱۰۷۔ ایضاً ص : ۱۰۵۔

۱۰۸۔ ایضاً۔

۱۰۹۔ شہابی،عالمی تنظیمیں، ص : ۱۵۔

۱۱۰۔ روزنامہ ڈان ، 22 مئی 2003 میں یہ مضمون گارڈین کے حوالے سے چھپا۔

۱۱۱۔ IMF اور World Bank کے بارہ میں دیکھئے۔ The States man's year book 1994-1995.

۱۱۲۔ ایضاً ص : ۲۵۔

۱۱۳۔ شہابی،عالمی تنظیمیں، ص : ۲۴۔

۱۱۴۔ WTO کیا ہے،بھگریت لال داس (اردو ترجمہ)، ص : ۷۔

۱۱۵۔ ایضاً۔

۱۱۶۔ WTO کیا ہے، ص : ۷ (سید عظیم کا مضمون)۔

۱۱۷۔ " سیٹل میں ناکام مذاکرات"، ڈان دسمبر 7,6,5,4 اور 8 1999ء، اکانومسٹ (Economist) 27 نومبر، دسمبر اور 11 دسمبر 1999۔

۱۱۸۔ شہابی، عالمی تنظیمیں ص ۲۵۔

۱۱۹۔ ایضاً۔

۱۲۰۔ ایضاً۔

۱۲۱۔ تفصیلات کیلئے دیکھے ڈان ستمبر، 2003,16,15,14,12,8,7ء۔

۱۲۲۔ ڈان 30 ستمبر 2003 میں پروفیسر خورشید احمد کا مضمون "Can capitalism co-exist with other systems"

۱۲۳۔ اداریہ روزنامہ دی نیوز، 10 مئی 2002۔

۱۲۴۔ روزنامہ ڈان (DAWN)، 6 جولائی 2002۔

۱۲۵۔ ڈان، 4 نومبر 2002۔

۱۲۶۔ ڈان 2 مئی 2003۔

۱۲۷۔ ڈان 2 جون 2003 ۔

۱۲۸۔ ڈان 23 ستمبر، 27 ستمبر، 14,11 اکتوبر 2004، ڈان 13 ستمبر 2004، موضوع ٹیکسٹائل۔ اکانومسٹ 27 نومبر 2004 کی "Capitalisms new king " کے عنوان سے 14 صفحات کی رپورٹ۔

☆ ☆ ☆

باب ہفتم

مسلمانوں کے معاشی زوال اور تنزل میں ان کا اپنا کردار

فصل اول

غیر دانشمندانہ اور غیر ذمہ دارانہ طرز عمل:

عالم اسلام کی ذلت اور پستی میں سب سے اہم کردار جس قوم نے ادا کیا ہے وہ خود مسلم قوم ہے۔ خدا کا قانون ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ط﴾

خدانے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

خدا کے رسولؐ نے دنیا سے جاتے وقت ایک نہایت ہی اہم وصیت کی تھی جو اُن کی زندگی بھر کی تعلیمات کا نچوڑ تھی۔ آپؐ نے فرمایا:

((یا ایها الناس (او ، یاایهاالذین) : انی لا أرانی و ایّاکم تجتمع فی هذا المجلس ابدًا)) ﴿۱﴾

((ان دماءکم واموالکم و اعراضکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا۔ وستلقون ربکم فیسٔلکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضلالًا یضرب بعضکم رقاب بعض)) ﴿۲﴾

لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہونگے۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کیلئے ایسے ہی حرمت والے ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی اور اس مہینے کی حرمت کرتے ہو۔ یعنی تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کیلئے ایسے ہی حرمت والے اور مقدس ہیں جس طرح یہ دن یہ شہر اور یہ مہینہ تمہارے لئے حرمت والے اور مقدس ہیں۔

لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہوگا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ اور فرمایا: میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے

پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے، اور وہ ہے اللہ کی کتاب ﴿ ۳ ﴾۔

قانونِ الٰہی اور مسلمان:

عالم اسلام کی پستی کی اصل وجہ قرآن وسنت سے روگردانی ہے۔ خدا کے بتائے ہوئے اصول: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص﴾ خدا نے کہا تھا کہ میری رسی (دین الٰہی) کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور تفرقہ بازی میں نہ پڑنا۔ خدا نے فرمایا تھا: تمام مومن بھائی ہیں ﴿ ۴ ﴾۔ ہم نے یہ سب کچھ بھلا دیا۔ آج اسرائیل اور یہودی قوم اور اُن کی ایک چھوٹی سی ریاست جس کی کل آبادی 70 لاکھ ہے، پورے عالم اسلام کو چیلنج کر رہی ہے جس کے 57 آزاد ممالک ہیں اور تقریباً ایک ارب 20 کروڑ آبادی ہے۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عالم اسلام کی وہ رسوائی ہوئی جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ 14 عرب ریاستوں نے مل کر اسرائیل کا مقابلہ کیا لیکن عبرتناک شکست کھائی۔ اس وقت (2006ء جولائی اگست میں) صورتحال یہ ہے اسرائیل نے لبنان کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے لیکن عالم اسلام سمیت دنیا کی کوئی قوم اسرائیل کے ظالم ہاتھ کو روکنے کی جسارت نہیں کر سکی۔ پورا عالم عرب اور لبنان کے ہمسائے بے بسی کے عالم میں یہ ذلت آمیز صورتحال اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اسرائیل کے خلاف صف آراء ہونے کی جرأت نہیں کرتے۔ اتنا بڑا المناک حادثہ بلکہ گزشتہ نصف صدی سے حادثے ہو رہے ہیں جو عین قانون قدرت کے مطابق ہیں۔ خدا نے قوموں کے عروج وزوال کیلئے قوانین بنائے ہیں۔ یہ خدائی قانون اور فطری طریقے تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے خدا کا فرمان ہے: ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ (تم خدا کے طریقے کو ہرگز تبدیل ہوتا نہیں دیکھو گے) اور ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلً﴾ ﴿ ۵ ﴾ اور ﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا﴾ ﴿ ۶ ﴾ قانون الٰہی یہ ہے کہ جب اللہ کی طرف سے کتاب پانے والی قوم اس کتاب کو پیچھے ڈال کر اللہ کے مقابلے میں سر اٹھاتی ہے، اللہ کی کتاب کو غالب کرنے کا مشن بھول کر ہر گمراہی کے پیچھے دوڑتی ہے اور اس کے اندر جو لوگ اس کتاب کو عملی طور پر نافذ کرنے کی دعوت دیتے ہیں اُن کو ظلم وستم کا نشانہ بناتی ہے اور اُن کا خون بہاتی ہے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دنیاوی طاقتوں کے آگے سجدہ ریز ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دشمنوں کو مسلط کر کے اُس کی عزت وآبرو کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ منکرین پر تو خدا کا عذاب اکثر طوفان، زلزلہ اور کڑک کی صورت میں آتا ہے

لیکن اپنے سے بے وفائی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ منانے کی بجائے ذلیل وخوار کرکے آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے نشان عبرت بنا دیتا ہے۔قرآن پاک میں ہے: ﴿أُولَٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلَٰئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴾﴿۷﴾اُن کے ظلم کا صحیح بدلہ یہی ہے کہ اُن پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہے۔خدا کے اس قانون کی بہترین مثال خود بنی اسرائیل ہیں جن کا ذکر خدا تعالیٰ نے قرآن پاک کے شروع میں شاید اس لئے تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ اُن کے انجام سے مسلمان عبرت پکڑیں۔وہ ہم مسلمانوں سے پہلے کتاب الٰہی کے حامل تھے۔پھر انہوں نے اپنے خدا سے بے وفائی کی تو خدا نے اُن کو ذلیل ورسوا کر کے رکھ دیا ۔خدا کا فرمان ہے:﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ق وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط ﴾﴿۸﴾ یعنی خدا تعالیٰ نے ذلت اور محتاجی و پستی اُن (بنی اسرائیل) کا مقدر کر دیا اور خدا کا غضب لے کر وہ لوٹے۔خدا نے اُن کا نام ونشان اس لئے زندہ رکھا کہ وہ دربدر کی ٹھوکریں کھائیں۔عیسائیوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ سے بے وفائی کی سزا یہی ہو سکتی ہے کہ بے وفا قوم دربدر کی ٹھوکریں کھائے۔

اب عالم اسلام کیلئے سوچنے والی بات یہ ہے کہ بحیثیت مسلم اُمہ ہم نے وہ کونسے اعمال کئے ہیں کہ مشیتِ الٰہی نے یہ تک گوارہ کرلیا ہے کہ جس قوم کو وہ ذلیل کر کے دنیا میں تتر بتر کر چکی تھی، اسی کو وہ ہمارے اوپر مسلّط کر کے دوبارہ کھڑا کرلائی۔ظاہری بات ہے کہ جن حرکتوں کیوجہ سے بنی اسرائیل ذلیل ورسوا ہوئے تھے وہی حرکتیں اگر مسلم اُمہ کرے گی تو انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی بادشاہت تو نہیں ملے گی؟ وہ بھی بنی اسرائیل کی طرح ذلیل ورسوا ہونگے۔کیونکہ یہ قانون خداوندی ہے۔خدا کا قانون نہ بدل سکتا ہے﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴾ اور نہ ہی جانبداری برت سکتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اگر یہودیوں کے راستے پر چل کر ہمارا انجام اُن سے مختلف ہوتا تو خدا کے قانون پر بھی سوال اُٹھتا۔خدا تو خو کہتا ہے کہ ﴿وَأَقْسِطُوا ط إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ ﴿۹﴾

تورات، بنی اسرائیل کی حرکتیں اور پھر نتیجہ:

اگر ہم بنی اسرائیل کے اعمال اور اُن کی سزا کے حوالے سے تورات پڑھ کر دیکھیں تو ہمیں اپنی تصویر خود بخود نظر آ جائے گی۔ تورات کہتی ہے:

۱۔ تو نے اپنے جوئے کو توڑ ڈالا اور اپنے بندھنوں کے ٹکڑے کر ڈالے اور کہا کہ میں اپنے دین کے تابع نہ رہوں گا۔

۲۔ یہ اپنی مخالف قوموں سے مل گئے اور اُن کے سے کام سیکھ لئے۔

۳۔ (اے بنی اسرائیل) تیرے سردار خونی اور چوروں کے ساتھی ہیں۔ ان میں ہر ایک رشوت دوست اور انعام کا طلبگار ہے۔ وہ یتیموں کو انصاف فراہم نہیں کرتے اور بیواؤں کی فریاد اُن تک نہیں پہنچتی۔

۴۔ تم اس کلام الٰہی کو حقیر جانتے ہو۔ اور کج روی پر بھروسہ کرتے ہو۔ اس لئے یہ بدکرداری تمہارے لئے ایسی ہوگی جیسے پھٹی ہوئی دیوار جو گرنا چاہتی ہے۔

۵۔ اسی لئے خدا کا قہر اپنے لوگوں پر بھڑکا اور اسے اپنی قوم سے نفرت ہوگئی اور اُس نے اُن کو غیر قوموں کے قبضے میں دے دیا اور اُن سے عداوت رکھنے والے اُن پر حکمران بن گئے۔

۶۔ اے اسرائیل کے گھرانے! دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا۔ وہ تیرے مضبوط شہروں کو جن پر تیرا بھروسہ ہے، تلوار سے ویران کر دیں گے۔

انہوں نے میری طرف منہ نہ کیا بلکہ پیٹھ کی۔ پھر اپنی مصیبت کے وقت کہیں گے کہ اے اللہ ہم کو بچا............ لیکن تیرے وہ سہارے کہاں ہیں جن کو تو نے اپنے لئے بنایا۔ اگر وہ تیری مصیبت کے وقت تجھ کو بچا سکتے ہیں تو اُٹھیں۔ کیونکہ اے یہوداہ! جتنے تیرے ملک ہیں، اتنے ہی تیرے معبود ہیں ﴿۱۰﴾۔

مسلمانوں کا کردار:

تورات کے ان ارشادات کی روشنی میں اب مسلمانوں کا کردار دیکھتے ہیں۔ اسرائیل کے مقابلے میں کئی عرب ممالک تھے جن کو بری طرح شکست ہوئی۔ اس لئے کہ عربوں کی قیادت اُس وقت ایسے عناصر کے ہاتھوں میں تھی جو خدا سے بے وفائی، اسلام دشمنی اور مسلمانوں کا خون بہانے میں آگے آگے تھے۔ جمال عبدالناصر ان میں نمایاں تھے۔ وہ اپنے ملک میں اسلام کے نام لیواؤں کو ذلیل و رسوا کر رہے تھے اور اپنے ریاستی دستور سے اسلام کو کھلم کھلا خارج کر کے عرب سوشلزم (قوم پرستی + سوشلزم) کو سرکاری مذہب کے طور پر اختیار کر رہے تھے۔ وہ مسلمان ہونے کی بجائے عرب ہونے پر فخر کرتے تھے۔ 1967ء کی جنگ شروع ہونے

سے تین ہفتے پہلے ایک ہی سانس میں جمال عبدالناصر نے اسرائیل کے ساتھ ساتھ سعودی عرب، اردن اور تیونس کو مغربی استعمار کا ایجنٹ قرار دے کر مٹا دینے کی دھمکی تھی۔ اس سے بھی آگے حد یہ ہے کہ اس جنگ میں ناصر نے نہ عالم اسلام کو مدد کیلئے پکارا اور نہ ہی اپنی قوم کو اسلام کیلئے لڑنے کی دعوت دی۔ قوم پرستی کا مذہب ناصر کو اتنا پیارا ہوا کہ اُس کی خاطر انہوں نے فرعونی تہذیب کو دوبارہ زندہ کیا، فرعون کی تصویریں نوٹوں اور ٹکٹوں پر چھاپیں، اُس کے مجسمے بازاروں میں لگائے اور اس بات پر فخر کیا کہ ہم فرعون کی اولاد ہیں۔ فرعون نے خدا کے مقابلے میں کہا تھا: ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ ﴿ ۱۱ ﴾۔ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اسلام کے ماننے والوں، خاص طور پر " اخوان المسلمین " کا مصر میں جینا حرام کر دیا۔ انہیں بے دریغ پھانسی پر چڑھایا۔ ناصر کے ظلم وستم کو زبان بیان نہیں کر سکتی اور آنکھ نم ہوئے بغیر سنا نہیں سکتی۔ ان اسلام پسندوں کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ قرآن وسنت کی طرف دعوت دے رہے تھے اور عرب قومیت اور سوشلزم کی بجائے وہ اسلام پر چلنا چاہتے تھے۔ ان عربوں نے اسلامی سلطنت اور خلافت (ترکی خلافت) کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا۔ پہلی جنگ عظیم میں "ایک مسلمان قوم نے دوسری مسلمان قوم کے خلاف عین اُس حالت میں بغاوت کر دی جبکہ وہ دشمنوں سے برسرِ جنگ تھی" ﴿ ۱۲ ﴾۔ عرب اس بات کو بھول گئے کہ کافروں کے دکھائے ہوئے سبز باغ کے فریب میں آکر جن کے مقابلے میں وہ ہتھیار اُٹھا رہے ہیں وہ اُن کے اپنے ہی مسلمان بھائی ہیں اور جس آزادی کی امید دلا کر انہیں اپنے بھائیوں سے لڑایا جا رہا ہے، وہ غلامی کا ایک دوسرا پھندا ہے جسے خود اُن کے اپنے ہاتھوں سے اُن کے گلے میں ڈالا جا رہا ہے۔ ترکوں کے خلاف لڑنے والے اور سازشیں کرنے والے عربوں کے ہاتھ کیا آیا۔ اتحادیوں اور انگریزوں کا ساتھ دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترکی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ترکوں کیلئے ترکی کو بچانا بھی مشکل ہو گیا ترکی میں اسلام اور اسلامی شریعت وقانون کا جنازہ نکال کر سیکولرازم کو دولہا بنا لیا گیا۔ دوسری طرف عربوں کو وہ آزادی نہ مل سکی جس کی وجہ سے وہ دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں کھیل کر اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف لڑے۔ عراق پر انگریز قابض ہو گیا۔ شام اور لبنان پر فرانس مسلط ہو گیا ﴿ ۱۳ ﴾۔ فلسطین انگریزوں کے انتداب (Mandate) میں چلا گیا جو آخر کار صیہونی ریاست کی شکل میں نمودار ہوا اور ہمیشہ کیلئے عالم عرب اور عالم اسلام کیلئے خونخوار درندہ بن گیا۔ سائپرس میں جب ترک مسلمان عورتوں اور بچوں کا قتل ہو رہا تھا تو جمال عبدالناصر نے ترکی کے مقابلے میں عیسائیوں کی مدد پر اپنے ہی راکٹ برسانے کے وعدے کیئے جو یہودیوں کے مقابلے میں فائر نہ ہو سکے ﴿ ۱۴ ﴾۔ یمن میں اپنی فوجوں اور گیس بموں سے ایک لاکھ مسلمانوں کو شہید کر دیا ﴿ ۱۵ ﴾۔ کشمیر کے مسئلے پر اشتراکی روس (USSR) کے علاوہ اگر کسی

مسلم ملک نے پاکستان کے خلاف ووٹ دیا تو وہ یہی مصر ہی تھا۔ 1965ء میں جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو جمال عبدالناصر کی زبان سے بھارت کی مذمت میں ایک جملہ بھی نہ نکلا۔ مراکش میں منعقد ہونے والی عرب سربراہی کانفرنس کے دوران یہی صدر ناصروہ واحد سربراہِ مملکت تھے جنہوں نے پاکستان کی حمایت میں پیش کردہ قرارداد کی مخالفت کی۔ صدر ناصر کے نزدیک عرب سوشلسٹ ممالک کا اتحاد ہر صورت میں جائز تھا لیکن مسلمان ممالک کا اتحاد بالکل ناجائز تھا﴿۱۶﴾۔

خدا سے اپنے ناطے کو توڑ ڈالنے، خدا کی مخالف قوموں کے سے کام سیکھنے، معصوموں کا خون بہانے، کلام الٰہی کو حقیر جاننے، عراق ایران جنگ لگا کر مسلمانوں کے اپنے ہاتھوں دس لاکھ مسلمان ہلاک کرنے، کویت پر چڑھائی کرنے، افغانستان اور عراق کو تباہ کرنے کیلئے اسلام دشمن غیر مسلم قوتوں کے ہاتھوں کھلونا بن کر اُن مسلمان ممالک کو تباہ کرنے اور اب افغانستان اور عراق میں امریکی سامراج کے ہاتھوں میں کھیل کر اپنی ہی مسلمان قوم کو تباہ کرنے اور پھر پاکستان جیسے اسلامی ملک میں اسلام پسندوں کو مغرب کے کہنے پر اسلامی دہشت گرد قرار دے کر اُن پر ظلم اور بربریت کا بازار گرم کرنے کے بعد بھی اگر خدا کا قہر نہیں آنا تو کب آنا تھا۔ اگر مسلم اُمہ یہ بدکرداری پہلے اسی طرح بنی اسرائیل پر دیوار کی طرح گری تھی تو اب ہمارے اوپر کیوں نہ گرے۔ اسی بدکرداری کی وجہ سے اگر اسرائیل پر خدا کا قہر نازل ہوا اور ذلت اور پستی و بدبختی اُن کا مقدر بنی تھی تو ہمارے اوپر قہر الٰہی کیوں نہ برسے؟ یہ تو پھر خدا کا قانون نہ ہوا؟ ہمارے اوپر اسی طرح دشمن مسلط کیوں نہ ہو جسطرح کئی سو سال تک بنی اسرائیل پر مسلط رہا۔

مصر کی بات تو ایک مثال کے طور پر کی گئی۔ کسی بھی مسلمان ملک کا تذکرہ کیا جائے کم وبیش یہی داستان ہر جگہ دہرائی جارہی ہے تازہ ترین صورتحال الجزائر کی ہے جہاں 1991ء میں دسمبر میں ہونے والے انتخابات میں اسلام کی نام لیوا اسلامک سالویشن فرنٹ (FIS) بھاری اکثریت سے جیت گئی۔ الیکشن کا دوسرا دور نہ کروایا گیا کیونکہ اسلام پسند جیت رہے تھے۔ جمہوری حوالے سے بھی اقتدار حوالے نہ کیا گیا جس کے نتیجے میں تباہ کن تحریک چلی اور اب تک تقریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمان اپنے ہی ملک میں ایک دوسرے کے خلاف لڑ کر ہلاک ہو چکے ہیں﴿۱۷﴾۔ اس سے پہلے ترکی، مصر، لیبیا، تیونس، مراکش، انڈونیشیا اور افریقہ کے ممالک میں اسلام پسندوں کو کئی بار کچلا گیا۔ حالانکہ پاکستان سمیت تمام مسلم ممالک میں آزادی کی جنگیں اسلام کے نام پر ہی لڑی گئیں لیکن آزادی حاصل کرنے کے بعد عوام کو اختیارات سے بے دخل کرنے کے بعد حتی المقدور کوشش کی گئی کہ اسلام اور قانون شریعت سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ ہر جگہ اسلام کے احکام وحدود کو پامال کیا گیا۔ ہر جگہ اسلام کے علمبرداروں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ ہر جگہ وطنیت او

رقوم پرستی کو پروان چڑھایا گیا اور ملکی مفادات پر عالم اسلام کے مفادات کو قربان کیا گیا۔ جس طرح تورات میں ذکر ہے کہ: " جتنے تیرے ملک ہیں اتنے ہی تیرے معبود ہیں" کیا آج مسلمانوں کیلئے بھی ایسا ہی نہیں ہے کہ " جتنے اُن کے ملک ہیں اتنے ہی اُن کے معبود ہیں" ہمارے خیال میں آج مسلمانوں کے معبود اور جھوٹے خدا ہزاروں لاکھوں میں ہیں۔ بنی اسرائیل سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ بت ڈالر، روبل، پونڈ کی شکل میں بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ لنڈن، واشنگٹن، ماسکو اور پیرس کی شکل میں بھی ہو سکتے ہیں۔

لیکن ماسکو، لنڈن اور واشنگٹن جیسے خداؤں نے آج تک ہمیں مصیبت سے نکالنے کی بجائے مزید مشکلات میں پھنسایا ہے ۔ یہ سب جھوٹے سہارے ہیں۔ سرمایہ داری قوم پرستی، سوشلزم اور سیکولرازم، یہ سب مسلم اُمہ کے ازلی دشمن ہیں۔ یہ مسلمانوں کے حقیقی دوست کبھی نہیں ہو سکتے۔ البتہ یہ ایک دوسرے کے دوست ضرور ہیں۔ ان سب سے چھٹکارے کا ایک ہی راستہ ہے وہ ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص﴾ کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور علیحدہ علیحدہ مت ہو۔ اور دوسرا کہ **كونوا عباد الله اخوانا** ۔ کہ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

مسلمان ممالک کے اسرائیل کے ساتھ خفیہ و اعلانیہ تعلقات:

1948ء میں اسرائیل کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی اسرائیل کے ساتھ عربوں کی جنگ بھی شروع ہوگئی 1967ء کی 6 روزہ جنگ میں اسرائیل نے دریائے اردن کے مغربی کنارے کے علاقے، غزہ کی پٹی، صحرائے سینا اور جولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا۔ تاہم مصر اور اسرائیل کے درمیان 1978ء میں کیمپ ڈیوڈ معاہدہ ہوا جس کے نتیجہ میں اسرائیل نے مصر کا مقبوضہ علاقہ خالی کر دیا۔ اردن اور اسرائیل کے درمیان 1994ء میں معاہدہ امن ہوا اور صلح ہوئی ﴿ ۱۸ ﴾۔ لیکن حقیقت میں بعض عرب ممالک کے خفیہ طور پر تعلقات اور روابط کا آغاز اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا ﴿ ۱۹ ﴾۔

فلسطینیوں یا فلسطینی مہاجروں سے پیچھا چھڑانے کیلئے اردن نے ستمبر 1970ء میں فلسطینیوں کے خلاف آپریشن کیا جو " آپریشن بلیک ستمبر" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس آپریشن کے دوران اردن کو اسرائیل کی انٹیلی جنس کی مدد حاصل تھی۔ اسرائیل نے اپنی ایجنٹ سلویا رافیل کے ذریعے شاہ حسین کو فلسطینی گوریلوں کے بارے میں خفیہ معلومات فراہم کیں جبکہ اس آپریشن کی نگرانی اور

قیادت ایک مسلمان ملک سے آئے ہوئے بریگیڈیئر ضیاء الحق نے کی جو بعد میں پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف اور پھر صدر مملکت بنے۔ آپریشن بلیک ستمبر کے نتیجے میں 35 ہزار فلسطینی ہلاک ہوئے۔ بڑی تعداد میں فلسطینی اردن چھوڑ کر لبنان اور دوسرے عرب ملکوں میں ہجرت کر گئے اور پھر وہاں سے اسرائیل کے خلاف گوریلا کاروائیاں جاری رکھیں۔ فلسطینیوں نے بعد میں بلیک ستمبر کے نام سے ایک ملٹری سکواڈ تشکیل دیا جس نے فلسطینیوں کے قتل کا انتقام لینے کیلئے اردن کے خلاف بھی کاروائیاں کیں جن میں ایک اہم یہ ہے کہ انہوں نے "انتقام لینے کی خاطر 1971ء میں قاہرہ کے شیریٹن ہوٹل میں اردن کے وزیراعظم واصفی طال کو گولی مار کر ہلاک کر دیا" ﴿۲۰﴾۔ وسطی ایشیا کی بعض ریاستوں نے امریکہ کو اپنے ہاں فوجی اڈے بنانے کی اجازت دی جس کیوجہ سے امریکہ مشرق وسطی کی طرح سنٹرل ایشیا میں بھی (نئی آزاد شدہ مسلم ریاستوں میں) ڈیرے جمانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ اس سے بھی بڑی بدقسمتی یہ ہوئی کہ امریکہ کے ساتھ ہی اسرائیل نے سنٹرل ایشیا کی مسلم ریاستوں میں معیشت کو کنٹرول کرنے کے منصوبے بنا لئے ہیں "اسرائیل ازبکستان کی کاٹن انڈسٹری کے ساتھ ساتھ بہت سے دوسرے صنعتی یونٹوں میں بری طرح سرایت کر چکا ہے یعنی ازبکستان کی اقتصادیات کو صہیونیت نے چاٹنا شروع کر دیا ہے" ﴿۲۱﴾۔ مئی 2005ء میں ازبکستان کے دارالحکومت باکو میں ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ "امریکہ کے زیر سایہ ہونے والی اس کانفرنس میں علاقے کے اہم ممالک جارجیا، ترکی، آذربائیجان اور ترکمانستان شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کا اہم ایجنڈا بحیرہ قذوین کے تیل کو پائپ لائن کے ذریعے ترکی کے علاقے اسکندرونہ کی بندرگاہ "جیہان" تک پہنچانا تھا تاکہ بحیرہ قذوین سے تیل کی سپلائی ممکن بنائی جا سکے" ﴿۲۲﴾۔ اور بارہ بلین ڈالر کی لاگت سے تعمیر ہونے والی اس 1760 کلومیٹر طویل پائپ لائن کے ذریعے 2009ء تک ایک ملین بیرل تیل یومیہ سپلائی کیا جا سکے گا۔ لیکن سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ ہے کہ ترکی کی بندرگاہ "جیہان" سے یہ تیل براہ راست اسرائیل کی بندرگاہ تک پہنچایا جائے گا ﴿۲۳﴾۔

اس طرح عالم اسلام کے نادان حکمران خود ہی اسرائیل کو گریٹر (Greater) اسرائیل کے طرف لے جا رہے ہیں۔ 23 فروری 1996ء کو اسرائیل اور ترکی کے درمیان فوجی تعاون کا معاہدہ عمل میں آیا جس میں امریکہ اور اُس کی صہیونی لابی نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اس معاہدے میں Military Visit کا تبادلہ اور Joint Training Exercises بھی شامل ہیں ﴿۲۴﴾۔

اسرائیل نے ترکمانستان میں اپنی تیل کمپنی میرہاف (Merhav Group) کا دفتر بھی کھول دیا ہے۔ اسی میرہاف گروپ نے ترکی میں ڈیموں کی تعمیر اور مرمت کے کاموں میں بھی سرمایہ کاری شروع کر دی ہے ﴿۲۵﴾

28 فروری 2002 کو جب امریکی فوج جارجیا آنا شروع ہوئے تو حکومت نے "قادیانی" کا عسکری اڈہ امریکہ کے حوالے کردیا ﴿۲۶﴾۔ قرغیزستان نے بھی "مناس" کا ہوائی اڈہ جو ملک کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ ہے، امریکہ کے حوالے کردیا۔ یہ قرغیزی دارالحکومت بیشکیک کے بالکل قریب ہے۔ ازبکستان نے "خان آباد" کا ہوائی اڈہ امریکہ کے حوالہ کیا اور ازبک امریکہ عسکری کمیٹی بھی وجود میں آئی جس کے ذریعے ازبک فوجی افسران کو امریکہ میں ٹریننگ دینا بھی شامل ہے اسطرح امریکہ کو ہم نے خود ہی دعوت دی کہ وہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے۔

اسی طرح مسلمانوں نے تقریباً 500 سال پہلے اندلس کی سرزمین پر اندلس کے عیسائی حکمران شاہ فرڈی ننڈ چہارم (1516ء - 1452ء) کے ساتھ معاہدہ کیا اور مسلمان ریاست کے حکمران ابوعبداللہ محمد (غرناطہ کے آخری حکمران متوفی 3 جنوری 1492ء) نے شاہ فرڈی ننڈ چہارم کی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور "حصول امن" کے نام پر ہتھیار ڈالنے کے معاہدے پر دستخط کردیئے۔ بعد میں فوراً ہی یہ "صلح نامہ" اور "معاہدہ امن" اندلس میں مسلمانوں کیلئے ہمیشہ کیلئے موت کا پروانہ بن گیا۔ اب بھی امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ "معاہدہ اوسلو" معاہدہ امن، نیو ورلڈ آرڈ" مشرق وسطی امن کانفرنس "کیمپ ڈیوڈ معاہدہ" اور مصر، اردن اور سنٹرل ایشیا سمیت مسلمانوں کے ساتھ جتنے معاہدے ہو رہے ہیں وہ "فرڈی ننڈ شاہ اسپین" کے معاہدہ کی طرح ہی ثابت ہوں گے۔ لہٰذا عالم اسلام کو مجموعی طور پر سوچ بچار کے ساتھ عقلمندی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور تاریخی حقائق کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔

......☆......☆......☆......

فصل دوئم

سائنس وٹیکنالوجی اور جدید تعلیم کا فقدان اور پسماندگی:

عالم اسلام کی پستی اور انحطاط کی سب سے بڑی وجہ جدید تعلیم کا فقدان ہے اس حوالے سے پچھلے صفحات میں تفصیل سے بحث ہو چکی ہے ﴿۲۷﴾۔ بس اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس وقت اکیلا امریکہ پوری دنیا کی 45 فیصد ریسرچ اور تحقیق کر رہا ہے یعنی دنیا میں جتنی علمی، تحقیقی اور معیاری تدریسی کتابیں لکھی جارہی ہیں اُن میں 45% اکیلے امریکہ میں لکھی جارہی ہیں۔ اسی طرح ریسرچ آرٹیکل بھی۔

عالم اسلام میں صرف 600 یونیورسٹیاں ہیں۔ ان میں عالمی معیار کی شاید 10 یونیورسٹیاں بھی نہ ہوں۔ جاپان میں اس وقت تقریباً 1000 یونیورسٹیاں ہیں جن میں 100 یونیورسٹیاں دنیا کے اعلیٰ ترین معیار کے مطابق ہیں۔ امریکہ میں 5700 یونیورسٹیاں ہیں۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی اور روس وغیرہ ترقیاتی ممالک میں ایک ایک ملک میں عالم اسلام کے 57 ممالک کے برابر یونیورسٹیاں ہیں۔ امریکہ، جاپان اور یورپ میں بعض یونیورسٹیاں اسطرح کی ہیں کہ اُن کا بجٹ ایک بلین ڈالر سے زیادہ ہے اور ایک بلین ڈالر کا بجٹ عالم اسلام کے 60 فیصد ممالک کے کل تعلیمی بجٹ سے زیادہ ہے۔ عالم اسلام مجموعی طور پر اپنے جی ڈی پی کا (0.2) فیصد اپنی تحقیق وترقی (R&D) پر خرچ کرتا ہے ﴿۲۸﴾۔ 2003 میں عالم اسلام کا GDP تقریباً 1500 ارب ڈالر تھا۔ اس تناسب سے پورے عالم اسلام کا تحقیق وترقی کا بجٹ 3 ارب ڈالر بنتا ہے اس کے مقابلے میں ترقی یافتہ مغربی ممالک اپنے بیش بہا GDP کا 2 سے 3 فیصد تحقیق وترقی پر خرچ کرتے ہیں ﴿۲۹﴾۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو 2 فیصد کے مطابق امریکہ 200 بلین ڈالر، جاپان 85 بلین، جرمنی 44 بلین، برطانیہ 36 بلین اور فرانس 35 بلین ڈالر تحقیق وترقی پر خرچ کر رہا ہے۔

اور اگر پورے عالم اسلام کے تحقیق وترقی (Research and development) کے بجٹ کو امریکہ کے ساتھ Compare کریں تو امریکہ پورے عالم اسلام سے تقریباً 70 گنا زیادہ خرچ کرتا ہے ﴿۳۰﴾، جاپان 28 گنا، جرمنی 15 گنا زیادہ، برطانیہ 12 گنا اور فرانس ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ پر پورے عالم اسلام سے 11.8 گنا زیادہ خرچ کرتا ہے۔ جبکہ عالم اسلام میں OIC کے ممبر ممالک کی تعداد 57، اُن کی آبادی اس وقت 120 کروڑ یا ایک ارب 20 کروڑ افراد پر مشتمل ہے جبکہ جاپان کی آبادی تقریباً تیرہ کروڑ (127.2 بلین) امریکہ کی 30 کروڑ، جرمنی کی 8 کروڑ 26 لاکھ، فرانس اور برطانیہ کی تقریباً

6,6 کروڑ ہے ﴿۳۱﴾۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں تعلیم مقدار کے لحاظ سے بھی کم ہے اور معیار کے لحاظ سے بھی۔ امریکہ کی اس وقت 293 ملین آبادی ہے 1.1 ملین یعنی 11 لاکھ سائنس دان ہیں اور یہ تقریباً 3700 فی ملین بنتے ہیں جبکہ عالم اسلام کے 57 ممالک کے 120 کروڑ (ان میں غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کی تعداد شامل نہیں) لوگوں میں صرف 3 لاکھ سائنسدان ہیں ﴿۳۲﴾۔ عالم اسلام کی کسی ملک کی ایک بھی لائبریری میں 2 ملین یا بیس لاکھ کتابیں نہیں ہیں۔ امریکہ، یورپ، روس، چین اور جاپان میں سینکڑوں لائبریریاں ایسی ہیں جن میں بیس لاکھ سے زیادہ کتابیں ہیں۔ درجنوں لائبریریاں ایسی ہیں جن میں کروڑ سے زیادہ کتابیں ہیں۔ کانگرس لائبریری امریکہ میں 3 کروڑ کتابیں ہیں۔ کیلی فورنیا یونیورسٹی میں 76 لاکھ، روچسٹر یونیورسٹی میں 30 لاکھ، ساؤدرن کیلی فورنیا یونیورسٹی میں 35 لاکھ، فوٹے ٹینکس یونیورسٹی میں 2 کروڑ، مونٹریل یونیورسٹی کینیڈا میں 41 لاکھ، نیشنل لائبریری آف چائنہ میں 2 کروڑ، چائنیز اکیڈمی آف سائنس میں 56 لاکھ، آکسفورڈ یونیورسٹی، برطانیہ میں 64 لاکھ، کیمبرج میں 50 لاکھ، یونیورسٹی آف میلبرن، آسٹریلیا میں 30 لاکھ، لنڈن یونیورسٹی میں 46 لاکھ، ایرلجن یونیورسٹی جرمنی میں 43 لاکھ، ڈیسڈن یونیورسٹی جرمنی میں 37 لاکھ، کازن Kazan اسٹیٹ یونیورسٹی روس میں 48 لاکھ، انسٹیٹیوٹ آف سائنٹیفک انفارمیشن، روس میں ایک کروڑ 35 لاکھ، رشین اکیڈمی آف سائنس میں 2 کروڑ کتابیں ہیں۔............................ جبکہ ڈھاکہ یونیورسٹی لائبریری میں 6 لاکھ 42 ہزار نائجیریا کی سب سے بڑی لائبریری کالا بار یونیورسٹی لائبریری میں ایک لاکھ 50 ہزار پنجاب یونیورسٹی پاکستان 4 سے 5 لاکھ، کراچی یونیورسٹی 4 لاکھ، قائداعظم لائبریری اسلام آباد ایک لاکھ 50 ہزار اور پشاور یونیورسٹی ڈیڑھ لاکھ، انڈونیشیا کی سب سے بڑی لائبریری، نیشنل لائبریری انڈونیشیا میں 8 لاکھ کتابیں ہیں۔

ایران کی سب سے بڑی لائبریری، سنٹرل یونیورسٹی لائبریری میں 7 لاکھ، قاہرہ یونیورسٹی میں 13 لاکھ، اسکندریہ یونیورسٹی 10 لاکھ، کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی السعودیہ 5 لاکھ، ملائشیا کی ملایا یونیورسٹی میں 11 لاکھ سراوک اسٹیٹ لائبریری میں 12 لاکھ، سلینگور پبلک لائبریری میں 15 لاکھ کتابیں ہیں ﴿۳۳﴾۔

اسطرح عالم اسلام باقی ترقی یافتہ دنیا سے علمی اور تحقیقی میدان میں بہت پیچھے ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ تعلیم اور تدبر میں عالم اسلام ابھی ابتدائی سٹیج پر ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

تمدن علم کے پھیلانے اور تہذیب، روشنی اور شعور کا نام ہے۔ تمدن کے لئے سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور تہذیب کیلئے غور و فکر کی۔ اپنے آپ کو جاننے اور دنیا میں اپنا مقام پہنچاننے کیلئے غور فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ غور وفکر سیکھنے، علم حاصل کرنے اور معلومات جمع کرنے سے ہٹ کر ایک الگ چیز ہے۔ تدبر و استغراق انسان کو دانائی، شائستگی، ذہنی سکون اور اندرونی تذکیہ کی طرف لے جاتا ہے۔ تدبر اور استغراق اپنے آپ میں ڈوب جانے، اسرار حیات معلوم کرنے اور مذہبی اخلاقی اور جمالیاتی حقائق جاننے کی تڑپ کا نام ہے۔ سائنس کے مراحل میں مشاہدہ، تجزیہ، تقسیم اور عملی مطالعہ (Experiment) وغیرہ شامل ہیں ﴿۳۴﴾۔

عالم اسلام میں غیر معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ مستند تعلیم کی بھی کمی ہے جس کو حاصل کرنے کے بعد تعلیم کے ساتھ ایک اچھا انسان بھی بنتا ہے۔ عالم اسلام میں خاص طور پر اور باقی دنیا میں عام طور پر ایسے نوجوانوں کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اسکولوں سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹی تک تعلیم کے عام مراحل طے کر لئے ہیں لیکن انہیں کبھی بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ انہیں ایک اچھا اور ایماندار آدمی بھی بننا ہے۔ آغاز میں انہوں نے حروف کی پہچان سیکھی پھر آگے بڑھے، فزکس، کیمسٹری، جغرافیہ، سیاسی نظریات اور عمرانیات کے علاوہ دیگر بہت سے علوم سیکھے۔ بہت سے حقائق اکٹھے کئے اور پھر سیکھا کہ کسطرح سوچا جائے لیکن ان پڑھے لکھے نوجوانوں کو اندر کی روشنی نصیب نہ ہوئی۔ تاریخ، ادب، اخلاقیات، فنون لطیفہ اور قانون کے متعلق عموماً وہ کم ہی جانتے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ حب الوطنی، اخلاقیات، ایمانداری اور شریعت کو سیکھنے سے ہی ایک مکمل انسان بنتا ہے۔

......☆......☆......☆......

فصل سوئم

موجودہ نظام تعلیم میں نقائص

عالم اسلام کا تعلیمی نظام، معیار اور مقدار میں ترقی یافتہ قوموں کا مقابلہ نہیں کرتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے مسلمان ممالک میں عام طور پر نصاب تعلیم ناقص ہے۔ اگر نصاب تعلیم ہی ناقص ہو جس کو تعلیم کی سیڑھی کہا جاتا ہے یا جو نظام تعلیم کی بنیاد ہے تو آگے منزل تک کیسے پہنچا جائے گا۔ نصاب (Curriculum) وہ راستہ ہے جس پر چل کر ایک فرد اپنی منزل پالیتا ہے۔ تعلیمی عمل میں اگرچہ اساتذہ، عمارت، وسائل اور سہولتیں اپنی ایک اہمیت رکھتی ہیں مگر بچے کی تربیت میں مرکزی مقام صرف نصاب کو حاصل ہے ﴿۳۵﴾۔ یعنی نصاب، مقاصد تعلیم کے حصول کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم اپنی نسل کو اپنے مخصوص اغراض و مقاصد کے مطابق ڈھالتے ہیں۔

تعلیم سے ایک ایسی جنریشن تیار کی جاتی ہے جو ہر لحاظ سے اس معاشرے میں کارآمد ہو۔ وہ ایک اچھا اور صحتمند انسان ہونے کے ساتھ ساتھ موجودہ جدید دور میں Adjust ہونے کے قابل بھی ہو۔ ارسطو نے تعلیم کی تعریف یہ کی ہے:

"A process necessary for the Creation of Sound mind in a sound body." سقراط نے تعلیم کو "Virtue" کہا۔ افلاطون اپنی کتاب "Republic" میں تعلیم کا تقابل جنگ سے کرتا ہے اسی لئے روسو (Rousseau) نے کہا تھا کہ:

> " If you wish to know what is meant by public education read
>
> platos' Republic"

غزالی کے نزدیک تعلیم کا مقصد "شخصیت اور کردار کی تعمیر ہے"۔

جان ڈیوی (Dewey) کے نزدیک تعلیم ﴿۳۶﴾ "Continual reconstruction of experience" کا نام ہے نویں اور دسویں صدی میں جسطرح مسلمانوں نے علمی اور تحقیقی میدان میں ترقی کی اس کی مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی اُس وقت کے علمی اور تحقیقی ماحول میں جن ممتاز شخصیات نے اس تاریخی ارتقاء کی بنیاد رکھی تھی اُن میں جابر بن حیان (کیمیا) الخوارزمی (حساب)، الرازی (کیمیا اور طب) ابن الہیثم (بصریات)، البیرونی (طبیعات و طب) ابن سینا (طب)

،الفارابی (فلکیات،طب،طبعیات)،ابن رشد (القانون وطب)،ابن خلدون (عمرانیات) اور امام غزالی جیسے علماء شامل ہیں۔ اُس وقت بے مثال علمی و تحقیقی کام کی وجہ سے فطرت کے آثار و رموز آشکار ہوئے جن کے باعث تنقیدی اور تجزیاتی انداز فکر کو فروغ حاصل ہوا جو آج جدید سائنس کا ورثہ ہیں۔ مسلمان سائنسدانوں اور فلسفیوں نے نہ صرف یونانی اور رومی فلسفے کو زندہ رکھا اور اُس کی اصلاح کی بلکہ اُس میں بے پناہ اضافہ کیا۔ مسلمان سائنسدانوں کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ہی یورپ میں نشأۃِ ثانیہ ہوئی اور جدید دور کی بنیاد رکھی گئی۔ بدقسمتی سے مسلم دنیا میں تحقیق و تدریس اور تجزیئے کی جگہ جمود اور بے علمی نے لے لی۔ مسلمان عیش و عشرت میں پڑ گئے اور تعلیمی سرگرمیوں کو پسِ پشت ڈال دیا۔ تفرقہ بازی اور سیاسی اختلافات دشمنی میں بدل گئے جس کے نتیجے میں مسلم دنیا سے سائنسی فکر اور سیاسی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ تاریخ ہمیں دراصل سبق دیتی ہے کہ سیاسی اور معاشی استحکام کیلئے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کرنا شرطِ اوّل ہوتی ہے۔ کسی قوم یا ملک کی ترقی کیلئے مضبوط سائنسی، علمی اور تحقیقی بنیاد ہونا نہایت ضروری ہے اور پھر بنیادی اور اطلاقی سائنسی علوم میں مضبوط ہونا اور اعلیٰ درجے کے نظامِ تعلیم کا قیام بھی شرطِ اول ہے۔ قوموں کی ترقی کے حوالے سے یہ وہ سبق ہیں جن کو ہم طویل عرصے سے بھلا چکے ہیں۔ دراصل تعلیم اور ترقی و خوشحالی لازم و ملزوم ہیں جہاں تعلیم و تحقیق ہوگی وہاں ہی خوشحالی بھی ہوگی۔ جب تعلیم رخصت ہو جاتی ہے، خوشحالی اور دنیاوی ترقی بھی وہاں سے کوچ کر جاتی ہے چاہے وہ جاہل اور بے علم قوم تیل اور گیس جیسے قدرتی وسائل سے مالا مال ہی کیوں نہ ہو۔ افسوس یہ ہے کہ اسلام کے سچے نظریۂ تحرک کی جگہ اب اوہام اور رسوم پرستی نے لے لی ہے۔ ہندوستان (متحدہ ہندوستان) جو دنیا کا سب سے بڑا ملک تھا، اس میں اگر ترقی و خوشحالی تھی تو مسلمانوں میں علمی و ذہنی قوت کی وجہ سے ہی تھی۔ اسی لئے ہنٹر (W.W.Hunter) نے کہا تھا: "ملک کے ہمارے ہاتھ آنے سے پہلے مسلمان برصغیر پاک ہند کے سیاسی ہی نہیں علمی و ذہنی (Intellectual) قوت بھی تھے، اُن کا نظامِ تعلیم اونچے درجے کی ذہنی تربیت اور اعلیٰ قابلیت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا ﴿۳۷﴾۔

موجودہ دورِ انحطاط میں (جو گزشتہ تین صدیوں سے جاری ہے) عالمِ اسلام کا المیہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر نہ مسلمان معیارِ تعلیم کو بلند کر سکے، نہ خواندگی پر خاطر خواہ طریقے سے قابو پا سکے، نہ با مقصد نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم ہمارا مقصد ٹھہرا اور نہ ہی عصری تقاضوں کے مطابق ہم اپنا نظامِ تعلیم بنا سکے۔ ہمارے اکثر اسلامی ممالک کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بظاہر تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک فوج ظفر موج تیار ہو رہی ہے جو اپنے ملک کی تعمیر و ترقی میں قطعاً کوئی کردار ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ ہمارا نظامِ تعلیم ایسا ہے

کہ وہ نہ تو اچھا مسلمان پیدا کرتا ہے، نہ اچھا انسان اور نہ اچھا سکالر اور سائنسدان، اُس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمارا ملکی نظام (اکثر اسلامی ممالک کا) نہ جمہوری ہے، نہ اسلامی ہے، نہ سیکولر ہے، نہ سوشلسٹ ہے۔ اپنے سیاسی اور معاشی نظام کو ہم خود Define نہیں کر سکتے۔ لیکن کہنے کو ہم سب اپنے ملکوں کو جمہوری ملک کہتے ہیں۔ ہم میٹرک سائنس سے کرتے ہیں۔ ایسوسی ایٹ انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرتے ہیں لیکن معاشرے میں Adjust نہیں ہو پاتے۔ ہم کوئی چیز بنانے کے قابل نہیں ہوتے۔ ہم بی ایس سی انجینئرنگ کرتے ہیں مگر عملی طور پر ہم انجینئر نہیں ہوتے۔ عام طور پر اسلامی ملکوں میں کئی قسم کے تعلیمی نظام رائج ہیں۔ مثلاً پاکستان میں اس وقت سات قسم کے تعلیمی نظام رائج ہیں جس کی وجہ سے ہمارا نظام تعلیم عجیب قسم کی الجھن اور انتشار کا شکار ہے۔ اس نظامہائے تعلیم کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حکومتی سطح کا نظام تعلیم جو عام سکولوں اور کالجوں میں رائج ہے۔

۲۔ حکومتی سطح کا خاص نظام تعلیم جو بالکل مختلف طریقے سے چیف کالج یا ایچی سن کالج جیسے اداروں میں پڑھایا جاتا ہے اور اعلیٰ تعلیم کیلئے پھر غلام اسحاق انسٹیٹیوٹ میں ایسے طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ نچلی سطح پر گورنمنٹ نے DPS سکول سسٹم کا نظام تعلیم شروع کیا اور اسے دوسرے حکومتی اداروں سے ممتاز کر دیا۔

۳۔ پرائیویٹ تعلیمی ادارے درمیانے درجے کے جہاں پاکستانی نظام تعلیم ہے۔

۴۔ پرائیویٹ ادارے جہاں O-Level , A - Level ہوتا ہے۔ جس کا پاکستانی نظام تعلیم سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ایسے اداروں نے اپنے آپ کو غیر ملکی اداروں سے منسلک (Affiliated) کر رکھا ہے۔

۵۔ ایسے تعلیمی ادارے جو حکومت کی اجازت کے بغیر تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور اپنی مرضی کا نصاب پڑھا رہے ہیں۔

۶۔ مذہبی ادارے یا دینی مدارس جہاں دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور جدید تعلیم کا فقدان ہے۔

۷۔ بھاری بھر کم فیسوں والے تعلیمی ادارے جو غیر ملکیوں کے ہیں یا غیر ملکیوں کی طرز پر ہیں۔ ان کے سسٹم کا پاکستانی، اسلامی اور ہمارے تہذیبی سسٹم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں پرائمری سطح سے 8،10 ہزار ماہوار فیس وصول کی جاتی ہے۔ یہاں ائیر کنڈیشنڈ کمرے اور اکثر غیر ملکی، مغرب کے اساتذہ ہوتے ہیں۔ ان تعلیمی اداروں نے انتہا درجے کی طبقاتی کشمکش پیدا کی ہے۔

اتنے نظامہائے تعلیم نے جس قسم کی پیداوار دی ہے اور دے رہے ہیں اس سے مثبت نتائج کی بجائے منفی نتائج برآمد ہو

رہے ہیں جس سے ہماری قوم کئی طبقوں میں بٹ چکی ہے جن کا آپس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشروں میں برداشت اور تحمل مزاجی کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ خاص طور پر ہمارے مذہبی ادارے جن کو باہر کی دنیا کی ہوا ہی نہیں لگی۔

ہمارے مذہبی اداروں میں مخصوص مکتبۂ فکر کی تعلیم دی جاتی ہے اور ایسا تحقیقی تعلیمی اور تدریسی ماحول پیدا کیا جاتا ہے کہ طلبہ کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ ہمارے فرقے اور مکتبۂ فکر کے علاوہ باقی سب باطل ہیں اور اسلام کے دشمن ہیں اس میں بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث اور اہل تشیع اور آگے مختلف قسم کے تمام مکتبہ ہائے فکر شامل ہیں۔ یہ ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہے۔ آج دینی مدارس سے فارغ ہونے والا نوجوان صرف اور صرف کسی دینی مدرسے یا مسجد میں Adjust ہوسکتا ہے یا پھر اسلامیات اور عربی کا استاد لگ سکتا ہے باقی دنیا کے 99 فیصد شعبوں کیلئے وہ بالکل Unfit ہے۔ جدید علوم یعنی فزکس، کیمسٹری، حساب، اکاؤنٹ، معاشیات میڈیسن، سیاست، معاشرت، انجینئرنگ، ٹیکنالوجی اور عمرانیات جیسے بے شمار جدید علوم سے دینی مدارس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ علماء سے اگر اس طرح کی تعلیمی کمزوریوں کا تذکرہ کیا جائے تو وہ مدارس کی تعلیم کے علاوہ باقی ساری تعلیمات کو ثانوی سمجھتے ہیں اور اُن کے نزدیک اپنے علاوہ کسی کی کوئی وقعت نہیں ہے اُن کے نزدیک عالم اسلام اور مسلمان اسلئے کمزور ہیں کہ سیاسی اور حکومتی معاملات میں علماء کو پیچھے رکھا ہوا ہے۔

دوسری طرف دنیاوی تعلیم یا حکومتی سطح کے تعلیمی ادارے یعنی سکول، کالجز اور یونیورسٹیاں ہیں جہاں سے فارغ ہو کر ایک طالب علم کسی حد تک تعلیم یافتہ تو ہو جاتا ہے مگر ایک اچھا مسلمان اور اچھا انسان نہیں بنتا۔ اسے یہ نہیں پتہ ہوتا کہ اسلام کیا ہے اور وہ مسلمان کیوں ہے۔ اسلام کی آفاقی تعلیمات کس طرح مادی اور روحانی مسائل کا حل ہیں۔ قرآن وحدیث کی روح کو تو کیا اُن کی سطحی تعلیمات کو سمجھنے سے بھی وہ قاصر ہے۔ مختصر یہ ہے کہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل کو دنیاوی علوم اور جدید سائنس و ٹیکنالوجی کا کوئی پتہ نہیں ہوتا جبکہ حکومتی تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل نوجوانوں کو دینی علوم اور دینی تعلیمات کا ادراک نہیں ہوتا۔ لیکن ہماری ماضی کی تاریخ ایسی نہیں ہے۔ عالم اسلام نے جب پوری دنیا پر کئی سو سال تک غلبہ پائے رکھا تو اس وقت تعلیمی نظام ایسا نہیں تھا۔ کوئی طبقاتی نظام نہیں تھا۔ دینی اور دنیاوی تعلیم علیحدہ نہیں تھی۔ اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات سمجھا جاتا تھا۔ ہر بڑا سائنسدان اور سکالر سائنس، منطق، فلسفے، طب، حساب وغیرہ کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑا دینی سکالر بھی ہوتا ہے تھا۔

ابو علی سینا اگر طب Medcine میں اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم (سائنسدان) تھا اور پوری دنیا میں نام پیدا کیا، اور

طب کے میدان میں تاریخ کی سب سے بڑی اور اہم کتاب لکھی (القانون فی الطب) تو دوسری طرف وہ بہت بڑا عالم دین بھی تھا۔ ابوعلی سینا نے سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا اور تیرہ، چودہ سال تک دینی علوم سیکھے جن میں طب اور ریاضی بھی شامل تھے۔ پھر طب پر ریسرچ کی اور دنیا کا سب سے بڑا ڈاکٹر بنا۔ کچھ کتابیں طب پر اور باقی بہت سے ہیئت، ادب، منطق، فلسفہ اور ریاضی پر لکھیں ﴿۳۸﴾۔ ابن رشد اگر ایک بہت بڑا قانون دان تھا۔ اُس نے اسلامی قانون وشریعت پر بہت بڑی کتاب بدایۃ المجتہد لکھی۔ بہت بڑا جج بنا۔ قرطبہ (اندلس) میں قاضی رہا، اسلامی شریعت اور مالکی فقہ پر عبور تھا لیکن اُس کے ساتھ ساتھ ابن رشد ایک بہت بڑا ڈاکٹر بھی تھا ۔ آنکھوں کا Specialist بھی تھا۔ آنکھ کے اندر (The Sensetive Layer of the Retina eye) اسی کی دریافت ہے۔ اس نے طب پر بھی 16 کتابیں لکھی۔ کلیات فی الطب ابن رشد کی کتاب ہے۔ 1255ء میں ایک یہودی بناقسہ نے اس کتاب کا ترجمہ لاطینی میں کیا ﴿۳۹﴾۔ اس طرح ابن خلدون ایک بہت بڑا فلسفی، علوم عمرانیات و سیاسیات پر سند بلکہ عمرانیات کا بانی، ایک بہت بڑا عالم دین اور بہت بڑا قانون دان بھی تھا۔

فارابی بھی اسلام کا بہت بڑا فلسفی تھا۔ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ، فلسفہ، منطق، علم الھیت، طبعیات، علم النجوم اور الموسیقی پر بھی دسترس رکھتا تھا۔ 114 کتابوں کا مصنف ہے جن میں مشہور، کتاب النجوم، کتاب الرّد، جالینوس، کتاب الاخلاق، کتاب فی العلم الالٰہی، کتاب السیاسۃ المدنیۃ، کتاب الموسیقی اور کتاب فی الجن زیادہ مشہور ہیں ﴿۴۰﴾۔

بعد میں آنے والے بلکہ 100 سال پہلے تک ہمارے پڑھے لکھے حضرات اور سکالرز کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ جدید علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم پر دسترس نہ رکھتے ہوں۔ ان میں قابل ذکر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں جو قرآن و حدیث کے بہت بڑے عالم ہوئے۔ قرآن کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ مؤطا امام مالک کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ اصول تفسیر لکھی۔ حجۃ اللہ البالغہ لکھ کر اسلام کو فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا۔ لیکن ساتھ ساتھ طب، ہندسہ، منطق اور سیاسیات میں نام پیدا کیا اور باقاعدہ علم حاصل کیا۔ سرسید کی بنیاد دینی تعلیم ہے۔ تفسیر قرآن سے لے کر سیرت النبی پر کتابیں لکھیں اور ساتھ ساتھ بہت بڑے قانون دان اور ڈسٹرکٹ جج تھے۔ برصغیر میں مسلمانوں کا پہلا جدید علوم کیلئے ادارہ بھی 1875ء میں کھولا (MAO سکول) جو بعد میں 1877ء میں کالج اور پھر یونیورسٹی (علی گڑھ یونیورسٹی) بنا۔ شبلی، حالی، ظفر علی خان مولانا محمد علی جوہر، مولنا شوکت علی، ابوالکلام آزاد، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، نواب صدیق الحسن اور علامہ اقبال یہ سب ہمارے ہندوستان کے مسلمان اکابرین ہیں جو جدید علوم

کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث اور دینی تعلیم کے سکالر بھی تھے۔ اور اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی قیادت بھی انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ برصغیر سے باہر بھی علماء اور مسلم اکابرین کا حال کچھ ایسا ہی تھا۔ اور آج بھی ہے۔ جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، طہٰ حسین (مصر) عباس مدنی (پی ایچ ڈی) اسلامک سالویشن فرنٹ الجزائر کے سربراہ، نجم الدین اربکان (سابق وزیراعظم ترکی) مولنا مودودی، یہ سب لوگ عالم اسلام کے بہت بڑے بڑے راہنما اور مسلمہ لیڈر تھے۔ لیکن یہ سارے دینی تعلیم اور علوم اسلامیہ میں بھی بہت بڑے نام تھے۔

لیکن آج بھی ہمارا نظام تعلیم ناقص ہے آج اسطرح کے لوگ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمارے نظام تعلیم میں نہیں ہے۔ اگر کوئی اسطرح کا لیڈر ہے تو وہ ذاتی حوالے سے محنت کرنے کے بعد نہ کہ نظام تعلیم کی وجہ سے۔

ہمارے نظام تعلیم کے ناقص ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے ہمارا ذریعہ تعلیم (Medium of Instruction) انگلش ہے۔ قومی زبان اردو ہونے کے باوجود سارا نظام انگلش میں ہے۔ اعلیٰ تعلیم انگلش میں، نظام حکومت، آفس لینگویج اعلیٰ امتحانات (CSS, PCS Judiciary, Army etc) اور عدالتوں کا نظام انگلش میں ہے۔ انگلش جو ہماری زبان نہیں، ہم اسے سمجھتے نہیں، B.A تک انگلش بطور لازمی مضمون پڑھنے کے باوجود ہم خود بخود مضمون یا لیٹر نہیں لکھ سکتے۔ ہم انگلش میں پڑھ اور لکھ نہیں سکتے، 90% پروفیسر اور 99% سکول ٹیچرز انگلش زبان میں لیکچر نہیں دے سکتے تو انگلش میں تعلیم کیسی؟ رٹا تو لگ سکتا ہے جسطرح ہمارے ایف ایس سی کے طلبہ فزکس، کیمسٹری اور بائیو میں رٹا لگا کر گیارہ صد (1100) میں سے 1008 اور 1030 ﴿۱۳﴾ تک نمبر حاصل کر لیتے ہیں لیکن انہیں خود بخود انگلش لکھنی اور بولنی نہیں آتی۔ یہ طلبہ رٹہ لگا کر لفظ بلفظ لکھ لیتے ہیں۔ نوٹس کو رٹ رٹ کر چاٹ لیتے ہیں، "حفظ" کر لیتے ہیں لیکن جو کچھ انہوں نے یاد کیا ہوتا ہے اس سے علم کی روح تک نہیں پہنچ پاتے۔ پڑھی ہوئی تعلیم اور رٹہ لگا کر یاد کی ہوئی کتابیں اور نوٹس طلبہ کو یاد ہوتے ہیں۔ لیکن مضمون کی تہہ تک پہنچ کر سمجھنا اُن کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ اسی طرح آجکل پرائمری اور مڈل اور پھر میٹرک کی تعلیم ہے۔ طلبہ رٹا لگا کر یاد کر لیتے ہیں۔ نوٹس بنا کر طلبہ کو یاد کروا دیئے جاتے ہیں لیکن طلبہ کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ پڑھا کیا ہے۔ جو تعلیم اردو اور مادری زبان میں دی جائے وہ فوراً سمجھ میں آ جاتی ہے۔

پوری دنیا میں اگر نظر دوڑائیں تو پوری تاریخ انسانیت میں ترقی یافتہ قوموں میں کہیں بھی ایسی مثال نہیں ملے گی کہ کسی قوم نے دوسری قوم کی زبان اپنا کر اُس میں تعلیم حاصل کی ہو۔ پرانی تہذیب اور اعلیٰ تعلیم رومیوں اور یونانیوں کی تھی۔ اسلام آیا تو پوری

دنیا کے علوم کو عربی میں منتقل کیا نہ کہ لاطینی رومی، فارسی اور ہندی سیکھنے کی کوشش کی گئی۔ جدید دور میں سب سے پہلے انگریزوں نے ترقی کی لیکن بعد میں فرانس میں ترقی ہوئی تو فرانسیسی زبان میں، جرمنوں نے جرمن زبان میں، اٹلی والوں نے اطالوی (Atalian) میں، اسپین نے تعلیم حاصل کی تو ہسپانوی زبان میں، روس طاقت بنا تو روسی زبان میں تعلیم حاصل کی، آجکل جاپان دنیا کا دوسرا ترقی یافتہ ترین ملک ہے لیکن اس نے کسی دوسرے کی زبان اور تہذیب وروایات کو نہیں اپنایا۔ اپنی زبان، اپنی تہذیب اور اپنی روایات میں رہتے ہوئے ترقی کی اور آج امریکہ کے بعد دنیا کی دوسری بڑی معیشت (Economy) ہے۔ چین ایک ابھرتی ہوئی طاقت ہے لیکن ذریعہ تعلیم وہاں چینی ہے یہ ساری قومیں اپنی زبان، اپنی تہذیب اور اپنی روایات پر فخر کرتی ہیں اور ہمیشہ اپنی زبان میں گفتگو کرتی ہیں، اپنی زبان کو انہوں نے ترقی دی ہے۔

لیکن عالم اسلام کو معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ سب انگریزی زبان کو بول اور سیکھ کر فخر کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب پر فخر کرتے ہیں اور اپنی تہذیب کلچر، زبان اور روایات کو دقیانوس، ناکارہ اور پسماندہ سمجھتے ہیں۔ ہمیں اپنے رویوں، تعلیم کے اصولوں، تعلیمی نصاب اور نظام میں تبدیلی کرنا ہوگی۔ اپنے ماضی کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ جدید علوم کو نصاب میں شامل کرنا ہوگا اور جدید دنیا کی تحقیقی، تدریسی اور تعلیمی نظام اور کارکردگی کا جائزہ لینا ہوگا اور اس کے مطابق اپنے نظام میں تبدیلی لانا ہوگی۔ ورنہ پسماندہ کے پسماندہ ہی رہ جائیں گے۔ آپ کسی ترقی یافتہ ملک جائیں کوئی آدمی آپ کو انگریزی بولتا نظر نہیں آئے گا۔ آپ فرانس جائیں، کوئی فرانسیسی، انگریزی نہیں بولے گا۔ آپ جرمنی جائیں کوئی جرمن باشندہ انگریزی نہیں بولے گا۔ آپ روس جائیں، جاپان جائیں، سپین جائیں، وہاں کا کوئی باشندہ انگریزی نہیں بولے گا حالانکہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت، امریکہ میں انگریزی زبان ہے لیکن پاکستان میں چپڑاسی سے لے کر صدر پاکستان اور وزیر اعظم تک انگریزی زبان اور کلچر پر فخر کرتے ہیں۔

اسی لئے ڈاکٹر امین کہتے ہیں:

> ''انگریزی محض ایک زبان نہیں وہ ایک مخصوص تہذیب اور کلچر کی نمائندہ ہے جو اپنی فکر اور روح میں غیر اسلامی بلکہ اسلام دشمن ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ انگریزی نافذ کر دیں تو اُس کے ساتھ الحاد نہ آئے، مغربی تہذیب وتمدن نہ آئے۔ زبان ایک سواری (Vehicle) ہوتی ہے وہ جہاں بھی جاتی ہے، اس کا سوار (اُسکی فکر اور تہذیب) اُس کے ساتھ جاتا ہے''۔ ﴿۴۲﴾

انگریزی اگر پڑھنی ہے تو اسے ایک غیر ملکی زبان (Foreign Language) سمجھ کرنا کہ قومی زبان سمجھ کر۔ اس کا درجہ ثانوی ہو۔ دینی مدارس کو بھی قومی دھارے میں لایا جائے ان کی بنیاد کو ختم نہ کیا جائے۔ یہ ادارے دینی ہی رہیں مگر ان میں جدید علوم کو بھی بطور لازمی مضامین پڑھایا جائے اور اُن کے امتحانات کا کوئی بہتر نظام ہونا چاہیے جیسے یونیورسٹی اور بورڈ کا ہوتا ہے تا کہ مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ بھی عملی زندگی میں اپنی مرضی کے پیشے کا انتخاب کر سکیں۔ ہر مسلمان اسلام کا داعی اور سفیر ہے۔ لہٰذا کالج اور یونیورسٹی سے فارغ التحصیل طلبہ کے پاس بھی اس قدر اسلام کا علم ہونا چاہیے کہ وہ بھی اسلامی ضابطۂ حیات پر کھل کر بات کرنے اور لیکچر دینے کے قابل ہو سکیں۔ اس کیلئے نصاب تعلیم میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

......☆......☆......☆......

فصل چہارم

باہمی دفاع میں عدم تعاون اور مغرب اور امریکہ پر انحصار

آج عالم اسلام کا دفاع اور اسلحہ 90% مغرب اور امریکہ کے ہاتھ میں ہے۔ جدید اسلحہ اور لڑاکا طیارے تو ٹوٹل یورپ اور امریکہ سے آتے ہیں جن کو Maintain رکھنے کیلئے بھی ہمیشہ مغرب اور امریکہ کی طرف ہی دیکھنا پڑتا ہے۔ طیاروں کے علاوہ اعلیٰ معیار اور روایتی قسم کا اسلحہ (Sophysticated and Conventional Weapons) بھی مغرب اور امریکہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلحہ مارکیٹ عالم اسلام ہی ہے۔ " اس میں کوئی شک نہیں کہ شمالی افریقہ اور مشرق اوسط کے ممالک دنیا کے سب سے بڑے اسلحہ کے خریدار ہیں" ﴿۴۳﴾۔

عالم اسلام کی بدقسمتی ہے کہ اس نے کبھی بھی مشترکہ دفاع اور اسلحہ سازی کے متعلق نہیں سوچا۔ قرآن پاک میں ہے: دشمن کے مقابلہ کیلئے اپنی طاقت کو مجتمع کرو جہاں تک ہوسکے گھوڑے تیار کرو (یعنی اسلحہ اور سامان جنگ تیار رکھو)۔ اس کے ذریعے خدا کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ ﴿۴۴﴾۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد اور قتال کی تیاری کرو اسلحے اور دفاعی قوت کو مجتمع کرو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ کہ ((المسلم اخو المسلم کالجسد الواحد ....)) مسلمان مسلمان کا اسطرح بھائی ہے جسطرح ایک جسم ہوتا ہے۔ مسلمان کی مثال جسم کے مختلف اعضاء کی طرح ہے کہ ایک حصے کو تکلیف ہو تو جسم کے دوسرے حصے کو بھی خود بخود تکلیف ہوتی ہے ﴿۴۵﴾۔ سارے مسلمان ایک امت ہیں۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان علاقے پر کفار حملہ آور ہوں تو پورے عالم اسلام کو اس کا درد محسوس ہونا چاہیے۔ یہ اسلام کی غیرت اور حمیت کا تقاضہ ہے نا کہ حیلے بہانے سے دشمنوں کا ساتھ دیں اور انہیں آقا سمجھ کر خوش کریں جسطرح افغانستان اور عراق کے بارے میں بعض مسلم ریاستوں نے کیا۔

اس وقت عالم اسلام بکھرا ہوا ہے۔ عرب ممالک جنہوں نے عرب قوم کے نام سے 22 عربی بولنے والے ممالک کی ایک تنظیم بھی عرب لیگ (Arab League) کے نام سے بنائی ہوئی ہے، لیکن کبھی بھی کسی لائحہ عمل پر متفق نہیں ہوئے۔ ہمیشہ آپس میں ہی لڑے۔ عرب قوم پرست اور عربوں کے ہیرو نے 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے 6 دن پہلے سعودی عرب اور اردن کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی بات کی تھی ﴿۴۶﴾۔

عالم اسلام کی اس وقت صورتحال یہ ہے کہ مغرب اور امریکہ اس کے قدرتی وسائل سے مالا مال ممالک کی طرف للچائی ہوئی

آنکھوں سے دیکھ ہی نہیں رہے بلکہ اُن پر جھپٹ پڑے ہیں اور عراق اور افغانستان جیسے ملکوں پر تو عملی طور پر قابض ہو چکے ہیں جبکہ کو یت، قازقستان، ازبکستان اور آذربائیجان جیسے مما لک پر بالواسطہ (Indirectly) قبضہ کر چکے ہیں اور امریکہ کی فوجیں اُن میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ امریکہ کا مقابلہ تو بہت دور کی بات ہے ایک ایک دو دو مما لک کر کے تو مسلمان مما لک اسرائیل کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ آج ظاہری صورتحال یہ ہے کہ سارے عرب مما لک یعنی عرب لیگ (Arab League) کے 22 مما لک اکٹھے بھی ہو جائیں تو اسرائیل کو شکست نہیں دے سکتے۔ 1967ء میں عرب مما لک صرف 6 دن اسرائیل کے سامنے ٹھہر سکے۔

اس وقت عالم اسلام کا کوئی مشترکہ دفاع کا معاہدہ نہیں ہے جس میں کسی مسلمان ملک پر حملہ عالم اسلام پر حملہ سمجھا جائے اور سب اُس کے دفاع کے پابند ہوں مسلمان مما لک کے مشترکہ سرمائے سے روایتی اور جدید اسلحہ سازی، خصوصاً ایٹمی توانائی اور ایٹمی اسلحہ، میزائل و لیزر ٹیکنالوجی طیارہ سازی کے لئے کوئی مشترکہ منصوبہ نہیں ہے۔

بحری بیڑہ بنانے کیلئے نہ تو انفرادی طور پر کس ملک نے اعلیٰ درجے کی کوشش کی ہے اور نہ ہی مشترکہ طور پر اس پر سوچا گیا ہے عالم اسلام کی مشترکہ فوج کے متعلق کبھی غور نہیں کیا گیا۔ حالانکہ دنیا میں طاقت اور ترقی حاصل کرنے کیلئے اجتماعی کوششیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان اجتماعی کوششوں کی کئی کامیاب مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

سب سے پہلے امریکہ کی مثال ہے۔ جو معاشی طاقت کے لحاظ سے پورے عالم اسلام سے 8 گنا زیادہ طاقت ور ہے۔ عالم اسلام کے 57 OIC ممبر مما لک کا 2003ء میں GDP اگر 1500 ارب ڈالر کے لگ بھگ ہے تو اکیلے امریکہ کا GDP تقریباً 11000 ارب ڈالر ہے۔ اسی طرح اس کی دفاعی طاقت اور اس کا بجٹ بھی اسی تناسب سے ہے۔ امریکہ میں اس وقت چھوٹی بڑی 52 ریاستیں ہیں جن میں 26 لاکھ مربع کلو میٹر رقبے والی ریاست الاسکہ بھی شامل ہے۔ 52 ریاستیں مل کر امریکہ ایک بہت بڑی طاقت بنی ہے۔ اسی طرح روس کے مقابلہ میں NATO قائم ہوا۔ یہ ایک خالصتاً دفاعی معاہدہ تھا جو بڑا کامیاب رہا اور آج بھی ہے۔ پھر یورپین یونین ایک بہت بڑا معاشی اتحاد اور طاقت بن کر ابھرا۔ دفاعی معاہدے کی NATO کے ساتھ ساتھ ایک دوسری بہت بڑی مثال وارسا پیکٹ (WARSAW PACT) ہے۔

NATO کمیونسٹوں کے خلاف اور WARSAW سرمایہ دارانہ نظام والے مما لک کے خلاف قائم کیا گیا تھا۔ جو 1955ء میں وجود میں آیا۔ اس کو سوویت یونین (روس) کی سرپرستی حاصل تھی اور NATO امریکہ کی سرپرستی میں ایک

دوسرے کے ساتھ دفاعی تعاون کیلئے وجود میں آیا۔

اگر غیر مسلم قوموں اور ایک دوسرے کے خلاف نظریات رکھنے والی قوموں کے وسیع پیمانے پر بڑے بڑے دفاعی معاہدے قائم ہو سکتے ہیں تو عالم اسلام کے 57 ممالک کے درمیان دفاعی معاہدہ کیوں نہیں ہو سکتا؟

اس وقت عالم اسلام کی صورت حال ماضی کے کسی بھی دور سے زیادہ نازک اور خطرناک ہے۔ ناٹو (NATO) قوموں کا 2005 کے شروع میں ایک اہم اجلاس ہوا جس میں یورپین کمیونٹی اور امریکہ نے مل کر فیصلہ کیا کہ اُن کی پوری توجہ مسلم فنڈا مینٹلزم (Fundamentalism) کی روک تھام اور تدارک کی طرف ہونی چاہیے اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ کے درمیان اسلامی ممالک کی نسبت کوئی بنیادی اختلاف نہیں۔ دونوں عالم اسلام کی تباہی اور بربادی کو اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں اور اسلامی دنیا کو اپنی سلامتی کیلئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔ یورپی دانش کہتی ہے کہ جب معاملات دھونس، لالچ اور دھمکی سے نمٹائے جا سکتے ہیں تو وہاں طاقت کے استعمال کی کیا ضرورت ہے جبکہ امریکہ کی موجودہ قیادت کا خیال ہے کہ مسلم بنیاد پرستی ایک طاقت ور حریف ہے، جس کو طاقت کے ذریعے ہی دبایا جا سکتا ہے۔ سوویٹ یونین کے خاتمے اور روس کے کمیونسٹ آئیڈیالوجی کو ختم کر دینے کے بعد خیال کیا جاتا تھا کہ آزادی، جمہوریت اور مساواتِ انسانی کے نغمے الاپنے والا یورپ اب عالمی منظر سے بھوک، افلاس، محرومی اور پسماندگی کے خاتمے کیلئے اپنے وسائل مختص کر دے گا۔ لیکن جس معاشرے کی بنیاد زر پرستی اور مادی نظریات ہوں اور جہاں روحانیت کا نام ونشان مٹ چکا ہو اُس سے کسی انسانیت نواز نظریے کے کارفرما ہونے کی توقع کرنا ایسے ہی ہے جیسے بھیڑیے سے بکریوں کی حفاظت کرنا۔ عالمی سرمایہ داری نے بھاری پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں، تیز ترین رفتار کے طیارے بنانے والی فیکٹریوں اور جدید وہولناک ترین اسلحہ ڈھالنے والے اداروں پر جو بھاری سرمایہ کاری کر رکھی ہے اور جس پر اُن کے لاکھوں افراد کا مستقبل وابستہ ہے، اسے چھوڑنا اور پھر اُن سے انسانیت کے امن وسکون کا خیال رکھنا فقط عبث ہے۔ اس وقت امریکہ بین البراعظمی میزائلوں کو نشانہ بنانے والے راکٹوں انسانوں سے مقابلہ کرنے والے روبوٹوں اور فضا سے جاسوسی کر کے خودکار طریقے سے دشمن کو تباہ کرنے والے سٹیلائیٹ سسٹم کی تیاری پر کھربوں ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کی معیشت گلے تک قرضوں تلے دبی ہوئی ہے۔ اس وقت امریکہ 5000 بلین ڈالر سے زیادہ کا مقروض ہے ﴿۴۷﴾۔ جبکہ تمام ترقی پذیر ممالک کا قرضہ 2200 بلین ڈالر کے قریب ہے اور وہ 260 بلین ڈالر کے قریب ہر سال سود ادا کر رہے ہیں۔ امریکہ بھی اسطرح صرف سود کی مد میں تقریباً 500 بلین

ڈالر سالانہ خرچ کر رہا ہے۔ امریکہ کا نیا عالمی نظام یا نظریہ یہ ہے کہ عالم اسلام کے وسائل پر زبردستی قبضہ کیا جائے، طاقت، اسلحہ اور دھونس سے اُس کے حکمرانوں کو اپنا آلہ کار بنایا جائے، جو آلۂ کار نہیں بنتا اُس کی حکومت کا تختہ الٹ کر اپنا آلۂ کار مسلّط کیا جائے۔ مغربی تہذیب اور تعلیمی نظام متعارف کروایا جائے۔ موجودہ تعلیمی نظام جس سے ایک طالب علم اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس ہوتا ہے اسے تبدیل کیا جائے اور معاشرے میں بے حیائی کو فروغ دیا جائے امریکہ کی فوج اس وقت 10 لاکھ سے زائد ہے۔ امریکہ کا دفاعی بجٹ اس وقت پورے یورپ کے مجموعی بجٹ سے زیادہ ہے اور عالمی دفاعی بجٹ کا تقریباً 45 فیصد ہے کیونکہ پوری دنیا کا بجٹ تقریباً 1000 بلین ڈالر ہے ﴿۴۸﴾۔ جس میں امریکہ کا 450 بلین ڈالر کے لگ بھگ ہے یہاں یہ بات غور کے قابل ہے کہ امریکہ کی اتنی بڑی فوجی طاقت کس کیلئے ہے؟ اسلحے کے اتنے بڑے انبار اور اسلحہ پیدا کرنے والی اتنی فیکٹریاں کس دشمن کیلئے اسلحہ بنا رہی ہیں۔ اتنی جدید قسم کی توپیں، میزائل، راڈار، طیارہ شکن توپیں، بین البراعظمی میزائل، روبوٹس اور جدید قسم کے لڑاکا طیارے کس دشمن کیلئے ہیں؟ امریکہ کا پورے براعظم امریکہ میں نہ تو مدمقابل ہے اور نہ ہی دشمن ہے۔ کوئی امریکی ملک امریکہ (USA) کے سامنے اکڑ کر بات کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ پورے یورپ میں امریکہ کا کوئی دشمن اور مدمقابل نہیں نہ ہی کسی نے کبھی کسی طرح کی دشمنی اور شدید اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ پورے ایشیا اور آسٹریلیا میں کوئی امریکہ کو چیلنج کرنے والا نہیں۔ صرف ایک روس تھا جواب کسی کھاتے میں نہیں۔ روس سے اس وقت امریکہ 25 گنا زیادہ امیر اور خوشحال ہے۔ روس کے GDP، 433 بلین کے مقابلے میں امریکہ کا GDP 10881 بلین ڈالر ہے ﴿۴۹﴾۔

غیر مسلم ممالک میں امریکہ کے آگے بولنے والا ملک اس وقت صرف شمالی کوریا ہے۔ جو انتہائی غریب ملک ہے۔ تھوڑے بہت اسلحے کے علاوہ اس کے پلے کچھ بھی نہیں۔ وہ کسی سے لڑنے کا رسک نہیں لے سکتا۔ امریکہ اس سے دوسو گناہ زیادہ طاقتور ہے۔ امریکہ کا اگر کسی سے جھگڑا ہے تو وہ صرف اور صرف عالم اسلام ہے اور یہ جھگڑا بھی امریکہ کی طرف سے یکطرفہ ہے۔ اسی لئے تو NATO کے اجلاس 2005ء میں امریکہ اور یورپ نے فیصلہ کیا کہ اب اُن کی پوری توجہ مسلم فنڈامینٹلزم (یا اسلامی بنیاد پرستی) کی روک تھام اور تدارک پر مرکوز ہوگی۔ اسی لئے امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن کی کتاب (1969-74) " Seize the Moment " اور رونالڈ ریگن (1981-89) کی کتاب "An American Life" سے لے کر فاکویاما کی (The end of History and the last Man) تک سب نے، اور رچرڈ ڈف جیسے کالم نگاروں نے اسلام کو مغرب کیلئے

ایک خطرے کے طور پر پیش کیا ہے۔ امریکی نائب صدر ڈک چینی اور وزیر دفاع رمس فیلڈ نے واضح الفاظ میں کہا: ہمارا ہدف ان (اسلامی) ریاستوں ہی کو نیست و نابود کر دینا ہے جو "دہشت گردی" کو فروغ دیتی ہیں۔

ڈاکٹر ہنری کسنجر (سابق وزیر خارجہ امریکہ) نے بھی اسی طرح کہا تھا: یہ اسی طرح اختتام کو پہنچے جسطرح پرل ہاربر کا حملہ اختتام کو پہنچا تھا، یعنی اس نظام کی تباہی جو اس کی ذمہ دار ہے ﴿۵۰﴾۔ یاد رہے کہ پرل ہاربر پر جاپانی حملے کا اختتام اسطرح ہوا کہ امریکہ نے جاپان پر 2 عدد ایٹم بم گرا کر جاپان کو تباہ کر دیا اور آئندہ کیلئے مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

ان حالات میں عالم اسلام کی بدبختی کا عالم یہ ہے کہ ان میں اتحاد، اتفاق اور اشتراک نام کی کوئی چیز نہیں۔ خدا کے رسولؐ نے کہا تھا کہ: ((المسلم اخو المسلم کا لجسد الواحد)) ﴿۵۱﴾۔ کہ مسلم مسلم کا اسطرح بھائی ہے جسطرح کہ ایک جسم۔ لیکن آج صورتحال یہ ہے کہ ایک ملک تباہ ہو رہا ہے تو دوسرے تماشا دیکھ رہے اور بے حس بیٹھے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ سے دوستی کے ذریعے اُن کو حفاظت، عزت اور سلامتی مل جائے گی۔ امریکہ اور یورپ میں پیسہ جمع کروا کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ موجودہ حادثات میں انہیں یہ اندازہ ہو جانا چاہیے کہ انہوں نے کیسا کمزور سہارا تھاما تھا؟ خدا ان حکمرانوں اور خوش فہم لوگوں کو امریکہ، یورپ اور اُن کے پالیسی میکرز با اثر حضرات کے نظریات اور خیالات کو سمجھے اور پھر عقل مند بننے کی توفیق بخشے۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ خود انحصاری اور مشترکہ قوت کے بغیر امریکہ اور یورپ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

عالم اسلام کو اپنی پالیسی بدلنا پڑے گی۔ آج ضروری ہے عالم اسلام میں بھائی چارے اور اخوت کے نظریئے کو فروغ دیا جائے۔ مشترکہ دفاعی اور معاشی حکمت عملی تیار کی جائے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیا جائے۔ جدید ٹیکنالوجی کے حصول کیلئے سنجیدہ کوشش کی جائے۔ ایجاد، اختراع اور تحقیق و تفتیش کے ذریعے علم اور سائنس پر قدرت حاصل کی جائے۔ جدید ٹیکنالوجی اور اسلحہ کے میدان میں خود انحصاری کی پالیسی اختیار کی جائے۔ خود انحصاری کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہمیں وسائل پر اتنی دسترس حاصل ہو کہ ہم اپنی پالیسیاں، اپنے مقاصد اور اہداف کے مطابق خود طے کر سکیں اور دوسروں کی ایسی محتاجی نہ ہو کہ وہ ہماری پالیسیوں پر اثر انداز ہو سکیں۔ اس وقت مسلم امہ کے اندر جو انتہا پسندی اور تشدد کی سیاست آئی ہے وہ اسلام کے مشن اور مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی اور یہ امت جو کہ "امت وسط" ہے جس کا کام دنیا کے سامنے خدا کے پیغام کی شہادت دینا ہے اور جو انصاف کے فروغ اور نیکیوں کی ترویج اور برائیوں سے نجات کی داعی ہے۔ یہ تو بالکل ہی تشدد، زور زبردستی اور اکراہ کی مخالف ہے اور محبت، بھائی چارے، رواداری اور

تعاون واشتراک کوفروغ دینا چاہتی ہے۔ اگر مخالف سے اجتہاد اور قتال بھی ہوتو حکمت اور دانائی سے، اپنی طاقت کو مدنظر رکھ کر ہی ہوتا ہے جہاد کا مقصد انصاف کوفروغ دینا، اعلاءِ کلمۃ اللہ کرنا، تمام انسانوں کیلئے آزادی، عزت اور عدل کی ضمانت ہے۔ جہاد اپنی تمام صورتوں میں یعنی نفس کے ساتھ جہاد، زبان، قلم، مال اور جان سے جہاد......................واضح اخلاقی حدود اور مقاصد کا پابند ہے۔

آج مسلمان ممالک کے درمیان معاشی، سیاسی، تعلیمی، ٹیکنالوجی، میڈیا اور سب سے بڑکر دفاعی میدانوں میں قریب ترین تعاون، اتحاد اور اشتراک کی ضرورت ہے۔ جب تک عالم اسلام اشتراکِ عمل، خاص طور پر دفاع، اسلحہ اور فوج کے معاملات میں ایک دوسرے سے اشتراک اور تعاون نہیں کرے گا۔ دنیا میں امریکہ اور مغرب کے تسلط سے نہیں نکل سکے گا اور ایک ایک کر کے شاید اکثر ممالک کو افغانستان اور عراق جیسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے۔ لہٰذا مسلم ممالک کے درمیان ایک ایسا دفاعی معاہدہ عمل میں آنا چاہیے جس کی رو سے ایک اسلامی ملک پر حملہ عالم اسلام پر حملہ تصور کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ اسلحہ اور دوسرے دفاعی ساز و سامان کی پیداوار میں ایک دوسرے سے تعاون کے ذریعے خود کفالت حاصل کی جائے تا کہ امریکہ اور مغرب کے چنگل سے نکلا جا سکے۔

......☆......☆......☆......

پروفیسر خالد محمود (بیرونی ممتحن پی۔ایچ ڈی) کی طرف سے شامل کردہ تجاویز

اسلام بحیثیت ایک مکمل دین اور جامع نظام حیات ہونے کے، جس طرح زندگی کے دوسرے تمام تقاضوں اور تمدن و معاشرت کے شعبوں کے لئے اپنے مخصوص عقائد و مقاصد کے مطابق مستقل اُصول و احکام کا بنیادی نقشہ فراہم کرتا ہے اُسی طرح اُس نے انسان کے معاشی مسئلے کو پوری اہمیت دیتے ہوئے اُس کیلئے جداگانہ فلسفہ، ایک امتیازی نقطۂ نظر اور مخصوص نوعیت کے قوانین وضوابط اور اُصول اور حدود کا مکمل نقشہ کار (Blue Print) انسانیت کے سامنے رکھا۔

معاشی سرگرمیوں کو اسلام کے اُصولی خاکے سے مطابقت دے کر پیدائش دولت، تقسیم دولت اور استعمال دولت کے مسائل پر غور و بحث کرنے سے ایک مخصوص نوعیت کا علم معیشت وجود میں آتا ہے جو دنیا کے تمام تر مروجہ معاشی فلسفوں اور نظریوں سے مختلف انداز رکھتا ہے، اِلّا یہ کہ کہیں کچھ جزوی مماثلتیں پائی جائیں۔ پس مسلمانانِ عالم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ:۔

i۔ اسلامی اُصولوں پر علم معیشت کو اُس کے امتیازی خدوخال کے ساتھ مدوّن کریں۔

ii۔ معاشی تنظیم اور اُس کے ادارات کو اسلام کے مطابق عملاً تبدیل کرنے کیلئے جدوجہد کریں۔

iii۔ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام ارتکاز سے نجات پانے کے لئے اسلامی فکر و حکمت کو رہنما بنائیں اور کسی دوسرے غیر اسلامی فلسفہ و تحریک کا سہارا لینے سے اجتناب کریں۔

iv۔ ہم اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ مشین کی ایجاد، سرمایہ کی بالادستی اور محنت کش کی محنت فروشی اور اُجرت کی غلامی سے بھاری تغیرات معرض وجود میں آچکے ہیں۔ یہ تغیرات بڑی تیزی سے ہمارے معاشرے کو بھی اپنے لپیٹ میں لے رہے ہیں اور اس سے طرح طرح کے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ معیشت کے متعلق اسلام کے اُصول و حدود اپنی جگہ مستقل ہیں۔ لیکن معیشت کا خارجی ڈھانچہ نت نئے تاریخی حالات سے گزرتے ہوئے ترقی پذیر یا تغیر پذیر رہنا چاہیے۔ یہاں ہمیں یہ امر ملحوظ رکھنا ہے کہ خارجی ڈھانچے میں صرف ایسی تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں جو آساسی اُصول و حدود سے متصادم اور متضاد نہ ہوں۔ اور یہ بھی درست ہے کہ آج کے احوال اور ظروف میں مؤثر اور صحت مند طریقہ پر کام کرنے والے نظام معیشت کا عملی ڈھانچہ اور اُس کا تفصیلی نقشہ کار آج ہی کے لوگوں کو ایمان و علم سے کام لے کر ٹھیک اُسی طرح کرنا ہوگا جیسے ہمارے علماء و مفکرین سلف نے گزشتہ دور کے احوال کو سامنے رکھ کر اسلامی احکام اور حدود کے مطابق تیار کیا تھا، اور اس کار عظیم کے لئے دینی علوم کے ماہرین اور فقہاء کو ایسے صحیح الفکر اور اسلام پسند افراد کا تعاون حاصل ہونا چاہیے جو جدید علم معیشت اور سرمایہ دارانہ و اشتراکی نظاموں سے آگاہ ہوں اور ان دو طرفہ تجربوں سے جو نتائج سامنے آچکے ہیں اُن پر نظر رکھتے ہوں۔

باب ہفتم

حوالہ جات

۱۔ معدن الاعمال حدیث نمبر ۱۱۰۷ ، **عن وابصة**، رواہ ابن عساکر۔

۲۔ الصحیح البخاری، عن ابی بکرۃ، باب حجۃ الوداع۔

۳۔ الصحیح المسلم باب حجۃ النبی ﷺ بحوالہ الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمان مبارکپوری، ص : ۷۳۴۔

۴۔ آل عمران: ۱۰۳۔

۵۔ فاطر، ۴۳۔

۶۔ الاسراء : ۷۷۔

۷۔ آل عمران : ۸۷۔

۸۔ البقرۃ : ۶۱۔

۹۔ الحجرات : ۹

۱۰۔ تورات کے یہ فرمودات خرم مراد، مغرب اور عالم اسلام، ص: ۸۷ - ۸۸۔

۱۱۔ النٰزعات : ۳۴

۱۲۔ مودودی، امت مسلمہ کے مسائل، ص : ۱۲۱۔

۱۳۔ ایضاً ص : ۱۲۲۔

۱۴۔ خرم مراد، مغرب اور عالم اسلام، ص : ۹۰۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ جنگ لاہور ۷ اکتوبر ۲۰۰۵ (آرٹیکل)۔

۱۸۔ ازہر منیر، بین الاقوامی واقعات، ص :۱۹۳۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ بین الاقوامی واقعات ص ۱۹۵۔

۲۱۔ انیس الرحمان، درپردہ حقائق، ص : ۲۷۴۔

۲۲۔ ایضاً ص:۲۷۵۔

۲۳۔ ایضاً ص : ۷۵۔

۲۴۔ روزنامہ ڈان، ۱۱۶ اکتوبر ۲۰۰۵۔

۲۵۔ درپردہ حقائق، ص : ۲۷۹۔

۲۶۔ ایضاً ص : ۱۳۹۔

۲۷۔ باب چہارم، "جدید دور میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب"۔

۲۸۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان، روزنامہ جنگ، ۱۸ ستمبر ۲۰۰۳۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ مسلم نشاۃ ثانیہ، ص ۱۶۴ کے مطابق امریکہ تحقیق و ترقی پر GDP کا ۲.۸ فیصد خرچ کرتا ہے۔

۳۱۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۰۵۔

۳۲۔ ڈاکٹر فرخ، آرٹیکل، روزنامہ دی نیوز، ۲۵ جولائی ۲۰۰۴۔

۳۳۔ معلومات کیلئے ورلڈ آف لرننگ 1998، Japanese College & Universities 1989 اور Common wealth Universities year book 2000.

۳۴۔ علی جاعزت بیگووچ، صدر جمہوریہ بوسنیا، تہذیبی کشمکش، ص : ۹۹۔

۳۵۔ تعلیمی نفسیات اور نصاب، ص : ۲۶۶، (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی)۔

۳۶۔ مسز تنویز خالد، Education، ص : ۳۔

۳۷۔ W.W. Hunter، ہمارے ہندوستانی مسلمان (Our Indian Musalmans)،ص : ۱۳۳۔

۳۸۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، یورپ پر اسلام کے احسان ص ۱۹۳۔ ابن سینا کی دوسری کتاب الشفاء، کتاب النجاۃ، کتاب المیعاد، مختصر اقلیدس اور کتاب لسان العرب مشہور ہیں۔

۳۹۔ ایضاً ص : ۱۹۷۔

۴۰۔ غلام جیلانی برق، ص : ۱۸۴۔

۴۱۔ ۲۰۰۶ء میں لاہور بورڈ کے طالبعلم نے ۱۰۰۸اور ملتان تعلیمی بورڈ کے انٹرمیڈیٹ کے طالبعلم نے ۱۰۳۰نمبر لے کر اول پوزیشن حاصل کی۔

۴۲۔ ڈاکٹر محمد امین، مسلم نشاۃ ثانیہ، اساس اور لائحہ عمل، ص : ۳۱۰۔

۴۳۔ مسلم دنیا، ص : ۳۳۰۔

۴۴۔ سورۃ انفال : ۶۰۔

۴۵۔ الصحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ للناس والبہائم۔

۴۶۔ خرم مراد، مغرب اور عالم اسلام، ص : ۸۸۔

۴۷۔ پروفیسر خورشید احمد، امریکہ، مسلم دنیا کی بے اطمینانی، ص : ۲۷۹۔

۴۸۔ سٹاک ہوم انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ۲۰۰۳ء کی رپورٹ کے مطابق دنیا کا سالانہ دفاعی بجٹ ۹۵۰ بلین ڈالر تھا۔

۴۹۔ WDR ۲۰۰۵ء۔

۵۰۔ واشنگٹن پوسٹ، ۱۲ ستمبر ۲۰۰۱ء

۵۱۔ الصحیح البخاری۔

باب ہشتم

عالم اسلام کی معاشی پسماندگی کے اسباب، تجاویز اور حل

فصل اول

اجتماعی بیداری:

نئے استعمار کا ایجنڈا نیا عالمی نظام (New World Order) ہے جس کے چار بڑے ہدف ہیں۔

1۔ سیاسی اعتبار سے امریکہ کی بالادستی اور اس امر کا اہتمام کہ یہ بالادستی اکیسویں صدی میں قائم رہے اور اگر کوئی مدمقابل ابھر کر سامنے آئے تو اس کا نام ونشان مٹا دیا جائے۔

2۔ امریکہ کی فوجی اور دفاعی برتری کو ناقابل تسخیر بنانا اور ساری دنیا کو اس کا احساس دلوا کر ہیبت زدہ کرنا۔ اپنی طاقت اور قوت کے بل بوتے پر دنیا کا نقشہ اُن خطوط پر قائم کرنا جو امریکہ اور اُس کے حواریوں یعنی مغرب اور اسرائیل کے مفاد میں ہو۔ نیز اس بات کی ضمانت پیدا کرنا کہ کسی شکل میں ایسی فوجی اور عسکری قوت کسی دوسرے ملک میں پیدا نہ ہو جو امریکہ، مغرب اور اسرائیل کیلئے چیلنج بن سکے۔

3۔ دنیا کے معاشی وسائل پر قبضہ خاص طور پر عالم اسلام کے تیل اور گیس پر قبضہ کرنا۔ اس حوالے سے ایک فیصلہ کن ہدف مشرقِ وسطیٰ اور سنٹرل ایشیا کے تیل کے اہم راستوں اور علاقوں پر قبضہ جہاں سے تیل اور گیس کا گزر ہوتا ہے اور جن علاقوں میں تیل اور گیس پایا جاتا ہے۔

4۔ مغربی ثقافت اور کلچر کا عالم گیر غلبہ اور دین اور مذہب خصوصیت سے اسلام کی بنیاد پر قائم ہونے والے امکانی معاشروں کی شیرازہ بندی کو تباہ و برباد کرنا اور اُن ملکوں و معاشروں میں لادینی معاشرے قائم کرنا۔ لادینی اور غیر اسلامی معاشروں کے فروغ کیلئے اسلامی ملکوں میں ایسے لوگوں کو حکمران بنانا اور اُن کی مدد کرنا جو سیکولر نظریات کے حامل ہوں اور اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف ہوں۔

امریکی سامراج اور مغربی تہذیب کا ہدف تو ساری دنیا ہے لیکن فوری طور پر پہلا اور بڑا ہدف اسلامی دنیا اور عالم اسلام میں چلنے والی سینکڑوں اسلامی احیاء کی تحریکیں ہیں جو دنیا میں عام طور پر اور اسلامی دنیا میں خاص طور پر اسلامی معاشروں کے قیام اور غلبہ

دین کی خواہاں ہیں۔ امریکہ نے اپنے حواریوں کے ساتھ مل کر مذکورہ عالمی شکار کرنے کیلئے پوری تیاری کر رکھی ہے اور شکار کرنا شروع کر دیا ہے۔ کئی ایک شکار اس نے کر بھی لئے ہیں تاہم بہت سے شکار کرنا ابھی باقی ہیں۔ مسلمانوں نے اب منصوبہ بندی یہ کرنی ہے کہ وہ ان امریکی اور مغربی درندوں سے کیسے بچ سکیں۔

امریکہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ پورے عالم اسلام سے 8 گناہ بڑی معیشت کا مالک ہے۔ پوری اسلامی دنیا سے تقریباً دس گنا زیادہ اپنے دفاع پر خرچ کرتا ہے۔ پورے یورپ سے 4 گناہ زیادہ اخراجات دفاع پر، امریکہ اکیلا ہی کرتا ہے۔ پوری دنیا کے دفاعی اخراجات کا 45 فیصد امریکہ اکیلا کرتا ہے جو 450/1000 ہے۔ امریکہ عالم اسلام کو خاص طور پر اور دنیا کو عام طور پر اپنی جکڑ میں رکھنے کیلئے اپنی خفیہ ایجنسیوں پر سالانہ 77 ارب ڈالر خرچ کر رہا ہے﴿۱﴾۔

عالم اسلام کو مسلسل ٹارچر کرنے اور معاشی طور پر ہمیشہ کیلئے اپنے مرہون منت بنانے کیلئے عالمی طاقتوں نے اسرائیل کی صورت میں ایک خنجر اس کے سینے میں گھونپ دیا ہے جس سے عالم اسلام مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔ صیہونیت کے پیروکاروں کیلئے سود خوری، سفاکی، جاسوسی، فتنہ انگیزی اور شیطنت اُن کی فطرت کا حصہ ہے۔ یہودیوں کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو یہودیت کو مانتے ہیں۔ دوسرے وہ جو صیہونیت (Zionism) کے پیروکار ہیں۔ یہودیوں میں بھاری اکثریت صیہونیوں کی ہے جن کی فطرت ہی سازشیں کرنا ہے۔ قرآن مجید اُن کو اللہ کے باغی اور منکر، پیغمبروں اور ربانی کتابوں کے منکر اور دشمن، جھوٹ بولنے والے، عہد شکنی کرنے والے، دنیا میں فتنہ فساد برپا کرنے والے، اللہ کے نظام کو درہم برہم کرنے والے اور طاغوت کے چیلے کہتا ہے﴿۲﴾۔ یہ تمام خصائل یہودیوں میں پہلے سے بھی بڑھ کر ہیں۔

آج کے مسلم ورلڈ کو ان خصائل کے حامل دشمنوں سے واسطہ ہے۔ اس سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ ہے جو اس وقت مکمل طور پر یہودیوں کی سرپرست ہے اور یہودیوں کے قبضے میں ہے۔ پورا مغرب، امریکہ اور مشرق وسطیٰ میں اُن کا حلیف اسرائیل، درندوں کی طرح عالم اسلام کا شکار کر رہے ہیں۔

امریکہ کی عالمی سیاست کا نشانہ اس وقت عالم اسلام ہے اور اس نے امریکی تسلط کو مستحکم بنانے کیلئے اپنا ایک نقشہ بنالیا ہے جس میں سب سے اہم منصوبہ بندی یہ کی گئی ہے کہ عالم اسلام کے وسائل پر کس طرح قبضہ کرنا ہے اور مخالف قوتوں کو کس طرح کچل کر غیر مؤثر بنانا ہے۔ صدر بش کے ایک مشیر کے الفاظ لندن کے اخبار گارڈین کے مضمون نگار نے اس طرح نقل کئے ہیں: اب ہم ایک

سلطنت ہیں۔ جب ہم کوئی کام کرتے ہیں تو اپنے لئے حقائق خود تخلیق کرتے ہیں۔ اور جس وقت آپ اس حقیقت کا مطالعہ کر رہے ہوتے ہیں ہم دوبارہ اقدام کرتے ہیں جس سے نئی حقیقتیں تخلیق پاتی ہیں۔ ہم تاریخ ساز ہیں۔ اب آپ کا، اور آپ سب کا کام محض یہ رہ گیا ہے کہ ہم جو کرتے ہیں اسے پڑھتے رہیں ﴿۳﴾۔ یہ ہے نئے استعمار، امریکہ کا اصل چہرہ۔ امریکہ کی ساری مشینری کا یہی تصور اور نظریہ ہے۔ صدر بش، نائب صدر ڈک چینی نئی وزیر خارجہ کونڈو لیزا رائس، 9/11 کی سرکاری رپورٹ، امریکی تھنک ٹینکس، نیشنل انٹیلی کونسل سے لے کر امریکی کانگرس کی ریسرچ سروس کی رپورٹوں تک کو دیکھ لیجئے، سی آئی اے سمیت تمام ایجنسیوں کی ایک ہی زبان ہے کہ ہمیں مسلمانوں کے ذہن کو بدلنا ہے۔ اصل خطرہ انتہا پسندی (Extremism) بنیاد پرستی (Fundamentalism) اور اسلامی اداراتی نظام (Islamic Infrastructure) سے ہے جو جہاد کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ امریکہ کی نارتھ ایسٹرن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ایم شاہد عالم نے امریکی عزائم کی صحیح تصویر کشی کی ہے: اسلامی دنیا کے خلاف امریکی اور اسرئیلی عزائم اب اُس سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہیں جتنے وہ 9/11 سے پہلے تھے۔ اس وقت وہ اسلامی دنیا پر گماشتوں کے ذریعے غلبہ حاصل کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اب اُن کے عزائم اس سے آگے ہیں۔ اب وہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ اسلامی دنیا، بلکہ خود اسلام، امریکی شرائط پر اپنی اصلاح کرے۔

جنوبی ایشیائی امور کیلئے امریکہ کی نائب وزیر خارجہ کرسٹینا روکا کا بیان ہے: پاکستان کو ایک جدید اور اعتدال پسند اور اسلامی جمہوری ملک بنانے کیلئے اس کی مدد جاری رکھیں گے .... ہم پاکستان کی تعلیمی اصلاح کی کوششوں میں بھی نمایاں مدد کر رہے ہیں۔ ان میں "مدارس کی اصلاح" شامل ہے۔ ہم اساتذہ، میڈیا اور سول سوسائٹی کے لیڈروں، نوجوانوں اور متوسط طبقہ کے اُن پاکستانیوں پر بھی توجہ دے رہے ہیں جن کی طرف سے جمہوری اقتدار کی مزاحمت ہو سکتی ہے ﴿۴﴾۔ اس طرح امریکی منصوبے اور نظریات مسلمان ملکوں کے اندر گھس چکے ہیں۔ مسلمانوں کو اب گہری نیند سے بیدار ہو جانا چاہیے اور اپنی ذلت اور رسوائی کے اسباب ڈھونڈنے چاہیں۔ حال کو سنوارنا چاہیے اور مستقبل کیلئے اجتماعی طور پر منصوبہ بندی کرنی چاہیے تا کہ ذلت اور پستی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ عزت و وقار کے ساتھ قدم ملا کر چل سکیں۔ اس وقت عالم اسلام کیلئے دو راستے ہیں۔

1۔ پہلا یہ کہ: چلو تم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی۔

یہ راستہ بہت آسان ہے۔ مغرب اور امریکہ بھی یہی چاہتے ہیں عالم اسلام کے اکثر ممالک پر مسلّط حکمران جو مغرب اور

امریکہ کی نمائندگی کرتے ہیں اور اپنی قوم اور ملک کے ساتھ ہمیشہ دھوکہ کرتے ہیں۔اُن کیلئے بھی آسانیاں پیدا ہو جائیں۔
لیکن یہ راستہ عزت اور وقار کا نہیں بلکہ ذلت اور پستی کا ہے۔

2۔ دوسرا راستہ غیرت اور ایمان کا راستہ ہے۔دائمی عزت اور وقار کا راستہ ہے۔یہ راستہ اہل ایمان اور پختہ نظریات کے حامل لوگوں کا ہے۔لیکن یہ راستہ بہت مشکل ہے۔یہ طاغوت سے بغاوت اور اللہ کی بندگی سے عبارت ہے۔

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْم بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ ﴿۵﴾

اس میں طاقت اور تعداد اصل چیز نہیں بلکہ یہ حصول مقصد کا ذریعہ ہیں۔اصل مقصد اور نصب العین خدا اور خدا کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنا اور ایک صالح معاشرہ قائم کرنا ہے۔

مسلمانوں کیلئے اپنے دین اور تہذیب وثقافت کو بچانا مشکل ہوگیا ہے۔اب ہمیں اپنے دین، اپنے نظریات اپنی تہذیب اور اپنی سیاست پر قائم رہنے اور باعزت زندگی گزارنے کیلئے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔باعزت مقام حاصل کرنے کیلئے تعلیم وتدریس، تحقیق وترقی کے ساتھ ساتھ جمود اور تقلید کو چھوڑ کر اجتہاد کے ذریعے نئے راہوں کی تلاش کرنا ہوگی۔اس وقت صورتحال یہ ہے کہ عالمی GDP میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً 5 فیصد ہے جبکہ ان کی تعداد یا آبادی تقریباً 23% ہے۔پوری دنیا کے 36 ہزار بلین ڈالر سے زائد GDP میں مسلمانوں کا حصہ صرف 1500 بلین ڈالر ہے۔دنیا کی تحقیق اور جدید ریسرچ میں ان کا حصہ ایک فیصد ہے۔ان کی تقریباً ڈیڑھ ارب آبادی میں سائنسدانوں کی تعداد تقریباً 3 لاکھ ہے اکیلے امریکہ میں یہ تعداد 11 لاکھ سے زائد ہے جبکہ اُس کی آبادی 30 کروڑ سے بھی کم ہے۔

امریکہ کا GDP عالم اسلام کے 57 ممالک سے 8 گنا زیادہ، جاپان کا تین گنا زیادہ، جرمنی کا ڈبل سے کچھ کم اور فرانس اور برطانیہ کا انفرادی طور پر عالم اسلام سے زیادہ ہے۔ہم تعلیمی لحاظ سے پسماندہ ہیں۔معاشی لحاظ سے کمزور ہیں، حربی اور اسلحہ کے لحاظ سے کسی کھاتے میں نہیں۔تحقیق اور ترقی کے میدان میں کورے، سیاسی استحکام کے لحاظ سے نکمے، منصوبہ بندی کے لحاظ سے انتہائی کوتاہ ذہن، اخلاقی لحاظ سے پست اور آپس میں اخوت اور بھائی چارے کے لحاظ سے منہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہوں۔قوموں کے عروج وزوال کا مطالعہ کریں۔جدید تحقیق وترقی میں حصہ دار بنیں۔علم وتدریس کے میدان میں ترقی یافتہ قوموں کا مقابلہ کریں۔اپنی ذلت اور انحطاط کی وجوہات اور اسباب جانیں۔

تصادم سے پہلو بچاتے ہوئے اپنے گھر کی اصلاح اور دینی اور دنیاوی علوم میں پختگی حاصل کریں۔ اتحاد کا حصول، وسائل کی ترقی اور اپنی قوت کا استحکام ہمارا اولین مقصد ہونا چاہیے۔ اس کیلئے اپنے ایمان، اپنے نظریئے اور اپنے دین وثقافت پر مضبوطی سے قائم رہنا، وقت کے چیلنج کو سمجھنا اور اپنی بنیادوں کو نئے سرے سے استوار کر کے اُس کا مقابلہ کرنے کی تیاری ہماری فکر وسعی کا محور ہونا چاہیے۔

عالمی استعمار کے مقابلہ کی حکمت عملی:

عالمی استعمار، عالم اسلام کے خلاف جن منصوبوں پر گامزن ہے اُن سے اُس کے قبیح عزائم روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جوابی حکمت عملی کیا ہونی چاہیے۔ اسلام کے مطالعہ سے جو حکمت عملی اور منصوبہ بندی سامنے آتی ہے وہ دو نکات پر مشتمل ہے:

(۱) استقامت۔

(۲) حکمت اور دانائی۔

استقامت یہ ہے کہ اللہ پر بھروسہ کیا جائے اور اسلام کے ابدی اصولوں کو قائم کرنے کیلئے پورے اطمینان، یقین محکم اور صبر وثبات کے ساتھ ڈٹ جانا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ﴿۶﴾۔ اے نبی ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے لہٰذا تم اس پر چلو اور اُن لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

اور فرمایا: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ ﴿۷﴾۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اللہ ہی تمہارا وکیل ہونے کیلئے کافی ہے۔ آگے فرمایا: اسی ہدایت کے ساتھ ہم نے یہ قرآن عربی تم پر نازل کیا۔ اب اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آ چکا ہے، لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی ومددگار ہوگا اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکتا ہے۔ ﴿۸﴾

استقامت ہماری حکمت عملی کی بنیاد ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ مقصد، مشن، اہداف اور منزل کے بارہ میں نہ کوئی ابہام رہے اور نہ جھول اور کوئی کمزوری دکھائی جائے۔ وژن ہر صورت میں واضح اور صاف ہونا چاہیے۔ اپنے راستے پر ڈٹ جانا، اللہ کا

دامن تھامے رکھنا، صرف اس کی قوت پر بھروسا رکھنا۔ دوسروں کے معاملات میں دخل نہ دینے کی پالیسی پر قائم رہنا، تصادم سے پرہیز کرنا، اور صبر اور پامردی کے ساتھ تعلیم و تحقیق میں مستغرق ہو جانا، زوال اور انحطاط سے نکلنے کیلئے تمام پہلوؤں سے ہر ممکن کوشش کرنا اور دنیا اور آخرت کی کامیابی کیلئے ایسا لائحہ عمل تیار کرنا جو واقع ہی اسلام کا منشا اور نظریہ ہے۔

ہماری حکمت عملی کا تقاضہ یہ ہونا چاہیے کہ ہم کسی اشتعال میں نہ آئیں، اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیں۔ اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق میانہ روی اور رواداری کو شعار بنائیں اور داعیانہ روش کو نہ بھولیں۔ ہماری لڑائی مرض سے ہونی چاہیے نہ کہ مریض سے۔ کفر سے لڑائی جھگڑا انہیں نیست و نابود کرنے کیلئے نہیں بلکہ اسلام کی نعمت سے مالا مال کرنے کیلئے ہونا چاہیے۔ اللہ کی ساری مخلوق کے کچھ حقوق ہیں اور اُن کو دین کی طرف لانے کے کچھ آداب ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ ﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ﴾ ﴿9﴾۔ اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ دعوت و حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ اور مجادلہ بھی کرنا ہے تو عمدہ طریقے سے پھر خدا نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہیں جو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔

استعمار کا مقابلہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنے گھر کی اصلاح کریں اور پھر اُن خطوط کا تعین کریں کہ مغرب اور امریکہ کے ساتھ آئندہ کس طرح معاملات طے کریں۔ اس کیلئے تین محاذ ہیں۔ ہر ملک کا اپنا محاذ جو اُس کے اپنے حالات کے مطابق ہوگا۔ اُمت مسلمہ کا اجتماعی محاذ اور عالمی سطح پر نئے نظام اور اس کے قیام کیلئے منصوبہ بندی۔ اس منصوبے پر حکمران طبقہ، اسلامی تحریکیں اور بڑی بڑی سیاسی جماعتوں کے قائدین کو مل بیٹھ کر اجتماعی پروگرام بنانا چاہیے جس میں پورے عالم اسلام کی بھلائی اور ترقی کے راستے پنہاں ہوں۔ اس نازک موڑ اور عالم اسلام کے انتہائی انحطاط کے وقت ناامیدی، غفلت اور فرار کا راستہ بالکل تباہی کا راستہ ہے۔ اس کا واحد حل مردانہ وار مقابلہ ہے جس کی بنیاد جذباتیت کی بجائے حکمت اور دانائی پر مبنی ہو۔ ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ حالات کے آگے ہتھیار ڈالنے اور جھک جانے کے معنی محکومی اور موت کے ہیں۔ مغرب کے استعماروں، عیسائیوں اور یہودیوں کی اطاعت قبول کر لینا اور اُن کی ہر بات مان لینے کا مطلب امن اور پناہ نہیں بلکہ مکمل تباہی ہے جس طرح 25 نومبر 1492ء کو اندلس کی آخری عرب ریاست کے سربراہ ابو عبداللہ محمد نے اسپین کی عیسائی ریاست کے حکمران شاہ فرڈی ننینڈ چہارم (1452-1516) کے سامنے حصولِ امن، خوف مطمع اور فاقہ کشی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور "امن معاہدہ" کر لیا

۔ یہ امن معاہدہ بعد میں اندلس سے مسلمانوں کے مکمل اخراج اور تباہی کا باعث بنا ﴿۱۰﴾ ۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی ایک قابل لحاظ تعداد نے "طوعاً اوکرھاً" لیکن عملاً اس تباہ کن راستے کو اختیار کر لیا ہے ۔ امریکہ اور یورپ کے سامنے مکمل ہتھیار ڈال دینا اور اُن کی تابعداری پر اتر آنا اور کمربستہ ہو جانا دراصل ذہنی، فکری، نظریاتی اور عملی طور پر ہتھیار ڈال کر دشمن کے رنگ میں رنگ جانا ہے ۔ اپنے جسم کو بچانے کی مرہوم امیدوں کے نام پر ایمان تہذیب اور اقدار و تصور حیات تک کی قربانی دے دینا ہے ۔ ترکی میں کمال اتاترک نے یہی راستہ اختیار کیا جس کا مطلب یہ نکلا کہ یورپ کے مقابلہ میں 100 سال کے بعد بھی ترکی "یورپ کا مردِ بیمار" ہی ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ شریک کار نہ بنایا جائے ، اپنی تہذیب و تمدن ، روایات و نظریات کو ترک نہ کیا جائے ۔ بس کسی نہ کسی طریقے سے، حکمت اور دانائی سے، تصادم کے راستے کو چھوڑتے ہوئے، بس اپنے آپ کو بچالیا جائے ۔ اسے تحفظ کی حکمت عملی کہتے ہیں ۔ یہ حکمت عملی ہتھیار ڈالنے سے (سرنڈر کرنے) سے کچھ بہتر ہے ۔

اس پالیسی میں اپنے آپ کو مسجد، مدرسہ اور خانقاہ میں محصور کر کے تبلیغی سرگرمیوں تک محدود کیا جا سکتا ہے لیکن یہ حکمت عملی بھی درست نہیں بلکہ ناکافی ہے اس حکمتِ عملی کے ذریعے خطرات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پر جمود طاری ہوتا چلا جاتا ہے ۔ بالآخر محکومیت اور مغلوبیت ایسی اقوام کا مقدر بن جاتے ہیں ۔

تیسرا راستہ تصادم اور انتقام کا راستہ ہے کہ بغیر کسی منصوبہ بندی اور مناسب حالات کے میدان میں کود پڑو، بس جان کی بازی لگادو خدا کے راستے میں شہادت حاصل کرلو، اڑادو، تباہ کردو اور جس چیز پر حملہ آور ہو سکتے ہو، حملہ کردو ۔ یہ بھی کوئی دانش مندی کا راستہ نہیں ۔ جذبات رکھنا اور جذبات میں آجانا فطری چیز ہے لیکن جذبات کے ساتھ ساتھ تفکر، تدبر اور سوچ و بچار کی بھی ضرورت ہے، اسلام کی تعلیمات میں استقامت حکمت عملی اور صبر منصوبہ بندی کے اہم عناصر ہیں ۔ قوت کا بے تکا استعمال اور اندھی کاروائیوں کی بجائے قوت کو حکمت عملی کے ساتھ جوڑا گیا ہے ۔ جذبات کی رو میں بہہ کر تیاری اور صحیح حکمت عملی اور صحیح وقت کا تعین کئے بغیر جنگ کرنا حماقت اور خودکشی ہے ۔ آخر کیا وجہ تھی کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے اپنے نظریات اور دین پر کاربند اور قائم رہتے ہوئے ظلم اور جبر کو برداشت کیا، دعوت کیلئے نئے نئے راستے نکالے، اپنے شہر کو چھوڑ کر حضورؐ طائف بھی گئے ، صحابہ کو بھی دوسرے ملکوں میں ہجرت کیلئے کہا، بائیکاٹ اور پابندیوں (Boycott and Embargo) کا سامنا بھی کیا اور شہر کے باہر ڈیرے لگائے لیکن عسکری مذاحمت نہیں کی ۔ گوریلا جنگ نہیں کی ۔ چھپ چھپ کر حملے نہیں کئے ۔ خودکش دھماکے نہیں کئے ۔ مدینہ آنے کے بعد بھی

یک لخت فوج کشی شروع نہیں کی بلکہ دفاعی تیاریاں کیں، اپنی قوت کو منظم و مرتب کیا۔ دشمن کے خلاف جنگ میں پہل نہیں کی اور اپنی اجتماعیت کو میثاق مدینہ (Madina Pact) کی صورت میں مستحکم کیا۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ پر توکل کرو۔ لیکن اونٹ باندھ کر۔ اگر آپ اونٹ کو باندھیں گے نہیں، تدبیر اور حکمت عملی اختیار نہیں کریں گے تو صرف توکل کی بنیاد پر کوئی ردِّ عمل اسلامی ردِّعمل نہیں کہلائے گا۔ ان نازک حالات اور واقعات کو مدِ نظر رکھ کر، عالم اسلام کی بے بسی اور امریکی اور یورپی قوت اور طاقت کی بے لگام یلغار سے بچنے کیلئے ہمیں اپنی تعمیر نوع کی حکمت عملی تیار کرنی چاہیے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے سب سے پہلے اصل اہداف کا تعین ضروری ہے۔ پھر ان اہداف کے حصول کیلئے خطوط کار اور حکمت عملی وضع کی جائے۔

عالم اسلام کا اصل ہدف اس وقت یہ ہے کہ ہمیں اپنے ایمان اپنے نظریے اور اپنے نصب العین سے سرِ مو انحراف نہیں کرنا چاہیے۔ جس چیز کا تقاضا ہمارا ایمان کرتا ہے وہ اسلام کے بارہ میں ہمارا وژن ہے۔ اسلام کے مکمل نظام حیات (Complete Code of Life) ہونے پر ہمارا پختہ ایمان ہونا چاہیے۔ گویا اس حکمت عملی میں ہمارا پہلا ہدف اپنے وژن، اپنے ایمان، اپنی شناخت اور اپنی منزل کا تحفظ ہے۔ اس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔ ہمارا دوسرا ہدف قوت اور طاقت کا حصول ہونا چاہیے۔ یہ قوت اور طاقت تعلیمی میدان میں ہونی چاہیے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں تحقیق اور ترقی کے ذریعے ہونی چاہیے۔ نئی نئی ایجادات اور اختراعات کے ذریعے ہونی چاہیے۔ ترقی کے میدان میں ہمیں بھی دوسری ترقی یافتہ قوموں کے برابر کھڑا ہونا چاہیے۔ تیسری بات اور ہدف مسلمان ممالک کے درمیان اتحاد اور اخوت کا قیام ہے۔ ایک ہی ملک میں مختلف مکاتب فکر کے مسلمانوں کے درمیان قوت برداشت اور وسعت ظرف پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کے مختلف مذاہب اور مکاتب فکر کے درمیاں قربت اور مفاہمت پیدا کرنے کیلئے باہمی تعاون اور ہمدردی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ان سب سے اہم بات جو موجودہ دور میں نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ عالم اسلام کو فی الوقت یورپ اور امریکہ کے ساتھ تصادم کا راستہ ترک کر دینا چاہیے۔ محبت اور بھائی چارے کو فروغ دینا چاہیے۔ "تہذیبوں کے تصادم" کے مغربی نظریے کی بجائے" تہذیبوں کے درمیان تعاون اور مطابقت" کے نظریے کو فروغ دینا چاہیے۔ جب ہم مادی، اخلاقی، تعلیمی اور تحقیقی میدانوں میں ترقی کی منازل طے کرلیں گے تو دوسروں کے ساتھ تصادم خود بخود ختم ہوجائیں گے اور مفاہمت پیدا ہوجائے گی۔

☆☆☆

فصل دوئم

تعلیمی ترقی کیلئے انفرادی اور اجتماعی کوششوں کی ضرورت

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور معاشرہ اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک اُس میں تعلیم عام نہ ہو۔ اس تعلیم میں دینی، دنیاوی، بنیادی اور اعلیٰ، نظری اور عملی، تحقیقی اور تجرباتی، سائنسی اور فنی ہمہ قسم کی تعلیم شامل ہے۔ تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی وحی میں ہی پڑھنے کا حکم دیا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ٥ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥﴾ ﴿١١﴾۔ اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا............ اور پھر اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کے بعد اپنے پیغمبر کی ڈیوٹی یہ لگائی کہ دوسروں کو پڑھاؤ۔

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ ﴿١٢﴾۔

اور ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے، تمہیں کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی باتیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو ڈیوٹی لگائی تھی اس کے مطابق حضور علیہ السلام کی زندگی تعلیم اور تعلّم میں ہی گزر گئی۔ حضور علیہ السلام نے خود بھی فرمایا کہ میں تو ہوں ہی معلّم۔ ((انما بعثت معلماً)) ﴿١٣﴾۔ خدا کا فرمان ہے: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط﴾ ﴿١٤﴾۔ بے شک اللہ سے وہی اس کے بندے ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہوں۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

((طلب العلم فريضة على كل مسلم)) ﴿١٥﴾۔ یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اسلام میں علم کے حصول کا مطلب صرف دینی تعلیم ہی نہیں بلکہ ہمہ قسم کے علوم کا حصول ہے۔ بدر کے قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر کیا کہ وہ مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت جیسے عالم فاضل نے اس موقع پر ہی لکھنا پڑھنا سیکھا تھا ﴿١٦﴾۔ ان علوم میں سائنسی علوم بھی شامل ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ﴾ ﴿١٧﴾۔ اے نبی اُن سے کہو کہ تم زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔

خدا تعالیٰ مسلمانوں کو مظاہر فطرت کے مشاہدے پر بھی ابھارتا ہے۔ خدا کا فرمان ہے: بے شک آسمانوں اور زمین کا پیدا ہونا، دن اور رات کا بدلنا، سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا تیرنا اور اُن سے لوگوں کا فائدہ اٹھانا، آسمان سے بارش کا برسنا اور اس کے ذریعے مردہ زمین کا زندہ ہو جانا، روئے زمین پر طرح طرح کے جانوروں کا پایا جانا، ہواؤں کا چلنا، اور زمین و آسمان کے درمیان بادلوں کا حکم کے تابع ہونا، یہ اُن لوگوں کیلئے اللہ کی کھلی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ﴿۱۸﴾۔

پھر خدا تعالیٰ کائنات کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰـهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ ﴿۱۹﴾۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے۔

مذکورہ حوالوں سے تعلیم کی افادیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ اسلام کا بنیادی نظریہ ہے تعلیم اسلام کی روح اور بنیادی فرض ہے۔ جب کوئی قوم اپنے بنیادی نظریئے سے اپنی وابستگی کھودے جس پر وہ ایمان رکھتی ہے تو اس کی قوت عمل مفلوج ہو جاتی ہے ۔اُس قوم پر سستی کاہلی اور کام چوری کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اُس کے افراد کاہل ہو جاتے ہیں۔ اس قوم کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح اسے کام نہ کرنا پڑے لیکن وسائل حیات اسے بافراغت ملتے رہیں۔ ایسی قوم اپنی جہالت میں مگن ہو جاتی ہے۔ ایسی قوم کو اپنی عملی تربیت کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ ایسی قوم اپنی جہالت کی وجہ سے لایعنی تصورات اور توہمات کی دلدل میں پھنس جاتی ہے۔ اس قوم کے افراد غور و فکر کی صلاحیت سے عاری ہو جاتے ہیں اور اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید انہیں خوشگوار لگتی ہے۔ تخلیق و تحقیق و اجتہاد سے انہیں کوئی رغبت نہیں ہوتی۔ ایسے معاشرے کے لوگ آپس میں لڑتے ہیں، جھگڑتے ہیں۔ اس عدم اتحاد اور بے اتفاقی کی وجہ سے یہ قوم صحیح طور پر منظم نہیں ہو سکتی اور صحیح منصوبہ بندی نہیں کر سکتی۔ ایسی قوم خود غرض اور بزدل ہو جاتی ہے۔ یہ سیاسی طور پر عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ادارے کمزور ہو جاتے ہیں، نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، ظلم جبر اور استحصال و رشوت ستانی عام ہو جاتی ہے اور آخر کار ایسی قوم تباہ و برباد ہو جاتی ہے جس کے بعد عالم اسلام کی موجودہ صورت اختیار کر لیتی ہے۔

اس کے مقابلہ میں ترقی یافتہ قومیں وہ ہوتی ہیں جو اپنے بنیادی اصولوں پر کاربند ہوتی ہیں۔ وہ اپنے نظریہ حیات سے وابستہ ہوتی ہیں۔ محنت، اتحاد، تنظیم و منصوبہ بندی، پابندئ قانون، ایثار و قربانی اور ایمانداری و خلوص اُن قوموں کے بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں سیاسی استحکام آ جاتا ہے، تعلیم و تربیت کا نظام بہتر ہو جاتا ہے۔ تحقیق اور ترقی اُن کی معاشی ترقی کا راز بن جاتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے وہ حربی قوت بن کر اپنے آپ

کو نا قابل تسخیر بنا لیتے ہیں۔ یورپ میں کہیں چلے جائیں کام کے اوقات میں ہر آدمی آپ کو اپنے کام میں منہمک نظر آئے گا۔ کاہلی اور کام چوری کا وہاں تصور ہی نہیں۔ دفتری اوقات میں آپ کو وہاں کوئی اخبار پڑھتا نظر نہیں آئے گا، گپیں لگاتا نظر نہیں آئے گا۔ وہ لوگ ہفتے میں پانچ دن کام کرتے ہیں اور ایمان داری سے جان مار کر کرتے ہیں۔ یہی اُن کی عزت اور عظمت کا راز ہے۔

مغرب کی ترقی کا اصل راز تعلیم و تربیت اور اعلیٰ پائے کی تدریس و تحقیق ہے۔ امریکہ میں شرح تعلیم 99 فیصد ہے۔ وہاں 5700 سے زائد اعلیٰ پائے کی یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیم کیلئے ادارے ہیں جبکہ عالم اسلام کے 57 ممالک میں صرف 600 یونیورسٹیاں ہیں ﴿۲۰﴾۔ اس قدر یونیورسٹیاں دنیا کے کسی ملک میں موجود نہیں۔ امریکہ تعلیم پر 7.1% خرچ کرتا ہے ﴿۲۱﴾۔ اس کی مجموعی آمدن، GDP 10881 بلین ڈالر ہے ﴿۲۲﴾۔ مغربی یورپ کے سب ممالک، جرمنی، فرانس اور برطانیہ وغیرہ کا بھی یہی حال ہے۔ برطانیہ تعلیم پر اپنے GDP کا 5% خرچ کرتے ہیں اور جرمنی 5.9% کرتا ہے ﴿۲۳﴾۔ امریکہ کی ایک بڑی یونیورسٹی کا بجٹ پورے پاکستان کے نظام تعلیم کے بجٹ سے زیادہ ہے ﴿۲۴﴾۔ اچھی یونیورسٹی کا اوسط بجٹ ایک ارب ڈالر ہے۔ کارنل یونیورسٹی کا بجٹ (سالانہ) ایک ارب 10 کروڑ ڈالر ہے۔ (1100 ملین ڈالر) ﴿۲۵﴾۔ دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ تحقیق امریکہ میں ہو رہی ہے۔ امریکہ اپنی کل آمدنی کا 2.8% ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ پر خرچ کرتا ہے ﴿۲۶﴾۔ مسلم ممالک کی حالت یہ ہے کہ پاکستان ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ کے میدان میں اپنے GDP کا 0.4% خرچ کرتا ہے۔ ترکی 1% خرچ کرتا ہے۔ جبکہ او آئی سی کے رکن ممالک اپنے GDP کا مجموعی طور پر 0.2% خرچ کرتا ہے لیکن دفاع پر اوسطاً 7% خرچ کرتے ہیں ﴿۲۷﴾ جس کے نتیجے میں مغرب کو کثیر سرمایہ منتقل ہو جاتا ہے۔ تعلیم اور تحقیق پر اتنا خرچ کرنے کے بعد اگر امریکہ اور یورپ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ساری دنیا سے آگے ہیں تو اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔

امریکہ اور یورپ کی ترقی کی بنیادی وجہ سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں اُن کی حیران کن ترقی ہے اور سائنس و ٹیکنالوجی میں اُن کی ترقی کا سبب ریسرچ اور تحقیق میں اُن کی گہری دلچسپی اور بھاری اخراجات ہیں۔ انہوں نے ترقی کو مطمع نظر بنالیا اور مسابقت میں دن رات ایک کر دیا۔ مغرب کی مستحکم (Stable) حکومتوں نے تعلیم و تحقیق کے میدان میں وافر فنڈز رکھے اور بہترین سہولتیں بہم پہنچائیں جس کے نتیجے میں انسانی صلاحیتوں کو جلا ملی اور وہاں ایجادات کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ پھر سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی، صنعتی ترقی کی بنیاد بنی۔ اسی کو بنیاد بنا کر دفاعی ریسرچ میں آگے بڑھے اور حربی طاقت بن گئے۔ اسی حربی تفوق

نے مغرب کو دنیا کا قائد بنا دیا۔

اعلیٰ تعلیمی اداروں کے قیام کیلئے انفرادی اور اجتماعی کوششیں:

موجودہ دور میں اگر عالم اسلام اپنا رویہ نہیں بدلے گا تو انحطاط اور پسماندگی کے چنگل سے کسی طرح نہیں نکل سکے گا۔ تعلیمی میدان میں مسلم امہ خاص طور پر پیچھے ہے۔ اسلام نے تعلیم پر جتنا زور دیا ہے، ہم نے اس کو اتنا ہی نظر انداز کیا ہے۔ حالانکہ تعلیم ہی ہر قسم کی ترقی کی بنیاد (Basis) ہے۔ اس وقت عالم اسلام کے پاس صرف 3 لاکھ سائنسدان ہیں۔ حالانکہ ان کی آبادی ڈیڑھ ارب کے قریب ہے۔ امریکہ کی آبادی 30 کروڑ سے بھی کم ہے جبکہ اُس کے پاس سائنسدان کی تعداد گیارہ لاکھ ہے اس وقت (2006ء میں) مسلمان ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کی آبادی 120 کروڑ ہے، ان میں 80 کروڑ مسلمان بالکل انپڑھ ہیں ﴿۲۸﴾۔ پورے عالم اسلام میں اعلیٰ تعلیمی اداروں یا یونیورسٹی سطح کے اداروں کی تعداد تقریباً 600 ہے۔ صرف جاپان میں 1000 یونیورسٹیاں ہیں۔ ٹوکیو شہر میں 125 یونیورسٹیاں ہیں۔ امریکہ میں یونیورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کی تعداد 5758 ہے۔ یورپ کے ایک ایک ملک میں سینکڑوں یونیورسٹیاں ہیں۔

جب تک اعلیٰ تعلیمی اداروں کی تعداد نہیں بڑھائیں گے، معیار تعلیم کو بلند نہیں کریں گے۔ تعلیم کی مقدار کو نہیں بڑھائیں گے۔ 600 یونیورسٹیوں کی جگہ 6000 (چھ ہزار) یونیورسٹیاں نہیں کریں گے، 3 لاکھ سائنسدانوں کی جگہ 30 لاکھ سائنسدان نہیں کریں گے، دنیا کی تحقیقی سرگرمیوں میں ایک فیصد (1%) کی بجائے ہمارا حصہ 20% نہیں ہوتا، عالمی GDP میں ہمارا حصہ 5% کی بجائے 20% نہیں ہوتا، ہم ترقی یافتہ قوم نہیں بن سکتے۔ اعلیٰ اداروں کے قیام کی 90% ذمہ داری حکومتوں پر عائد ہوتی ہے۔ عالم اسلام اگر واقع ہی ترقی یافتہ ممالک اور قوموں کی صف میں شامل ہونا چاہتا ہے تو اپنے مجموعی GDP کا 20% تعلیم، تحقیق اور ترقی کیلئے مختص کر دے۔ یہ وقتی طور پر بہت مشکل ہے۔ لیکن 20% کے حساب سے عالم اسلام کا تعلیمی بجٹ تقریباً 300 ارب ڈالر بنے گا۔ 300 ارب ڈالر امریکہ کے تعلیم اور تحقیق و ترقی کے مجموعی بجٹ کا 50% بھی نہیں ہے۔ وقتی تکلیف ضرور ہوگی لیکن 5 سال کے اندر اندر اس کا آؤٹ پٹ (Out-put) اور ریٹرن (Return) حیران کن ہوگا، تعلیم پر خرچ کئے گئے

بجٹ سے کئی گنا زیادہ فائدہ ہوگا۔ نیکی کیلئے تو 10 دنیا اور 70 آخرت کا فارمولا ہے۔ تعلیم پر خرچ کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ اس میدان میں ایک روپے خرچ کرنے سے دنیا میں ہی 70 مل جاتے ہیں۔

تعلیم کی ترقی کیلئے اجتماعی اور انفرادی دونوں قسم کی کوششیں کی جاسکتی ہیں۔ اجتماعی کوششوں سے مراد حکومتی سطح پر یا کسی بڑے گروہ یا مذہبی اور سیاسی پارٹیوں کی طرف سے کسی بڑے تعلیمی ادارے کے قیام کی صورت میں کوشش ہوسکتی ہے۔ انفرادی کوشش سے مراد کوئی بھی آدمی اچھا پرائیویٹ ادارہ بنا سکتا ہے۔ جسطرح موجودہ دور میں لاہور یونیورسٹی فار مینجمنٹ سائنسز (LUMS)، ہمدرد یونیورسٹی یا اس طرح کے اور اعلیٰ تعلیمی ادارے سکولوں اور کالجوں کی شکل میں بھی ہوسکتے ہیں جن کی مثالیں پاکستان اور دوسرے ملکوں میں بہت ہیں۔

سرسید نے علی گڑھ میں بہت معیاری سکول بنایا تھا (1875) جو بعد میں 1877ء میں کالج (MAO College) اور پھر یونیورسٹی بنا جو آج کل علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے۔

اسی طرح بنگال میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کا سہرہ نواب عبداللطیف کے سر ہے جنہوں نے محمڈن لٹریری سوسائٹی کے نام سے تعلیمی سرگرمیاں شروع کیں۔

سرسید نے "محمڈن ایجوکیشن کانفرنس" بھی قائم کی تھی جس نے برصغیر میں تعلیمی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

انجمن حمایت اسلام کی بنیاد 1884ء میں رکھی گئی جس کا مقصد تعلیم کا فروغ تھا۔ اس کا پہلا دفتر حویلی سکندر خان لاہور میں ڈھائی روپے ماہوار پر کمرہ کرائے پر لے کر بنایا گیا۔ لاہور میں انجمن نے بہت سے تعلیمی ادارے کھولے۔ انجمن کے زیر اہتمام کم و بیش 16 تعلیمی ادارے کام کر رہے تھے جو اب سرکاری تحویل میں لے لئے گئے ہیں۔ اسلامیہ کالج اٹاوہ مولوی تمیز الدین نے کھولا تھا۔ سندھ مدرسہ کراچی جو بعد میں ایس ایم کالج بن گیا تھا، اس کا بانی حسن علی آفندی تھا۔ اسی طرح اسلامیہ کالج پشاور کا آغاز بابو غلام حیدر ٹھیکدار اور میاں عبدالکریم کے ہاتھوں ہوا۔ آغاز 1890ء میں ایک سکول سے ہوا جو بعد میں 1902ء میں ہائی سکول بن گیا اور 1914ء میں کالج بن گیا ﴿۲۹﴾۔

جب تک اعلیٰ تعلیمی اور تحقیق اداروں کا جال نہیں بچھا دیا جاتا جو بین الاقوامی سطح کے ہوں، اس وقت تک مسلمان ممالک میں ترقی خواب ہی رہے گی۔ لہٰذا تعلیمی اور تحقیق سرگرمیوں کو اجاگر کرنے کیلئے عالم اسلام کو اجتماعی طور پر کوششیں کرنی چاہیں۔ غریب مسلم ممالک میں بھی اعلیٰ تعلیم کے اداروں کا قیام ضروری ہے جو امیر مسلم ممالک کے فرائض میں شامل ہونا چاہیے۔

☆☆☆

فصل سوئم

مذہبی، اخلاقی، روحانی اقدار اور جذبۂ اخوت کو بلند کرنے کیلئے عملی اقدامات

دنیا میں کامیاب انسان وہ ہے جو خوش ہے۔ اکثر اوقات انسان کو کوشش اور ہمت سے مقصود چیزیں مل جاتی ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ ﴿۳۰﴾۔ یعنی انسان کیلئے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ لیکن خوشی کا ملنا بہت مشکل ہے یہ خوشی انسان کو کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟

کیا مال و دولت کی فراوانی سے خوشی مل سکتی ہے؟

اقتدار سے خوشی حاصل ہوسکتی ہے؟

آسائشوں اور راحتوں سے؟

یہ چیزیں خوشی کی ضامن نہیں۔ پھر خوشی آخر کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟ خوش رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان اپنے رب کی خوشی اور رضا میں راضی اور خوش رہنا سیکھ لے۔ سچی خوشی اگر حاصل ہوسکتی ہے تو اللہ کے حکم پر:

- ☆ بھوکے کو کھلانے سے۔
- ☆ غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرنے سے۔
- ☆ بڑوں کی عزت کرنے اور چھوٹوں سے پیار کرنے سے۔
- ☆ سادگی سے، توکل اور قناعت سے۔
- ☆ ایثار اور قربانی سے۔
- ☆ انسانوں سے محبت، صلہ رحمی اور علم سے، حلم سے، سخاوت سے سب کو مسکرا کر ملنے سے۔
- ☆ لوگوں میں خوشیاں بانٹنے سے۔

طائف میں پتھر کھانے اور لہولہان ہونے کے بعد حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی اور کہا: اے خداوند! اگر تو مجھ سے راضی ہے تو مجھے ان سب کی پرواہ نہیں۔ قیصر روم کا وفد جب حضرت عمر سے ملنے مدینہ آیا تو حضرت عمر ایک درخت کے نیچے زمین پر سو رہے تھے اور تکیے کی جگہ ایک پتھر تھا۔

ہارون رشید طواف کر رہا تھا کہ ایک شخص کعبہ میں داخل ہوئے تو ساری مخلوق اُن کے گرد جمع ہوگئی۔ ہارون نے تعجب سے

پوچھا یہ کون ہے؟ پتہ چلا کہ یہ عبداللہؒ بن مبارک ہیں۔ ہارون نے حسرت سے کہا کہ اصل حاکم تو یہ ہیں۔ اس لئے اگر دولت کی چاہت ہے، عزت کی چاہت، سکون قلب کی تلاش ہے تو عزت، دولت، رزق اور سکون دینے والے کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ﴿۳۱﴾۔ خبردار! اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔

ہشام بن عبدالملک ایک دفعہ حج کر رہا تھا تو علی بن حسین زین العابدین بھی حج کے موقع پر آ گئے۔ ساری دنیا زین العابدین کی طرف متوجہ ہو گئی اور ہشام بن عبدالملک جو خلیفہ وقت تھا، اُس نے حقارت اور تجاہل عارفانہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے، جس کی طرف لوگ بھاگ رہے ہیں؟ فرزدق نے اس کے جواب میں شعر کہے:

هذا الذی تعرف البطحاء و طأته

و البيت يعرفُه و الحل و الحرم

هذا ابن خير عبادالله كلهم

هذا التقى النقى الطاهر العلم

اذا رأته قريش قال قائلها

الى مكارم هذا ينتهى الكرم

عالم اسلام اس وقت مذہبی، اخلاقی ذہنی اور روحانی انتشار کا شکار ہے۔ اخوت اور بھائی چارے کا جذبہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ عربوں نے کبھی غیر عربوں کو کسی قسم کی اہمیت نہیں دی۔ عرب اسرائیل جنگ 1967ء میں ہوئی۔ عربوں نے اس جنگ کو اسلام کی جنگ سمجھ کر نہیں لڑا تھا اور نہ ہی عالم اسلام کو مدد کیلئے پکارا۔ 1967ء کی جنگ کو عرب اسرائیل جنگ سمجھ کر لڑا گیا۔ مذہبی اور جذبے کے نہ ہونے کی وجہ سے اس جنگ میں شکست ہوئی۔ 14 عرب ریاستیں ایک طرف اور ایک طرف اکیلا اسرائیل۔ اسرائیل نے ایک ہفتے کے اندر اندر عربوں کو شکست دے دی۔ اُس کے الٹ جولائی، اگست 2006ء میں حزب اللہ (ایک چھوٹی سی غیر حکومتی تنظیم یعنی ایک اسلامی جہادی تنظیم) نے اسرائیل کے ساتھ مذہبی اور روحانی نقطۂ نظر سے جنگ لڑی اس جنگ کو عالم اسلام کی جنگ بنا کر مذہبی بنیادوں پر لڑا گیا اور اسرائیل کے دانت کھٹے کر دیئے۔ جو کام 14 ریاستوں نے عربی قوم کے نام پر جنگ لڑ کر نہ کیا وہ حزب اللہ کی ایک چھوٹی سی غیر سرکاری تنظیم نے مذہب اور روحانیت کی بنیاد پر جنگ لڑ کر، کر دیا۔ حالانکہ حزب اللہ کے جنگجوؤں کی تعداد تین ہزار سے پانچ ہزار (5000) ہے۔ جب ہم مذہبی، دینی، اخلاقی اور روحانی لحاظ سے کھوکھلے ہو جائیں گے، ہمارے جذبے ختم ہو جائیں

گے۔ ہم اپنے نظریات سے ہٹ جائیں گے، اپنے نصب العین کو بھول جائیں گے تو ذلت اور بربادی نے ہمارا مقدر بننا ہی ہے۔ اگر کسی قوم کا نظریۂ حیات صحیح ہو تو اس کے زوال کا بنیادی سبب اس نظریۂ حیات سے وابستگی کھو دینا ہوتا ہے۔ مسلم امہ کے عروج کی وجہ اس کی اپنے نظریۂ حیات سے محکم وابستگی تھی۔ مذہبی، روحانی اور اخلاقی لحاظ سے یہی وابستگی جب کمزور پڑ گئی تو انحطاط اور زوال شروع ہو گیا۔

قرآن وسنت کے مطابق بھی یہ یہی ہے کہ اگر تم اپنے نظریۂ حیات (دین اسلام) کو چھوڑ دو گے تو دنیا اور آخرت دونوں میں ناکام ہو جاؤ گے۔ زبانی اقرار کافی نہیں بلکہ سچ مچ کے باعمل مسلمان بن کر دکھاؤ۔ انسان کو جو بھی نظریہ حیات ہو۔ اس کے ساتھ اُس کی گہری وابستگی ضروری ہے ورنہ تو منافقت ہوگی۔ منافقت سے خدا تعالیٰ کو بہت چڑ ہے، نفرت ہے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ج وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾ ﴿۳۲﴾۔ بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے والے طبقے میں ہوں گے اور تم اُن کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔ نفاق کفر سے اس لئے بدتر ہوتا ہے کہ یہ دھوکا ہے اپنے آپ کے ساتھ، خلقِ خدا کے ساتھ اور خدا کے ساتھ۔ جو لوگ کسی نظریۂ حیات کا دعویٰ کریں اور عمل اس نظریئے کے خلاف کریں، شکست اور ذلت و نامرادی اُن کا مقدر بن جاتی ہے۔ اُن کی شخصیت انتشار کا شکار رہتی ہے، اُن کی روحانی، اخلاقی اور دینی قدریں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ایسے منافق لوگ ہمیشہ تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ آپ کی شخصیت یکسو ہو۔ آپ کو سکیٹزوفرینیا (Schizophrena) کی بیماری نہ ہو۔ آپ کے فکر و عمل کی ایک جہت معین ہو۔ لیکن اگر آپ نام اسلام کا لیتے ہوں اور کام اس کے الٹ ہوں تو کامیابی کیسے ممکن ہے؟ مسلمانوں کی حالت اس وقت ایسی ہے۔ منافقت کا ان میں اثر عام ہے روحانی قدریں ختم ہو گئی ہیں۔ مذہبی و دینی جذبہ مفقود ہو گیا ہے۔ اخوت اور بھائی چارے کا نام ونشان نہیں ہے۔ معروضی لحاظ سے عالم اسلام کے زوال کا سبب مسلمانوں کی اپنے نظریۂ حیات کے ساتھ بے وفائی ہے۔ نبی کریمؐ نے ایک دفعہ صحابہ کرام سے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم پر لوگ بھوکوں کی طرح ٹوٹ پڑیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا اس وقت ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی؟ فرمایا نہیں تمہاری تعداد تو بہت زیادہ ہوگی لیکن دشمنوں پر تمہارا رعب نہیں رہے گا اور تمہارے اندر وہن آ جائے گا۔ صحابہ نے پوچھا وہن کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے کراہت ﴿۳۳﴾۔ گویا کہ حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کے زوال کا سبب اسلامی احکام پر عمل نہ کرنا، آخرت کے مقابلہ میں دنیا سے محبت کرنا اور اپنے مقصد حیات کیلئے قربانی دینے کے جذبے کا باقی نہ رہنا

ہے۔اور یہ اسباب ہیں روحانیت، مذہب اور نظریاتی اخلاقیات کے کمزور ہونے کے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے عروج کی وجہ اسلام پر عمل کرنا، آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا، مذہبی اور روحانی اقدار کا خیال رکھنا اور اپنے نظریۂ حیات کو، عملی طور پر، ہمیشہ یاد رکھنے اور اُس پر جان لڑا دینے کا نام ہے۔

آج ہم نے اپنے نظریۂ حیات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ہم روحانیت، مذہب، اخلاق اور آپس میں بھائی چارے اور اخوت سے عاری ہوگئے ہیں۔حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ((رأس الحكمة مخافة الله)) یعنی حکمت اور دانائی کی بنیاد خوفِ خدا ہے۔ ہم اسے بھول گئے۔((الصلوة عماد الدين)) کو بھول گئے کہ نماز دین کا ستون ہے۔ہم بھول گئے کہ ((المسلم من سلم المسلمين من لسانه ويده))۔ ہم بھول گئے کہ ((المسلم اخوالمسلم كالجسد الواحد)) ،مسلمان، مسلمان کا اسطرح بھائی ہے جس طرح ایک جسم آپؐ نے فرمایا تھا کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔حب دنیا مرگِ ایمان ہے، بزدلی کی بنیاد ہے اور اسلامی نظریۂ حیات کے الٹ ہے۔ہم حب دنیا میں غرق ہوگئے۔اس حوالے سے خدا نے کہا تھا ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾۔مال کی کثرت (کے لالچ) نے تمہیں ہلاک کر دیا یہاں تک کہ تم قبروں میں چلے گئے۔

مسلمانوں کے فکرِ آخرت میں کمی آگئی، شرک و بدعات عام ہوگئیں، دینی بنیادوں سے دوری ہوگئی، اخلاقی کمزوریاں زور پکڑ گئیں، تقلید اور جمود نے ہمیں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے سے روک دیا اور خدا کی راہ میں جہاد میں کمی آگئی۔قرآن پاک میں کامیابی کے جو قوانین ملتے ہیں اُن کو آسانی سے ایک ہی سورۃ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔"زمانے کی قسم بے شک انسان خسارے میں ہے۔ماسوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور (جنہوں نے) آپس میں حق کی بات کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی" ﴿۳۴﴾۔

اگر ہم اپنی مذہبی، اخلاقی، ذہنی اور روحانی قدروں اور روایات کو زندہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہی انحطاط اور تنزل ترقی اور خوشحالی میں بدل جائے گا۔قرآن کہتا ہے: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ...... الخ﴾ دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگ گئی ہے تو (کوئی بات نہیں) اس سے پہلے یہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں۔جنہیں، ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم میں سچے مومن کون ہیں۔اور اُن لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا ہے

جو واقعہ ہی (راستی کے) گواہ ہیں۔ کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں" ﴿ ۳۵ ﴾۔

پھر فرمایا کہ: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ نے ابھی یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے ہیں اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں ﴿ ۳۶ ﴾۔

اللہ تعالیٰ کہتا ہے: حقیقت میں مومن وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے لوگ ہیں ﴿۳۷﴾۔ ﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾۔ جو اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا۔

گویا اس وقت مذہب کے راستے پر پختگی سے چلنے کی ضرورت ہے۔ اخلاقی میدان میں بلند ہونے کی ضرورت ہے۔ روحانی قدروں کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ ذہنی طور پر پختہ ہونے کی ضرورت ہے کہ اتحاد اور اخوت کے بغیر عالم اسلام ترقی نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہم زوال اور انحطاط کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

فصل چہارم

اجتہادی جمود کا خاتمہ اور حالات کے مطابق نئے راستوں کی تلاش

موجودہ دور میں اجتہاد کی ضرورت واہمیت:

اس وقت مسلم امہ کو علمی میدان میں بڑے چیلنجوں کا مقابلہ ہے۔ سائنسی علوم، تحقیق وتدریس، ایجادات واختراعات کے میدان میں ترقی یافتہ دنیا مسلم دنیا سے 99 گنا آگے ہے۔ فکری میدان میں مغرب، عالم اسلام کو کسی گنتی میں شمار نہیں کرتا۔ اسلامی فکر اور نئی جستجو کے لحاظ سے ایک طرف قدامت پسند علماء ہیں جو اصابت فکر اور اور صلابت رائے سے محروم، رسومات ہی کو دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ سلف نے جو کچھ اپنے اجتہاد و قیاس سے کر دیا ہے اس دین کے اصل سرچشمہ مصفا پر فوقیت دیتے ہیں۔ دوسری طرف تجدّد پسند علماء کی کھیپ تیار ہو رہی ہے۔ جو دین کے ہر معاملے میں اپنی عقل ناقص کی پیوند کاری ضروری سمجھتے ہیں۔ عالم اسلام میں علمی طور پر جو سرمایہ اس وقت جمع ہو رہا ہے اُس کا بہت زیادہ حصہ اسلامی فکر کے احیاء کی غذا سے خالی ہے۔ فروعات، اختلافی مسائل اور اپنے اپنے مکتبۂ فکر کو صحیح ثابت کرنے کیلئے کتابوں کے انبار لگ رہے ہیں۔ ہر روز نت نئی سنتیں ایجاد ہو رہی ہیں۔ صدیاں ہوئیں اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے گئے اور عالم اسلام نئے مسائل کے حل کیلئے بانجھ ہو گیا ہے، حریت فکر اور اجتہاد کے ذریعے نئے مسائل حل کرنے والے کے خلاف جاہل یا نیم پڑھے لکھے علماء نے زبانیں اس انداز میں کھولیں کہ کوئی سکالر نئی تحقیق اور ریسرچ کے ذریعے لب کشائی کرنے سے ڈرتا ہے۔ تقلید اور اجتہادی جمود نے ہماری حریتِ فکر، تحقیق اور اجتہاد کی روح پر تالے لگا دیئے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہمیشہ غور و فکر کرتے رہو اور جمود اور تعطل کا شکار نہ ہو رسول اللہ ؐ در پیش مسائل پر خود اجتہاد فرماتے، صحابہ سے اجتہاد کرواتے (جس طرح معاذ جبلؓ سے سوال و جواب کئے)۔ خود قرآن پاک نے اپنے بعض احکام کو نئے حالات کے مطابق منسوخ کیا کیونکہ نئے حالات نئے احکام کا تقاضا کرتے ہیں۔ خلفاء الراشدین نے عہد رسالت کے بعض اجتہادات کی جگہ نئے اجتہادات کئے۔ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کی مولفۃ القلوب کی تعبیر پر عمل کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ نئے حالات اس پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے ﴿۳۸﴾۔ اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے اسے

" The Principle of movement in the structure of Islam"

یعنی اسلام میں حرکی اصول کا نام دیا تھا۔ جہاں تک اجتہاد کی ضرورت و اہمیت کا تعلق ہے اس پر کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ضرورت ایک مسلم حقیقت ہے۔ زندگی نت نئے مسائل سے دوچار رہتی ہے روزمرہ زندگی کے نئے نئے مسائل کا حل اگر شریعت سے تلاش کرنے کوشش نہ کی جائے تو ہماری زندگی کا ربط شریعت سے ٹوٹ جائے گا۔ اس صورت حال کو کوئی بھی مسلم گوارہ نہیں کرے گا۔ اس لئے مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ زندگی کے ہر قدم پر اسلام کے اصول اپنائے اور علماء اور سکالرز و مجتہدین کا فرض ہے کہ وہ قدم قدم پر مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔ زندگی جن حالات و تغیرات سے گزرتی ہے ہر لحہ اسلام کے اصولوں کی محتاج ہے۔ اس لئے مسلمانوں کیلئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اجتہاد کے بغیر اپنی اسلامیت کو برقرار رکھیں۔ ایک مسلمان یا سکالر کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ نئے حالات و واقعات کے بارہ میں اسلام کا حکم معلوم کرے بلکہ اس کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ سابقہ اجتہادات کا بھی جائزہ لیتا رہے کہ اُن میں کس قدر کتاب وسنت کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ دین کو زندہ رکھنے کیلئے یہ جائزہ ضروری ہے جو لوگ ان اجتہادی جائزوں اور نئی تحقیق سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں وہ جمود و تقلید کا شکار ہو جاتے ہیں اور شریعت اسلامی کے اصل سرچشموں یعنی قرآن وسنت سے اُن کا تعلق کمزور ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ ضلالت اور گمراہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام اور شریعت کے اصل ماٴخذ قرآن اور سنت ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ ایک وقت میں خاص حالات کے تقاضوں کے مطابق کوئی اجتہاد کیا گیا ہو وہ صحیح ہو یا دوسرے کسی دور کیلئے بھی اس کی وہی افادیت ہو جو پہلے کیلئے تھی۔ جو لوگ پچھلے اماموں کی تقلید کے قائل ہیں اور اس معاملے میں غلو کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں وہ بھی نئے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت کے منکر نہیں ہوئے انہوں نے اگر اجتہاد کی مخالفت کی ہے تو اُن مسائل میں کی ہے جن میں پچھلے آئمہ کے اجتہادات موجود ہیں۔

سلطنت عثمانیہ یا ترکی عالم اسلام کا سیاسی، روحانی، مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی حوالے سے آخری مرکز تھا اسلامی ترکی کے زوال کے اسباب اکثر دانشوروں کے نزدیک مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) قدیم فقہ پر قائم پرانا تعلیمی نظامِ مدرسہ انحطاط کی اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ وہ کسی بھی شعبے میں معیاری اور قابل انسان پیدا کرنے کی صلاحیت سے بانجھ ہو گیا ہے۔

(۲) نظامِ تعلیم کا زوال فقہ اور قانون کے شعبے میں خاص طور پر نمایاں ہے۔ جس کی وجہ سے اہل فقیہ پیدا ہونا بند ہو گئے اور فقہ فتویٰ اور قضاء کے شعبے کلی طور پر تقلید، جمود اور تعطل کا شکار ہو گئے۔ مدارس کی تعلیم انتہائی پسماندہ ہو چکی تھی

۔نصاب تعلیم اپنی افادیت کھو چکا تھا۔

(۳) علماء میں یہ تصور عام ہو گیا تھا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

(۴) ترکی کے مذہبی طبقے کے نزدیک پرانی فقہ کے اصول اور نظریات دائمی تھے اور ان فقہی اصولوں کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔

(۵) ترک علماء جدید سائنسی، تکنیکی اور معاشرتی علوم کے مخالف تھے۔ وہ صرف اس چیز کی اجازت دیتے تھے جو قدیم فقہ کے مطابق ہو﴿۳۹﴾۔

سلطنت عثمانیہ کے دور عروج میں شیخ الاسلام کا مذہبی ادارہ اور جینی سری کی مذہبی فوج سلطنت کے بنیادی معاون تھے۔ جینی سری نے فتوحات میں بڑا حصہ لیا۔ مگر جب سلطنت زوال کا شکار ہوئی اور سلاطین عثمانیہ سلطنت کو زوال سے نکالنے کیلئے جو اصلاحی تدابیر اختیار کرتے۔ یہ مذہبی ادارے اُن کی مخالفت کرتے۔ اجتہاد کے خاتمے نے ترکی خلافت کو بحران اور انحطاط سے نکلنے کے تمام راستے مسدود کر دیئے حتیٰ کہ سلطنت عثمانیہ کی عظیم اسلامی حکومت تباہ و برباد ہو گئی۔

اس تباہی میں اہم کردار اس وقت کے علماء اور جینی سری کا ہے جنہوں نے تمام اجتہادی تدابیر کو ناکام بنا دیا۔ جینی سری نے ترکی کے نظام جدید کے خلاف بغاوت کر دی اور 29 مئی 1807ء کو شیخ الاسلام سے فتویٰ حاصل کر کے سلطان سلیم کو معزول کرنے کے بعد قتل کر دیا اور سلطان مصطفیٰ چہارم کو تخت نشین کر دیا۔ علماء اور فوج، جینی سری کا یہ گٹھ جوڑ اجتہاد کا راستہ روکنے کیلئے ہوا تھا۔ اس سے پہلے ملا اور ملوک کے گٹھ جوڑ تو ہوتے رہے تھے مگر یہاں ملوک کے خلاف فوجی اور مولوی گٹھ جوڑ ہوا تھا مصطفیٰ چہارم کو سلطان سلیم کے بعد خلیفہ بنایا گیا مگر فوراً ہی اسے بھی معزول کر دیا﴿۴۰﴾۔ سلطان محمود ثانی نے اس فوجی مولوی گٹھ جوڑ کر توڑا تھا۔ مگر انہوں نے تمام اجتہادی تدابیر کو ناکام بنا کر بالآخر اسے ختم کر دیا﴿۴۱﴾۔

مسلمان معاشرہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ خدا اور اُس کے بتائے ہوئے اصولوں اور شریعت کے مطابق عمل کرے۔ اگر قرآن وحدیث اسلامی شریعت میں کوئی مسئلہ یا کسی مسئلے کا حل نہیں ملتا تو پھر خدا اور خدا کے رسولؐ کے ارشادات اور احکام وقوانین کی روشنی میں اجتہاد کرے اور اُن کے قریب تر حکم کو معلوم کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے۔ یہ اجتہاد غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی۔ بڑے سے بڑا مجتہد اور امام بھی غلطی کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے مثال اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے جس میں ایک عورت نے حضرت

عمرؓ کو عورت کے مہر پر اجتہاد کرنے پر ٹوک دیا تھا اور حضرت عمرؓ نے نہ صرف اس عورت کی رائے کو قبول کیا بلکہ اس کی تحسین بھی کی کیونکہ حضرت عمرؓ کی رائے قرآن کے لفظ قنطار کے واضح مفہوم کے خلاف تھی۔ حضرت عمر نے اُس عورت کی رائے معقول اور مبنی بر قرآن ہونے کی وجہ سے فوراً قبول کر لی ﴿۴۲﴾۔ اسلامی قانون کو اخذ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہیے اگر اللہ کی کتاب میں مسئلے کا حل نہ ملے تو رسولؐ کی حدیث اور سنت کو دیکھنا چاہیے۔ اگر وہاں بھی مسئلے کا حل نہ ہو تو پھر اجتہاد کرنا چاہیے اور شریعت اسلامی کے مزاج کو سامنے رکھ کر پیش آمدہ مسئلے کا حکم متعین کرنا چاہیے۔

پیش آمدہ مسئلے کا حکم متعین کرنے کیلئے ضروری ہے کہ مجتہد اسلامی شریعت، قرآن و حدیث کو اچھی طرح سمجھتا ہو، فقہی اصولوں کا ماہر ہو، عربی زبان سے اچھی طرح واقف ہو، اصل قانون کے مأخذ، اس کے تدریجی ارتقاء، اُس کے نظام و ترتیب، اس کی ترمیمات و تحقیقات اور اُس کے اجتہادی ذخائر پر نگاہ رکھتا ہو۔ یہ مہارت جس مسلمان کو حاصل ہو وہ اجتہاد کرنے کا اہل ہے۔ اجتہاد پر کسی طبقے یا گروہ کی اجارہ داری نہیں ہے۔ بلکہ شریعت اور اسلامی قانون کے ہر ماہر اور سکالر کو حق حاصل ہے کہ وہ اجتہاد کرے۔ لیکن اجتہاد کا مطلب دین میں کوئی نئی چیز لانا نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ یا صحابہ کے اجتہاد کو مدِ نظر رکھ کر نئے آمدہ مسئلے کا حل ہے رسول اللہؐ کا قول ہے: ((من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد)) ﴿۴۳﴾۔ ہمارے دین میں جو کوئی نئی بات ایجاد کرے گا وہ رد ہے۔ اور فرمایا کہ: ((من یرد اللہ به خیرا یفقھه فی الدین)) اللہ تعالیٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کسی شخص پر عنایت کرتا ہے تو اُس کو تدبیر الٰہی کا اہل بنا دیتا ہے۔

شریعت اور اسلام سے رشتہ قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ جب بھی کوئی ایسا معاملہ یا مسئلہ پیش آئے جس کا حل براہ راست قرآن و حدیث سے نہ مل سکے، ہم مجتہدین کے اجتہادات کو اختیار کریں یا اجتہاد کے شرعی اصولوں کو مدنظر رکھ کر اجتہاد کریں اور متعلقہ مسائل کے بارہ میں احکام متعین کریں۔ اجتہاد کے ذریعے ان مسائل کا حل کئے بغیر اسلامی شریعت سے ہمارا رشتہ برقرار نہیں رہ سکتا ﴿۴۴﴾۔ اسی لئے اگر یہ کہا جائے کہ ہم اپنی مادی زندگی کی بقا کیلئے جتنے محتاج ہوا اور پانی کے ہیں اس سے زیادہ محتاج ہم اپنی روحانی اور اسلامی زندگی کی بقا کیلئے اجتہاد کے ہیں۔ اجتہاد کی ضرورت حضور کے زمانہ میں بھی تھی، صحابہ کے زمانہ میں بھی، تابعین، تبع تابعین، قدیم زمانہ میں بھی اور آج کے جدید دور میں بھی۔ بلکہ آج اس کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ آئندہ بھی قیامت تک اجتہاد کی ضرورت رہے گی۔ اجتہاد میں اسلامی شریعت، مسلمانوں اور اسلامی معاشرے کی بقا ہے۔ اجتہاد کے بغیر ہم نت نئے پیدا

ہونے والے حالات واقعات اور مسائل کا حل نہیں نکال سکتے۔ اس لئے جو معاشرہ خدا اور رسول اللہؐ کے احکام وقوانین کے تحت زندگی بسر کرنا چاہے گا اس کیلئے اجتہاد ضروری ہے۔

اس وقت عام مسلمانوں کی یہ خواہش ہے کہ اسلامی قوانین کو فرقہ واریت اور اختلافات سے ہٹ کر ایک جدید انداز میں مرتب کیا جائے تاکہ عالم اسلام کے اختلافات کو مٹا کر اسے قرآن وحدیث کے ایک ہی جھنڈے تلے اکٹھا کیا جا سکے۔ اسلامی شریعت اور قرآن وحدیث کو بنیاد بنا کر ایک ضابطۂ قوانین مرتب کیا جائے تاکہ حکومت اور عدالتوں کے لئے اس کی مراجعت، پہنچ (Approach) آسان ہو جائے۔ اس خواہش کیلئے پوری اسلامی فقہ کو اچھی طرح گھنگال کر ایک جامع ضابطۂ قوانین ضروریات زمانہ کے مطابق بنایا جائے۔ مختلف اسلامی فقہوں کو اس نگاہ سے دیکھنا اور اُن کے مختلف اقوال اور مذاہب میں سے کسی ایک قول ومسلک کو دلائل کی کسوٹی پر پرکھ کر اختیار کرنا، یہ بھی اجتہاد ہے ﴿۴۵﴾۔ عالم اسلام کا اس دور میں کسی ایک فقہ پر متفق ہونا ناممکن ہے۔ بلکہ یہ اتفاق کسی بھی دور میں ممکن نہ تھا۔ آج اگر ہم نے عالم اسلام میں نئی روح پھونکنی ہے، اتفاق رائے پیدا کرنا ہے، عالم اسلام کو متفقہ طور پر قرآن وحدیث کے مزید قریب لانا ہے، حالات کے مطابق نئے آمدہ حالات ومسائل کا حل نکالنا ہے تو جامد تقلید کو چھوڑنا ہوگا، تمام ائمہ کے اجتہادات کا از سرِ نو جائزہ لینا ہوگا اور تمام ائمۂ کرام کی کوششوں کو اکٹھا کر کے قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے قوانین اور شرعی اصولوں کو اس انداز میں مرتب کرنا ہوگا کہ اسلام کی بنیاد بھی قائم رہے، ائمہ کرام یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبل، امام جعفر صادق، ابن تیمیہ، ابن قیم اور شاہ ولی اللہ وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین کی اسلام کیلئے مخلصانہ کوششوں اور جدوجہد سے بھی کماحقہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اس طرح کا اجتہادانہ اور متفقہ قانون مدون کرنے سے عالم اسلام کا وقار بلند ہوگا اور غیر مسلم معاشروں میں تمام ابہام بھی ختم ہو جائیں گے۔ مسلمان اگر عالمی سطح پر ایسی کوشش کریں تو یہ کام مشکل نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا خیال ہے کہ جسطرح آج عالم اسلام ذہنی طور پر ایک دوسرے کے قریب ہے کبھی بھی نہیں رہا۔ آج شیعہ اور سنی دونوں ذہنی طور پر آمادہ ہیں کہ تمام اختلافات کو دور کر کے متفقہ لائحہ عمل اپنایا جائے۔ اسلئے جمود کے تالے توڑ کر اجتہاد کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس مقصد کیلئے عالمی سطح پر اسلامی ملکوں کے سکالرز کی متفقہ طور پر ایک کانفرنس بلائی جانی چاہیے جس میں شریعت اور قانون کو از سرِ نو مدون کرنے کیلئے ایک بہت بڑی کمیٹی بنائی جائے جس میں ہر ملک اور ہر مکتبۂ فکر کے نمائندے شریک ہوں جو حلف دے کر اس کے ممبر بنیں کہ وہ مخلص ہو کر خدا اور خدا کے قانون واخلاق کے مدوّن کرنے میں ہر ممکن کوشش کریں اور اُن کا مطمعٔ نظر صرف خدا کی رضا

اور عالم اسلام کا اتحاد ہو۔ یہ کام وہ لوگ کر سکتے ہیں جو علمی اور اخلاقی دونوں ہی اعتبار سے اہل اور موزوں ہوں۔

اگر ہم اجتہادات کی روشنی میں عالم اسلام کیلئے متفقہ لائحہ عمل اور قانون مرتب کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کو قرآن وحدیث اور شریعت کی روشنی میں اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت عالم اسلام کو ایک عالمی طاقت بننے سے نہیں روک سکتی۔ عالم اسلام اسی طرح ہی موجودہ انحطاط سے نکل سکتا ہے۔

فصل پنجم

موجودہ جہادی سرگرمیوں کا از سرِنو جائزہ اور متفقہ لائحہ عمل اپنانے کی ضرورت

خدا تعالیٰ نے دنیا میں خیر و شر دونوں قسم کی طاقتیں پیدا کی ہیں ۔ یہاں بھلائی اور برائی دونوں طاقتیں موجود ہیں ۔ ان دونوں کو اپنے اپنے طریقے سے کام کرنے کی پوری آزادی ہے۔ خدا نے انسان کو اختیار بخشا ہے کہ وہ آزادی سے شر و فساد اور بھلائی و برائی کا انتخاب کر سکے۔ لہٰذا نیکی اور بدی ہمیشہ سے آپس میں ٹکراتی آ رہی ہیں اور قیامت تک ان کے درمیان معرکہ برپا رہے گا۔ دنیا میں کبھی ایسا کوئی وقت نہیں آیا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی مکمل فتح یا شکست ہوئی ہو۔ ہاں یہ ضرور ہوتا رہا ہے کہ کبھی نیکی یا اچھائی کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے اور کبھی برائی، شر و فساد کا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو زیر کرنے کیلئے برابر زور لگاتی رہتی ہیں ۔ اس لئے اسلام اور نیکی و بھلائی کا راستہ روکنے کیلئے ہمیشہ کوشش کی جاتی رہی ہیں ۔

نیکی و بھلائی کو پھیلانے اور شر و فساد اور برائی کا راستہ روکنے کیلئے ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے کسی فرد، افراد یا جماعت کی ذمہ داری لگائی ہے جو ہر دور میں اعلاءِ کلمۃ اللہ کیلئے کوشش کرتے رہے ہیں ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے بھرپور، مسلسل اور آخری حد تک کوشش کرنے کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس لئے "راہ خدا" میں جہاد کرنے کا مفہوم یہ ہوا کہ صرف اللہ کی رضا کی خاطر اُس کے دین کی سربلندی اور شہادت کا حق ادا کرنے کیلئے وہ سب کچھ کر ڈالا جائے جو انسان کے بس میں ہو۔ پوری قوتیں اس مقصد میں صرف کر دینے کا نام جہاد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ ج ﴾﴿۴۶﴾۔ اور اُن سے اُس وقت تک لڑتے رہو جب تک فتنہ و فساد ختم نہ ہو جائے اور دین اللہ کیلئے خالص نہ ہو جائے"۔ جہاد فی سبیل اللہ کی شکل کیا ہو اس کا تعین حالات ہی کرتے ہیں حالات کی مناسبت سے جدوجہد کی مختلف شکلیں بھی اختیار کی جاتی ہیں ۔ اسلام نے مختلف حالات کیلئے تین شکلیں مقرر کی ہیں۔

(۱) داخلی جہاد

(۲) دعوتی اور فکری جہاد

(۳) مسلح جہاد

داخلی جہاد کا مطلب یہ ہے کہ خود اسلامی معاشرے یا اسلامی ملک کے اندر پیدا ہونے والی برائیوں کے خلاف جدوجہد کی جائے۔اور برائیوں کو ختم کر کے نیکیوں کو پروان چڑھایا جائے۔اس بارہ میں حضورؐ کی حدیث ہے کہ جس نے اُن (نافرمانوں) کے خلاف اپنے ہاتھوں سے جہاد کیا وہ مومن ہے۔اور جس نے اپنی زبان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جن سے اپنے قلب سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے ﴿۴۷﴾۔

حضور علیہ السلام کی ایک اور حدیث ہے:((جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم)) ﴿۴۸﴾۔ مشرکوں سے اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعے سے جہاد کرو۔خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ وَھُوَ کُرۡہٌ لَّکُمۡ ﴾ ﴿۴۹﴾۔تم پر لڑائی فرض کر دی گئی ہے اگر چہ وہ تم کو ناگوار محسوس ہو رہی ہو۔

کمیونزم کے خاتمے کے بعد چاروں طرف سرمایہ دارانہ نظام اور مغربی جمہوریت ہے۔یورپ اور امریکہ دنیا کے کلی طور پر مالک بن چکے ہیں اور امریکہ کی اقتدا میں مغرب پوری دنیا کو اپنے نظریات اور منصوبوں کے مطابق چلانا چاہتا ہے دراصل امریکہ اور مغرب اس وقت سیاسی، معاشی ثقافتی اور حربی (اسلحہ کے) لحاظ سے اس قدر طاقتور ہے کہ مسلمان اُس کے مقابلہ میں عشرِ عشیر بھی نہیں ۔مغرب نے اپنی ہمہ گیر طاقت اور سیاسی، ثقافتی، معاشری اور حربی غلبے کی وجہ سے مسلمانوں کے حکمرانوں اور بالادست طبقے کو خاص طور پر اور عام مسلمانوں کو عام طور پر اس طرح اپنا غلام بنالیا ہے کہ انہوں نے ذہنی طور پر اس غلامی کو قبول کر کے گلے لگا لیا ہے۔اہل مغرب نے ہماری سیاست، معیشت، معاشرے، دفاع، تعلیم غرض سارے شعبہ ہائے زندگی کو اس طرح اپنے جال میں جکڑ لیا ہے کہ مغرب کے شکنجے سے نکلنا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔عالم اسلام کے تقریباً تمام حکمران مغرب کے پروردہ ہیں اور وہ خدا اور عوامی طاقت پر انحصار کرنے کی بجائے اقتدار کے حصول اور اُس کے دوام کیلئے مغربی طاقتوں پر انحصار کرتے ہیں اور واشنگٹن، لنڈن اور پیرس وغیرہ کو اپنا مسجود و معبود سمجھتے ہیں۔اپنی حکمرانی کے دوام کیلئے مغرب کی ہر شرط ماننے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں چاہے وہ شرائط اپنے ملک اور عوام کی دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔عالم اسلام کی ذلت اور پستی کی اصل جڑ یہ حکمران ہیں۔

مغرب اور امریکہ کے ظلم و بربریت کے مقابلے کے حوالے سے اس وقت عالم اسلام کے عوام تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔امت مسلمہ کا ایک بڑا حصہ ابھی تک بے حس ہے۔وہ ہر قسم کے احساس زیاں سے عاری ہے۔اسلام اور دینی حمیت نام

کی کوئی چیز اُس کے ذہن میں نہیں ہے۔ افغانستان، عراق یا فلسطین ولبنان پر آگ برستی ہے اور وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ عراق پر حملے کے وقت مغربی ممالک میں تو لاکھوں کے جلوس نکالے گئے اور امریکہ کے خلاف احتجاج کیا گیا مگر مسلمان ملکوں میں کہیں بھی اتنا بڑا احتجاج نہیں ہوا۔ یہ اس لئے کہ مسلمان بد قسمتی سے ظلم پر صبر کرنے اور اسے بے حسی سے برداشت کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ دوسرا طبقہ اُن حکمرانوں کا ہے جو مغرب کے پروردہ ہیں اُس کی مدد سے حکمران رہنا چاہتے ہیں۔ وہ حیلے بہانے سے امریکہ اور اُس کے حواریوں کی حمایت کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم دوسرے ممالک کے ٹھیکدار نہیں۔ پہلے اپنے ملک کو بچائیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اسلام اعتدال پسند اور روشن خیال دین ہے۔ اور وہ دہشت گردی کا مخالف ہے۔ لہٰذا ہم بھی دہشت گردی کے مخالف ہیں اور اسے ختم کرنے کیلئے امریکہ اور مغرب کے مددگار ہیں تیسرا جہادی گروپ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امریکہ کے خلاف جہاد اس طرح کریں کہ جہاں کوئی مغربی یا امریکی باشندہ ملے اُس کو قتل کر دیا جائے۔ امریکہ اور مغرب کے خلاف تباہ کن خفیہ حملے کرنے چاہیں۔

مغرب اور امریکہ اسلام دشمن ہیں۔ لہٰذا ہر جگہ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں یہ تینوں رویے ہی صحیح نہیں اور آج کے اس دور میں عالم اسلام کیلئے تباہ کن ہیں۔ عالم اسلام ایک امت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں اور اُن کی مثال جسم کے مختلف اعضاء کی ہے کہ ایک حصے کو تکلیف ہو تو جسم کے دوسرے حصے کو بھی خود بخود تکلیف ہوتی ہے ﴿۵۰﴾۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان ملک یا علاقے پر کفار حملہ آور ہوں تو دیگر مسلمانوں کا حیلے بہانے سے کافروں کا ساتھ دینا یا اس ظلم پر خاموش رہ کر تماشا دیکھنا (جسطرح افغانستان، عراق اور لبنان وفلسطین کے حوالے سے عالم اسلام کے اکثر ممالک نے کیا) اور بے حسی ظاہر کرنا نہ صرف خلاف اسلام ہے بلکہ غیرت اور حمیت کے بھی منافی ہے۔ اس کیلئے دلائل گھڑنا اسلام اور انسانیت کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کرنا چاہیے کہ امت مسلمہ اس وقت سیاسی، اقتصادی، دفاعی، منصوبہ بندی، اسلحہ اور طاقت کے لحاظ سے مغرب سے تصادم مول لینے کی اہل ہی نہیں اور اس کو اس تصادم سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

او آئی سی کی اس وقت حکمت عملی ہی یہ ہونی چاہیے کہ عالم اسلام کے تمام ممالک کو ساتھ لے کر تیز رفتار ترقی کیلئے بھر پور کوشش کرے۔ عالم اسلام کسی علاقائی یا بین الاقوامی تنازع میں الجھنے سے حتی المقدور پرہیز کرے۔ یہی وہ پالیسی ہے جس کو لے کر چین تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ چین دنیا کا سب سے بڑا ملک ہونے کے باوجود (جس کی آبادی آج ایک ارب تیس کروڑ ہے) دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے ترقی کرنے والا ملک بن گیا ہے۔ 2006 (پہلے چھ ماہ) میں اُس کی شرح نمو (Economic

(10%growth rate سے بھی زیادہ ہوگئی ہے جو اس وقت پوری دنیا میں ایک ریکارڈ ہے چین نے گزشتہ چالیس سال سے زیادہ عرصے سے کسی بین الاقوامی یا علاقائی تنازع میں کبھی عملی طور پر حصہ نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا کے معیشت دان (Economists) اس بات پر متفق ہیں کہ 2020ء تک چین دنیا کی بہت بڑی طاقت بن جائے گا جو ہر لحاظ سے ایک طاقت ہوگی۔ جبکہ اس وقت چین کی فی کس آمدن تقریباً 1500 ڈالر ہے اور GDP تقریباً 2300 بلین ڈالر ہے۔ آبادی 130 کروڑ ہے۔

امریکہ بھی آج اگر بہت بڑی طاقت ہے تو اس نے بھی کبھی صدر مونرو (MONROE) کے فلسفے اور نظریے (Monroe Docrine) پر عمل کیا جس کے مطابق امریکہ کو دنیا کے کسی معاملے یا جنگ میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ اسی مونرو (1825ء - 1817ء) نظریے کی وجہ سے امریکہ 19ویں صدی کے آخر تک Isolated رہا اور دوسری یورپین طاقتوں کے معاملات میں بالکل دلچسپی نہیں لی۔

> President Monroe had also declared at that time that the united states had no intention to take any part in the wars or in any other matters of the european powers. ﴿۵۱﴾

امریکہ کی تاریخ پڑھیں تو بات اس سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ پہلے صدر جارج واشنگٹن (97 - 1789) سے لے کر 19ویں صدری کے اختتام تک، (جب تک امریکہ دنیا کی ایک بہت بڑی طاقت نہیں بنی) امریکہ نے یورپی ممالک کی " پراگندہ اور منافق سیاست " سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا۔

> " Since the time of George washington (1789-97), The first president of America (USA), The American Statesmen followed a plicy of isolation and kept the united states away from the evil politics which had developed in europe" ﴿۵۲﴾.

اس پالیسی (Policy of Isolation) کی وجہ سے 19وین صدی کے آخر اور 20ویں صدی کے شروع میں امریکہ اتنا طاقتور ہو گیا کہ پہلی جنگ عظیم میں ساری پالیسی اور جنگ کے بعد کے حالات اسی کے ہاتھ میں تھے اور دوسری جنگ عظیم

کے وقت اور اُس کے بعد وہ کھل کر ایسا بین الاقوامی کھیل کے میدان میں آیا کہ آج تک میدان اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اور پوری دنیا کی چودھراہٹ اُس کے اشاروں پر چلتی ہے۔

عالم اسلام اس وقت بکھرا ہوا ہے، بدحال ہے، بے جان اور بے نور ہے، احساس زیاں سے عاری ہے، مسلمان ممالک ایک ایک کرکے پٹ رہے ہیں، مشرق وسطیٰ کے ممالک کا تو حال بھیڑوں جیسا ہے اس لمحۂ فکریہ میں عالم اسلام کا عمل بے عملی کی ایک تصویر اور ردِّ عمل مذبح خانے کا منظر پیش کر رہا ہے۔ ایک طرف عالم اسلام کی 57 بھیڑیں ہیں اور دوسری طرف قصائی ہے۔ قصائی جب چاہے کسی بھی بھیڑ پر چھری پھیر دیتا ہے باقی بھیڑیں دیکھتی اور منمناتی رہتی ہیں اور اپنی باری کا انتظار کرتی رہتی ہیں۔ جب تک ان بھیڑوں کے سینے چاک کرکے کوئی سفاک مسیحا ان میں چیتے کا جگر نہیں ڈالے گا اور پیوند کاری نہیں کرے گا، ذبح کا یہ عمل جاری رہے گا۔ اکیسویں صدی کو شروع ہوئے ابھی پانچ، چھ سال ہوئے ہیں۔ اس دوران تین مسلمان ممالک ذبح کیے جا چکے ہیں اور کسی وقت بھی چوتھے اور پانچویں کی باری آسکتی ہے جس کیلئے منصوبے بن چکے ہیں۔ بین الاقوامی برادری میں ان سب 57 ممالک کا کوئی وزن نہیں۔ 70 لاکھ کی آبادی کا ایک ملک اسرائیل وزن کے لحاظ سے 57 ممالک اور اُن کی ڈیڑھ ارب کی آبادی سے زیادہ اہم، طاقتور اور معزز ہے۔ پچھلے دنوں ڈنمارک کے ایک اخبار نے ہمارے پیغمبر خداؐ کی کارٹون کے ذریعے بے حرمتی کی۔ سارا عالم اسلام اس ایک چھوٹے سے ملک کا کچھ نہ بگاڑ سکا جس کی آبادی صرف 54 لاکھ ہے۔ WDR-2007 کے مطابق ڈنمارک کا GDP 254 بلین ڈالر ہے، فی کس آمدن 47390 ڈالر ہے۔ عالم اسلام نے بھرپور احتجاج کیا، جلسے اور جلوسوں میں تقریباً 25 مسلمان ہلاک ہوئے اور کروڑوں ڈالر کی جائیداد تباہ ہوئی۔ کئی عمارتیں اور گاڑیاں نظر آتش کی گئیں مگر ڈنمارک کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ حتیٰ کہ اُس کے خلاف UNO میں کوئی قرارداد لاکر اس کی مذمت تک نہ کروا سکے۔ یہ عالم اسلام کسی ملک پر حملہ کیا کریں گے؟ امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس، چین، حتیٰ کہ اسرائیل پر حملہ تو کیا پورا عالم اسلام اُن کو یا اُن میں سے کسی ایک کو یہ دھمکی بھی نہیں دے سکتے کہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ تک ایسے نہ ہوا تو تم پر حملہ کر دیں گے۔ اس کے مقابلے میں ان کے ممالک کو تباہ و برباد کرکے اُن پر قبضہ تک کر لیا جاتا ہے اور کسی ملک کو یہ جرات نہیں کہ وہ امریکہ اور برطانیہ یا اسرائیل سے یہ کہے کہ ملک خالی کرو ورنہ فلاں تاریخ تک حملے کیلئے تیار ہو جاؤ اسلامی ممالک کسی پر حملہ تو کیا کریں گے یہ تو اپنے دفاع پر بھی قادر نہیں ہیں۔ جولائی 2006ء میں اسرائیل نے لبنان پر فضائی اور پھر زمینی حملہ کیا۔ ہزاروں ہوائی حملے کیے، ہزاروں لوگ ہلاک و زخمی ہوئے، اربوں ڈالر کا نقصان ہوا لیکن کسی اسلامی ملک نے

جرأت نہیں کی کہ اسرائیل کے خلاف کھل کر لبنان کی مدد بھی کرسکیں۔ لہٰذا اس وقت بہترین حکمت عملی یہی ہے کہ مسلمان فی الوقت چین کی حکمت عملی اپنائیں یا پریزیڈنٹ مونرو کے نظریہ (Monroe Doctrine) کو اپنائیں۔ حضور علیہ السلام پورے عالم اسلام کیلئے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کیلئے بہترین نمونہ ہیں۔ انہوں نے مکی زندگی کے 13 سال اپنی دفاعی حکمت عملی جاری رکھی۔ کبھی کسی دشمن پر چھپ کر حملہ نہیں کیا۔ دشمن کے خلاف یا اُس سے ٹکر لینے کیلئے کسی قسم کی منصوبہ بندی تک نہیں کی۔ اپنی قوت کو مجتمع کیا۔ لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا Aggressive Policy کا تو مکی زندگی میں ذکر ہی نہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ پیغمبر ہونے کے باوجود، خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت دامن گیر ہونے کے باوجود زمینی حقائق اس کا ساتھ نہیں دیتے تھے۔ قدرت کا ایک نظام ہے اور یہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ جونہی مسلمان تھوڑے سے طاقتور ہوئے، مقابلے کرنے کی سکت آئی، مسلمان کفار کے مقابلے میں کھڑے ہوگئے۔

اس معاملے میں اگر ہم قرآن پاک کے فلسفے پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فتح ونصرت کا دارومدار قلت وکثرت پر نہیں ہے بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو فرشتے بھیج کر اپنے بندوں کی مدد کردیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں تمہاری مدد کی حالانکہ تم کمزور تھے۔ ﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾ ﴿۵۳﴾۔ اور اگر چاہے تو تھوڑوں کو بہتوں پر غالب کردے۔ قرآن پاک میں ہے۔ ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ﴿۵۴﴾۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ نے نصرت وکامیابی کا یہ فارمولا بھی بتایا ہے کہ مومن اگر بہترین اخلاق وکردار کے حامل ہوں اور قوی ایمان کے مالک ہوں تو اپنے سے 10 گناہ بڑی طاقت کو شکست دے سکتے ہیں۔ اگر اُن کا اخلاق اور کردار بہت اونچے درجے کا نہ ہو اور ایمان کی مضبوطی بھی اس معیار کی نہ ہو تو وہ صرف اپنے سے دگنے دشمن کو شکست دے سکتے ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾

اگر تم میں سے 20 صبر کرنے والے ہوں تو دو (2) سو پر بھاری ہیں۔ اگر تم میں سے 100 (جوان) ہوں

تو کافروں کے ایک ہزار (1000) پر بھاری ہیں۔

﴿اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ﴿۵۵﴾

اب خدا تعالیٰ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا ہے اس لئے کہ اسے پتہ چل گیا ہے کہ تم میں کمزوری آ گئی ہے۔ اب اگر تمہارے 100 صبر کرنے والے ہوں تو 200 کافروں پر غالب آ سکتے ہیں۔ اور اگر (1000) صبر کرنے والے ہوں تو 2000 کافروں پر غالب آ سکتے ہیں۔ اور اگر (1000) ایک ہزار (ثابت قدم) ہوں تو دو ہزار (2000) (کافروں) پر بھاری ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت مسلمان اپنے سے دگنے دشمن کو شکست دے سکتے ہیں۔ اب اگر دشمن دس گنا سے بھی زیادہ طاقتور اور بڑا ہو تو اسے لڑ کر شکست نہیں دی جا سکتی۔ "لہٰذا ایسی حالت میں دشمن سے مڈ بھیڑ سے گریز کرنا چاہیے" ﴿۵۶﴾۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے جنگ موتہ میں لڑائی سے پسپائی اختیار کر لی اور فوج بچا لینے میں کامیاب ہو گئے اور مدینے میں بعض لوگوں نے جب حضرت خالد بن ولید کو شرمندہ کرنا چاہا تو نبی علیہ السلام نے حضرت خالد بن ولید کی حمایت کی ﴿۵۷﴾۔

ان آیات و حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آج جب امریکہ و یورپ مسلمان ملکوں سے دسیوں نہیں، سینکڑوں بھی نہیں بلکہ ہزاروں گنا زیادہ طاقتور ہیں، اسلحے میں بھی، معیشت میں بھی، جنگی پراپیگنڈے میں بھی سامان حرب اور اسلحہ میں بھی، تعلیم و تحقیق اور منصوبہ بندی میں بھی، سیاسی معاشرتی، نظم و ضبط اور مستحکم نظام کے حوالے سے بھی تو مسلمانوں کو عقل مندی کا مظاہرہ کرنا چاہیے نہ کہ شوق جہاد میں اُن سے لڑ جائیں اور اپنے آپ کو تباہ کر لیں۔ مسلمانوں میں سے جس گروہ کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے نوازنے کا وعدہ کیا ہے اور فتح کی بشارت دی ہے اور دس اور ایک کا اصول بنایا اور پھر ایک اور دو کا اصول ﴿وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ بنایا اُن کیلئے کردار اور تقویٰ اور پرہیز گاری کی شرط بھی لگائی۔ ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ﴿۵۸﴾۔ اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی راہ پر چلتے تو ہم اُن کے اوپر زمین اور آسمان کے دروازے کھول دیتے۔

پھر فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِهِمْ ص ﴾ تم میں سے جولوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں، اللہ کا اُن سے وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائے گا جسطرح کہ اُس نے اس سے پہلے لوگوں کو اقتدار عطا فرمایا تھا﴿۵۹﴾۔

آج کے مسلمانوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس معیار پر بھی پورا نہیں اترتے۔ جو اوصاف ایک اچھی قوم میں ہونے چاہیں اور جس بلند کردار کی بات خدا تعالیٰ کرتا ہے، بدقسمتی سے اُس کی جھلک آج مسلم سوسائٹی میں مجموعی طور پر نظر نہیں آتی۔ آج مسلمان بحشیت مجموعی اپنے اس نظریۂ حیات کو چھوڑ گئے ہیں جو ان کے پیغمبرؐ نے انہیں عطا کیا تھا اور جس کو اختیار کر کے یہ دنیا کی عظیم اور کئی سوسال تک واحد سپر طاقت رہے اور جو قوم اپنے نظریۂ حیات کو چھوڑ دیتی ہے وہ دنیا اور آخرت میں ناکام ہو جاتی ہے۔ جو لوگ کسی نظریہ حیات پر یقین رکھنے کا دعویٰ کریں اور عملی طور پر اس سے مطابقت نہ رکھیں، شکست اور نامرادی اُن کا مقدر بن جاتی ہے۔ ایسی قوم کی شخصیت یکسو نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ ہمیشہ تذبذب اور کشمکش کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف سے انہیں ایمان کھینچتا ہے تو دوسری طرف سے کفر۔ یہ لوگ ہنس کی چال چلنا چاہتے ہیں لیکن نہ کوا رہتے ہیں اور نہ ہنس بنتے ہیں۔ اصل میں کوا ہنس بن نہیں سکتا۔ یہ لوگ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ اصل میں یہ لوگ منافق بن جاتے ہیں اور منافقت اور نفاق اُن کی رگ رگ میں گھر کر لیتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴾﴿۶۰﴾۔ بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے درجے میں ہوں گے اور تم اُن کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔

اگر آپ نام اسلام کا لیتے ہیں اور کام اُس کے الٹ کرتے ہیں تو پھر آپ اس دنیا میں ہرگز کامیاب نہیں ہونگے۔ مسلمانوں کے زوال کا بنیادی سبب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے نظریۂ حیات سے وفادار نہیں ہیں۔ اسی لئے ایک دفعہ حضرت محمدؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ تم پر لوگ اس طرح ٹوٹ پڑیں گے جسطرح بھوکے کھانے پر ٹوٹتے ہیں۔ صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا اس وقت ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی۔ فرمایا نہیں۔ تمہاری تعداد تو بہت زیادہ ہوگی لیکن دشمنوں پر تمہارا رعب نہیں ہوگا اور تمہارے اندر "وہن" آجائے گا۔ صحابہ نے کہا کہ وہن کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت سے کراہت﴿۶۱﴾۔

سو یہ ہمارا کردار ہے۔ اس کردار کی حامل قوم کی اللہ تعالیٰ بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ جو قوم اللہ اور اللہ کے رسول کا کلمہ پڑھ کر دھوکہ دیتی ہے آپس میں لڑائی جھگڑا ہے، خدا کی حدود کا مذاق اڑاتی ہے، خود غرض ہے، اجتماعی سوچ کی بجائے اپنے ملک اور قوم بلکہ اپنی ذاتی

بات کرتی ہے، مسلمانوں اور مومنوں کو چھوڑ کر غیروں، غیر مسلموں اور اللہ کے دشمنوں کو اپنا دوست بناتی ہے اس کی سزا یہ ہے:

﴿اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُهُمۡ اَنَّ عَلَیۡهِمۡ لَعۡنَةَ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ﴾ ان کے ظلم کا صحیح بدلہ یہی ہے کہ اُن پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگون کی پھٹکار ہے۔ اپنے سے بے وفائی کرنے والی قوم کو اللہ تعالیٰ مٹانے کی بجائے ذلیل وخوار کر کے رہتی دنیا تک سامانِ عبرت بنا کر رکھ دیتا ہے۔

بلاشبہ حدیث کی رو سے جہاد قیامت تک جاری رہے گا لیکن اس کیلئے (الجہاد ماض الی یوم القیامۃ) دانائی، منصوبہ بندی اور مناسب موقع بھی تو ہونا چاہیے۔ تلوار سے جہاد کیلئے تو بہت ہی منصوبہ بندی اور مناسب وقت کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ ہمیں سب سے پہلے جہاد کا مفہوم ذہن نشین کرنا چاہیے۔ جہاد کا لفظی مطلب ہے جدو جہد کرنا۔ اسلامی اصطلاح میں اس کا مطلب اللہ کی راہ میں جدو جہد کرنا۔ نیکی اور بھلائی کو پھیلانے اور بدی کی روک تھام کیلئے حتی المقدور کوشش کرنے کا نام جہاد ہے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف کافروں کے خلاف لڑائی ہی جہاد ہے۔ جہاد زبان سے بھی ہوتا ہے، قلم سے بھی، مال سے بھی اور تلوار سے بھی ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں مسلمان اس قسم کے جہاد کے مکلف ہی نہیں کیونکہ اُن کے پاس جہاد کی طاقت ہی نہیں۔

خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ: ﴿وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ﴾ ﴿۶۲﴾۔ کہ اپنے دشمنوں کے لئے جتنی ہو سکے اپنی قوت کو مجتمع کرو۔ گھوڑوں کو تیار رکھو۔ اس اسلحہ کے ذریعے اپنے اور اپنے خدا کے دشمنوں پر ہیبت اور رعب طاری کر دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کی تیاری، اسلحے کی تیاری اور لڑنے کی قوت پیدا کرو۔ لیکن مسلمانوں نے کیا تیاری کی ہے؟ اپنے دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس کیا ہتھیار ہیں؟ کیا اُن کے پاس ایٹمی آبدوزیں ہیں؟ کیا اُن کے پاس سمندروں پر تیرنے والے طیارہ بردار جہاز اور بحری بیڑے ہیں؟ کیا اُن کے پاس کروز میزائل ہیں؟ کیا اسرائیل کی طرح عربوں کے پاس جدید لڑاکا طیارے اور جاسوسی طیارے ہیں؟ کیا اُن کے پاس اسرائیل کی طرح ایٹمی ہتھیار اور سارے مشرق وسطی کو لمحوں میں تباہ کرنے والے ہتھیار ہیں؟ کیا وہ ایسے طیارے اور اسلحہ بنانے کی پوزیشن میں ہیں؟ کیا اُن کے پاس بی باون طیارے، ایف سولہ طیارے، اسٹیلتھ طیارے، پائلٹ کے بغیر اڑنے والے طیارے جو خود جا کر بغیر پائلٹ کے حملہ کر آتے ہیں، موجود ہیں؟ کیا اُن کے پاس پیشگی اطلاع دینے والے طیارے اور سٹیلائٹ ہیں؟ کیا اُن کے پاس بیلسٹک میزائل، ایٹم بم اور کیمیائی ہتھیار (Chemical and biological weapons) ہیں؟ جب اُن کے پاس آج کی جدید جنگ لڑنے والا اسلحہ ہی نہیں ہے تو افغانستان نے تباہ

ہونا ہی ہے چاہے ایمانی اور بہادری کے لحاظ سے طالبان امریکیوں سے کہیں طاقت ور کیوں نہ ہوں؟ عراق نے تباہ ہونا ہی تھا چاہیے عراق پر حملہ کرنے والے ممالک ہزاروں میل دور واقع ہوں۔ ایسے جدید اسلحہ کے سامنے مسلمانوں نے جہاد کیا کرنا ہے؟ اس لئے بوسنیا تباہ ہوا تھا، اسی وجہ سے چیچنیا کھنڈرات میں تبدیل ہوا، اسی لئے فلپائن میں مسلمان تباہ ہوئے، اسی وجہ سے اسرائیل نے پورے فلسطین کو غلام بنایا ہوا ہے، اسی وجہ سے ایک یہودی ریاست جو 22 عرب ممالک اور بیسیوں مسلم ممالک کے درمیان گھری ہوئی ہے، عالم اسلام کیلئے قہر مسلسل بن کر مسلط ہے۔ خدا کا ایک قدرتی نظام ہے۔ ذمینی حقائق ہیں۔

بعض لوگ جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہیں کہ ہمارے پاس ایمان کی قوت ہے بقول ڈاکٹر اقبال:

اگر ایک ہو تو کروڑوں ہیں ہم

اور

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یہ سب جذباتی باتیں ہیں جن کا حقائق اور قانون قدرت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پاس ایمان کی طاقت بھی نہیں الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اچھے حالات میں کفار سے لڑنے کیلئے ایک اور دو کی نسبت رکھی ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک اور دس کی نسبت۔ لیکن ہم تو کفار کے پاسنگ بھی نہیں۔ آج پاکستان اور بنگلہ دیش (جو کبھی پاکستان کا حصہ تھا) کو اکٹھا کیا جائے تو دونوں کی آبادی امریکہ کی آبادی کے برابر تقریباً تیس کروڑ بن جاتی ہے۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا دونوں ممالک ہمسائے اور بھائی ہیں۔ دونوں کی آبادی امریکہ جتنی ہے۔ کیا پاکستان، بنگلہ دیش یا انڈونیشیا، ملائیشیا امریکہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ کیا پاکستان جیسے دو ملک یا انڈونیشیا جیسے دس ملک مل کر امریکہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ کیا سارا عالم اسلام، 57 ممالک اور ڈیڑھ ارب آبادی مل کر امریکہ پر حملہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ کیا اگر امریکہ کسی مسلمان ملک پر حملہ کر دے (جس طرح اس نے افغانستان اور عراق پر کیا اور دونوں پر قبضہ کر لیا) تو عالم اسلام کے 57 ممالک مل کر اُس کو روک سکتے ہیں؟ اگر روک سکتے ہیں تو کیوں نہیں روکا۔ کیا 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے 14 عرب ریاستوں کی متحدہ طاقت کا صرف چار دن میں جنازہ نہیں نکال دیا تھا؟ اور مصر سے غزہ اور جزیرہ نمائے سینا کا پورا علاقہ چھین لیا اور عربوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا جن میں سے اکثر پر آج بھی وہ قابض ہے۔

لہٰذا اس بدحالی اور انحطاط کے عالم میں ہم کفار کے مقابلہ میں فتح کی امید نہیں رکھ سکتے، جب تک ہم تعلیم و تحقیق کے

میدان میں کامیابیاں حاصل نہ کریں جن کو بنیاد بنا کر معاشی طور پر مضبوط ہوں جب تک نئی نئی ایجادات کے ذریعے بھاری مشینری، جدید اسلحہ، ایٹمی توانائی اور ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ کی عملی تصویر نہ بن جائیں۔ بعض جہادی گروپ جہاد کو آزمائش سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم جہاد کے ذریعے دشمن کا بھی تو کچھ نہ کچھ نقصان کرتے ہیں۔ لیکن اگر ایک کافر کے بدلے دس مسلمان ہلاک ہوتے ہیں تو کیا فائدہ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے ایک کے بدلے مسلمانوں کے 100 شہید ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ افغانستان، عراق اور فلسطین میں لڑائیوں سے لگایا جاسکتا ہے نبی علیہ السلام نے آزمائش سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے اور اُس کی خواہش کرنے سے روکا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو تیاری کے بغیر اُن کے دشمن سے لڑا دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا اور آئندہ کیا نکلے گا؟

ہم یہ سمجھتے ہیں اور مشورہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس وقت پوری کوشش کرنی چاہیے کہ وہ مغرب سے مخاصمت مول نہ لیں بلکہ انہیں چین کی طرح خاموشی سے اور جاپان کی طرح بغیر آنکھیں اوپر کیے مسلسل اپنے کام میں مستغرق ہو جانا چاہیے، مسلمانوں کو دس سال کیلئے خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ اپنے بجٹ کا 20% تعلیم اور تحقیق و ترقی (Research and development) کیلئے وقف کر دینا چاہیے اور اسی طرح تعلیم و تدریس اور تحقیق و ترقی میں منہمک ہو جانا چاہیے جس طرح مامون الرشید کے دور میں "بیت الحکمت " کے قیام کے بعد مسلمان تدریس و تحقیق میں مستغرق ہو گئے تھے۔ دس سے بیس سال کے اندر اندر وہ وقت آ جائے گا کہ مغربی اور مشرقی طاقتیں مسلم ممالک کو تر نوالہ نہیں سمجھیں گی۔ لیکن اس مخاصمت اور کشمکش سے بچنے کی ساری کوششوں کے باوجود اگر دشمن اپنی طاقت کے زعم میں، اُن کی کسی غلطی کے بغیر، انہیں کمزور سمجھتے ہوئے اُن پر چڑھ دوڑیں تو بھرپور طاقت سے مزاحمت کرنی چاہیے اور سبق سکھانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ اور پھر عالم اسلام کے ہر فرد کو چاہے کوئی جوان ہے یا بوڑھا، عورت ہے یا بچہ، تمام افراد کو مل کر جنگ احد کی طرح مقابلہ کرنا چاہیے اور امکانی حد تک مزاحمت کرنی چاہیے۔ دفاع کا یہ حق انہیں اسلام بھی دیتا ہے۔ دنیا کا ہر قانون دیتا ہے اور اقوام متحدہ کا چارٹر بھی یہ حق دیتا ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ ایسے موقع پر اپنی جان، مال اور ہر طرح کے اسباب لوٹا دے لیکن یہ اس وقت جب پانی حد سے گزر جائے اور اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ غیر مسلم طاقتیں خواہ مخواہ کی لڑائی اور بے جا ظلم و بربریت سے باز نہ آئیں اور بات چیت اور مکالمے کوئی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوں۔ آج اکیسویں صدی میں امریکہ اور مغرب کا نظریہ آپ کے متعلق یہ ہے کہ مسلمان دنیا کا امن تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ آج کے فاشسٹ ہیں امریکی دانشور

فرانسس فاکو یاما کو پڑھ لیجئے۔ اس کے مضمون کا عنوان ہے: " The real enemy " یعنی حقیقی دشمن ہے۔ وہ کہتا ہے: انقلابی اسلامسٹ جو کسی طرح کے اختلاف کو برداشت کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ ہمارے دور کے فاشسٹ (Fascist) ہو گئے ہیں۔ دراصل ہم اُن کے خلاف لڑ رہے ہیں ﴿۶۳﴾۔ تہذیبوں کے تصادم (Clashes of Civilization) کے مصنف، سیموئل ہن ٹنگٹن (Huntington) نے بھی یہی کہا ہے: معاصر عالمی سیاست مسلم جنگوں کا دور ہے۔ مسلمان آپس میں بھی لڑے ہیں اور غیر مسلموں سے بھی۔ غیر مسلم تہذیبوں کے خلاف بھی سرگرم عمل ہیں۔ مسلمانوں کی ان جنگوں اور کاروائیوں نے سرد جنگ کی جگہ لے لی ہے۔ مسلم تشدد کی یہ مثالیں اسلام اور مغرب کے درمیان اور اسلام اور باقی دنیا کے درمیان تہذیبوں کے ایک بڑے تصادم کی شکل اختیار کر سکتی ہیں۔ ﴿۶۴﴾

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمانون کو ناامید ہو جانا چاہیے اور مغرب کی غلامی اختیار کر لینی چاہیے۔ خدا کا حکم ہے: ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ ﴿۶۵﴾۔ یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس وقت عالم اسلام مغرب کے ساتھ تصام مول لینے کے قابل نہیں۔ زمینی حقائق یہ کہتے ہیں کہ اس وقت مغرب اور عالم اسلام کا زمین آسمان کا فرق ہے جنگ اور لڑائی سے مسلمان اس وقت مغرب کو شکست دینے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ لہٰذا اُن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور گوریلا کاروایاں ختم کرنی چاہییں۔ جاپان، چین اور کوریا کی طرح اپنی تعلیم، تحقیق اور ترقی میں لگ جانا چاہیے اپنے ملکوں میں، اپنے معاشروں اور حکمرانوں کے خلاف زبان، قلم اور پیسے سے جہاد کرنا چاہیے مغرب اور امریکہ میں امن، سکون، ایمانداری اور عدل وانصاف کا نمونہ بن کر غیر مسلموں کو متاثر کرنا چاہیے اور اسلام کا اصل تصور (Image) بحال کرنا چاہیے۔ غیر مسلموں کے قریب ہو کر انہیں اپنے اخلاق اور اعمال سے متاثر کرنا چاہیے تا کہ اُن کے دل سے اسلام کے خلاف نفرت کم ہو اور آپ کی بات سننے کیلئے تیار ہو جائیں۔ اگر آپ غیر مسلموں کو، خاص طور پر مغربی لوگوں کو اپنی بات سنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور وہ آپ کے اعمال، اخلاق اور Social Practice سے مطمئن ہو جاتے ہیں تو یہ بہت بڑا جہاد ہے۔ بیس سال کے اندر اندر مغرب اور امریکہ میں تبدیلی آ جائے گی اور وہاں کی بہت بڑی آبادیاں مسلمان بھی ہو جائیں گی۔ کیونکہ خدا نے مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی کی ہے اور جہاد کا یہ راستہ بھی دکھایا ہے: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾ ﴿۶۶﴾۔ یعنی خدا کے دین کی طرف لوگوں کو بلانا اور اُس میں حکمت اور دانائی برتنا، خوبصورت طریقے سے نصیحت کرنا اور اگر بحث وتکرار کی نوبت آئے تو بھی حکمت اور

دانائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا بھی تو ایک نیک فریضہ ہے۔جس کو جہاد کہتے ہیں۔اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی خاطر اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا بھی جہاد ہے جسے حضور علیہ السلام نے جہاد اکبر کہا ہے ﴿۶۷﴾۔لوگوں تک دین کی دعوت پہنچانا بھی جہاد ہے۔اگر یہ کوشش زبان سے کی جائے تو یہ جہاد باللسان ہے،اگر قلم سے کی جائے تو جہاد بالقلم ہے اور اگر مال سے کی جائے تو یہ جہاد بالمال ہے ۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی جہاد ہے۔اگر ایک مسلمان حکمران اپنے اسلامی ملک میں خدا اور خدا کے رسولؐ کا قانون نافذ نہیں کرتا بلکہ اسلام کا نام لینے والوں اور اسلامی قانون نافذ کرنے کا مطالبہ کرنے والوں کا عرصۂ حیات تنگ کر دیتا ہے اور خدا کی حدود کا کھلا مذاق اُڑاتا ہے،اس کے سد باب کی کوشش کرنا بھی تو جہاد ہے۔قوت بازو اور تلوار سے جہاد کرنا اس وقت فائدے سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے۔ہمیں دوسروں سے لڑنے کی بجائے پہلے اپنے گھر کی صفائی کرنی چاہیے اور اس جہاد یا نیکی کی ابتدا اپنے گھر سے کرنی چاہیے۔جس طرح خدا نے حضورؐ سے فرمایا تھا کہ ﴿وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴾ ﴿۶۸﴾۔اپنی برادری اور قبیلے کے قریبی لوگوں کو ڈراؤ۔آج اسلامی ملکوں میں قانون کی حکمرانی کا کوئی تصور نہیں۔بڑے بڑے سرمایہ دار،جاگیردار،سیاستدان،حکمران طبقہ جو قانون بناتے ہیں وہ خود قانون پر عمل کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔یہاں تک کہ فوج کا سربراہ جس نے حکومت کی اطاعت کا حلف اُٹھا رکھا ہوتا ہے۔جب چاہتا ہے آئینی حکومت کا تختہ الٹ کا اقتدار پر قبضہ کر لیتا ہے۔انگلینڈ میں لیبر پارٹی ایک ووٹ کی اکثریت سے اپنی حکومتی ٹرم پوری کر لیتی ہے جبکہ پاکستان میں وزیر اعظم 70% اکثریت رکھنے کے باوجود ٹرم پوری نہیں کر سکتا یہ وہ قوم ہے۔جس کا پہلا سبق ﴿وَاسۡمَعُوۡا وَاَطِیۡعُوۡا ﴾ (سنو اور اطاعت کرو) ہے ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔جہالت اور غربت وافلاس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔آج عالم اسلام کو تحقیق،حریت فکر اور اجتہاد پر لگے ہوئے جمود اور تقلید کے تالوں کو توڑنے کیلئے جہاد کرنا چاہیے تاکہ ہم پرانے بوسیدہ اور ناکارہ راستوں کو چھوڑ کر قرآن وسنت کے اندر رہتے ہوئے نئے راستوں کی تلاش کریں اور اپنے آپ کو ﴿کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ ﴾ کا دعویدار بنائیں۔تحقیق کی بنیاد حریت فکر ہے۔اس کے بغیر تحقیق وریسرچ کی گاڑی آگے بڑھ ہی نہیں سکتی۔حریت فکر پر پہلی کاری ضرب سیاسی جبر نے لگائی۔دوسری صرف صوفیوں کے تصور دین سے لگی۔رہی سہی کسر ہمارے تنگ نظر علماء نے اجتہاد کا دروازہ بند کر کے پوری کر دی۔آج عالم اسلام کی یہ کیفیت ہے کہ "مسلمان اندھی تقلید پر فخر کرتے ہیں،تقلید کو قائم ودائم رہنے پر اصرار کرتے ہیں اور ہر نئی بات اور نیا نظریہ اُن کو بدعت اور انحراف لگتا ہے "۔روایتی علماء نے جبر کی ایک فضا قائم کر رکھی ہے کہ اسلامی علوم میں آزادانہ تحقیق کا امکان ہی نہیں۔

شیر مردوں سے ہوا پیشہ تحقیق تہی

رہ گئے صوفی وملا کے غلام اے ساقی

کس طرح کند ہوا ترا نشترِ تحقیق

ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

مسلمانوں کو آج انسانی وسائل پیدا کرنے کیلئے جدوجہد کرنی چاہیے۔ بے اتفاقی اور ناانصافی کے خلاف جہاد کرنا چاہیے، کاہلی اور کام چوری، فقدان تنظیم اور منصوبہ بندی، قانون پر عمل نہ کرنے اور اس کی دھجیاں بکھیرنے کے خلاف جہاد کرنا کرچاہیے، خود غرضی، بزدلی، اجتماعی مفاد کے بجائے ذاتی مفاد، جہالت اور تعلیمی فقدان، تحقیق سے اغماض، سیاسی عدم استحکام کے خلاف کوشش اور محنت کرنی چاہیے۔ کمزور ابلاغ کو بہتر کرنے، سائنس اور ٹیکنالوجی میں پسماندگی دور کرنے، معاشی اور حربی ترقی کے لئے انفرادی اور اجتماعی سعی اور جہاد کرنا چاہیے۔ اپنے نظریات، خیالات، اعمال اور اخلاق کو اسلامی روح کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر اپنے گھر میں یہ کام مکمل کرلیں، اپنے گھر کو صحیح کرلیں تو ہم اتنے طاقتور ہو جائیں گے کہ اغیار کو ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوگی۔

جدید منصوبہ بندی:

آج عالم اسلام کیلئے اصل مسئلہ اسلام پر کاربند رہتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی زندگی کی تشکیل وتعمیر نو کرنے کے متعلق ہے اگر اپنے آپ کو بچانا ہے، تصادم اور جنگوں سے بھی بچنا ہے، تحقیق اور تعلیم کو بھی ترقی دینی ہے تو پھر اپنے ایمان، اپنے نظریئے، اپنے دین، اپنی تہذیب اور سیاست پر قائم رہنے اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کیلئے کم از کم بیس سال صبر اور جبر سے کام لینا ہوگا۔ اس جدوجہد میں ایمان اور نظریئے کی قوت اور اتحاد کے ساتھ علم، تحقیق، معاشی طاقت، عسکری قوت، ایجاد اور اختراع، سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت انتہائی ضروری ہے۔ ان میدانوں میں ترقی کیلئے سب سے اہم چیز عزم اور وژن (Vision) ہے۔ اگر Vision موجود نہیں اور ارادہ وعزم کا بھی فقدان ہے تو پھر ترقی کرنے کا کوئی امکان نہیں۔ اگر عالم اسلام اجتماعی طور پر منصوبہ بندی کرلیں اور مذکورہ میدانوں میں مصمم ارادوں سے جدوجہد شروع کردیں تو خدا کی توفیق اور فضل سے دو عشروں کے اندر اندر تمام وسائل بھی حاصل ہو

سکتے ہیں اور دنیا کا نقشہ بھی بدلا جا سکتا ہے جسطرح ماضی میں کئی مرتبہ بدلا گیا ہے۔ موجود دہشت گردی اور طاقت کے زور پر ظلم و بربریت کا تماشہ بھی ختم ہو سکتا ہے۔ خدا کی اس دنیا میں کبھی بھی کوئی ایسی طاقتور سلطنت نہیں آئی۔ جو ہمیشہ مضبوط رہی ہو۔ کوئی سوپر پاور ایسی نہیں جو ہمیشہ سے سوپر پاور ہو۔ کبھی روم دنیا کی طاقت تھی، ایران کا طوطی بولتا تھا، ساتویں صدی میں فرانس دنیا کی طاقت تھی پھر مسلمان ایک ہزار سال تک دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنے رہے۔ پھر برطانیہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنا اور دوسو سال رہا روس کا سکہ بھی 50 سال چلتا رہا اب امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔ تاریخ ایک نہیں درجنوں سپر طاقتوں کا قبرستان ہے۔

(۱) لہٰذا پہلا کام منصوبہ بندی کرنا ہے۔ اپنی منزل کا تعین اور اپنے مقاصد کی تفہیم ہے۔ پھر اس عظیم مقصد کیلئے راستے کا تعین پھر اس کیلئے صحیح سمت جدوجہد۔

(۲) دوسری بات کہ کیا ہمیں مخالف قوتوں سے تصادم اور ٹکراؤ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے یا افہام و تفہیم کا؟

بلاشبہ حق و باطل کے درمیان تصادم ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ لیکن اسلام نے ہمارے لئے ایک راہنمائی رکھی ہے۔ حکمت اور دانائی سے معاملات کو طے کرنے کیلئے کہا۔ اسلام نے ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ جدوجہد کے مختلف مراحل ہوتے ہیں اور منصوبہ بندی کے بغیر جنگ و جدل میں کودنا یا تصادم کا راستہ اختیار کرنا عقلمندی اور حکمت نہیں بلکہ حماقت ہے۔ صبر اور حکمت دونوں مومن کی میراث ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے: ((الحکمة ضالة المؤمن ......الخ)) ۔دانائی اور حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ جہاں سے ملے اسے حاصل کرے۔ مسلمانوں کی ترقی کیلئے طویل جدوجہد اور وقت درکار ہے۔ ہمارا ہر لمحہ اصل مقصد کے حصول کے لئے وقف ہونا چاہیے۔ شارٹ کٹ کی تلاش اور جلد بازی دینی فراست کے خلاف ہیں۔ حکمت اور دانائی، صبر و تحمل کامیابی کا زینہ ہے۔ کامیابی کیلئے جذباتیت اور ہٹ دھرمی زہر قاتل ہے۔ صبر، حکمت اور محنت سے، علم، اجتہاد اور جہاد کے راستے کو اسطرح اختیار کیا جائے جو اُن کا حق ہے۔ اگر امریکہ کا سپر پاور ہونا حقیقت ہے جس کو نظر انداز کرنا بے وقوفی ہے تو مسلم امہ کے ڈیڑھ ارب افراد اور اُن کے 57 ممالک بھی ایک حقیقت ہیں جن کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی طاقت کے ذریعے ان سب کو غلام بنا کر رکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصادم سے پہلو بچاتے ہوئے اپنے گھر کی اصلاح، دینی دنیوی علوم میں پختگی، عالم اسلام کا اتحاد و بھائی چارے کا فروغ، اپنے وسائل کی ترقی اور قوت کا استحکام ہمارا اصل ہدف ہونا چاہیے۔ یہ سارے منصوبے اُس وقت تک خواب و خیال رہیں گے جب تک مسلمان ممالک خود اپنے گھر کو درست نہ کریں اور حکمران طبقہ اس درستگی و

اصلاح کا آغاز اپنے گھر سے نہ کرے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلم ممالک میں خود حکمران اپنے عوام پر اعتماد کی فضا پیدا کریں۔ عالم اسلام کے اکثر حکمران اپنے عوام کی مرضی کے خلاف اُن پر مسلط ہیں۔ اکثر حکمرانوں نے حکومتوں پر چور دروازوں سے قبضہ کیا ہے۔ بہر حال حکمرانوں پر عوام کا اعتماد ضروری ہے، شخصی اور سیاسی آزادیاں ضروری ہیں۔ اختلاف رائے کو ملک دشمنی کا رنگ دینے کی حماقت کو ترک کرنا ضروری ہے۔ سیاسی اور مذہبی طور پر برداشت (Tolerance) صحتمند معاشرے کیلئے ضروری ہے۔ معیشت اور سیاست پر چند خاندانوں کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ عوام اور حکمرانوں کے درمیان کشمکش کی بجائے تعاون اور اشتراک کا رشتہ ضروری ہے جو عالم اسلام کے اکثر ممالک میں موجود نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا: تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور جو تم سے محبت کرتے ہیں اور بدترین حکمران وہ ہیں جن سے نفرت کرتے ہو اور جو تم سے نفرت کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے ممالک کے اندرونی مسائل کم ہو سکتے ہیں اگر آزادی کے ساتھ ساتھ تعلیم، زندگی کی بنیادی سہولتیں اور روزگار کے مواقع فراہم ہوں۔ ہر آدمی کو انصاف میسر ہو۔ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ کرپشن اور اقربا پروری کا خاتمہ ہو۔ ایجاد اور اختراع کے ذریعے، تحقیق و تفتیش اور تعلیم کے ذریعے سائنس اور ٹیکنالوجی پر قدرت حاصل ہو معیشت اور دفاع میں خود انحصاری حاصل کی جائے۔ مسلمان امت، امت وسطیٰ ہے۔ اس کا کام شہادت دینا، نیکیوں کی ترویج اور برائیوں کا خاتمہ کرنا ہے۔ حق و انصاف اور امن کو قائم کرنا ہے۔ اگر اس امت وسطیٰ میں انتہا پسندی اور تشدد کی سیاست آ گئی ہے تو اس کے مشن اور مزاج کے خلاف ہے۔ اسلام کا تو معنی ہی امن ہے۔ اس میں تو انتقام نام کی بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ دہشت گردی، قتل و غارت اس کے اصولوں پر دھبہ ہے۔ خودکش حملوں کے ذریعے تباہی و بربادی پھیلانا اور پھر ردعمل میں اپنے ہی بھائیوں کو تختہ مشق بنانا اور کئی گنا زیادہ نقصان کروانا، یہ سب اس کے نظریئے کے خلاف ہیں اس کا نظریہ تو: یسروا و لا تعسروا ، بشروا و لا تنفروا ﴿٦٩﴾ ہے۔ یعنی آسانی پیدا کرو تنگی پیدا نہ کرو، خوشخبریاں دو اور نفرتیں پیدا نہ کرو۔

انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، اسلام، تشدد، زبردستی اور اکراہ کا مخالف ہے اور محبت، رواداری، امن، عدل انصاف اور تعاون و اشتراک کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ جہاد کا مقصد انصاف کا قیام اور تمام انسانوں کیلئے آزادی، عزت اور عدل کی ضمانت ہے۔ جہاد اپنی تمام صورتوں میں واضح اخلاقی حدود اور مقاصد کا پابند ہے۔ ہر سطح پر اس کے تصور، تعلیم اور تبلیغ کی ضرورت ہے تاکہ جہاد کا صحیح فہم و ادراک ہو اور اس کی نعمتوں سے سب مسلم اور غیر مسلم فیضیاب ہو سکیں۔ آج جہاد کے فہم اور تصور کو جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ

جہاد کو بدنام کرنے کیلئے جہادی کلچر کو تشدد اور دہشت گردی کے مترادف قرار دیا جا رہا ہے۔ اس میں جہاد کی تفہیم اور جہاد کے آداب کے مکمل احترام کی ضرورت ہے۔ جہاد اسلام کے ابدی اصولوں میں سے ہے جس کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ((الجهاد ماض الی یوم القیامة)) یعنی جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ جہاد ایک اخلاقی قوت اور تعمیر کی صورت ہے۔ سب سے پہلے اُس کا یہ کردار مسلمانوں کے سامنے ہونا چاہیے۔ تاکہ غیر مسلم بھی اُس کی گواہی دے سکیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ مغرب کے ساتھ موجودہ تصادم کا راستہ ترک کر دیں کیونکہ اس وقت ان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ امریکہ اور مغرب کے خلاف کسی قسم کی فضائی، زمینی، خفیہ یا گوریلا جنگ کر سکیں۔ فائدے کی بجائے اس میں نقصان ہوا ہے۔ خفیہ اور گریلا جنگیں تو اسلام پسندوں کی اپنے ملکوں میں بھی کامیاب نہیں ہوئیں چہ جائے کہ امریکہ کے خلاف کامیابیاں ہوں۔ چیچنیا، کشمیر، الجزائر، مصر، مراکش اور انڈونیشیا کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کے شہنشاہ ہیرو ہٹو نے اپنے قوم سے مختصر خطاب میں کہا تھا: ہم جنگ ہار چکے ہیں۔ ہم شکست تسلیم کرتے ہیں۔ اب ہم دنیا کو ہتھیاروں سے نہیں بلکہ اوزاروں سے شکست دیں گے۔ ہمیں بھی دس سال کیلئے مغرب اور امریکہ سے سیز فائر کر لینا چاہیے۔ جس طرح جاپان جنگ عظیم اول کے بعد " کھنڈرات سے اُٹھ کر " 25,30 سال کے اندر اندر دنیا کی دوسری بڑی معاشی قوت بن گیا تھا اسی طرح عالم اسلام بھی بن سکتا ہے بشرطِ کہ تصادم کا راستہ ترک کر دے۔ بیس سال کے بعد ان کی طاقت اور عظمت کی وجہ سے ان کی طرف میلی آنکھ سے بھی کوئی نہیں دیکھے گا۔ اور مسلمان اس پوزیشن میں بھی ہوں گے کہ ان کی بات کا احترام کیا جائے اور یہ سر اٹھا کر عزت اور وقار کے ساتھ دنیا میں چل پھر سکیں۔

فصل ششم

اسلامی معاشی بلاک کا قیام اور باہمی تجارت 80 فیصد کرنے کا انتظام ﴿۹۴﴾

اس وقت ہر میدان میں عالم اسلام کے اتحاد اور تعاون کا فقدان ہے۔ مسلمانوں کا معاشی لحاظ سے کوئی مشترکہ منصوبہ نہیں ہے۔ کوئی قابل ذکر اور مؤثر علاقائی یا عالمی معاشی تنظیم نہیں ہے۔ اگر 1997ء میں D-8 کے نام سے مسلمان ممالک کی ایک معاشی تعاون کی تنظیم کا قیام عمل میں آیا بھی ہے تو اُس کا کردار قابل ذکر و قدر اور حوصلہ افزا نہیں ہے۔ موجودہ دور معاشی تعاون اور معاشی اتحادوں اور تنظیموں کا دور ہے۔ آج بڑے بڑے معاشی بلاک بن رہے ہیں۔ سب سے بڑا معاشی بلاک تو خود امریکہ (USA) ہے۔ جس میں 52 ریاستیں ہیں۔ 52 ریاستوں پر مشتمل یہ ایک متحدہ ملک جس کو ریاستہائے متحدہ امریکہ (USA) کہا جاتا ہے۔ کہ دنیا کا امیر ترین اور معاشی طور پر مضبوط ترین ملک ہے جس کا GDP (WDR-2007 کے مطابق) 12500 ارب ڈالر ہے جو پوری دنیا کے مجموعی GDP (یا عالمی مجموعی خام پیداوار) کا تقریباً 30% ہے۔ پھر امریکی ممالک نے NAFTA کے نام سے امریکہ میں تجارتی بلاک بنا رکھا ہے۔ یورپ کے 25 ممالک نے متحد ہو کر ایک بہت بڑا معاشی بلاک بنا رکھا ہے۔ جس کی آپس کی تجارت 62% فیصد ہے۔ NAFTA کی آپس کی تجارت 67% فیصد ہے۔ اسی طرح افریقی ممالک نے آپس میں مل کر ایک بہت بڑا معاشی بلاک بنا رکھا ہے جس کا نام "COMESA" ہے۔ اس کی آپس کی تجارت 22% ہے۔ اسی طرح مشرقی ایشیائی ممالک نے آسیان کے نام سے معاشی بلاک بنایا ہوا ہے جس کی آپس کی تجارت 25% فیصد ہے ﴿۷۰﴾۔ بدقسمتی سے اس طرح کا مسلمانوں کا عالمی سطح پر کوئی معاشی بلاک نہیں ہے اور نہ ہی مسلمانوں نے کبھی سنجیدگی سے سوچا اور منصوبہ بنایا ہے۔ ایک چھوٹا سا بلاک اگر بنایا بھی ہے یعنی D-8 کے نام سے تو اُس کی کارکردگی نہایت ہی غیر تسلی بخش ہے۔ ان آٹھ ممالک (D-8) کی آپس کی تجارت صرف 15% ہے۔ عالم اسلام کے 57 ممالک کی آپس کی تجارت صرف 13% ہے ﴿۷۱﴾۔ اس وقت عالم اسلام کی معاشی اور اقتصادی حالت بہت نازک صورتحال اختیار کر گئی ہے۔ مغرب، خاص طور پر امریکہ کے عالمی ایجنڈے پر سرفہرست عالم اسلام کے مادی وسائل پر قبضہ کرنا ہے۔ جس کی ابتدا انہوں نے افغانستان اور عراق کو "فتح" کر کے کر دی ہے۔ معاشی طور پر کمزور کرنے کے بعد عالم اسلام کے لئے دوسرا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے تعلیمی، سیاسی، شرعی، قانونی اور معاشی نظام کو امریکی

اور مغربی خواہشات اور نظریات کے مطابق تبدیل کرے۔ اصل میں افغانستان اور عراق پر قبضہ تو اب عالم اسلام کے براہِ راست معیشت اور مادی وسائل پر قبضہ ہے۔ بالواسطہ طور پر تو وہ عالم اسلام کے وسائل پر مدت سے قابض ہیں۔

آئی ایم ایف (IMF)، ورلڈ بنک، WTO اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے عالم اسلام کی معیشت پر مغرب اور امریکہ کا مکمل قبضہ ہے۔ معیشت پر اپنے قبضے کو مزید مضبوط کرنے کیلئے عالم اسلام کے اہم ممالک پر مغرب نواز حکمران مسلط ہیں جو اپنی حکومت کی بقا امریکی تابعداری میں سمجھتے ہیں۔ حکمرانوں کے ساتھ ساتھ مغرب نے تقریباً ہر مسلمان ملک کی فوج کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ اکثر مسلم ممالک اپنا جنگی اسلحہ امریکہ اور یورپی ممالک سے خریدتے ہیں۔ پھر اس اسلحے کے استعمال کی تربیت کیلئے مسلم فوجی افسران وہاں جاتے ہیں۔ اس طرح فوجی حلقوں میں تعاون بڑھتا ہے جس کے نتیجے میں فریقین کے مابین باقاعدہ فوجی تربیت کے معاہدے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جتنے بھی مسلمان ممالک ہیں اُن کے اعلیٰ فوجی افسران وہ ہوتے ہیں جنہوں نے امریکہ اور مغربی ممالک میں فوجی تربیت حاصل کی ہوتی ہے۔ فوجی تربیت کے دوران ہی یہ مسلم فوجی افسران سی آئی اے اور دوسری ایجنسیوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ دنیاوی ترغیبات، جلد ترقی، آمدنی میں اضافہ، غیر ملکی بنکوں میں اکاؤنٹ، بچوں کی امریکہ اور مغرب میں تعلیم، غرض بے شمار ترغیبات ہیں جن میں ان فوجی افسران کی اکثریت پھنس جاتی ہے اور اپنے ہی ملک کے خلاف دشمن کی ایجنٹ بن جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب بھی کوئی سیاسی حکومت امریکہ اور مغرب کی معاشی، سیاسی اور معاشرتی، کسی قسم کی، پالیسیوں کی مخالف کرتی ہے تو اسے سبق سکھانے کیلئے سی آئی اے اور دوسرے امریکی ادارے حرکت میں آ جاتے ہیں اور حکومت کا تختہ الٹ کر فوج برسرِ اقتدار آ جاتی ہے۔ اس طرح خوف کے مارے مسلم ممالک کی سیاسی حکومتیں یہ ضروری خیال کرتی ہیں کہ اُن کے اقتدار کی چابی امریکہ اور مغرب کے ہاتھ میں ہے اور جب تک امریکہ خوش ہے وہ حکمران رہیں گے۔ امریکہ اور مغرب کو اسلامی ممالک میں فوجی حکومتیں زیادہ پسند ہیں کیونکہ سارا معاملہ ایک فرد سے کرنا پڑتا ہے اور اسے ترغیب یا ترہیب سے مائل کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اس طرح امریکہ اور مغرب مسلمانوں کی معاشی اور سیاسی پالیسیوں، منصوبوں اور سرگرمیوں کو کنٹرول کرتے ہیں اور اپنے مفادات کے مطابق چلاتے ہیں۔ بظاہر جمہوریت چیمپئن ہونے کے باوجود امریکہ و یورپ کو مسلمان ممالک میں جمہوریت قائم کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ فوجی حکومتوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور اکثر انہیں کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات فوجی حکمرانوں کو Pressurize کرنے کیلئے جمہوریت کی حوصلہ افزائی کو ایک حربے کے طور استعمال کرتے ہیں۔

امریکہ اور مغرب سوویٹ یونین کی شکست وریخت کے بعد عالم اسلام کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اُن کی طرف سے نہ صرف مسلمانوں کے خلاف سماجی، معاشرتی، سیاسی، عسکری، فکری، ثقافتی، تعلیمی اور تہذیبی محاذوں پر جنگ شروع کی دی گئی ہے بلکہ مغربی اور صلیبی عزائم کو چھپانے کیلئے اسلامی بنیاد پرستی کا ہوا کھڑا کر دیا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ عالم اسلام نے آج تک مغربی اور امریکی عزائم کا توڑ کرنے کیلئے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی اور نہ کوئی منصوبہ بندی کی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امریکہ اور یورپ نے عالم اسلام کی معیشت پر مکمل قبضہ کر لیا ہے اور وسائل کی بھرمار ہونے کے باوجود عالم اسلام غربت، مفلسی اور بے بسی سے نہیں نکل سکا۔ بلکہ دن بدن صورتحال مزید خراب ہوتی چلی جارہی ہے۔ او آئی سی (OIC) ایک پلیٹ فارم ہے جہاں پر اکٹھے ہو کر کبھی کبھار مسلمان ممالک، ڈرتے ہوئے، چوری چوری کہ "بڑوں" کو پتہ نہ چل جائے، اپنا غبار نکال لیتے ہیں۔ لیکن OIC نے گزشتہ 37 سال میں ﴿۲۷﴾ امت مسلمہ کے مسائل کے حل میں عملاً کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کیا۔ اس کی بنیادی وجوہات میں کچھ مسلم ممالک کا آپس میں اختلافات کا ہونا، کچھ اسلامی ممالک کا بیرونی قرضوں میں جکڑے ہونے کیوجہ سے بیرونی ڈکٹیشن لینے پر مجبور ہونا، بہت سے اسلامی ملکوں کی معیشتوں کا کمزور ہونا، بہت سے اہم اسلامی ملکوں میں بدعنوانی، غربت، جہالت، فرقہ واریت کا دور دورا ہونا اور کچھ اسلامی ممالک میں جمہوریت کا نہ ہونا اور اُن کے حکمرانوں کا اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے مغرب کی حمایت پر انحصار کرنا شامل ہیں۔ او آئی سی کے ذریعے عالم اسلام کا معاشی اور دفاعی بلاک بننا تو دور کی بات ہے یہ مسلم ممالک کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں بھی بری طرح ناکام رہی ہے۔ پورے عالم اسلام کا اتفاق رائے اور اتحاد بھی دور کی بات ہے، او آئی سی تو عرب ممالک میں اتفاق اور بھائی چارہ قائم کرنے میں بھی ہر حوالے سے ناکام رہی ہے جو اس تنظیم کی جائے پیدائش ہے۔ 1981ء میں اس تنظیم نے اسرائیل کے مکمل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا لیکن بعض عرب اور دوسرے مسلم ممالک نے اسی زمانے میں خفیہ اور اعلانیہ طور پر اسرائیل کے ساتھ معاشی روابط قائم کر لئے ﴿۲۸﴾۔ تنظیم ان ممالک کے خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکی۔ ترکی، مصر اور اردن ان ممالک میں نمایاں ہیں۔

اسلامی ممالک کی موجودہ معاشی صورتحال کے ضمن میں چند حقائق ملاحظہ ہوں: 2005 میں عالم اسلام کی مجموعی آبادی 144 کروڑ جبکہ پوری دنیا کی آبادی 647 کروڑ ہے۔ اس لحاظ سے مسلم آبادی عالمی آبادی کا 22.26 فیصد ہے جس کے پاس تیل اور گیس کی عالمی پیداوار کا 70 فیصد حصہ ہونے کے باوجود عالمی GDP میں اس کا حصہ 05 فیصد ہے اور عالمی برآمدات میں

08فیصد اور عالم اسلام کا آپس میں تجارتی حجم صرف 13 فیصد ہے ﴿۷۴﴾۔ گلوبل کمپی ٹیٹو رپوٹ (Globel Competetive Report 2004-05) کے مطابق پاکستان کا مقام دنیا کے 104 ملکوں میں 91ویں نمبر پر ہے یعنی ہم معاشی دوڑ میں دنیا کے سب سے پیچھے رہ جانے والے ملکوں میں سے ایک ہیں۔ اس اشاریے میں بھارت کا نمبر 55واں ہے۔ 2003ء میں 133 ممالک میں 92ویں نمبر تھا، 2004ء میں 145 میں سے 129 ویں نمبر پر تھا ﴿۷۵﴾۔ 2005ء کی رپورٹ کے مطابق 158 ملکوں میں شفافیت کے اعتبار سے بنگلہ دیش 158 ویں نمبر پر یعنی دنیا کا بدعنوان ترین ملک، نائجیریا 152 ویں نمبر پر پاکستان 144، انڈونیشیا 137 ویں نمبر پر ہے۔ دنیا کے 25 شفاف ترین ملکوں میں کوئی مسلمان ملک شامل نہیں ہے۔ دنیا کے 16 بدعنوان ترین ممالک میں 09 مسلمان ممالک شامل ہیں۔ انسانی وسائل (Human Resources) کے حوالے سے اسلامی ملکوں کی 96 فیصد آبادی نچلے درجے پر آتی ہے ﴿۷۶﴾۔ عالم اسلام کی معاشی بدحالی کی اصل وجہ یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ نے بین الاقوامی مالیاتی اداروں یعنی آئی ایم ایف، ورلڈ بنک اور WTO وغیرہ اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے ایسے جال بچھائے ہیں کہ مسلم ممالک کو کنگال کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ ادارے اور ملٹی نیشنل کمپنیاں غیر محسوس طریقے سے مسلم ممالک کا خون چوس رہے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے دنیا کو بالعموم اور عالم اسلام کا بالخصوص اقتصادی طور پر اپنا یرغمال بنا رکھا ہے ملٹی نیشنل کمپنیاں اس طرح غیر محسوسانہ طریقے سے استحصال کر رہی ہیں اور اتنی طاقتور ہیں کہ حکومتیں بھی ان کے سامنے بے بس ہو گئی ہیں۔ انگریزوں نے مسلم ہندوستان کو اقتصادیات ہی کے ذریعے یرغمال بنایا تھا۔ آج بھی اسلامی دنیا انہیں اقتصادی اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کی پالیسیوں ہی کی وجہ سے مغلوب ہو رہی ہیں۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں نہ صرف ہماری اقتصادی جڑوں پر ضرب کاری لگا رہی ہیں بلکہ اپنی مصنوعات اور مشروبات میں حرام اجزاء کو شامل کر کے مسلمانوں کے ایمان پر بھی نقب زن ہو رہی ہیں۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنی آمدن کا ایک قابل ذکر حصہ اسرائیل کے تحفظ کے لئے وقف کر رہی ہیں۔ گویا مسلمان ان کمپنیوں کی مصنوعات خرید کر اپنی ہی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔ "ایسٹ انڈیا کمپنی" کی طرح آج یورپ اور امریکہ کی بہت ساری "ایسٹ کمپنیاں" معرض وجود میں آ چکی ہیں جو اسی طرح عالم اسلام کو اپنی گرفت میں لئے جا رہی ہیں۔ یورپی اور امریکی تجارتی کمپنیوں نے تجارت کے ذریعے جو جال بچھائے وہ بلآخر افریقہ اور ایشیا کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اکتوبر 1929ء میں امریکی معیشت کے مرکز "وال اسٹریٹ" سے کساد بازاری(Economic Depression) نے سر اٹھایا جسے امریکی تاریخ میں (The Great Depression) کے

نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ کساد بازاری کا یہ دور 1932ء تک جاری رہا ۔اس کسادی بازاری یعنی (Economic Depression) نے یہ ثابت کردیا کہ آئندہ عالمی معیشت امریکہ کی مٹھی میں ہوگی ﴿۷۷﴾۔

فرینکلن ڈی روز ویلٹ واحد امریکی شخصیت ہیں جو چار دفعہ امریکہ کے صدر (1933-1945) منتخب ہوئے ۔ انہیں کے دور میں کساد بازاری (The Great Depression) (1929-1933) ختم ہوئی ۔ 1941ء میں انہوں نے امریکی کانگرس سے ایک قانون پاس کروایا جس کا نام "Lend Lease Act" تھا، جس کے ذریعے جرمنی کے مقابلے میں برطانیہ کی (جنگ عظیم دوم میں) مدد کی گئی ۔ 1943ء میں صدر روز ویلٹ تہران میں اتحادی رہنماؤں چرچل اور اسٹالن سے ملے ﴿۷۸﴾ امریکہ جنگ عظیم دوم میں سب سے بڑی طاقت بن کر اُبھرا۔ 1945ء میں یالٹا میں ان رہنماؤں کی ایک کانفرنس ہوئی۔ جرمنی نے 7 مئی 1945ء کو ہتھیار ڈال دیئے۔ لیکن امریکہ اپنی عالمی برتری منوانے کیلئے بے چین تھا۔ اس نے 06 اگست کو ہیروشیما اور 09 اگست کو ناگاساکی پر یکے بعد دیگرے ایٹم بم گرائے ۔ 15 اگست کو جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے ۔ یوں امریکہ ایک معاشی طاقت بننے کے ساتھ ساتھ ایک مہلک فوجی طاقت بھی بن گیا۔

عالم اسلام کے حکمرانوں کی عیاشی اور فضول خرچیاں:

عالم اسلام کی غربت، افلاس اور پسماندگی کی ایک اہم وجہ اس کے حکمرانوں کی بے پناہ عیاشی اور بے دریغ فضول خرچی ہے۔ حکمران فضول خرچ، بیورو کریسی رشوت خور، قاضی اور جج حضرات ایمان، اخلاق اور خوفِ خدا سے عاری اور رشوت خوری کی وجہ سے عیاش اور ہر طرح کے موج میلے کو مباح سمجھتے ہیں۔ حکمرانوں نے یہودیوں اور امریکیوں سے قرضے لینے اور انہیں عوامی مفاد میں خرچ کرنے کی بجائے اپنے اللّے تللّے کاموں پر خرچ کرنے کو اپنا حق سمجھ لیا ہے۔ وہ قوم، جس کا پیغمبر اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھا ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ کہا ہے۔ اُس پیغمبر کے نام لیواؤں کا یہ عالم ہے کہ وہ کرپشن اور بدعنوانی میں دنیا میں اول نمبر پر ہیں ۔ اسلامی دنیا کے آبادی کے لحاظ سے بڑے ممالک یعنی انڈونیشیا، پاکستان، بنگلہ دیش، نائجیریا........ چار ممالک، جن کی آبادی عالم اسلام کی مجموعی آبادی کی 46 فیصد ہے، دنیا کے بدعنوان ترین

ممالک میں شامل ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں حلال وحرام کی تمیز مٹ چکی ہے۔ انہوں نے سود کو اپنا لیا، محنت کی بجائے ناجائز ذرائع سے راتوں رات امیر بننے کی خواہش مسلمانوں میں عام ہے۔ حکمرانوں نے کبھی خود انحصاری کیلئے منصوبہ بندی ہی نہیں۔ اکثر مسلم ممالک کے حکمران اور وزرائے خزانہ سمیت معاشی ماہرین (Economic intelligentsia) امریکہ اور آئی ایم ایف کے ایجنٹ اور فرمانبردار ہوتے ہیں۔ معاشی ماہرین کی ٹیم خاص طور پر ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کی پروردہ اور پیروکار ہوتی ہے۔ مسلم ممالک کی معاشی پالیسیوں اور منصوبہ بندیوں پر مسلط یہ، امریکہ اور اُس کے بین الاقوامی اداروں کے ایجنٹ، "اپنے مالکان کے نمک حلال" ہوتے ہیں اور اپنے ملک اور اپنی قوم کے مفادات پر اپنے ذاتی اور "مالکان" کے مفادات کو ہمیشہ ترجیح دیتے ہیں جو ملک اور قوم سے غداری ہے۔ اُن کی اس روش اور غداری سے مسلمان امت کا کیا حشر ہوتا ہے، اس سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ جب افریقہ کے بعض مسلم ممالک میں قحط اور بھوک کی وجہ سے بچے مرتے ہیں، بھوک اور افلاس سے ہڈیوں کے ڈھانچے بنے نحیف اور نیم مردہ یا نیم زندہ بچوں کی تصویریں اخباروں میں چھپتی نظر آتی ہیں تو ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں حکمرانوں کی فضول خرچیوں اور عیاشیوں کا یہ عالم ہے کہ "دفترِ خارجہ کی دستاویزات کے مطابق وزیراعظم پاکستان نے فروری 2005ء میں سعودی عرب کا دورہ کیا جس پر دو کروڑ تیس لاکھ روپے خرچ آئے ﴿۷۹﴾۔

دوسری مرتبہ وزیراعظم 6 اگست (2005) کو شاہ فہد کی وفات کے موقع پر گئے اور ایک دن کے سفر پر 70 لاکھ روپے خرچ ہوئے ﴿۸۰﴾۔ یہ صرف ایک مثال ہے۔ اس طرح کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ نواز شریف اپنی وزارت عظمٰی کے دوران امریکہ گئے تھے اور اس دورے پر 35 کروڑ خرچ کر دیئے تھے۔ اس کے برعکس، ترقی یافتہ ممالک کے حکمران، نہایت سادگی سے، اکثر اوقات کمرشل پروازوں پر سفر کرتے ہیں اور بطور سربراہ کمرشل پروازوں پر دوسرے ممالک کے دورے کرتے ہیں۔ 1995ء میں نیوزی لینڈ میں دولت مشترکہ (Common Wealth) کے سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پاکستان کی نمائندگی اس وقت کے صدر نے کی تھی جو ایک سپیشل پرواز کے ذریعے گئے تھے۔ واپسی پر راستے میں جہاز خراب ہو گیا تھا اور "اس کی جگہ کراچی سے ایک نیا جہاز منگوانا پڑا"۔ جبکہ اس سربراہی کانفرنس کا افتتاح کرنے کے لئے ملکہ برطانیہ صرف چند افسروں کے ہمراہ ایک کمرشل پرواز سے نیوزی لینڈ آئیں ﴿۸۱﴾۔ ملکہ برطانیہ حتی الوسع کمرشل پرواز سے سفر کرتی ہیں۔ مارگریٹ تھیچر جب وزیراعظم برطانیہ بن کر اپنی سرکاری رہائش گاہ 10- ڈاؤننگ سٹریٹ آئیں تو عمارت کے اکثر بڑے کمرے اچھی حالت میں نہ تھے۔ مسز تھیچر نے 10 سال تک

اس سرکاری رہائش گاہ پر کوئی رقم خرچ نہ کی ﴿۸۲﴾۔ برطانیہ وہ ملک ہے جس کا ہیلتھ کا بجٹ پاکستان کے کل بجٹ سے زیادہ ہے۔ برطانیہ کے شہنشاہوں اور حکمرانوں کی یہ مثالیں ہیں اور ہمارے جیسے مسلم ممالک کی مثالیں اس طرح ہیں۔ پاکستان کا کل بجٹ تقریباً (07-2006 میں) 25 بلین ڈالر ہے جبکہ 2006 میں اس پر بیرونی قرضہ تقریباً 37 بلین ڈالر ہے۔ اس کا ایکسپورٹ 18 ارب ڈالر ہے۔

عراق کی مثال لیں تو حقائق سامنے آتے ہیں کہ گزشتہ 26 سال سے تنگی، مفلسی، غربت اور معاشی بدحالی میں بری طرح گرفتار ہے۔ اپریل 2003ء میں سقوط بغداد ہوا اور صدام حکومت ختم ہوئی جس کے بعد عراق پہلے سے کہیں زیادہ بھوک، مفلسی، بدامنی اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔ گزشتہ پندرہ سال سے عراق مشرق وسطیٰ کا بدحال ترین اور غریب ترین ملک بن گیا ہے۔ جہاں غربت کی وجہ سے 15 لاکھ افراد لقمۂ اجل بن گئے ہیں۔ جن میں اکثریت بچوں کی ہے۔ لیکن حکمران کا کیا حال ہے؟

صدام حسین دنیا کا خوش لباس ترین آدمی تھا۔ اس کے لباس کے چرچے دنیا میں مشہور تھے۔ اس کے کپڑے لندن سے سلتے تھے۔ اس کے پاس 300 قیمتی سوٹ اور دو اڑھائی ہزار جوتے تھے۔ صدام کے 48 محل تھے جس کی دیواریں سنگ مرمر کی تھیں۔ باتھ رومز کی ٹونٹیوں اور ہینڈلوں پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا۔ محلات کے اندر آبشاریں گرتی تھیں۔ صدام کی سرکاری رہائش گاہوں کی تعداد بھی 70 سے 80 تھیں اور وہ بھی اتنی ہی شاہانہ اور افسانوی تھیں۔ صدام حسین کی تین بیویاں تھیں۔ وہ اور اُن کی اولادیں بھی اسی طرح شاہانہ زندگی گزارتی تھیں ﴿۸۳﴾۔ لیکن اب اپنے ایک محل کے پندرہ فٹ کے سیل میں تقریباً 3 سال بند رکھنے کے بعد اُسے پھانسی دے دی گئی ہے۔ مسلمان اس وقت بری طرح معاشی بدحالی کا شکار ہیں۔ مغرب اور امریکہ عالم اسلام کے مادی وسائل پر قابض ہیں جو اب براہ راست مسلم ممالک پر قبضہ کرنا شروع ہو گئے ہیں۔ امریکہ اور مغرب کی چالوں سے انفرادی طور پر بچنا شاید مسلمان ممالک کیلئے مشکل ہے۔ کیونکہ مغرب کی مخالفت کی انفرادی طور پر ان میں جرأت نہیں ہے ان کے پاس راستہ صرف یہ ہے کہ قرآن پاک پر عمل کرتے ہوئے اپنی طاقت کو مجتمع کریں ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ اور حضور علیہ السلام کے ارشاد پر عمل کریں کہ ((المسلم اخو المسلم کالجسد الواحد۔ ان اشتکیٰ شئ منه وجدالم ذالك فی سائر جسده))۔ کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ جس طرح کہ ایک جسم۔ اگر جسم کے کسی حصے کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔

عالم اسلام کے ممالک کیلئے اب معاشی اور دفاعی تعاون اور اتحاد ناگزیر ہو چکا ہے۔ ان کی آپس کی تجارت جو کہ اس وقت

13 فیصد ہے اس کو 80 فیصد کرنے کی ضرورت ہے۔ عالم اسلام میں آپس میں تجارت بڑھانے کیلئے ایک تجویز یہ ہے کہ وہ اشیاء جو پاکستان اور دیگر ممالک کی ضرورت ہیں اور مقامی طور پر تیار نہیں ہوتیں، بہتر ہے کہ ایک دوسرے سے ترجیحی بنیادوں پر خریدی جائیں پاکستان ٹیکسٹائل، لیدر، اسپورٹس، اور سرجیکل کے شعبے کے علاوہ سروس سیکٹر میں ٹیلی کمیونی کیشن، انفارمیشن ٹیکنالوجی، بینکنگ اور انشورنس میں اپنی مہارت دیگر ممالک کو فراہم کرسکتا ہے۔ اسی طرح ملائیشیا پام آئل، انڈونیشیا ربر، ایران آئل، جبکہ ترکی لائٹ انجینئرنگ پروڈکس (Products) میں پاکستان کے ساتھ جوائنٹ وینچرز قائم کرکے باہمی تجارت اور اقتصادی تعاون کو فروغ دے سکتے ہیں۔ اس طرح سنٹرل ایشاء کے ممالک کے قدرتی وسائل سے پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا اور ملائشیا جیسے ممالک فائدہ اٹھاسکتے ہیں اور اپنی مہارتیں اور مختلف قسم کے مراکز وہاں کھول سکتے ہیں۔ عربوں کا پیسہ مغرب کے بنکوں سے ترقی پذیر مسلم ممالک میں منتقل ہوسکتا ہے۔ اور باہمی تعاون اور منصوبہ بندی سے انڈسٹری کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ قسم کے تعلیمی ادارے کھولے جاسکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ممالک میں ٹیکنالوجی کو منتقل کیا جاسکتا ہے تاکہ مسلمان ممالک مشترکہ طور پر وسائل، انسانی وسائل مہارتوں اور ٹیکنالوجی سے فائدہ اُٹھاسکیں۔ اسلامی ممالک پاکستان کی گوادر کی بندرگاہ کو بہت بڑا تجارتی مرکز بناسکتے ہیں اور اس منصوبے پر سرمایہ کاری کرسکتے ہیں۔ یہاں پام آئل ریفائنری، آئل اینڈ پٹرولیم ریفائنری، ہوٹل، تفریح گاہیں اور انڈسٹری لگائی جاسکتی ہے۔

باہمی تجارت کو فروغ دینے کیلئے ضروری ہے کہ ممبر ممالک اپنی مصنوعات اور Products کی مناسب انداز میں تشہیر کریں۔ اس سلسلے میں بونڈڈ ویئر ہاؤسز Bounded Warehouses اہم کردار کرسکتے ہیں۔ مسلمان ممالک کو اپنے ہاں ڈسپلے سنٹر قائم کرنے چاہییں جس کے ذریعے دوسرے ممالک کی پروڈکس کے بارہ میں بھی خاطر خواہ آگاہی حاصل ہوسکتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو مغرب اور خاص طور پر جرمنی کی طرح اپنے ممالک میں بین الاقوامی سطح کی نمائشوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ صنعتی نمائش تجارت اور کاروبار کے فروغ میں اہم مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ نمائشوں کا انعقاد بھی Products کی تشہیر کا مؤثر ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نمائشیں (Exhibitions) اُن پروڈکس کو متعارف کروانے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں جو عام تجارت کا حصہ نہیں ہوتی ہیں۔ یہ طریقہ کوئی نیا نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں میں بھی اس طرح کے تجارتی میلے لگتے تھے جن میں "سوق عطاظ" بہت مشہور ہے ترقی یافتہ ممالک جاپان، جرمنی اور امریکہ وغیرہ اس سسٹم کو منظم طریقے سے چلا کر قیمتی زرمبادلہ کمار رہے ہیں۔ اس سلسلے میں جرمنی سب سے آگے ہے۔ جہاں ایک ہفتے میں کم از کم چار نمائشی میلے منعقد ہوتے ہیں۔ جاپان میں ایک ہفتے میں تین

نمائشیں (Exhibitions) لگتی ہیں۔چین میں دو اور امریکہ میں ایک ہفتے میں کم ازکم ایک تجارتی ایگزی بشن ہوتی ہے۔تجارت کے فروغ میں فیئر (Fare) اینڈ ایگزی بشن کے کردار کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ " گزشتہ دس برسوں کے دوران چین نے ایکسپوزیشن انڈسٹری کے ذریعے اپنی مجموعی برآمدات میں 50 فیصد اور GDP میں (سالانہ) 11 فیصد اضافہ کیا ہے ﴿۸۴﴾۔جرمنی کا شہر " کولون " جسے نمائشوں کا شہر کہا جاتا ہے۔سب سے آگے ہے۔یہاں سارا سال نمائشیں لگی رہتی ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو عالمی سطح پر باہمی معاشی تعاون کیلئے عملی منصوبہ بندی کی فوراً ضرورت ہے۔ورنہ مغربی اور امریکی طاقت مسلمان ممالک کی معاشی سرگرمیوں کو ہمیشہ اپنے زیرسایہ رکھے گی اور کبھی پھلنے پھولنے نہیں دے گی۔عالم اسلام کو یورپین یونین، آسیان، امریکی تجارتی بلاک (NAFTA) اور افریقی تجارتی بلاک کی طرح اپنا ایک زبردست تجارتی اور معاشی بلاک تشکیل دینا چاہیے تاکہ دنیا میں عزت اور وقار کے ساتھ ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوسکے۔اس مجوزہ تجارتی بلاک کے ذریعے باہمی 13% تجارت کو 60% سے 80% تک بڑھایا جاسکتا ہے۔

فصل ہفتم

او آئی سی اور عرب لیگ جیسے اداروں کو عملی طور پر متحرک کرنا اور مسلمان ممالک کو ان کے فیصلوں کا پابند بنانا

او آئی سی Organization of Islamic Conference:

او آئی سی ﴿۸۵﴾ کا قیام اُس وقت عمل میں آیا جب 21 اگست 1969ء کو ایک اسرائیلی، ڈینس مائیکل روہن نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر اسے آگ لگا دی تھی۔ اس دوران عالم اسلام نے یہ ضرورت محسوس کی کہ اسرائیلی قبضے کا شکار فلسطینی مسلمانوں اور بیت المقدس کے تحفظ کے لئے مل کر اقدامات کئے جائیں۔ اس مقصد کیلئے پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس 22 تا 25 ستمبر 1969ء، مراکش کے شہر رباط میں منعقد ہوئی۔ پھر کچھ دیر بعد فیصلہ ہوا کہ اس کا ہیڈ کوارٹر جدہ منتقل کر دیا جائے۔ اب جدہ (سعودی عرب) میں اس کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ او آئی سی کا اولین مقصد تو اگرچہ فلسطینیوں کی حفاظت اور بیت المقدس کو اسرائیلی قبضے سے بچانا تھا مگر اب، بعد میں، اس کے مقاصد میں تمام مسلمان ممالک کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود، اسلامی شریعت اور قرآن وسنت کی بالادستی، مسلمانوں کی ترقی، غیر مسلم طاقتوں کے ہر قسم کے (تعلیمی، تہذیبی، مذہبی، اخلاقی اور مادی) حملوں کا دفاع اور مقامات مقدسہ کا تحفظ شامل ہے۔ اس وقت او آئی سی کے رکن ممالک کی تعداد 57 ہے۔ دنیا میں اس وقت مسلمانون کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ارب ہے۔ تمام مسلمان ممالک کے وزراء خارجہ کا ہر سال اجلاس منعقد کیا جاتا ہے۔ اس اجلاس میں نئی تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔ اور تنظیم کی طرف سے کئے جانے والے فیصلوں پر عمل درآمد کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ عالم اسلام کی آبادی عالمی آبادی کا 22.26 فیصد ہے۔ عالم اسلام دنیا کے 70% تیل اور 50% گیس پر قابض ہے ﴿۸۶﴾۔ بظاہر معاشی اور افرادی قوت کے اعتبار سے مضبوط دنیائے اسلام نے اب تک متحد ہونے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا۔ او آئی سی کے چارٹر کے مطابق تمام مسلم ممالک اتحاد اور یکجہتی کے ساتھ سائنسی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی میدان میں بھرپور تعاون کریں گے۔ تمام مقدس مقامات کی حفاظت اور فلسطینی عوام کی بھرپور مدد کی جائے گی تا کہ ناجائز اسرائیلی قبضہ ختم کروایا جاسکے۔ رکن ممالک ہر قسم کے نسلی امتیازات ختم کرنے کیلئے اقدامات کریں گے۔

تمام تر طاقت رکھنے اور اقوام متحدہ میں ایک تہائی نمائندگی اور بھرپور طاقت کے باوجود 57 رکن ممالک کی یہ تنظیم اب تک

بھرپور طاقت کا مظاہرہ نہیں کر سکی جس طرح 1974ء کی لاہور میں ہونے اسلامی سربراہی کانفرنس نے کیا تھا۔ بدقسمتی سے یہ تنظیم عالم اسلام میں اتحاد اور اسلامی اخوت و ہم آہنگی پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ او آئی سی نے مسلم ممالک یا عربوں کے آپس کے تنازعات حل کرنے میں آج تک کوئی قابل ذکر اور مؤثر کردار ادا نہیں کیا۔ او آئی سی اگرچہ مسلمانوں کی ترقی اور خوشحالی کیلئے بہترین پلیٹ فارم ہے مگر اس کے پاس اپنی قراردادوں پر عمل درآمد کروانے کیلئے کوئی بندوبست اور طاقت نہیں ہے۔ اس تنظیم نے سینکڑوں قراردادیں منظور کیں، بیسیوں منصوبے بنائے، درجنوں مطالبات کئے لیکن آج تک ان میں سے کوئی بھی خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوئے۔ 1981ء میں تنظیم کے اجلاس میں اسرائیل کے مکمل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا مگر کئی رکن ممالک نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات استوار کئے جن میں ترکی، مصر، اور اردن وغیرہ نمایاں ہیں۔ مسلمان ملکوں کے اکثر آپس میں تنازعات رہتے ہیں۔ سیاسی تنازعات انہیں یکجا نہیں ہونے دیتے۔ ان کے نظریات اور پالیساں مختلف بلکہ ایک دوسرے کی زد ہیں۔ عرب اسرائیل جنگ 1967ء سے تین ہفتے پہلے جمال عبدالناصر نے ایک ہی سانس میں اسرائیل کے ساتھ ساتھ سعودی عرب، اردن، اور تیونس کو مغربی استعمار کا ایجنٹ قرار دیتے ہوئے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی دھمکی دی تھی ﴿۸۷﴾۔ ایران انقلابی ملک ہے، ترکی اور مصر سیکولر، پاکستان نظریاتی اور اتحاد کا خوگر اور سعودی عرب مذہبی اور عالم اسلام کو قریب کرنے والا ملک ہے۔ اکثر عرب ممالک امریکہ کے پیروکار اور وفادار ہیں اور اُن کی اکثر پالیسیاں امریکہ کے ہاتھ میں ہیں۔ پاکستان، انڈونیشیا اور ترکی جیسے عالم اسلام کے اہم ترین ممالک امریکی اور مغربی پالیسیوں کے آگے ہمیشہ جھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عالم اسلام کے 90% ممالک کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُن کی پالیسیاں امریکہ، یورپ اور اُن کے عالمی اداروں کے ہاتھ میں ہیں۔ عالم اسلام کے ممالک کے اندرونی اور حتیٰ کہ بیرونی حالات کا آپس میں شائد 10% پتہ ہو لیکن امریکہ کو 90% علم ہے کہ ان ممالک میں کیا ہو رہا ہے اور کل کو کیا ہونا ہے۔ اصل میں امریکہ عالم اسلام میں سرایت کر گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کے کسی بھی فیصلہ کرنے سے بہت پہلے امریکہ کو پتہ چل جاتا ہے۔ اگر کوئی فیصلہ کر بھی لیتے ہیں تو امریکہ کی مرضی کے بغیر اُس پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا۔ او آئی سی کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اس کے بیشتر ارکان امریکہ کی ناراضگی مول لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اس لئے کہا جا رہا ہے کہ دسمبر 2005ء میں ہونے والا او آئی سی کا سربراہی اجلاس بھی حسب روایات باتیں ہی ثابت ہوگا اگرچہ اعلان مکہ اور ایکشن پلان بہت خوبصورت ہے اور وقتی طور پر عالم اسلام کے اتحاد کا ایک بے مثال جذبہ اور باہمی درد محسوس کرنے کا ایک خوبصورت

اظہار ہے۔ دیکھا جائے تو عالم اسلام کے ممالک کے پاس بے پناہ وسائل اور طاقت ہیں مگر ان میں باہم اتحاد اور یگانگت کا فقدان ہے۔ اسلام نے سب سے زیادہ زور اتحاد اور اخوت پر دیا ہے۔ کبھی ﴿ کَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ کہا، کبھی ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾، کبھی " **کونوا عباداللہ اخواناً** " اور کبھی ((المؤمن اخو المؤمن کالجسد الواحد)) کہا اسی باہمی عدم اتحاد و اتفاق کی وجہ سے ہم تمام تر وسائل، توانائی، انسانی وسائل اور کسی حد تک فنی اور تکنیکی بنیاد ہونے کے باوجود ترقی یافتہ قوموں سے بہت پیچھے ہیں۔ دنیا بھر کے بیشتر زمینی و بحری راستوں کے سنگم اسلامی ممالک میں ہیں۔ افریقہ، ایشیا اور مشرقی یورپ کے تمام اہم سنگم عالم اسلامی میں واقع ہیں۔ قدرتی وسائل کا بیشتر حصہ عالم اسلام میں پایا جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ اقتصادی اور معاشی لحاظ سے ہم آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ ہم آبادی کے لحاظ سے دنیا کے ایک چوتھائی کے لگ بھگ ہیں۔ World-GDP میں ہمارا حصہ 5% ہے۔ دنیا کی ایکسپورٹ میں ہمارا حصہ صرف 8% ہے اور وہ بھی اکثر بیشتر تیل کی ایکسپورٹ کی وجہ سے ہے۔ ترقی یافتہ قوموں میں شرح خواندگی 99% ہے جبکہ عالم اسلام کی مجموعی طور پر تقریباً 40 فیصد ہے ﴿۸۸﴾۔ کسی بھی ملک کی شرح خواندگی 100 فیصد نہیں ہے۔

ہمارے اتحاد، اخوت اور یکجہتی کا یہ عالم ہے کہ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں 14 عرب ممالک ایک اسرائیل سے شکست کھا گئے۔ عراق اور ایران 8، دس سال ایک دوسرے کو شکست دیتے رہے اور کئی دوسرے مسلم ممالک نہ صرف تماشا دیکھتے رہے بلکہ امریکہ کی خواہش اور ہدایات پر ایک ملک کی بھرپور مدد بھی کرتے رہے۔ تمام مسلمان ممالک الا ماشاءاللہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی ملک اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کا مستقل رکن نہیں۔ ایک اسلامی بنک قائم کیا گیا مگر وہ بھی عالمی بنک کے سامنے بے بس۔ عالم اسلام کی کوئی نیوز ایجنسی نہیں۔ کوئی بین الاقوامی سطح کا نیوز پیپر اور میگزین نہیں، کوئی انٹرنیشنل لیول کا ٹی وی، ریڈیو اور نیوز چینل نہیں۔ اکثر بڑے بڑے مسلم ممالک سرتاپا بیرونی قرضے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ ﴿۸۹﴾ کے مطابق، 2002ء میں الجیریا کا بیرونی قرض 23 بلین ڈالر تھا جو اس کے GNI کا 42% ہے، بنگلہ دیش پر قرضہ 17 بلین جو اس کے GNI کا 22%، مصر کا 31 بلین جو GNI کا 28%، انڈونیشیا پر قرضہ 132 بلین جو اُس کے GNI کا 80%، کرغستان پر تقریباً 02 بلین جو GNI کا 93%، لبنان پر قرضہ 18 بلین جو اُس کے GNI کا 102%، پاکستان پر 37 بلین ﴿۹۰﴾ جو GNI کا 40%، ملائیشیا پر 49 بلین، مراکش پر قرض اُس کے GNI کا 69% نائجیریا کا قرض 31 بلین

جو اُس کے GNI کا 77% اور ازبکستان پر 5 بلین جو اُس کے GNI کا 38% ہے۔

عرصہ پہلے اسلامی سربراہی کانفرنس میں ایک اسلامی نیوز ایجنسی بنانے کا فیصلہ کیا اور جدہ میں اُس کا ہیڈ کوارٹر بھی بنایا گیا تھا ﴿۹۱﴾ لیکن کارکردگی صفر یورپین یونین کی مشترکہ تجارتی منڈی موجود ہے۔ 25 ممالک ممبر ہیں۔ یورو کے نام سے اب کرنسی بھی کامن ہوگئی ہے۔ امریکی ممالک کی NAFTA کے نام سے مشترکہ منڈی ہے، مشرق بعید کا ایک تجارتی بلاک ہے جو ASEAN کے نام سے ہے۔ حتیٰ کہ افریقی ممالک نے اپنا ایک تجارتی بلاک، COMESA، قائم کیا ہوا ہے۔ لیکن کتنی بدقسمتی کہ عالم اسلام کی کوئی مشترکہ تجارتی منڈی یا اقتصادی بلاک نہیں ہے۔ کوئی ان کی دولت مشترکہ نہیں ہے۔ وارسا (WARSAW PACT)، سیٹو، سینٹو کی طرح کا کوئی مسلمان ممالک کا دفاعی معاہدہ نہیں ہے۔ بین الاقوامی سطح کا کوئی بڑا مالیاتی ادارہ یا مواصلاتی مرکز کہیں زیر غور بھی نہیں ہے۔ آپس میں جنگیں کر کے اپنے آپ کو کمزور کرتے رہے ہیں۔ عراق ایران جنگ 8 سال تک لڑی جاتی رہی۔ اس جنگ میں تقریباً 10 لاکھ ہلاکتیں ہوئیں۔ جبکہ 1000 بلین (One Thousand Billion) ڈالر سے زائد کا نقصان ہوا ۔عراق نے پھر کویت پر حملہ کیا۔ عراق اور کویت کے بحران کی وجہ سے 600 بلین ڈالر ﴿۹۲﴾ کا نقصان ہوا۔ او آئی سی 5% بھی مثبت اور صلح جوئی کا کردار ادا نہ کرسکی۔ یہ 1600 ارب ڈالر عالم اسلام کے مجموعی GDP سے زیادہ ہے۔ اتنی بڑی رقم سے پورے عالم اسلام سے غربت کا خاتمہ، تعلیم و تربیت اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں انقلاب آ سکتا تھا، پورے عالم اسلام میں صنعتیں قائم کی جاسکتی تھیں اور اقتصادی سرگرمیوں کو کوریا، تائیوان، سنگاپور اور دوسرے مشرق بعید کے ممالک کے برابر لایا جاسکتا تھا۔ بین الاقوامی سطح کے سینکڑوں اعلیٰ تعلیم کے ادارے بن سکتے تھے جو دس سال کے اندر اندر عالم اسلام کی تقدیر بدل سکتے تھے۔ لیکن ایسا نہ ہوسکا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ او آئی سی (OIC) کے ڈھانچے کی Re-Structuring کی جائے۔ اُس کے ڈھانچے میں جوہری تبدیلیاں کی جائیں۔ امریکہ اور یورپ کو اس کی اور اس کے منصوبوں اور پالیسیوں کی ہوا تک نہ لگنے دی جائے۔ عالم اسلام کے اتحاد اور اخوت کو از سر نو قائم کرنے کے سنجیدہ اقدامات کئے کئے جائیں۔ او آئی سی کو ایک مضبوط ترین مسلم فورم بنایا جائے۔ اس کو فعال بنایا جائے اور اس کے فیصلوں پر کسی بہتر طریقے سے عمل درآمد کرایا جائے۔ عالم اسلام کے اداروں خاص طور پر او آئی سی کو مضبوط کرنے کیلئے دنیا کے اہم اور بڑے بڑے اداروں کا مطالعہ (Study) کیا جائے۔ حتیٰ کہ امریکہ اور اسرائیلی کے سرکاری ڈھانچوں کو بغور دیکھا جائے۔ یہودی، عیسائیوں اور چینیوں کے منصوبوں، پالیسیوں اور اُن پر عمل درآمد کا بغور جائزہ لیا جائے۔ اور

پھر مضبوط بنیادوں پر او آئی سی کی از سر نو تنظیم سازی کی جائے۔ او آئی سی کے زیر انتظام ہی نیوز چینل، بین الاقوامی سطح کے ٹی وی اور ریڈیو اسٹیشن قائم کئے جائیں۔ جو BBC وائس آف امریکہ اور CNN کے معیار کے ہوں۔ بین الاقوامی سطح کے اخبار اور نیوز پیپرز نکالے جائیں۔ ایک ریسرچ اور ٹرانسلیشن بیورو قائم کیا جائے جو پورے عالم کے تحقیقی رسالوں اور میگزینوں کا جائزہ لے اور اعلیٰ معیار کے بین الاقوامی تحقیقی مقالوں کا ترجمہ کرے تاکہ عالم اسلام دنیا کی جدید تحقیق اور ترقی سے باخبر رہ سکے۔ عالم اسلام، او آئی سی کے زیر اہتمام ہر اسلامی ملک میں دو دو عالمی معیار کی ایسی یونیورسٹیاں قائم کرے جو حقیقتاً انٹرنیشنل سٹینڈر کی ہوں اور اُن میں ہر قسم کی سہولتیں موجود ہوں۔ جاپان، کوریا سنگاپور، ہانگ کانگ اور تائیوان جیسے ممالک تیزی سے ترقی کر سکتے ہیں اور اپنے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کو مثالی بنا سکتے ہیں جن کے پاس قدرتی وسائل عالم اسلام کے مقابلہ میں عشرِ عشیر بھی نہیں تو مسلمان ممالک کو کیا ہوا ہے؟ امت مسلمہ کو خدا تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمت اور وسیلہ دے رکھا ہے۔ خدا نے قدرتی وسائل کے بڑے بڑے ذخیرے مسلمان ممالک میں پیدا کر رکھے ہیں۔ لیکن عقل و دانائی، تعلیم، تحقیق اور محنت جیسی نعمتوں سے عالم اسلام یکسر محروم ہے۔ مسلمان اس طرف توجہ ہی نہیں دیتے ہیں۔ حالانکہ عقل اور دانائی مسلمان ہی کی گم شدہ چیز ہے۔ جو قوم خود عقل نہیں کرتی خدا بھی اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ خدا کا اصول ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ط﴾

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

آج مسلم امہ کو سنگین چیلنج درپیش ہے کہ وہ عزت اور ذلت میں کس کا انتخاب کرتی ہے۔ وہ اپنی تہذیب کی نقشہ گیری خود کرتی ہے یا اپنے آپ کو نقش فرنگ میں رنگ لیتی ہے۔ وہ اپنے قیمتی وسائل و ذرائع سے خود ترقی کی منازل طے کرتی ہے۔ یا اُن وسائل کو بھوکی قوموں کی لوٹ گھسوٹ کیلئے تر نوالہ بناتی ہے۔ ایک طرف دنیا کی غالب مغربی طاقتیں اور اُن کی حلقہ بگوش قومیں ہیں۔ ان طاقتوں نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنے لئے مستقبل کا سب سے بڑا خطرہ قرار دے لیا ہے۔ اسی لئے وہ ان کو مغلوب رکھنے اور اپنے رنگ میں رنگنے کو اپنا اولین ہدف بنا کر کام کر رہی ہیں۔ یہ طاقتیں ہر قسم کی سیاسی، عسکری، فنی، معاشی اور ابلاغی قوتوں سے لیس ہیں۔ عالم اسلام کی قوت کا ان طاقتوں کی قوت سے کوئی تناسب نہیں۔

عالم اسلام نے اب ان کا مقابلہ حکمت اور دانائی سے کرنا ہے۔ اس مقصد کیلئے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ غور و فکر کیلئے

ایک ایجنڈا بھی ضروری ہے۔فی الوقت عسکری مقابلے سے کامیابی ناممکن ہے ایک وقت ایسا آسکتا ہے کہ یہ ممکن ہو لیکن اس کیلئے ایک طویل مدت اور دیگر بے شمار میدانوں میں پیش رفت ضروری ہے۔سب سے اہم یہ ہے کہ عالم اسلام کو اپنی اندرونی کمزوریوں کو جلد دور کرنا ہے۔آپس میں اتحاد اور یکجہتی کیلئے فوری اور عملی کوششیں کرنا ہیں۔او آئی سی کے پلیٹ فارم کو مضبوط تر بنانا ہوگا۔مسلمان ممالک کے تنازعات طے کرنے کیلئے عملی منصوبے بنانا ہوں گے۔او آئی سی کے فیصلوں اور منصوبوں پر عمل درآمد کو یقینی بنانا ہوگا۔اس وقت تصادم کی بجائے مغرب سے حکمت عملی سے پیش آئیں گے تو کامیابی جلد ممکن ہے۔

فصل ہشتم

مشترکہ دفاعی نظام اور اپنے ممالک سے مغربی اور امریکی فوجوں کا انخلاء

آج امریکہ اور اسرائیل ایک ہیں۔ امریکہ روس کا مربی ہے۔ سابق صدر، رونالڈ ریگن (1989-1981) اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں۔

''اگرچہ اہل اسلام کے آپس میں بے شمار اختلافات ہیں لیکن اسلامی بنیاد پسندی نے اسرائیل دشمنی میں انہیں یک جہت کر رکھا ہے۔.................زندگی بھر میرا بہت ساری حقیقتوں پر ایمان رہا ہے۔ لیکن اگر یہ جرم ہے تو میں فخر سے اعتراف کرتا ہوں: کہ میرا ایمان ہے کہ امریکہ پر اسرائیل کی بقا کو یقینی بنانا ایک لازمی امر ہے ﴿۹۳﴾۔

Foreign Policy کا ایڈیٹر ولیم چارلس مے زخلیج کی جنگ پر لکھتا ہے:

''اس جنگ کے اصل اسباب چار تھے یعنی امریکہ اور مغربی اقوام کیلئے تیل کے حصول کو محفوظ کرنا، عالمی نظام کا قیام، امریکہ کی سلامتی اور اسرائیل کا تحفظ''۔

وہ لکھتا ہے:

''امریکہ اور اسرائیل کے تعلقات اب نئی گہرائیوں سے آشنا ہو رہے ہیں۔ خلیج کے اس بحران میں امریکہ اسرائیل کے مالی سرپرست (Financier) سے بڑھ کر اب اسرائیل کا محافظ (Protector) بن گیا ہے۔ تاریخ میں پہلی بار اسرائیل اس امر کا بچشم سر مشاہدہ کر رہا ہے کہ اس کے ایک دوست ملک کی افواج اس کے ایک بہت بڑے دشمن کو قابو میں کرنے اور اس کی عسکری صلاحیت کو ختم کرنے کا کام انجام دے رہی ہے'' ﴿۹۴﴾

امریکہ اور مغرب کا ہدف:

اکیسویں صدی میں بھی مغرب اور امریکہ کا ہدف اول اسلامی دنیا کا کنٹرول اور عالم اسلام میں پائے جانے والے قدرتی وسائل پر قبضہ ہے۔ بیسویں صدی کے آخر میں بھی اسی ہدف کے حصول کیلئے عراق کو کھنڈرات بنایا اور مشرق وسطیٰ میں اپنے مقاصد کے حصول کیلئے ایران، عراق جنگ اور عراق، کویت تنازعہ کھڑا کروایا گیا۔ سموئیل ہن ٹنگٹن (Huntington) کہتا ہے: معاصر عالمی سیاست مسلم جنگوں کا دور ہے۔ مسلمان آپس میں بھی لڑتے ہیں۔ اور دوسروں سے بھی۔ مسلم جنگوں نے بین الاقوامی تنازعات کے سب سے بڑے مظہر کی حیثیت سے سرد جنگ کی جگہ لے لی ہے.......... مسلم تشدد کی یہ مثالیں اسلام اور مغرب کے درمیان یا سلام اور باقی دنیا کے درمیان تہذیبوں کے ایک بڑے تصادم کی شکل اختیار کر سکتی ہے ﴿۹۵﴾۔

فرانسس فاکویاما نے "The Real Enemy" کے عنوان سے لکھا: انقلابی اسلامسٹ جو کسی طرح کے اختلاف کو برداشت کرنے کے روادار نہیں ہیں، ہمارے دور کے فاشسٹ ہیں دراصل ہم اُن کے خلاف لڑ رہے ہیں ﴿۹۶﴾۔ فاکویاما مزید کہتا ہے: پس اسطرح یہ محض دہشت گردوں کے خلاف ایک سادہ جنگ نہیں ہے جس کا امریکی حکومت قابل فہم انداز میں نقشہ کھینچتی ہے .... بدقسمتی سے ہمیں جو بنیادی تنازع درپیش ہے وہ بہت وسیع تر ہے اور دہشت گردوں کے ایک گروپ کے متعلق نہیں ہے، بلکہ انقلابی اسلامسٹوں کے بڑے گروہ سے مقابلے کا چیلنج درپیش ہے، اور اُن مسلمانوں سے متعلق ہے جن کی مذہبی شناخت دوسری تمام مذہبی اور سیاسی اقدار کو مسترد کر دیتی ہے ﴿۹۷﴾۔

دنیا کی غالب مغربی طاقتوں خاص طور پر امریکہ نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنے لئے مستقبل کا سب سے بڑا خطرہ قرار دے لیا ہے۔ اسی لئے مغرب اور امریکہ عالم اسلام اور مسلم حکومتوں کو مغلوب رکھنے اور اپنے رنگ میں رنگنے کو اپنا اولین ہدف بنا کر کام کر رہے ہیں۔ یہ عالمی طاقتیں ہر قسم کے سیاسی، عسکری، فنی، تکنیکی، معاشی، تہذیبی اور سب سے بڑھ کر ابلاغی ہتھیاروں سے لیس ہیں۔ عالم اسلام کی قوت کا ان عالمی طاقتوں سے کوئی تناسب نہیں۔ ان کے درمیان بعد المشر قین ہے۔ اپنی ان قوتوں کے بل بوتے پر مغربی طاقتوں نے مسلمان ممالک کو ایک ایسے عالمی شکنجے میں کس لیا ہے، خصوصاً خلیجی جنگ 1991ء اور پھر نائن الیون کے بعد، کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ اُن کی مرضی، اُن کے عزائم اور اُن کے مفادات کے خلاف ذرا سی بھی جنبش کر سکے۔

یہودیوں کے خطرناک عزائم:

مغربی طاقتوں کے علاوہ صہیونیوں کے عزائم اور منصوبے بھی عالم اسلام کے لئے تباہ کن ہیں ۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہودی عالم اسلام کیلئے سب سے بڑا خطرہ ہیں اور عالم اسلام کے خلاف مغرب اور امریکہ نے جو وحشت اور بربریت پھیلا رکھی ہے وہ سب صہیونی منصوبہ بندی اور عزائم کا نتیجہ ہے۔ آج پورا مغرب اور امریکہ صہیونی طاقت کے زیر اثر ہے جس کا مرکز اسرائیل اور بنیاد (Basis) امریکہ کی طاقت ور یہودی لابی ہے۔ اسی لئے تو اقبال نے کہا تھا:

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

اسی لئے تو ہٹلر نے جرمنی کی نجات یہود سے چھٹکارے کی صورت میں محسوس کی لیکن یہود نے نہ صرف اس کا (ہٹلر کا) یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا بلکہ آنے والی نسلوں تک کیلئے اُس کا نام وحشی درندوں کے مترادف محفوظ رکھا ﴿۹۸﴾۔ دیگر اقوام نے اس سے سبق سیکھا اور ہٹلر کی داستان دہرانے سے گریز کرتے ہوئے انہیں فلسطین کا کھلونا دے کر پہلو تہی کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہود اس کھلونے پر قابو رکھتے ہوئے بھی دنیا کی اقوام کو ذہنی اور معاشی آزادی دینے پر تیار نہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد یہودی ایک مؤثر طاقت بنے لیکن ہٹلر نے ایک دفعہ پھر انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ جدید دور میں جس نظریئے نے صہیونیوں کو متحد کیا، دلیر کیا، نیا ولولہ دیا اور یہودیوں نے صہونیت کا علم بلند کیا وہ ''موسیٰ ہیٹس'' کی کتاب تھی جو ایک جرمن یہودی تھا۔ موسیٰ ہیٹس (1812-1875) "نے روم اور یروشلم کے نام سے 1862 میں ایک کتاب لکھی جس میں اس نے فلسفے، سوشلزم، سائنس اور مذاہب عالم کی بنیادوں پر اپنے فکر کی تعبیر کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ " اب ساری دنیا کا مستقبل یہود کے ہاتھ میں ہے "﴿۹۹﴾۔ دنیا اور اسباب و وسائل دنیا کو اپنے ہاتھ میں لینے کیلئے یہودیوں نے کئی خفیہ سازشیں کیں اور ابھی تک کر رہے ہیں۔ ان سازشوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے کئی خفیہ تحریکوں اور تنظیموں کے ذریعے دوسروں کے مذاہب اور عقائد کو تباہ کرنے کا بیڑہ اُٹھا رکھا ہے جن میں فری میسن (Free Masons) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ " لائنز کلب " کا تعلق بھی اسی قسم کی تنظیم سے ہے جو پوری دنیا کی طرح عالم اسلام کے ممالک میں سرایت کر چکی ہیں۔ ان سب سے اوپر ایک نہایت ہی خفیہ تنظیم " بلڈر برج " ہے۔ 1987ء میں روسی یہودیوں نے فدائین صہیون (Lovers of Zoin) کے نام سے ایک پارٹی بنا رکھی تھی۔ ویانا کے

ایک صحافی اور فلسفی یہودی تھیوڈور ہرزل نے یہودی ریاست (Jewish State) کے نام سے 1897ء میں ایک کتاب لکھی جس نے صیہونیوں کو ایک نیا ولولہ دیا۔ 1917ء میں اعلان بالفور کے ذریعے یہودیوں کیلئے ایک ریاست، اسرائیل کے لئے منصوبہ بندی شروع ہوئی۔ برطانیہ کی طرف سے لارڈ بالفور نے سرکاری طور پر یہودی لیڈر اور بہت بڑے سرمایہ دار، راتھس چائلڈ، کو 2 نومبر 1917ء کو ایک خط لکھا جس کے ذریعے برطانوی حکومت اور کابینہ کا فیصلہ بتایا کہ یہودیوں کیلئے فلسطین میں ایک یہودی ریاست کی منظوری دے دی گئی ہے ﴿۱۰۰﴾۔ تھیوڈور ہرزل کی ایک نصیحت بڑی مشہور ہے جو اُس نے یہودیوں کو دی تھی:

جب تک یہودیوں کو اپنا وطن نہیں ملتا، انہیں سکون نصیب نہیں ہوسکتا۔ اس قومی اور مذہبی نصب العین کیلئے .... اور اپنے مقصود کو حاصل کرنے کیلئے ہر حربہ اور ہر ہتھیار جائز ہے۔ زن، زر، زمین رشوت، شراب اور فحاشی .... جہاں یہ کام نہ دیں تو قتل کرنے سے گریز نہ کیا جائے ﴿۱۰۱﴾ یہودیوں کا نظریہ یہ ہے کہ لوگوں کو مذہب سے بیگانہ اور بدظن کیا جائے .... عوام کے ذہنوں پر مذہب کی ایسی بھیانک تصویر بٹھائی جائے کہ اگر وہ مذہب دشمن نہ بن سکیں تو کم از لبرل اور سیکولر ضرور بن جائیں۔ پروٹوکول نمبر 1 میں ہے:

And therefore the best results in governing them are attained by voilence and terririsation and not by academic discussion. ﴿۱۰۲﴾

آگے جا کر پھر کہا گیا: "By law of nature, right lies in force." ﴿۱۰۳﴾ ہم طاقت کو حق یا غلبہ حاصل کرنے کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں اس لئے ہمارے نزدیک حق طاقت کے اندر پوشیدہ ہے۔

"سیاست اور اخلاق میں کوئی قدر مشترک نہیں ہوتی۔ اخلاقی قدروں کا علمبردار انسان کبھی ماہر سیاستدان کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اُس کا اقتدار کبھی پائیدار و مستحکم نہیں ہوسکتا.................. اگر رشوت، دغا وفریب نیز غداری و بے وفائی کے حربوں سے کامیابی ہوسکے تو اُن کے استعمال سے قطعاً گریز نہیں کرنا چاہیے ﴿۱۰۴﴾۔

آج کے دور میں ریاستوں کے پاس ایک ایسی قوت ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں خیالات پیدا کرتی اور انہیں آگے بڑھاتی رہتی ہے۔ یہ پریس کی قوت ہے.................. غیر یہودی ریاستیں چونکہ اس طاقتور حربے کے استعمال سے ناآشنا اور بے بہرہ ہیں۔

لہٰذا یہ طاقت کلی طور پر ہمارے ہاتھ آ چکی ہے۔ پریس کی وجہ سے ہم خود پس پردہ رہ کر غیر یہود عوام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی کے ذریعے ہم سونے جیسی قیمتی دھات پر قابض ہوئے ہیں ﴿۱۰۵﴾۔ ....خدا کی نظر میں ہمارا ایک فرد ہزار غیر یہودی افراد کے برابر ہے۔ ﴿۱۰۶﴾۔

............اسی لئے تو ہمارے مقاصد کی تکمیل کیلئے یہ لازم ہے کہ تمام مذاہب کی اہمیت کو ختم کر کے غیر یہودی افراد کے ذہن سے الوہیت اور روحانیت کے تصور کی بیخ کنی کر دیں اور انہیں مادی ضروریات اور حسابی اعداد و شمار کے چکر میں الجھا کر رکھ دیا جائے ﴿۱۰۷﴾۔ ہمارا مطمع نظر یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنی مخصوص تنقیدی پالیسی سے عوام کے ذہنوں کو اتنا پست کر دیں کہ وہ سنجیدہ سوچ بچار سے بالکل محروم ہو جائیں اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کر سکیں۔ ان کی ذہنی قوتوں کو ایسا پراگندہ کر دیا جائے کہ وہ محض فصاحت وخطابت اور بیان بازی کی مصنوعی جنگوں میں الجھے رہیں ﴿۱۰۸﴾۔ ان تمام طریقوں سے ہم غیر یہود کو اتنا زچ کر دیں گے کہ وہ ہمیں بین الاقوامی اقتدار پیش کر دیں گے اور باہمی اختلافات میں ہمیں ثالث بنانے لگیں گے۔ اس طرح ایک سپر گورنمنٹ معرض وجود میں آ جائے گی۔ آج کے حکمرانوں کی جگہ ہم ایک ایسے ادارے کی تشکیل کریں گے جو اعلیٰ نظامت کہلائے گا۔ ﴿۱۰۹﴾

یہ ہیں عالمی منصوبے اور پالیسیاں جن کے ہوتے ہوئے عالم اسلام نے آج 21 ویں صدی میں اپنے آپ کو محفوظ بھی کرنا ہے اور دھیرے دھیرے ترقی بھی کرنا ہے۔ امریکہ، مغربی طاقتوں اور یہودیوں نے عالم اسلام کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اور تیزی کے ساتھ اس گھیرے کو مزید تنگ کیا جا رہا ہے۔

اس وقت کی طاقتیں اپنی ابلاغی قوتوں کے ذریعے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر سکتی ہیں۔ عالمی مغربی طاقتیں اپنے سیاسی و معاشی مفادات کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ اپنے اس غلبے اور طاقت کو تہذیبی وثقافتی غلبے کیلئے بھی استعمال کر رہی ہیں۔ اپنے مفادات کے خلاف کام کرنے والی "ناپسندیدہ" حکومتوں کا تختہ الٹنے کیلئے خفیہ کاروایوں سے بھی یہ طاقتیں دریغ نہیں کرتیں اور دہشت گرد قرار دے کر بین الاقوامی اچھوت بنانے کی تلوار بھی ہر وقت لہراتی رہتی ہے۔

افغانستان اور عراق کی تباہی اور بربادی اور پھر اُن پر قبضہ، ایران کا اقتصادی بائیکاٹ، سوڈان کا بائیکاٹ اور اسے کئی دفعہ الٹی میٹم، چیچنیا میں مسلمانوں کے قتل عام پر مکمل خاموشی، بوسنیا میں مسلمانوں کی تباہی اور بربادی، نسل کشی اور عصمت دری کے بعد اُن پر غیر مساواتی حل تلاش کرنا، سب مغربی یلغار کی نشانیاں ہیں۔ فلسطین میں جدوجہد آزادی کو فلسطین کے ہاتھوں سے ختم کیا جا رہا ہے

۔ محمود عباس کی شکل میں فلسطین کی آزادی کی روح کو ختم کر کے فلسطین کو اپنے ایجنڈے کے مطابق "مفلوج اور معذور آزادی" دینے کی کوشش کی جارہی ہے اور فلسطین کو دو گروپوں میں تقسیم کیا جارہا ہے۔ سلمان رشدی کے خلاف خمینی کے فتوے کو ختم کرنے کیلئے پورے یورپ اور امریکہ نے متحدہ کوشش کی اور پابندیاں لگانے تک گئے۔

مسلمان ممالک میں امریکی فوجی اڈے:

دوسری طرف مسلمان ہیں جن کے ملکوں میں امریکہ نے نہ صرف فوجیں اتاری ہوئی ہیں بلکہ کئی ممالک میں فوجی اڈے قائم کئے ہوئے ہیں افغانستان اور عراق تو مکمل طور پر امریکہ اور مغربی طاقتوں کے کنٹرول میں جاچکے ہیں۔ ترکی میں انجرلیک کے مقام پر امریکی فوجی اڈہ موجود ہے۔ شمالی عراق میں کرکوک کے مقام پر اور اربیل کے علاقے میں نئے اڈے قائم کئے ہیں۔ اسی طرح موصل شہر میں ایک اڈہ بن گیا ہے۔ وسطی ایشیا میں قافقاز میں کئی سال سے امریکی فوجی اڈے قائم ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ ازبکستان میں خان آباد کا ہوائی اڈہ پہلا امریکی عسکری اڈہ بن گیا ہے ﴿۱۱۱﴾۔ قرغیزستان میں مناس کا ہوائی اڈہ امریکی فوج کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ ﴿۱۱۲﴾۔ جس کی منظوری کیلئے قرغیزی صدر نے پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا تھا قطر میں گلف کا سب سے بڑا اسلحہ ڈپو اور 5000 امریکی فوجی موجود ہیں ﴿۱۱۳﴾۔ کویت سٹی کے نواح میں امریکہ کا ایک بہت بڑا فوجی کیمپ ہے۔ جس کو امریکی فوج استعمال کرتی ہے۔ 22 جولائی 2004ء کو کویت کے اس وقت کے وزیر دفاع جابر الحماد الصباح نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ امریکی دستوں کیلئے جنوب میں ایک فوجی کیمپ تقریباً مکمل ہو چکا ہے ﴿۱۱۴﴾۔ انٹا کٹک کے سوا ساری دنیا میں امریکہ کے اڈے موجود ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق نصف ملین امریکی فوجی (ان میں سویلین عملہ بھی شامل ہے) بیرونی ملکوں میں تعینات ہیں۔ ایک دفاعی رپورٹ کے مطابق دنیا کے 130 ملکوں میں امریکہ کے 702 اڈے ہیں۔ ان میں 44 ہزار آٹھ سو 70 بیرکیس، ہینگر، ہسپتال اور دفاتر قائم ہیں۔ ان کے علاوہ امریکی فوجیوں کیلئے 4 ہزار آٹھ سو 44 کرائے کے مکان لئے گئے ہیں ﴿۱۱۵﴾۔

ان اڈوں کے علاوہ امریکہ کے پاس طیارہ بردار جہاز (Aircraft Carriers) ہیں۔ جو دنیا بھر میں سمندری گشت میں مصروف ہیں۔ یہ طیارہ بردار جہاز ایٹمی طاقت سے چلتے ہیں۔ ایٹمی طاقت سے چلنے والی آبدوزیں اس کے علاوہ ہیں۔ امریکہ کی

دفاعی رپورٹ 2003ء میں ان اڈوں کو نظر انداز کیا گیا ہے جو قصووا، افغانستان، عراق، اسرائیل، کویت، کرغیزستان، قطر اور ازبکستان میں قائم ہیں۔ عراق میں ایک اڈا ناگ کیمپ (Camp Anaconda) کے نام سے قائم ہے۔ جو امریکہ کا 25 مربع کلومیٹر میں واقع اڈہ ہے۔ کویت میں 600 مربع میل میں امریکی فوجی اڈہ بنائے بیٹھے ہیں۔ مشرقی یورپ میں رومانیہ، پولینڈ اور بلغاریہ میں اس کے اڈے ہیں۔ جرمنی میں امریکہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اب بھی موجود ہے۔ پاکستان میں امریکہ کو زمینی اڈوں کی سہولت حاصل ہے ﴿۱۱۶﴾۔ امریکہ نے عالم اسلام کو کنٹرول کرنے کیلئے بہت بڑا بجٹ رکھا ہے۔ امریکہ کا دفاعی بجٹ پوری دنیا کا تقریباً 45% دفاعی بجٹ ہے۔ امریکہ کا دفاعی بجٹ پورے عالم اسلام کے ممالک کے ٹوٹل دفاعی بجٹ سے تقریباً 8 گنا زیادہ ہے۔ پورے عالم اسلام کا دفاعی بجٹ تقریباً 50 بلین ڈالر ہے۔ پاکستان کا 5 بلین اور بنگلہ دیش کا دفاعی بجٹ تقریباً 1 بلین ڈالر ہے۔

اس کے مقابلہ میں امریکہ کا 2005ء کا دفاعی بجٹ 417 ارب ڈالر تھا جس کی منظوری صدر بش نے دی تھی ﴿۱۱۷﴾ (اب 2007 میں یہ دفاعی بجٹ بڑھ کر تقریباً 450 ارب ڈالر ہو گیا ہے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ روزانہ دفاع پر ایک ارب پندرہ کروڑ اور فی سیکنڈ 11 ہزار ڈالر خرچ کرتا ہے۔ 2003 میں امریکی فوج کا عراق میں ماہانہ خرچ 3 ارب ڈالر تھا۔ امریکہ کے جنگی اخراجات کا عراق پر حملہ کرنے کیلئے 75 ارب ڈالر کی منظوری دی تھی۔ پھر 62 ارب ڈالر کی مزید منظوری دی گئی۔ تازہ اعداد و شمار (2006ء) کے مطابق امریکہ کا افغانستان اور عراق میں ماہانہ 5 ارب ڈالر خرچ آ رہا ہے ﴿۱۱۸﴾۔ اس وقت امریکہ کا دفاعی بجٹ پوری دنیا کے مجموعی بجٹ کے برابر ہے یعنی پورے دنیا کا تقریباً (اب) 50% ہے۔

اور اس کے مقابلے میں مسلمان:

ان عالمی طاقتوں اور اُن کی سازشوں کے مقابلے میں مسلمان ہیں جنہوں نے کسی دوسرے برادر اسلامی ملک کا دفاع تو کیا کرنا ہے، اپنے ملک کا دفاع کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں۔ تقریباً سارے عرب ممالک میں امریکی فوجی اڈے ہیں۔ امریکہ اور اسرائیل اس پوزیشن میں ہیں کہ اگر حکومتی سطح پر تمام عرب ممالک کے ساتھ مشترکہ جنگ بھی چھڑ جائے تو تمام عرب اور مسلم افریقی

ممالک پندرہ دن کے اندر اندر تباہ و برباد یا فتح ہو سکتے ہیں۔ تمام اسلامی ممالک کا ایک ایک پہلو امریکہ اور اسرائیل کے علم میں ہے کہ وہ کس پوزیشن میں ہے۔ دفاعی طاقت کس قدر ہے۔ اسلحہ اور دوسرے جنگی ہتھیاروں کی کیا پوزیشن ہے اور کتنا Resist کر سکتے ہیں۔ کمیونزم کے زوال کے بعد اور خاص طور پر نائن الیون کے بعد (آج 2006ء تک) کسی ملک کی یہ مجال نہیں کہ امریکہ اور اُس کے مغربی اتحادیوں کی مرضی کے خلاف، اُن کے عزائم کے برعکس، اُن کے مفادات کے الٹ اور اُن پالیسیوں کے خلاف کوئی ذرا سی جنبش بھی کر سکے۔ سیاسی طور پر تقریباً ہر مسلمان ملک عدم استحکام کا شکار ہے جس کی آگ سلگائے رکھنے میں مغربی طاقتوں کا بڑا حصہ ہے۔ عدم استحکام کے اس آتش فشاں پر زمام کار سنبھالے اُن (مغربی طاقتوں) کا کوئی نہ کوئی مہرہ بیٹھا ہوا ہے۔ کچھ اس آتش فشاں کے پھٹ پڑنے کے ڈر سے اور کچھ اپنی طبیعت اور مزاج کی رغبت کی بنا پر، یہ مہرے ان طاقتوں کا ہر حکم بجالانے کے لئے دست بستہ تیار ہیں۔ چنانچہ آج مسلمان ہر جگہ افتراق، انتشار، محاذ آرائی اور باہم خونریزی کا شکار ہیں۔ ایک طرف حکمران اور عوام، دوسری طرف قوموں کے دیگر طبقات باہم متصادم ہیں۔

اس مغربی یلغار کا مقابلہ:

آج کے اس سنگین چیلنج کا جواب دینے کیلئے ضروری ہے کہ ہمارے سامنے ہمارا لائحہ عمل واضح ہو۔ اس مقصد کے حصول اور کامیابی کیلئے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اور غور و فکر کیلئے ایک ایجنڈا بھی ضروری ہے۔

اس کیلئے ایک راستہ تو یہ ہے کہ

چلو تم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی

اسی کی دعوت مغرب کے دانش ور اور سیاسی پنڈت دے رہے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جو زمانے کے پرستاروں نے ہر دور میں سجایا ہے اور آسائش اور عیش و عشرت کے متوالوں نے آزادی، غیرت اور، سب کی قربانی دے کر جسے اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ لیکن کیا اہل ایمان اور "امت وسط" اور "خیر اُمّة" کیلئے بھی نجات کی یہی راہ ہے؟ نہیں علامہ اقبال نے اس کا جواب دیا ہے۔

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت

ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارا

اسلام تو وہ دین ہے جو طاغوت سے بغاوت اور اللہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہے: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ﴾ ﴿۱۱۹﴾ یہ تو راستہ ہی کفر و شرک اور طغیان سے کشمکش کا ہے۔ اس راستے پر چلنے کیلئے اپنے ایمان، اپنے نظریئے، اپنے دین، اپنی تہذیب، اپنی سیاست اور اپنی پالیسیوں پر چلنے اور قائم رہنے کیلئے مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس آہنی جدوجہد میں ایمان اور نظریئے کی قوت اور اتحاد کے ساتھ ساتھ علم، تحقیق، معاشی قوت، عسکری طاقت ، ایجاد اور اختراع اور ٹیکنالوجی کی مہارت اور گرفت سب ضروری ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر سب نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ اہم چیز وژن (Vision) اور عزم ہے۔ اگر وژن موجود ہے اور عزم و ارادے کا فقدان ہے تو پھر بھی آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا امکان نہیں۔ لیکن اگر وژن اور عزم دونوں موجود ہیں تو پھر توفیق الٰہی سے تمام وسائل بھی حاصل ہو سکتے ہیں اور زمانے کا نقشہ بھی اس طرح بدلا جا سکتا ہے جس طرح ماضی میں بدلا گیا۔ کوئی طاقت ور اتنا مضبوط نہیں کہ ہمیشہ طاقت ور رہے اور کوئی سوپر پاور (Super Power) اتنی مضبوط نہیں کہ ہمیشہ سپر پاور ہی رہے۔ خدا کا اصول ہے۔ تلک الایام نداولها بین الناس ۔ کہ یہ دن تو ہمیشہ آتے جاتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ تاریخ میں درجنوں سپر پاور ایسی گزری ہیں آج جن کا نام و نشان نہیں۔ زمانہ سینکڑوں طاقتور کا قبرستان ہے۔ خود ہماری زندگی میں یا ماضی قریب میں برطانیہ اور سوویت یونین کس بلندی سے کس پستی تک پہنچی ہیں۔ آج امریکہ کی طاقت کا اعتراف ہے۔ امریکہ ایک حقیقت ہے لیکن یہ سمجھ لینا کہ امریکہ ہمیشہ سپر پاور رہے گا ، خدا کے قانون اور تاریخ سے مذاق ہے۔

اس وقت مغرب کی بالادستی ہے۔ یہ بالادستی تین سو سالوں سے موجود ہے۔ پہلے برطانیہ اور فرانس استعماری طاقتیں تھیں۔ دونوں نے بیسیوں ریاستوں پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ دوسرے مغربی ممالک کا نمبر ان کے بعد تھا۔ اب امریکہ دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقت ہے۔ امریکہ کا طریقہ مختلف ہے۔ امریکہ کو پوری دنیا پر سیاسی، اقتصادی، تہذیبی اور حربی غلبہ ہے۔ اس کا نعرہ Globalization ہے۔ اس کا اپنا ایک عالمی نظام (World Order) ہے جس کے مطابق وہ پوری دنیا اور خاص طور پر عالم اسلام کو چلتا دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے تو فرائڈ مین اور میرڈتھ فرائڈ مین نے اپنی مشترکہ کتاب میں لکھا ہے: کس طرح اکیسویں صدی، بیسویں صدی سے بڑھ کر امریکہ کی صدی ہوگی ﴿۱۲۰﴾۔ اسی طرح ولیم پفاف نے لکھا ہے: نئے سال 1997ء میں جو سب سے اہم قوت روبہ عمل ہوگی وہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی یہ مہم ہوگی کہ کس طرح غیر مغربی ممالک کو عالم گیر معاشی نظم میں لایا جائے

﴿۱۲۱﴾ مغربی سوچ پر سیموئیل پی ہن ٹنگٹن (Huntington) کی کتاب Clash of Civilization نے عالم اسلام کے خلاف مغربی سوچ کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ لیکن ہن ٹنگٹن Huntington نے کچھ حقیقت پسندانہ باتیں بھی کیں ہیں۔ اُس نے خود اعتراف کیا ہے: جدیدیت کی وجہ سے پوری دنیا میں مادیت پرستی کی سطح میں اضافہ ہوا ہے، لیکن کیا اس سے تہذیبی، اخلاقی اور ثقافتی پہلوؤں میں کوئی بہتری آئی ہے؟ غلامی، ایذا رسانی، افراد کا غیر انسانی بلکہ قابل مذمت استعمال بڑھا ہے۔ اور یہ سب کچھ مغربی تہذیب کے اثرات کا نتیجہ ہے ﴿ ۱۲۲﴾۔ ایک تاریک دور شروع ہو رہا ہے جو بنی نوع انسان پر نازل ہو رہا ہے ﴿۱۲۳﴾

مغربی طاقتوں کے نزدیک کمیونزم کے زوال کے بعد اسلام اُن کیلئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ ہن ٹنگٹن اور برنارڈ لیوس کی طرح کے کئی مغربی دانشور تو اسلام کو حقیقی اور ٹھوس خطرہ محسوس کرتے ہیں ﴿۱۲۴﴾۔ شیریں ہنٹر کہتی ہیں: اسلام ایک مثالی امیدوار ہے جسے نیا دشمن قرار دیا جا سکتا ہے اور جو کمیونزم کے زوال کے بعد پیدا ہونے والے خلا کو بخوبی پر کرنے کی اہلیت سے مالا مال ہے ﴿۱۲۵﴾ جان ایل اسپوزیٹو کے نزدیک "خطرہ تو اسلام اور مغرب دونوں ہی محسوس کرتے ہیں" وہ خود ہی سوال اٹھاتا ہے کہ کیا اسلامی خطرہ موجود ہے؟ پھر اس کا جواب بھی دیتا ہے: ہاں، جسطرح مغرب خطرہ ہے اور یہود و مسیحی خطرہ ہے ﴿۱۲۶﴾۔ اسپوزیٹو کا اصرار ہے کہ: اسلام مغربی معاشروں کی آسودہ خاطری کیلئے روحانی، سماجی اور آخر کار سیاسی طور پر ضرور ایک خطرہ ہے ﴿۱۲۷﴾۔

عالم اسلام کے مشترکہ دفاع کی ضرورت:

عالم اسلام یا او آئی سی کے ممالک انفرادی طور پر مغرب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سارے مغرب کا مقابلہ تو کیا وہ کسی ایک مغربی ملک کا مقابلہ کرنے کی بھی فی الوقت پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اگر مغرب کا کوئی ملک یا اسرائیل (مشرق وسطیٰ میں) کسی اسلامی ملک پر حملہ یا پھر قبضہ کرے تو یہ اس کے سامنے آنکھ اُٹھانے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں۔ بلکہ بات اس سے بھی آگے ہے (اگر چہ وہ شرم و حیا اسلامی حمیت اور ایمانیات و اخلاقیات سے کوسوں دور ہے) وہ یہ ہے کہ اگر امریکہ کسی اسلامی ملک کے خلاف کوئی ظلم و بربریت کا مظاہرہ کرتا ہے یا حتیٰ کہ وہ کسی اسلامی ملک پر حملہ اور قبضہ کرتا ہے تو اکثر مسلم ممالک نہ صرف اس کی حمایت کرتے ہیں بلکہ

عملی طور پر اس کا ساتھ دیتے ہیں۔افغانستان اور عراق کی مثال ہمارے سامنے ہے۔اسی طرح اسرائیل نے اگر فلسطین پر اپنا قبضہ بڑھایا، 1967ء میں مزید علاقوں پر قبضہ کیا، شام کی جولان پہاڑیوں (Gulan Hights) پر قبضہ کیا، غزہ اور بیت المقدس پر قبضہ کیا تو بہت سے اسلامی ممالک نے اسرائیل کے ساتھ نفرت اور بائیکاٹ کرنے کی بجائے اس سے دوستی کی حتی کہ کئی اہم قسم کے فوجی اور اقتصادی معاہدے کیئے۔ان ممالک میں ترکی، مصر، انڈونیشیا اور اردن زیادہ قابل ذکر ہیں۔جبکہ کسی اسلامی ملک نے آگے ہوکر اسرائیل سے مقابلہ کی جرأت نہیں کی کہ بیت المقدس کو خالی کرو اور فلسطین، شام اور دوسرے ہمسائے ممالک کے مقبوضات خالی کرو۔

جبکہ اگر عالم اسلام کے ممالک کا اتحاد ہو جائے تو شیری ہنٹر جیسی مصنفہ بھی کہتی ہیں کہ اگر مسلم ریاستیں ایک متحدہ اقتصادی اور سیاسی قوت کی تشکیل کر لیں تو وہ یقیناً مغرب کو چیلنج کر سکتی ہیں .... مغربی قوت کے خلاف ایک نئی قابل نمو اقتصادی اور سیاسی قوت جو مغرب کے ساتھ توازن پیدا کر سکے .... مسلمانوں میں مغرب سے مسابقت کے رجحان کی حوصلہ افزائی کر سکتی ہے اور انہیں مغرب کی بالا دستی کو چیلنج کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے ﴿۱۲۸﴾ مسلم ممالک ایشیا اور کرۂ ارض کے درمیان عمدہ دفاعی اور سٹریٹیجک (Stretegic) مقام رکھے ہیں۔مزید برآں OIC کے 57 رکن ممالک کے پاس تقریباً 31% دنیا کا جغرافیائی رقبہ ہے، 60% تیل کے ذخائر ہیں، 50% گیس کے ذخائر ہیں۔اس کے علاوہ مسلم ممالک میں لوہا، تانبا، ٹین، ربڑ، ہر قسم کا اچھے سے اچھا پتھر، سونا اور کوئلہ پایا جاتا ہے۔عالم اسلام میں اسلامی وسائل کی بھی کمی نہیں۔عالم اسلام میں باہمی تعاون اور ترقی کیلئے اداروں کو بھی فروغ ملا ہے۔عرب مشترکہ منڈی، خلیج تعاون کونسل (GCC)، اسلامی ترقیاتی بنک (IBD) اسلامی کانفرنس تنظیم اور کئی دوسری تنظیمیں اور ادارے معرضِ وجود میں آچکے ہیں۔مزید برآں مسلم ممالک میں 60 سے زیادہ بنک ہیں جو سود سے پاک کاروبار کر رہے ہیں۔دنیا بھر میں اُن کی دو سو سے زیادہ برانچیں ہیں ﴿۱۲۹﴾ یہ سب ادارے اور تنظیمیں عالم اسلام میں کام کر رہی ہیں اور آہستہ آہستہ عالم اسلام کو ایک دوسرے قریب لا رہی ہیں۔لیکن ان کی رفتار انتہائی پست ہے۔یہ تمام ادارے اگر بے جان نہیں تو نیم جان ضرور ہیں عالم اسلام کے 57 مسلم ممالک اور تقریباً ڈیڑھ ارب (150 کروڑ) مسلم آبادی اور اُن کے ادارے عالم اسلام یا اُمّۃ کیلئے مشترکہ طور پر وہ کام نہیں کر رہے ہیں جو اُن سے 100 گنا کم آبادی والے یہودی (اُن کی آبادی ڈیڑھ سے دو (۲) کروڑ ہے) کر رہے ہیں جن کا صرف ایک ہی ملک، اسرائیل ہے۔بلکہ عالم اسلام یہودی قوم کے عشر عشیر کام بھی نہیں کر رہے ہیں۔

سب سے پہلے عالم اسلام کے ممالک کا آپس میں اس طرح کا مشترکہ دفاعی نظام یا معاہدہ ہونا چاہیے جس طرح وارسا پیکٹ (WARSAW PACT)، سیٹو، سینٹو تھا یا اس وقت NATO ہے۔ بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کا اشتراک اس طرح ہونا چاہیے جسطرح امریکہ کی 52 ریاستوں کا آپس میں ہے۔ اگرچہ USA کی ریاستیں اب ایک ملک بن چکی ہیں لیکن حقیقت میں یہ ایک ملک نہیں تھیں۔ ان میں الاسکا(ALASKA) جیسی 26 لاکھ مربع کلومیٹر کی ریاستیں بھی ہیں جس کا رقبہ عالم اسلام کے ہر انفرادی ملک سے بڑا ہے۔ عالم اسلام کا سب سے بڑا ملک سوڈان ہے جس کا رقبہ 2505813 مربع کلومیٹر ہے ﴿۱۳۰﴾۔ امریکہ کی ریاستیں 52 ہیں اور او آئی سی کے رکن ممالک 57 ہیں۔ تو کم از کم عالم اسلام کا مشترکہ دفاعی نظام امریکہ کی طرح کا ہونا چاہیے اور اس طرح کی کنفڈریشن قائم کرنی چاہیے۔ یا یہ اپنے آپ مضبوط کرلیں۔ نہیں تو کم از کم وارسا اور ناٹو (NATO) کی طرح کا دفاعی معاہدہ ہو جائے اور اس پر سختی سے عمل کرنے کی کوئی صورت نکال لیں۔ اس کیلئے او آئی سی کی از سر نو تشکیل (Re-Structuring) ضروری ہے مسلمانوں کیلئے مشترکہ دفاعی نظام ضروری ہے ۔ اسلحہ کی ایجادات (یا Manufacturing) میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ضروری ہے۔ مقام افسوس ہے کہ اس مشکل ترین وقت میں بھی مسلم دنیا تقسیم نظر آتی ہے۔ 14 سو سال کی تاریخ میں اس سے برا وقت مسلم دنیا میں پہلے کبھی نہیں آیا۔ آج مسلمان ہونا ایک جرم ہے۔ اب وقت آ گیا ہے۔ کہ مسلم امہ حقائق کا ادراک بھی کرے، حقائق کا سامنا بھی کرے اور اپنے مستقبل کیلئے کوئی ٹھوس لائحہ عمل بھی بنائے۔ آج عالم اسلام کی کچھ ریاستوں پر دشمنوں نے قبضہ کر لیا ہے، کچھ کو کھلے عام دھمکیاں مل رہی ہیں۔ اور کچھ کو اشارتاً کہا جا رہا ہے۔ کہ "بندہ بنو" ورنہ تمہاری باری بھی آنے والی ہے۔ اگر مسلم دنیا کی طرف سے مشترکہ ردِ کا اظہار نہ کیا گیا تو بڑی طاقتیں اپنی شیطانی خواہشات کی تکمیل کیلئے پوری اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔ عالم اسلام کے مدبرین اور فوجی ماہرین کو بڑے غور و خوص کے بعد دفاع کا ایک جامع منصوبہ بنایا چاہیے۔ مشترکہ فوجی تعاون اور دفاع کے ساتھ ساتھ مشترکہ فوج بھی تشکیل دینی چاہیے۔ اس کیلئے پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان اور انڈونیشیا جیسے ممالک میں سے زیادہ فوجیں ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس مشترکہ فوج کو جدید خطوط پر تشکیل دیا جائے۔ اور جدید قسم کی ٹریننگ دے کر دنیا کے جدید ترین اسلحہ سے اسے مسلح کیا جائے۔ آر اینڈ ڈی (R&D) یعنی Research and Development کے بجٹ کو کئی گنا بڑھایا جائے۔ اسلحہ ایٹمی توانائی اور ٹینک، توپ سازی اور طیارہ سازی میں تحقیق اور محنت کو کم از کم 10 گناہ بڑھایا جائے۔ اعلیٰ معیار کی بین الاقوامی سطح کی کم از کم دو دو یونیورسٹیاں ہر ملک میں قائم

کی جائیں جہاں ہر سال لاکھوں طلبہ کو اعلیٰ قسم کی سائنسی اور ٹیکنیکی (Scientific and Technological) تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ ان یونیورسٹیوں میں عالم اسلام کے ذہین ترین طلبہ کو داخلہ دیا جائے اور دنیا جہاں کی اعلیٰ تعلیمی، تحقیقی، تدریسی اور رہائشی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ ساتھ ساتھ اُن کی اسلامی اور روحانی تعلیم کا بھی اس طرح بندوبست کیا جائے کہ وہ اعلیٰ قسم کے تعلیم یافتہ اور ہنر مند ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے مسلمان بھی ہوں جو پوری دنیا میں بطور انسان اور مسلمان نمونہ بھی ہوں اور اُن کے اندر اسلام اور عالم اسلام کی تڑپ بھی ہو۔

اس مقصد کیلئے مسلم امہ کی ایک ایسی یونین کا قیام ضروری ہے جو بلاک کی صورت میں نمایاں ہو کر سامنے آئے۔ مغرب اور غیر مسلم ممالک پر عالم اسلام کا انحصار کم کرنا بھی آج کی اہم ضرورت ہے تا کہ عالم اسلام کو اقتصادی ہم آہنگی اور یکجہتی کے ذریعے مغرب کے اقتصادی سامراج سے نجات دلائی جا سکے۔ مغرب کی بالادستی کا توڑ صرف اس صورت میں ہی ممکن ہے جب ایک متبادل بلاک وجود میں آ جائے۔ "تیسری دنیا کا کرب بھی اسی صورت میں دور ہو سکتا ہے کہ توازن برابر کرنے کیلئے مسلم بلاک قائم کیا جائے ﴿۱۳۱﴾۔

عالم اسلام اپنے ممالک سے امریکہ اور مغرب کے فوجی اڈے ختم کرے:

دوسری اہم بات یہ ہے کہ عالم اسلام کو اپنے ممالک سے امریکی فوجی اڈے ختم کرنے چاہیے۔ مشرق وسطیٰ، سنٹرل ایشیا، افریقہ اور پاکستان جیسے ممالک میں قائم امریکی فوجی اڈوں کا خاتمہ ضروری ہے۔ بلکہ اس طرح کا لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے کہ آہستہ آہستہ عالم اسلام امریکہ اور مغرب کی پالیسیوں اور منصوبہ بندیوں سے اپنے آپ کو علیحدہ کرے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کیلئے Slow Process کی ضرورت ہے۔ تصادم اور محاذ آرائی مول لئے بغیر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا جائے۔ محاذ آرائی کی بجائے ہر میدان میں ڈائیلاگ کا راستہ اختیار کیا جائے۔ خودکش حملوں، دہشت گردی کے واقعات اور جنگجوعانہ روش کو فی الوقت ترک کیا جائے اور افہام تفہیم کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ایک ہمہ جہت حکمت عملی بنانی چاہیے۔ مذاکرات، مذاکرے اور ڈائیلاگ کے علاوہ اگر ضرورت پڑے تو ہمہ پہلو جدوجہد کیلئے بھی اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیے۔ لیکن یہ تیاری پرتشدد اقدامات کیلئے نہیں ہونی چاہیے

۔اسلام امن کا دین ہے۔امن کا سبق دیتا ہے۔پہلے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیے۔اپنے آپ کو دوسروں کا مقابلہ کرنے کا اہل بنانا چاہیے۔تھوڑا بہت یا دگنا تیگنا حتیٰ کہ دس گنا فرق بھی ہو تو مومنین میدان میں آسکتے ہیں۔لیکن اگر مقابلہ ایک اور سو یا ایک اور ہزار کا ہو پھر مقابلہ کرنا حماقت ہوتی ہے۔اسلام یا دنیا کا کوئی بھی اصول اس قسم کی اجازت نہیں دیتا۔یا پھر اس طرح ہوتا ہے جس طرح آج مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔اس کا راستہ یہ ہے کہ عوامی ، اسلامی اور اخلاقی جدوجہد کے ذریعے اپنے اپنے ممالک میں مغربی ایجنٹوں کو ہٹا کر مخلص، صالح، محب وطن اور صحیح مسلمان قیادت کو سامنے لایا جائے۔یہی وہ طریقہ ہے جس سے اس یلغار کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔اس کیلئے سب سے اہم چیز اُمتِ مسلمہ کو اسلام کی بنیاد پر فکری، عملی، اخلاقی ،نظریاتی، تعلیمی، تکنیکی، سائنسی، معاشی اور تہذیبی ، ہر لحاظ سے مضبوط تر بنایا جائے۔عصرِ حاضر میں جن مغربی اور مشرقی طاقتوں کو بڑی طاقتیں (Big Power) کہا جاتا ہے وہ عارضی اور بالآخر فنا ہونے والی ہیں۔آج سے ایک نہیں درجنوں طاقتیں آئیں اور مدت پوری کر کے فنا ہو گئیں۔باقی رہنے والی قوت صرف حق کی قوت ہے۔اللہ پر بھروسہ، عالم اسلام کا اتحاد، آپس میں دفاعی اور اقتصادی تعاون، اخوت اور بھائی چارے کا فروغ اور امت مسلمہ کی صحیح خطوط پر تیاری ہی وہ راستہ ہے جس سے اس یلغار کا مؤثر مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کا دفاعی اور حربی اتحاد اور اُن کے ممالک سے امریکی فوجوں کا انخلاء عالم اسلام کے اتحاد اور ترقی کیلئے جزو لاینفک ہے۔

☆☆☆

فصل نہم

پالیسی سازی میں مغرب اور امریکہ سے چھٹکارا

قرآن کہتا ہے یہود و انصاریٰ سے دوستی نہ کرو۔ یہ مسلمانوں کے دشمن ہیں اور انہیں اُن کے دین سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ کافروں کی باطنی دشمنی اور نفرت اُن کی ظاہری دشمنی سے بھی بدتر ہے۔قرآن کہتا ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ م بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط﴾ ﴿۱۳۲﴾۔ترجمہ: اے ایمان والو مت بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ پھر قرآن کہتا ہے: "اے ایمان والو! اپنے سوا کسی (کفار) کو محرم راز نہ بناؤ۔ وہ کافر تمہیں تباہ کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ وہ تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں۔ جو بغض اُن کے منہ سے ظاہر ہوتا ہے۔اور جو اپنے دلوں میں چھپائے رکھتے ہیں بہت زیادہ ہے" ﴿۱۳۳﴾۔حضور علیہ السلام کی طرف ایک قول منسوب ہے ((الکفر ملة واحدة)) ﴿۱۳۴﴾۔یعنی سارے کفار (مسلمانوں کے مقابلے میں) ایک ملت ہیں۔ لہٰذا عالم کفر (امریکہ، یورپ، روس چین، اسرائیل اور ہندوستان وغیرہ) کے بارہ میں کسی مسلمان کو کبھی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ مسلمانوں کے دوست ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی دشمنی اور مسلمانوں اور عالم اسلام کے خلاف نفرت ہر قسم کے شک سے بالاتر (Above board) ہے۔ان کے آپس میں کچھ اختلافات ہو سکتے ہیں۔لیکن عالم اسلام اور اسلام سے دشمنی کے معاملے میں یہ ہمیشہ یک جان ہوتے ہیں۔لہٰذا ہر مسلم حکومت کا پہلا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ امریکی دباؤ سے نکلے اور آزاد پالیسیاں اپنائے۔ اس وقت عالم اسلام کے وسیع قدرتی وسائل مغرب کا دستر خوان بنے ہوئے ہیں۔ عالم اسلام اور خاص طور پر مشرق وسطیٰ اور سنٹرل ایشیا (وسطی ایشیائی ریاستیں)، پاکستان اور افریقہ کے اکثر ممالک امریکی اور مغربی پالیسیوں کا گڑھ بنے ہوئے ہیں۔اور عالم اسلام کے یہ ممالک (یعنی 90% ممالک) کو یہ جرأت نہیں ہے کہ امریکا کی بنائی ہوئی پالیسیوں اور منصوبوں کی خلاف ورزی کر سکیں۔ امریکہ اور اُس کے اتحادی مغرب نے اسلام کو اپنے لئے مستقل خطرہ سمجھ لیا ہے۔اسی لئے وہ ان کو مغلوب رکھنے اور اپنے رنگ میں رنگنے کو اپنا اولین ہدف بنا کر کام کر رہے ہیں۔امریکہ اور مغرب کی یہ طاقتیں ہر قسم کی سیاسی، عسکری، فنی، معاشی اور ابلاغی قوتوں سے لیس ہیں۔ان سب سے بڑ کر امریکہ نے عالم اسلام کو قابو میں رکھنے کیلئے حال ہی میں 469 بلین ڈالر کا بل منظور کیا ہے۔روزنامہ جنگ کے مطابق امریکی سینٹ نے پینٹا گان کیلئے 469

ارب ڈالر کے بل کی منظوری دی ہے ﴿۱۳۵﴾۔ اس دفاعی بل میں عراق وافغانستان کیلئے ہنگامی رقم 63ارب ڈالر مختص کئے ہیں۔ امریکہ کا یہ 469ارب ڈالر (469 Billion Dollar) کا دفاعی بل (بجٹ) پوری دنیا کے دفاعی بجٹ کا تقریباً نصف ہے۔ عالم اسلام کے بجٹ سے تقریباً 8 گنا زیادہ، یورپ سے تقریباً چار گنا زیادہ اور پوری دنیا کا نصف۔ یہ سب کچھ اس لئے ہورہا ہے کہ امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر پر عمل درآمد کروایا جائے جس میں عالم اسلام کی سیاسی، معاشی ثقافتی اور تعلیمی پالیسیوں اور منصوبوں کو اپنے ہاتھ میں لینا سب سے زیادہ اہم ہے۔

مسلمان ممالک میں امریکہ اور مغرب کی پالیسیوں کی کامیابی کی اصل وجہ یہ ہے کہ عالم اسلام کا تقریباً ہر ملک سیاسی اور معاشی عدم استحکام کا شکار ہے، جس کے تسلسل میں امریکہ اور مغربی طاقتوں کا بڑا اہم کردار ہے۔ دوسری بات کہ عالم اسلام کی حکومتوں کو چلانے کیلئے امریکہ اور مغرب کا کوئی نہ کوئی مہرہ بیٹھا ہوا ہے جو اپنے عوام سے غداری کرتے ہوئے امریکہ کے ایجنٹ کا کردار ادا کررہے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے اکثر ممالک پر فوجی حکمران او ڈکٹیٹر رہے ہیں اور ہیں، اور امریکہ اور مغرب کو ان فوجی حکمرانوں اور آمروں پر کوئی اعتراض نہیں۔ ان ممالک کے حوالے سے کبھی جمہوریت کی بات نہیں کی گئی بلکہ ان حکمرانوں کا تحفظ امریکہ نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ یہ حکمران کچھ تو آتش فشاں کے پھٹ جانے کے ڈر سے اور کچھ اپنی طبیعت اور رغبت کی بنا پر، یہ مہرے اُن کا ہر حکم بجالانے کیلئے دست بستہ تیار ہیں۔ معاشی طور پر امریکہ اور مغرب کے عالمی اداروں، عالمی بنک، آئی ایم ایف، اور WTO وغیرہ نے عالم اسلام کو اقتصادی پابندیوں اور قرضوں سے جکڑنے جیسے ہتھیاروں سے محکوم بنا رکھا ہے۔ ان عالمی مالیاتی اداروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں نے عالم اسلام کی ریاستی خودمختاری کو حرفِ بے معنی بنا دیا ہوا ہے۔ پھر اس سے بھی آگے دہشت گرد قرار دے کر بین الاقوامی اچھوت بنانے کی تلوار بھی مغربی ممالک اُن کے سروں پر لہراتے رہتے ہیں۔

مسلم امہ کا لائحہ عمل:

امریکہ اور مغرب کی پالیسیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے مسلمانوں کو چاہیے کہ خود اپنے ممالک کو درست کریں اور اُس کا آغاز خود احتسابی سے کریں۔ او آئی سی اور عرب لیگ کو مضبوط اور طاقت ور بنائیں۔ اپنے اداروں کو مضبوط کریں۔ مسلم ممالک خود اپنے عوام پر اعتماد کی فضا پیدا کریں۔ مسلمانوں کو اپنے ممالک میں شخصی اور سیاسی آزادیاں

حاصل ہونی چاہیں۔ آپس میں اختلاف کو برداشت کرنے کی فضا پیدا کرنی چاہیے۔ معیشت اور سیاست پر چند خاندانوں کی اجارہ داری کو ختم کیا جائے۔ کسی قوم یا ملک کی ترقی کیلئے جہاں نظریہ اور قومی تشخص ضروری ہے وہیں سیاسی، معاشی اور معاشرتی اور ادارتی نظام میں ہم آہنگی بھی ضروری ہے جس میں سب کی شرکت ہو، اشتراک کا رشتہ قائم ہو۔ حضور علیہ السلام نے اس طرف اس طرح اشارہ کیا تھا: تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور جو تم سے محبت کرتے ہیں اور بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرتے ہو اور جو تم سے نفرت کرتے ہیں۔

پھر اس بات کی بھی بہت ضرورت ہے مسلمان ممالک میں آزادیٔ رائے ہو، بین الاقوامی معیار کی تعلیم اور تعلیمی سہولتیں ہوں، بنیادی سہولتوں کی فراہمی ہو، روزگار کے مواقع اور دولت کی منصفانہ تقسیم کو ملکی پالیسی میں مرکزی مقام حاصل ہو۔ تحقیق اور ترقی کا دائرہ وسیع کیا جائے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کو فوقیت دی جائے۔ تعلیمی نصاب اس طرح کا ہو کر سائنس اور ٹیکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ نوجوان ایک اچھا اور سچا مسلمان ہو اور اسلام اور امتِ مسلمہ کا درد بھی رکھتا ہو ایجاد اور اختراع، تحقیق اور تفتیش کے ذریعے سائنس پر قدرت حاصل کر کے خود انحصاری کی طرف آیا جائے اور مغرب اور امریکہ پر جلد از جلد انحصار ختم کیا جائے، خود انحصاری کا مطلب دنیا سے الگ تھلگ ہونا نہیں بلکہ اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ ہمیں وسائل پر اتنی دسترس حاصل ہو کہ ہم اپنی پالیسیاں، اپنے اہداف اور مقاصد کے مطابق خود طے کر سکیں اور دوسروں کی ایسی محتاجی نہ ہو کہ وہ ہماری پالیسیوں پر اثر انداز ہو سکیں۔

پالیسی سازی میں عالم اسلام صرف اس صورت میں امریکہ اور مغرب سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے گھر کی صفائی کرے۔ تعلیم اور تحقیق کو عام کرے۔ اپنے معاملات کو او آئی سی جیسے فورم پر حل کریں۔ آپس میں اخوت اور بھائی چارے کی فضا پیدا کریں۔ مسلمان ممالک کے درمیان مشترکہ دفاعی معاہدہ ہو جس میں کسی ایک اسلامی ملک پر حملہ تمام عالم اسلام پر حملہ تصور کیا جائے اور سب اُس ملک کے دفاع کیلئے پابند ہوں۔ مسلمانوں کے مشترکہ سرمائے سے روایتی اور جدید اسلحہ، خصوصاً ایٹمی صلاحیت، میزائل و لیزر ٹیکنالوجی اور طیارہ سازی کے مشترکہ منصوبوں کا جائزہ لے کر عملی طور پر مشترکہ ادارے قائم کیے جائیں۔ عالم اسلام کو مشترکہ طور پر بحری بیڑہ تیار کرنا چاہیے جو میزائلوں، طیارہ بردار جہازوں اور ایٹمی اسلحہ سے لیس آبدوزوں پر مشتمل ہو۔ جدید اسلحے سے لیس ان مسلم ممالک کی مشترکہ سریع الحرکت فوج قائم کی جانی چاہیے جس میں تمام مسلم ممالک کے فوجی شامل ہوں جو بوقت ضرورت کسی بھی

مسلم ملک کی مدد کر سکیں۔ اس طرح عالم اسلام اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا اور طاقتور ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں دوسرے ممالک ان کے ممالک میں دخل اندازی محدود کر دیں گے۔

عالم اسلام کا ایک سپیشل ادارہ بھی قائم ہونا چاہیے جو عالم اسلام کے اندر مغربی پالیسیوں کا جائزہ لے اور لیتا رہے اور مغربی مداخلت کو مزید کم کرنے (Minimize) کے لئے منصوبہ بندی کرتا رہے۔ اس کیلئے عالم اسلام کے سیاسی اور دفاعی مدبر (Think Tanks) بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان بڑے بڑے دماغوں (Think Tanks) کی ایک تنظیم اور ادارہ ہونا چاہیے جو او آئی سی کے انڈر ہو اور باقاعدہ سے عالم اسلام کی خود انحصاری، ترقی اور فلاح و بہبود کیلئے تجاویز اور منصوبے بناتا رہے اس طرح عالم اسلام کو سیاسی، دفاعی، معاشی اور تعلیمی بحران سے نکلنے میں خاصی مدد مل سکتی ہے۔

فصل دہم

اسلامی مما لک کی کنفیڈریشن کا قیام

اس وقت عالم اسلام کے آزاد مما لک کی تعداد 57 ہے جو او آئی سی کے ممبرز ہیں۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی آبادی، آج ستمبر 2006ء میں تقریباً 1.5 ارب یا 150 کروڑ ہے۔ عالمی آبادی اس وقت تقریباً 6.6 یا 6 ارب 60 کروڑ ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی کوئی فعال تنظیم نہیں ہے۔ دیکھنے کو او آئی سی مسلم مما لک کی نمائندہ تنظیم ہے۔ لیکن عملی طور پر اس کی حیثیت زیرو ہے۔ بس، سال کے بعد اس کے ایک دو اجلاس ہو جاتے ہیں۔ تقریریں ہوتی ہیں، جزباتی ڈائیلاگ ہوتے ہیں، کچھ منصوبے بنائے جاتے ہیں، چند ایک قراردادیں پیش اور پاس کی جاتی ہیں جن میں اکثر اتفاق رائے (Consensus of Opinion) نہیں ہوتا یا، ناچاہتے ہوئے بھی ہاں میں ہاں ملا دی جاتی ہے۔ کہ ان کے کیا کوئی اچھے برے نتائج نکلتے ہوتے ہیں۔ عالم اسلام کے اتحاد کیلئے زبانی کلامی بہت کوششیں کی گئی ہیں۔ اس وقت عالم اسلام کے اتحاد کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے ہے۔ امت مسلمہ کا اتحاد ایک شرعی تقاضا ہی نہیں بلکہ امت کے عروج اور نشأۃ ثانیہ کی بنیاد بھی ہے۔ اتحاد امت کے موجودہ ادارے چونکہ عالم اسلام کے اتحاد اور ترقی کیلئے فعال کردار ادا نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے ان اداروں کو فعال بنانے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ لہٰذا اس وقت عالم اسلام کو یک جان ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلم مما لک آپس میں USA کی طرح ایک مؤثر اور طاقت ور کنفیڈریشن قائم کریں اور کونوا عباد اللہ اخوانا کی عملی تصویر بن جائیں۔

مؤتمر عالمی اسلامی:

یہ ایک اچھا پلیٹ فارم ہے جس کے ذریعے اتحاد اور یکجہتی کی کوششوں کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعے اتحاد امت کی تحریک چلائی جائے تا کہ گراس روٹ لیوں پر اتحاد کے جزبات کو فروغ دیا جا سکے جس کا اثر لازماً امت کے سوچنے سمجھنے والے اور مقتدر عناصر پر پڑے گا۔

رابطہ عالم اسلامی:

رابطہ کے ذریعے دعوت واصلاح اور تعلیم وتربیت کے کاموں کو مؤثر بنایا جاسکتا ہے۔

او آئی سی:

او آئی سی............اس تنظیم کو درج ذیل اقدامات سے فعال بنایا جاسکتا ہے۔ ﴿۱۳۶﴾

اس تنظیم کا از سرِ نو ڈھانچہ تشکیل دیا جائے اور اُن مسلمان ملکوں کو منظم کیا جائے جو امت کے اتحاد کیلئے بہت سنجیدہ ہیں اور مسلم دشمن ہتھکنڈوں کو سمجھتے ہیں، دشمن کے سیاسی، معاشی، اقتصادی اور ثقافتی منصوبوں کو سمجھتے ہیں، جو عالم اسلام کو امریکہ اور مغرب کے اثر سے نکالنے کیلئے نہایت سنجیدہ ہیں۔ او آئی سی کو مغربی ممالک اور اُن کی ایجنسیوں کے اثرات سے پاک کیا جانا چاہیے۔ اس کے ذریعے مسلم امہ کی نشاۃ ثانیہ کیلئے کوشش کی جائے۔ اس کے پلیٹ فارم پر مشترکہ دفاع، مشترکہ کرنسی، مشترکہ تجارت، مشترکہ تحقیقاتی اور سائنسی ادارے، مشترکہ نیوز ایجنسی اور مشترکہ ٹی وی چینل وغیرہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اگر یہ تنظیمیں صحیح طریقے سے کام نہ کر سکیں تو دوسرے مرحلے میں عالم اسلام کے دینی حمیت رکھنے والے عناصر اور حکمرانوں کے ذریعے ایک نئی بین الملی تنظیم بنائی جائے جو مسلم ممالک کے درمیان مؤثر اتحاد قائم کرے۔

☆......☆......☆

فصل یازدهم

غیر مسلم ممالک کے بنکوں سے اپنا پیسہ واپس لانا اور اسے تعلیمی وترقیاتی کاموں پر خرچ کرنا ﴿۱۳۷﴾

عالم اسلام کا سینکڑوں بلین ڈالر مغرب اور امریکہ کے بنکوں میں جمع ہے۔ یہ بات کوئی راز نہیں ہے کہ تیسری دنیا کے بہت سے ملکوں بشمول پاکستان اور کچھ دوسرے اسلامی ممالک سے اربوں نہیں بلکہ سینکڑوں ارب ڈالر کی لوٹی ہوئی رقوم مغربی ممالک کے بنکوں میں محفوظ ہے۔ اور مغربی ممالک اس لوٹی ہوئی رقم کی اُن غریت ممالک میں واپسی کیلئے سرے سے تعاون نہیں کرتے کیونکہ وہ اس رقم سے اپنی ملکی معیشت کو دن رات ترقی دے رہے ہیں۔ یہ بات دنیا کے ہر قانون کے حوالے سے اقتصادی دہشت گردی کے زمرے میں آتی ہے۔ حکومت پاکستان نے نیم سنجیدگی سے دوتین دفعہ کوشش کی ہے کہ پاکستان کی لوٹی ہوئی دولت مغربی بنکوں سے واپس مل جائے 17 اگست 2005ء کو عالمی بنک کے صدر نے وعدہ بھی کیا تھا کہ اُن کا ادارہ ان رقوم کو واپس دلانے میں پاکستان کی مدد کرے گا۔ ﴿۱۳۸﴾ مگر اس کے بعد کوئی پیش رفت نہیں ہوئی اور پاکستان کی حکومت نے بھی سنجیدگی سے پیچھا نہیں کیا۔ یہ بات انتہائی پریشان کن ہے کہ دسمبر 2005ء میں ہونے والی او آئی سی کی سربراہی کانفرنس میں بھی اس ضمن میں کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی اور نہ ہی مغربی ممالک سے رقوم کی واپسی کا کوئی مطالبہ کیا گیا تھا۔ حالانکہ یہ معاملہ گزشتہ چند سالوں سے ایک اہم مسئلہ (Burning Issue) بنا ہوا ہے اور اخبارات و جرائد کے ذریعے اس پر گرما گرم بحث مباحثہ جاری ہیں۔ اب سے کچھ سال قبل پاکستان میں متعین امریکی سفیر نے کہا تھا کہ اگر بیرونی ملکوں میں جمع لوٹی ہوئی رقم پاکستان کو واپس مل جائے تو پاکستان نہ صرف اپنے تمام بیرونی قرضے واپس کر سکتا ہے بلکہ آئندہ کیلئے قرضے لینے سے بھی بے نیاز ہو سکتا ہے ﴿۱۳۹﴾۔ پاکستان کا بیرونی قرض (Foreign Debt) اس وقت تقریباً 37 ارب ڈالر ہے۔ ﴿۱۴۰﴾

اس کا مطلب ہے کہ کم از کم 50 ارب ڈالر کی لوٹی ہوئی رقم مغربی ممالک کے بنکوں میں جمع ہے۔ پاکستان جیسے کتنے مسلم اور غیر مسلم ممالک ہیں جن کی رقوم اسی طرح لوٹ کر مغربی بنکوں میں جمع کروائی گئی ہے۔ پاکستان کے بہت سے سیاست دانوں اور اعلیٰ آفیسرز کی داستانیں اخباروں کی زینت رہتی ہیں۔ انڈونیشیا کے سابق صدر سہارتو، بنگلہ دیش کے جنرل ارشاد، نائجیریا کے سابق

صدرا باچہ اور پاکستان کے متعدد "معززین" اس لوٹ مار اور مغربی بنکوں میں اپنی رقوم جمع کروانے میں زیادہ مشہور ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سارے عرب حکمران اور سابق حکمران ایسے ہیں جنہوں نے خود بخود ہی راضی خوشی اپنے پیسے مغربی ممالک کے بنکوں میں جمع کروار کھے ہیں اور وہ ہیں بھی بغیر سود کے۔ کہا جاتا ہے کہ جب 1990ء میں عراق نے کویت پر حملہ کیا تو اُس وقت امیر کویت کا 350 بلین ڈالر امریکہ کے بنکوں میں جمع تھا۔ اسی طرح قطر، بحرین، اردن، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کی کثیر رقوم مغربی اور امریکی بنکوں میں جمع ہیں جو مغربی معیشت کی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

اکیسویں صدی میں امہ کو جو چیلنج درپیش ہیں اُن کا تجزیہ امام کعبہ گزشتہ دو تین سال سے خطبہ حج میں کر رہے ہیں۔ اُن کے بصیرت افروز کلمات مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں کو اقتصادی طور پر مغلوب کر کے اُن کو اپنا غلام بنانا چاہتی ہیں اور مسلمان ملکوں کا سیاسی، جغرافیائی اور انتظامی نقشہ تبدیل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔ (۲) مسلمانوں کو اقتصادی پالیسیاں خود وضع کرنا ہوں گی۔ (۳) امت مسلمہ کو یگانگت اور یکجہتی کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور وہ مل کر اسلام دشمنوں کا مقابلہ کریں۔ (۴) اپنے ہی بھائیوں کے خلاف دشمن کے ہاتھوں استعمال ہونے والوں کو حساب دینا ہوگا۔ دشمن مسلمانوں کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ (۵) اسلام کے خلاف نفرت پھیلائی جارہی ہے اور امت کے دشمن اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے جمع ہو چکے ہیں۔ (۶) مسلمانوں کے خلاف فوجی، اقتصادی اور میڈیا مہم جاری ہے۔ ذرائع ابلاغ میں اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی کی علامت کے طور پر پیش کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ (۷) تمام وسائل ہونے کے باوجود مسلمان قوت اقتدار اور غلبے سے محروم ہیں جو کہ لمحۂ فکریہ ہے امام کعبہ کے خطبۂ حج کا موضوع 2005ء میں یہی تھا اور گزشتہ دو تین سال سے بھی وہ عالم اسلام کو اسی کی طرف غور فکر کرنے کی کی دعوت دے رہے ہیں۔ امام کعبہ کے ارشادات کے ایک ایک لفظ پر اسلامی کانفرنس کی تنظیم، اسلامی ممالک کے حکمرانوں اور ہر مسلمان ذی شعور کو غور کرنا چاہیے اور اس سے راہنمائی لیتے ہوئے ایک جامع قسم کا دس سالہ منصوبہ بنایا جائے جس کا فوکس (Focus) صرف تعلیمی اور تحقیقی میدان میں بھرپور ترقی، اقتصادی میدان میں مشترکہ حکمت عملی اور اعلیٰ قسم کی منصوبہ بندی اور عالم اسلام کا مشترکہ دفاع اور جدید قسم کا دفاعی ساز و سامان پیدا کرنا ہو۔

اسلامی ممالک میں اس وقت غربت و افلاس، تعلیمی پسماندگی سیاسی عدم استحکام، آمرانہ طرز حکومت، عدم برداشت اور رواداری، معاشی ناانصافی و ناہمواری اور قانون و انصاف کی پامالی کا راج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے پاس تمام قسم کے قدرتی

وسائل، انسانی وسائل (Human Resources) اور کسی حد تک Skill ہونے کے باوجود مسلم امہ ذلت اور رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہے۔ مسلم امہ کی پسماندگی کے حوالے سے چند حقائق یہ ہیں ﴿۱۴۱﴾۔ 647 کروڑ کی عالمی آبادی میں عالم اسلام 144 کروڑ آبادی کے ساتھ 22.26 فیصد آبادی کا حامل ہے تیل اور گیس کی پیداوار میں 70 فیصد حصہ ہونے کے باوجود دنیا کے جی ڈی پی (GDP) میں اسلامی ممالک کا حصہ صرف 5 فیصد ہے اور عالمی برآمدات (Exports) میں اس کا حصہ صرف 8% ہے۔ اسلامی ممالک کی آپس میں تجارت صرف 13% ہے۔ "خط غربت سے نیچے (Below poverty line) زندگی گزارنے والے مسلمانوں کی تعداد 45 کروڑ سے زیادہ ہے۔ جو کل مسلم آبادی کا ایک تہائی ہے" ﴿۱۴۲﴾۔ اخلاقی ابتری کا یہ عالم ہے کہ کرپٹ ترین ممالک میں ہمیشہ اسلامی ملکوں کا نام سرفہرست ہوتا ہے، گویا ہم اسلام کا نام لیوا رشوت، فراڈ، دھوکہ دہی، اقربا پروری اور بد دیانتی میں سب سے آگے ہیں ﴿۱۴۳﴾۔

The Global Competetiveness Report 2004-05 کی بنیاد پر تحقیقی رپورٹ کے مطابق معاشی ترقی کے لحاظ سے پاکستان کا نمبر 104 ملکوں میں 91 ویں نمبر پر ہے اور بھارت کا نمبر 55 ویں نمبر ہے ﴿۱۴۴﴾۔

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے 2003ء کیلئے تیار کردہ گوشوارہ بدعنوانی (Corruption Index) کے مطابق 133 ممالک میں پاکستان، شفافیت کے اعتبار سے، 92 نمبر پر تھا۔ یعنی 133 ممالک میں 91 ممالک ہم سے شفاف تھے۔ مجموعی طور پر عالم اسلام کا بھی یہی حال ہے۔ ٹرانس پیرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ 2005ء کے مطابق شفافیت کے اعتبار سے 158 ممالک میں بنگلہ دیش 158 ویں نمبر پر، نائجیریا 152 ویں نمبر پر، انڈونیشیا 137 ویں نمبر پر اور پاکستان 144 ویں نمبر پر ہے۔

گویا یہ چار ملک جو عالم اسلام کے سب سے بڑے ملک ہیں یہ دنیا کے بدعنوان ترین ملک ہیں۔ ان چار ممالک کی آبادی تقریباً 80 کروڑ ہے جو عالم اسلام کی کل آبادی کا تقریباً 46 فیصد ہے۔ دنیا کے پہلے 25 شفاف ترین ممالک میں کوئی مسلمان ملک نہیں ہے ﴿۱۴۵﴾۔ دنیا کے 16 بدعنوان ترین ممالک میں 09 مسلمان ممالک ہیں جن میں مذکورہ چاروں کے علاوہ ترکمانستان، سوڈان، چاڈ آوری کوسٹ، تاجکستان اور صومالیہ شامل ہیں۔ انسانی وسائل (Human Resources) کے حوالے سے عالم اسلام کی 96% آبادی نچلے درجے پر آتی ہے ﴿۱۴۶﴾۔ عالم اسلام کو غربت اور افلاس سے نکالنے کیلئے اسلام کا نظام زکوۃ انتہائی اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ مگر اس کو عملی طور پر اسلام کے اصولوں کے مطابق مکمل طور پر نافذ کرنا ضروری ہے۔ یاد رہے

کہ یہودی اپنی کمائی کا 10% لازماً یہودی قوم کی بہتری اور ترقی پر خرچ کرتے ہیں جس میں اسرائیل کی مدد کرنا بھی شامل ہے۔ہم صحیح طریقے سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ نظام زکوٰۃ کے عملی نفاذ کی طرف مناسب توجہ کی ضرورت ہے۔ عالم اسلام کو سنجیدگی سے اس پر غور کرنا چاہیے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ عالم اسلام کو مذکورہ باتوں اور مشوروں پر غور کرتے ہوئے اپنے اندرونی حالات کو صحیح کرنا چاہیے۔

جب ہم اپنے آپ کو صحیح کرلیں گے، اپنے سیاسی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی، حکومتی اور عدل و انصاف کے نظام کو اندرونی طور پر اپنے اپنے ممالک میں صحیح کرلیں گے تو بیرونی طور پر خود بخود ہم طاقتور ہو جائیں گے۔

مسلم ممالک، اور حکمران طبقے کو خاص طور پر مسلمان ملکوں سے لوٹ کر بیرونی ملکوں (مغربی ملکوں) میں جمع کرائی ہوئی اربوں ڈالر کی رقوم کی واپسی کو اپنی ترجیحات میں شامل کرنا چاہیے۔

اس وقت تقریباً 1500 بلین ڈالر کی رقوم ایسی ہیں جو مسلمانوں نے جائز و ناجائز طریقے سے مغربی بنکوں میں جمع کروا رکھی ہے۔ اس میں کرپشن اور بدعنوانی سے اکٹھی کی ہوئی رقوم بھی شامل ہیں اور عرب حکمرانوں اور شیوخ (Shaiks) کی جمع کروائی ہوئی رقوم بھی شامل ہیں۔ کویت، ابوظہبی، دوبئی، قطر، عمان، بحرین، سعودی عرب اردن، برونائی، مراکش، ٹیونس وغیرہ کے بہت سے حکمرانوں اور حکمران خاندان کے افراد نے اپنی جمع پونجی مغرب اور امریکہ کے بنکوں میں جمع کروائی ہوئی ہے۔

عراق کے کویت پر حملہ کے وقت مشہور تھا کہ امیر کویت کے 350 بلین ڈالر امریکی بنکوں میں جمع ہیں۔ اس میں مبالغہ بھی ہوسکتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ عربوں کے کثیر رقوم مغربی بنکوں میں جمع کروا رکھی ہیں۔ عالم اسلام کو سر جوڑ کر فقہی اور اجتہادی انداز میں، قرآن وسنت کی روشنی میں، یہ تحقیق کرنی چاہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت کو مغربی ملکوں کے بنکوں میں رکھنا جائز ہے؟ کیونکہ یہ رقوم مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے بھی استعمال ہو رہی ہے۔ اگر مسلمانوں کے اس 1500 بلین ڈالر (Approximately) کو مغربی بنکوں سے نکال کر مسلمانوں کے بنکوں میں رکھ دیا جائے تو اس کا صرف منافع (Profit) ہی 100 بلین ڈالر ہوگا جس سے ایک ہی سال میں عالم اسلام کے نظام تعلیم کو بین الاقوامی معیار کے مطابق جدید ترین بنایا جاسکتا ہے۔ اگر اس 100 بلین ڈالر کے منافع کو دوسرے سال عالم اسلام کی انڈسٹری کو جدید ترین کرنے پر صرف کر دیا جائے تو پانچ سالوں کے اندر اندر عالم اسلام صنعتی پیداوار کے حوالے سے خود کفیل ہو جائے گا۔ اگر اس ساری رقم یعنی 1500 ارب ڈالر کو عالم

اسلام کی مجموعی ترقی کیلئے 10 سالہ ترقی کے منصوبے کے تحت سوچ سمجھ کر اور خوب غور وخوض کر کے لگا دیا جائے تو دس سال کے اندر اندر عالم اسلام میں تعلیمی تحقیقی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، حربی اور امن وسکون کے حوالے سے اس قدر انقلاب آئے گا کہ دنیا دنگ رہ جائے گی۔ سب سے پہلے اس سے عالم اسلام پر موجود بیرونی قرضوں کو اتارا جائے۔ آئندہ غیر مسلم اداروں اور ملکوں سے قرضے لینا بند کیا جائے۔ قرضوں کیلئے ایک اسلامی بنک اور دوسرے مالیاتی ادارے بنائے جائیں جو ورلڈ بنک، آئی ایم ایف، WTO وغیرہ جیسے اداروں کا مقابلہ کریں۔ غریب مسلم ممالک کو آسان شرائط پر قرضے دیئے جائیں۔ غریب مسلم ممالک میں انسانی وسائل (Human Resources) کی ترقی کیلئے بڑے منصوبے (Mega Projects) بنائے جائیں۔ تاکہ وہاں سے اعلیٰ قسم کی افرادی قوت، فنی ماہرین (Skilled) اور بین الاقوامی معیار کے پیشہ ور ماہرین (Professionals) تیار کئے جائیں۔ جو عرب ممالک یا دوسرے قدرے امیر ممالک کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ او آئی سی کو اس ضمن میں ایک مؤثر حکمت عملی فوری طور پر وضع کرنی چاہیے تاکہ عالم اسلام کے ممالک کو سمجھا بجھا کر مغربی ممالک سے اپنا پیسہ واپس لینے کی طرف راغب کیا جا سکے یہ کام آسان نہیں ہے۔ لیکن خلوص اور سنجیدگی سے کوشش کی جائے اور حکمران طبقے کو حالات وواقعات اور ان کے نتائج سے کما حقہ بتایا جائے اور آگاہ کیا جائے تو اس منصوبے کی کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔

فصل دوازدہم

اسلام کا حقیقی سیاسی نظام اور مسلم ممالک کا موجودہ سیاسی و حکومتی ڈھانچہ

عالم اسلام کی پسماندگی کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں موجودہ سیاسی اور حکومتی نظام اسلام کے لائے ہوئے آفاقی اور جامع نظام حکومت اور خلافت سے متصادم ہے۔ موجودہ مسلم ممالک کے نظام کو نہ ہم اسلامی نظام کہہ سکتے ہیں، نہ جمہوری، نہ سیکولرازم، (Secularism) نہ اشتراکی (Communism)، نہ پارلیمانی، نہ صدارتی، اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دنیا کے کسی نظام کی تعریف پر بھی پورا نہیں اترتے۔ یہ کسی ایک ملک کی بات نہیں۔ عالم اسلام کے 90% ممالک اسی طرح ہیں کہ جن کی تعریف (Defination) صرف اُن کے ملک کا نظام ہی ہے جو کسی عالمی نظام کی تعریف پر پورا نہیں اترتا۔

عالم اسلام کے ممالک میں سب سے زیادہ جمہوری ملک ترکی (Turkey) کو کہا جاتا ہے۔ اور مغرب کی تعریف میں وہ سیکولر بھی ہے۔ بلکہ ترکی دستوری طور پر سیکولر ہے۔ لیکن ترکی کے جمہوری ملک میں فوج آئینی طور پر حکومتی نظام میں شریک ہے اور سارے نظام کو کنٹرول کرتی ہے۔ کوئی حکومت فوج کی مرضی کے بغیر نہیں چل سکتی۔ نجم الدین اربکان کی حکومت کی مثال (1996-97) اور پھر آج تک اُس سابق وزیر اعظم کا حشر ہمارے سامنے ہے۔ پاکستان عالم اسلام کا اہم جمہوری ملک ہے۔ لیکن یہ بھی نام کا جمہوری ملک ہے۔ یہاں ہمیشہ غیر جمہوری حکومتیں رہی ہیں۔ پاکستان کی آدھی سے زیادہ زندگی فوجی حکمرانوں کے زیر سایہ گزری ہے (اور گزر رہی ہے)۔ تمام عرب ممالک میں خاندانی حکومتیں ہیں۔ سعودی عرب، مراکش، ٹیونس، قطر، بحرین، کویت، اردن، شام، متحدہ عرب امارات کی ریاستیں .... ان سب میں خاندانی حکومتیں (Dynasties) ہیں۔ ان ممالک کا اپنا ہی طرز حکومت ہے ان میں سے اکثر میں الیکشن بھی ہوتے ہیں۔ جسطرح کویت ہے۔ اُس میں آئینی بادشاہت ہے لیکن 1963ء سے پارلیمانی انتخابات بھی ہو رہے ہیں۔ 3 جولائی 1999ء کو 50 نشستوں کی پارلیمنٹ کے لئے انتخابات ہوئے۔ یہ نویں پارلیمنٹ تھی۔ ولی عہد اور وزیر اعظم شیخ سعد عبداللہ الصباح کی قیادت میں نئی کابینہ بنی۔ اسی طرح اردن میں آئینی بادشاہت ہے لیکن پارلیمانی انتخابات بھی ہوتے ہیں۔ 7 فروری 1999ء کو جب اردن کے بادشاہ شاہ حسین کا 47 برس حکومت کرنے کے بعد انتقال ہوا تو انتقال کے صرف تین گھنٹے بعد شہزادہ عبداللہ نے حلف اٹھالیا۔ اسی طرح عالم اسلام کا سب سے اہم اور مقدس ملک

سعودی عرب ہے۔ اُس کا طرزِ حکومت بھی بادشاہت ہے۔ لیکن نامزد شوریٰ بھی ہے۔ آج کل شاہ عبداللہ سعودی عرب کے حکمران ہیں۔ اگست 1993ء کو ایک شاہی فرمان کے ذریعے نامزد شوریٰ کونسل قائم ہوئی۔ شوریٰ کونسل کو قانون سازی اور انتظامی امور نمٹانے کے اختیارات حاصل نہیں۔ اسی طرح عربوں کے ساتھ اور ہمسائیگی میں ایران ایک اہم اسلامی ملک ہے لیکن جمہوریت اور منصفانہ انتخابات ہونے کے باجود وہاں کا حکومتی نظام اسطرح کا ہے کہ وہاں صدارت کا الیکشن لڑنے کیلئے مخصوص نظریئے کا حامل اور مخصوص طبقۂ فکر سے مطابقت رکھنا ضروری ہے ورنہ امیدوار بھی نہیں بنا جا سکتا، چہ جائے کہ الیکشن جیت کر حکمران بن جائے۔ انڈونیشیا عالم اسلام کا سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے وہاں ہمیشہ آمریت رہی ہے۔ صدر سہارتو 1967ء میں صدر بنے۔ 30 سال سے زائد عرصہ انڈونیشیا کے سربراہ رہے۔ اُس کی فیملی نے غیر قانونی طور پر 30 ارب ڈالر حاصل کیے ﴿۱۴۷﴾ لیکن آج کل انڈونیشیا جمہوری نظام کے تحت چل رہا ہے۔ اور میگاوتی سکارنوپتری صدر ہیں۔ سہارتو اور اس کے خاندان پر بعد میں کرپشن اور اختیارات کے ناجائز استعمال پر مقدمات بنے۔ ہمارے خیال میں جمہوریت کے حوالے سے یا فیئر الیکشن کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو اسلامی ممالک میں پہلا نمبر اس وقت بنگلہ دیش کا ہے۔ اس کے بعد ملائیشیا کا نظام حکومت اور جمہوریت ہے۔ انڈونیشیا اب میچور ہو رہا ہے۔ اس طرح پورا عالم اسلام سیاسی طور پر عدم استحکام کا شکار ہے اور اسلامی ممالک کے حکومتی ڈھانچہ میں، تحمل، برداشت، سیاسی رواداری، عدل وانصاف، صحیح عدالتی نظام اور اخلاقی اقدار انتہائی کمزور اور غیر معیاری ہیں۔

اس وقت اسلامی دنیا کی حکومتیں نہ تو اسلامی فکر اور روح ہی اپنے اندر رکھتی ہیں نہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق سیاسی، معاشی، سائنسی، تحقیقی اور تعلیمی طور پر آگے بڑھ سکی ہیں۔ ڈاکٹر فرخ سلیم کے مطابق 800 ملین مسلمان بالکل غیر تعلیم یافتہ (Absolutely Illiterate) ہیں ﴿۱۴۸﴾۔ 9 اپریل 2003ء کو دنیا کی سب سے جابر حکومتوں (The Most Repressive Regimes) کی لسٹ شائع ہوئی جس میں سعودی عرب، لیبیا، عراق، شام (Syria)، سوڈان، صومالیہ، ترکمانستان اور ازبکستان سرِفہرست تھے جو کہ سب کے سب او آئی سی کے ممبر ممالک ہیں ﴿۱۴۹﴾۔ پاکستان، شام، ایران، لیبیا، عراق، تیونس، الجیریا، صومالیہ، مالدیپ، برکینا فاسو (Burkina Faso) یوگنڈا، سوڈان، گیمبیا، ازبکستان، گیبان (Gabon) آوری کوسٹ، لبنان، گانا، ترکمانستان اور قازغستان کا تعلق آمرانہ حکومتوں (Authoritarian Regimes) سے ہے ﴿۱۵۰﴾ جہاں رول اور قانون کو ہر حالت میں، زبردستی، منوایا اور Obey کروایا جاتا ہے، چاہے وہ

قانون اور رول (Rules) غلط اور معاشرتی و اخلاقی طور پر ناپسندیدہ ہی کیوں نہ ہوں باقی اکثر ممالک میں کنٹرولڈ جمہوریت (Restricted and Controlled Democracy) ہے۔ ایسے نظامہائے حکومت کا نقصان یہ ہوتا ہے۔ کہ حکمران عیاشیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اپنی سہولتوں اور آسائشوں کیلئے سرکاری خزانے سے کروڑوں روپے خرچ کر دیتے ہیں، اپنے آپ کو بالاتر شخصیت، ناگزیر شخصیت اور ناقابلِ تسخیر حکمران و کرتا دھرتا بنانے کیلئے بے دریغ ملکی سرمایہ خرچ کر دیتے ہیں۔ اعلیٰ آفیسرز من مانی اور رشوت کے ذریعے دونوں ہاتھوں سے ملک اور قوم کو لوٹتے ہیں، عدلیہ انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی اور سیاستدان سیاست کو کاروبار بنالیتے ہیں۔

فروری 2005ء میں پاکستان کے وزیر اعظم نے سعودی عرب کا دورہ کیا اور اپنے ساتھ وزراء اور درجنوں دوسرے لوگوں کو بھی لے گئے۔ بنیادی طور پر دورے کا مقصد عمرہ کی ادائیگی تھا۔ اس عمرے یا دورے پر 2 کروڑ تیس لاکھ روپے خرچ کئے گئے جو سرکاری خزانے سے ادا ہوئے۔ دوسری مرتبہ وزیر اعظم 6 اگست 2005 کو شاہ فہد کی تدفین کی رسومات میں شرکت کیلئے گئے۔ اس ایک روزہ (6 اگست 2005ء کے) دورے پر 70 لاکھ سرکاری خزانے سے خرچ کئے۔ یعنی 2005ء میں صرف سعودیہ کے دو دوروں پر تین کروڑ روپے خرچ کیے گئے ﴿۱۵۱﴾ یہ ہمارے غریب ملک کے حکمرانوں کی شاہ خرچیاں ہیں۔ اس کے برعکس ترقی یافتہ ممالک کے سربراہان حکومت نہایت ہی سادگی سے کمرشل پروازوں پر سفر کرتے ہیں۔ 1995ء میں نیوزی لینڈ میں دولت مشترکہ کی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پاکستان کی نمائندگی اُس وقت کے صدر نے کی تھی۔ وہ اس سفر میں ایک بڑا جہاز لے کر گئے تھے جو واپسی کے سفر میں خراب ہو گیا۔ اس کی جگہ کراچی سے ایک نیا جہاز منگوانا پڑا۔ جبکہ اس کانفرنس کا افتتاح کرنے کیلئے ملکہ برطانیہ صرف چند افسروں کے ہمراہ ایک کمرشل پرواز کے ذریعے نیوزی لینڈ آئیں۔ ملکہ برطانیہ حتی الوسع کمرشل پرواز سے سفر کرتی ہیں۔ برطانیہ کی سابق وزیر اعظم مسز مارگریٹ تھیچر نے اپنے ایک مطبوعہ خط میں انکشاف کیا کہ جب میں وزیر اعظم بن کر اپنی سرکاری رہائش گاہ 10۔ ڈاؤننگ سٹریٹ میں آئی تو میں نے دیکھا کہ اس کے اکثر کمرے اچھی حالت میں نہ تھے۔ میں نے دس سال تک ان کی تزئین و آرائش پر کوئی رقم خرچ نہ کی۔ دس سال کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ان کمروں کی حالت اس قدر دگرگوں ہو چکی ہے کہ یہ سرکاری تقریبات کیلئے موزوں نہیں رہے۔ چنانچہ میں نے ان کی مرمت اور آرائش کیلئے کچھ سرکاری پیسہ وقف کیا۔ برطانیہ وہ ملک ہے جس کا صرف ہیلتھ کا بجٹ پاکستان کے کل بجٹ سے زیادہ ہے۔ اور جس کا GDP، 1795 بلین ڈالر ہے ﴿۱۵۲﴾۔ جو

پاکستان کے (2003ء کے GDP) 69 بلین ڈالر سے 27 گنا بڑا ہے ﴿۱۵۳﴾۔ پاکستان کے ایک وزیراعظم نے امریکہ کے دورے پر 35 کروڑ خرچ کیے تھے۔ اس طرح کی کئی مثالیں ہیں۔ صدام حسین نے پورے عراق میں اپنے پوسٹرز، اپنے پورٹریٹ، اپنی پینٹنگز (Paintings) اور اپنے مجسمے لگا رکھے تھے ﴿۱۵۴﴾۔ جن پر کروڑوں ڈالر خرچ آیا تھا۔ صدام کے 48 محل تھے۔ جن کی شان وشوکت جنت نما تھی۔ اُس کی سرکاری رہائش گاہوں کی تعداد 70 سے 80 تھی جو کہ افسانوی حد تک شاہانہ تھیں۔ صدام کے کپڑے لنڈن کے مشہور ٹیلرز سے سل کر آتے تھے۔ اُس کے وارڈ روم میں 300 انتہائی قیمتی سوٹ اور دو ہزار کے لگ بھگ قیمتی جوتے ہوتے تھے۔ لیکن صدام حسین پچھلے تین برسوں سے (2003ء سے) ایک پندرہ فٹ کے سیل میں بند ہے۔ وہ اس سیل کو اب خود صاف کرتا ہے باتھ روم تک خود صاف کرتا ہے۔ (تلک الایام نداولھا بین الناس) اسی طرح دوسرے عرب ممالک یعنی سعودی عرب، اردن، شام، امارات، بحرین اور قطر وغیرہ ہیں۔ جہاں حکمران اور اُن کے خاندان انتہا درجے کی عیش وعشرت کے دلدادہ ہو چکے ہیں۔

اسلام کا نظام حکومت وسیاست اور اس کی سیاسی تعلیمات

(ا) تصور کائنات:

سیاست کے متعلق اسلام کا نظریہ اس کے اساسی تصور کائنات پر مبنی ہے۔ قرآن پاک کا تصور کائنات حسب ذیل نکات پر مشتمل ہے۔

ا۔ اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا اکیلا خالق اور مالک ہے۔

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ ﴿۱۵۵﴾ اور وہی ہے جس نے زمین وآسمان کو برحق پیدا کیا۔ ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ﴿۱۵۶﴾۔ کہو اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ وہی یکتا ہے، سب کو مغلوب کر کے رہنے والا ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ ﴿۱۵۷﴾۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب چیزیں پیدا کیں جو زمین میں ہیں۔

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ﴿۱۵۸﴾۔ کیا اللہ کے سوا اور خالق ہے جو تم کو آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے۔

﴿وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴾ ﴿۱۵۹﴾۔اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُس کے فرمانبردار ہیں۔

﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ﴾ ﴿۱۶۰﴾۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے۔

﴿یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ﴾ ﴿۱۶۱﴾۔آسمان سے زمین تک دنیا کا انتظام وہی کرتا ہے۔

﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ﴿۱۶۲﴾۔کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کی ہی ہے۔

﴿وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ﴾ ﴿ ۱۶۳ ﴾۔اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

﴿لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ ط وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ ﴿۱۶۴﴾۔دنیا اور آخرت میں ساری تعریفیں اسی کیلئے ہے اور حکم کا اختیار اسی کو ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ ﴿۱۶۵﴾۔فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں ہے سوائے اللہ کے ﴿لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ م بَعْدُ ﴾ ﴿۱۶۶﴾ اللہ ہی کے ہاتھ میں اختیار ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ ﴿۱۶۷﴾۔آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور سارے معاملات اسی کی طرف رجوع کئے جاتے ہیں۔

﴿وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا ﴾ ﴿۱۶۸﴾۔آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے چار و ناچار اسی کے تابع فرمان ہیں۔

☆☆☆☆☆

باب ہشتم

حوالہ جات

۱۔ امریکہ، مسلم دنیا کی بے اطمینانی، ص :۱۵۴

۲۔ بحوالہ ماہ نامہ الدعوۃ، جنوری،۲۰۰۶۔

۳۔ دی گارڈین، ۱۸فروری،۲۰۰۵۔

۴۔ کرسٹینا روکا،امریکی وزیر،۲۲جون۲۰۰۴ کو ایوان نمائندگان کی بین الاقوامی تعلقات کمیٹی کے سامنے بیان جسے خبرونظر جولائی۲۰۰۴ کے پہلے شمارے نے شائع کیا۔

۵۔ البقرہ : ۲۵۶

۶۔ الجاثیۃ : ۱۸

۷۔ الاحزاب : ۲

۸۔ الرعد : ۳۷

۹۔ النحل: ۲۵

۱۰۔ خرم مراد، مغرب اور عالم اسلام، ص : ۹۵

۱۱۔ العلق : ۵۔۱

۱۲۔ البقرۃ: ۱۵۱

۱۳۔ سنن ابن ماجہ،بحوالہ المقدمہ،باب فضل العلماء علی طلب العلم۔

۱۴۔ فاطر: ۲۸۔

۱۵۔ سنن ابن ماجہ،بحوالہ المقدمہ،باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم

۱۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص: ۱۴، القاہرہ۱۳۷۹ھ

۱۷۔ العنکبوت آیت :۲۰ ۔

۱۸۔ البقرۃ : ۶۴

۱۹۔ لقمان : ۲۰

۲۰۔ ڈاکٹر فرخ، اخبار، دی نیوز ، ۲۵ جولائی، ۲۰۰۴ء۔

۲۱۔ مسلم نشأۃ ثانیہ، ص : ۱۶۴۔

۲۲۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۰۵ ۔

۲۳۔ مسلم نشأۃ ، ص : ۱۶۴۔

۲۴۔ ایضاً۔

۲۵۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان، ڈان، ۱۵ اپریل ۱۹۹۸ء۔

۲۶۔ مسلم نشأۃ ثانیہ، ص: ۱۶۴۔

۲۷۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان روزنامہ جنگ، ۱۸ دسمبر ۲۰۰۳ء۔

۲۸۔ ڈاکٹر فرخ، دی نیوز، ۲۵ جولائی ۲۰۰۴ء ۔

۲۹۔ یہ تفصیلات شیخ محمد رفیق کی کتاب تاریخ پاکستان سے لی ہیں۔ (مطبوعہ سٹینڈر بک ہاؤس لاہور)، ص:۱۹۹ تا ۲۰۳۔

۳۰۔ النجم :۳۹

۳۱۔ الرعد : ۲۸

۳۲۔ النساء : ۱۴۵

۳۳۔ سنن ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام

۳۴۔ سورۃ العصر

۳۵۔ آل عمران :۱۴۰۔۱۳۹

۳۶۔ ایضاً ۱۴۴

۳۷۔ الحجرات: ۱۵

۳۸۔ ڈاکٹر یوسف گورایہ، اجتہاد، ص:۱۰

۳۹۔ گب، ماڈرن ٹرینڈ ان اسلام، ص : ۱۱ - ۱۰۔ تونیہ، پولیٹیکل پارٹیز ان ترکی

۴۰۔ مزمل یٰسین، سلطنت عثمانیہ کی انقلابی تحریکیں، ص : ۷۔

۴۱۔ ڈاکٹر یوسف گورایہ، اجتہاد، ص :۱۷۔

۴۲۔ جدید اسلامی ریاست میں قانون سازی اور مسائل، اصلاحی، ۲۳۷۔

۴۳۔ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ، باب کتاب وسنت سے دلیل پکڑنے کا باب، ص : ۲۶۱ (حدیث)۔

۴۴۔ امین احسن اصلاحی، جدید اسلامی ریاست، ص : ۱۰۹۔

۴۵۔ تفصیلات کیلئے جدید اسلامی ریاست، اصلاحی، ص : ۱۱۰۔

۴۶۔ البقرہ، : ۱۹۳۔

۴۷۔ مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔

۴۸۔ سنن ابوداؤ۔

۴۹۔ البقرۃ، : ۲۱۶۔

۵۰۔ الصحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہائم۔

۵۱۔ Hisotory of united states of America by P.S Joshi. Page - 8

۵۲۔ ایضاً (سابقہ حوالہ)۔

۵۳۔ آل عمران، ص : ۱۲۵۔

۵۴۔ البقرۃ : ۲۴۹۔

۵۵۔ الانفال: ۶۵۔۶۶۔

۵۶۔ ڈاکٹر محمد امین، مسلم نشأۃ ثانیہ، ص : ۳۸۵۔

۵۷۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص : ۲۹۹، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۳۔

۵۸۔ الاعراف : ۹۶۔

۵۹۔ النور : ۵۵۔

۶۰۔ النساء، ۱۴۵۔

۶۱۔ سنن ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام۔

۶۲۔ الانفال : ۶۰۔

۶۳۔ نیوز ویک، ڈاؤس ایڈیشن، دسمبر ۲۰۰۱ ، ص : ۵۸۔

۶۴۔ ایضاً ۔

۶۵۔ سورۃ الزمر : ۵۳۔

۶۶۔ النحل : ۱۲۵۔

۶۷۔ ڈاکٹر امین، مسلم نشأۃ ثانیہ، ص : ۳۳۸۔

۶۸۔ الشعراء : ۲۱۴۔

۶۹۔ حدیث۔

۷۰۔ باہمی معاشی عدم تعاون کے حوالے سے بات ہفتم میں بحث ہو چکی ہے۔لہٰذا یہاں انحصار سے کام لیا جائے۔

۷۱۔ ڈاکٹر اختیار بیگ روزنامہ جنگ یکم ستمبر ۲۰۰۴۔

۷۲۔ ڈاکٹر شاہد حسن، روزنامہ جنگ، ۱۵ دسمبر ۲۰۰۶۔

۷۳۔ او آئی سی ۲۵ ستمبر ۱۹۶۹ء کو قائم ہوئی تھی۔

۷۴۔ جنگ سنڈے میگزین، ۱۸ ستمبر ۲۰۰۵۔

۷۵۔ ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی، جنگ ۱۵ دسمبر ۲۰۰۵۔

۷۶۔ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل رپورٹ ۲۰۰۴، ۲۰۰۳۔

۷۷۔ ایضاً رپورٹ ۲۰۰۵۔

۷۸۔ Economist، 19 ستمبر 1998، ص : ۹۵، Fortune اگست ۱۸، ۱۹۹۷ ص : ۳۶۔

۷۹۔ A Decade of American foreign policy 1941 - 1949, Columbia encyclopaedia Vol 6th, year 2001.

۸۰۔ ارشاد احمد حقانی، روزنامہ جنگ لاہور ۷ جولائی ۲۰۰۶۔

۸۱۔ ایضاً۔

۸۲۔ ایضاً۔

۸۳۔ تھیچر کا ایک خط بحوالہ حقانی، جنگ، ۷ جولائی ۲۰۰۶۔

۸۴۔ جاوید چودھری، جنگ، ۱۷ دسمبر ۲۰۰۵۔

۸۵۔ ڈاکٹر مرزا اختیار بیگ، جنگ یکم ستمبر ۲۰۰۴ء۔

۸۶۔ او آئی سی کا تفصیلی ذکر باب ہفتم میں ہو چکا ہے لہٰذا یہاں بحث مختصر ہوگی۔

۸۷۔ سنڈے میگزین، ۱۸ ستمبر ۲۰۰۵۔
۸۸۔ مغرب اور عالم اسلام، خرم مراد، ص ۸۸۔
۸۹۔ جنگ ۳۰ دسمبر ۲۰۰۵۔
۹۰۔ WDR 2005ء، لیکن یہ اعداد و شمار ۲۰۰۲ کے ہیں۔
۹۱۔ اعداد و شمار ۲۰۰۶ء۔
۹۲۔ جنگ ۳۰ دسمبر ۲۰۰۵۔
۹۳۔ مسلم دنیا ۲۰۰۲ء۔
۹۴۔ Ronald Regan ,An american Life, Chapter, 57
۹۵۔ چارلس ولیم مے نز، A necessary war, foreign Policy No.82 spring 1991,P:176
۹۶۔ نیوز ویک، ڈاؤس ایڈیشن، دسمبر ۲۰۰۱ء۔
۹۷۔ نیوز ویک ایضاً، ص ۸۵۔
۹۸۔ ایضاً۔
۹۹۔ یہودیت، یوسف ظفر ص ۲۵۸۔
۱۰۰۔ محمد یحیٰی، یہودی پروٹوکولز، (اردو ترجمہ)، ص:۱۰۸ (The protocols of the learned elders of zion)
۱۰۱۔ یوسف ظفر، یہودیت ص ۲۴۸۔
۱۰۲۔ یہودی پروٹوکولز، ۱۱۰۔
۱۰۳۔ یہودی پروٹوکولز، باب نمبر ۱۔
۱۰۴۔ ایضاً۔
۱۰۵۔ ایضاً۔
۱۰۶۔ یہودی پروٹوکولز، باب نمبر ۲۔
۱۰۷۔ ایضاً۔
۱۰۸۔ یہودی پروٹوکولز، باب نمبر ۴۔
۱۰۹۔ یہودی پروٹوکولز، باب نمبر ۵۔

۱۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۱۔ انیس الرحمان، در پردہ حقائق، ص : ۲۸۰ ، ۲۸۱۔

۱۱۲۔ در پردہ حقائق، ص : ۲۸۳۔

۱۱۳۔ ایضاً۔

۱۱۴۔ مسلم دنیا ۲۰۰۲، ص: ۴۶۷۔

۱۱۵۔ ایضاً ص ۴۸۱۔

۱۱۶۔ Base Structure Report 2003" By U.S. defence Department.

۱۱۷۔ فیض احمد شہابی، مقبوضات اور بیرونی اڈے، ص : ۳۱

۱۱۸۔ ڈاکٹر محمد امین، مسلم نشأۃ ثانیہ، ص : ۲۱۹۔

۱۱۹۔ ایضاً۔

۱۲۰۔ البقرۃ : ۲۵۶۔

۱۲۱۔ The future of war, power and American world Dominance in the 21st centry, new yark, 1996.

۱۲۲۔ ولیم پفاف، If globalazation means westernization, then it means trouble, international Herald Tribune, 2.1.1997 P- 6.

۱۲۳۔ ہن ٹنگٹن کی کتاب، Clash of Civilization P-321.۔

۱۲۴۔ ایضاً ص ۳۲۲۔

۱۲۵۔ تہذیبی تصادم یا بقائے باہمی (ڈاکٹر محمد ممتاز علی)، ص : ۸۵۔

۱۲۶۔ شیریں ہنٹر، The future of Islam and the west, Page-12.

۱۲۷۔ جان ایل اسپوزیٹو، اسلام دی سٹریٹ پاتھ، ص : ۲۰۵۔

۱۲۸۔ ایضاً ص : ۲۰۶۔

۱۲۹۔ شیریں ہنٹر، " The future of Islam and the west " ص: ۱۷۰۔

۱۳۰۔ خورشید احمد، اسلامک اپروچ ٹو ڈویلپمنٹ، ص : ۴۳ ، ۴۴۔

۱۳۱۔ ترقیاتی پالیسی کی اسلامی تشکیل، ص : ۸۸۔

۱۳۲۔ خورشید احمد، اسلامک اپروچ ٹو ڈویلپمنٹ، ص :۴۵ ، ۴۶۔

۱۳۳۔ المائدہ۔

۱۳۴۔ آل عمران : ۱۱۸۔

۱۳۵۔ کہا جاتا ہے یہ حدیث ہے لیکن مجھے حدیث میں یہ الفاظ نہیں مل سکے۔ اگر چہ اس کا مضمون صحیح ہے اور قرآن وحدیث کے نظریے پر مبنی ہے۔

۱۳۶۔ روزنامہ جنگ، ص : ۳ ،۹ ستمبر۲۰۰۶۔

۱۳۷۔ او آئی سی کے حوالے سے تفصیلات اسی باب کے شروع میں گزر چکی ہیں۔

۱۳۸۔ یہ رقم تقریباً ۱۵۰۰ ارب ڈالر ہے۔

۱۳۹۔ ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی، جنگ، ۱۵ دسمبر ۲۰۰۵۔

۱۴۰۔ جنگ، ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵۔

۱۴۱۔ ۲۰۰۶ء میں۔

۱۴۲۔ ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی، جنگ لاہور، ۱۵ دسمبر ۲۰۰۵۔

۱۴۳۔ ڈاکٹر امین، مسلم نشأۃ ثانیہ ص ۱۳۲۔

۱۴۴۔ ایضاً۔

۱۴۵۔ بحوالہ ترجمان القرآن، ماہنامہ، مارچ ۲۰۰۵۔

۱۴۶۔ رپورٹ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل ۲۰۰۵۔

۱۴۷۔ ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی، مذکور۔

۱۴۸۔ مسلم دنیا ۲۰۰۲ء، ص ۱۴۳۔

۱۴۹۔ The News, July 25,2004۔

۱۵۰۔ ایضاً۔

۱۵۱۔ ایضاً، ڈاکٹر فرخ سلیم۔

۱۵۲۔ ارشاد احمد حقانی، جنگ، ۷ جولائی ۲۰۰۶۔

۱۵۳۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۰۵۔

۱۵۴۔ ایضاً۔

۱۵۵۔ جاوید چودھری، زیرو پوائنٹ، جنگ ۱۷ دسمبر ۲۰۰۵۔

۱۵۶۔ الانعام :۷۳۔

۱۵۷۔ الرعد: ۱۶۔

۱۵۸۔ البقرہ : ۲۹۔

۱۵۹۔ فاطر : ۳۔

۱۶۰۔ الروم : ۲۶۔

۱۶۱۔ طٰہٰ : ۸۔

۱۶۲۔ السجدہ : ۵۔

۱۶۳۔ البقرہ : ۱۰۷۔

۱۶۴۔ الفرقان : ۲۔

۱۶۵۔ القصص : ۷۰۔

۱۶۶۔ الانعام : ۵۷۔

۱۶۷۔ الروم : ۴۔

۱۶۸۔ الحدید : ۵۔

نتائج تحقیق

(RESULTS OF THE RESEARCH)

میں ان نتائج پر پہنچا ہوں کہ عالم اسلام کی پسماندگی کی اصل وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ عالم اسلام تعلیمی میدان میں بہت پسماندہ ہے۔

۲۔ تحقیق وترقی (Research and Development) کے میدان میں بہت پیچھے ہے۔

۳۔ سائنس وٹیکنالوجی، ہیوی مشینری اور اسلحہ سازی کے میدان میں مغرب کا محتاج ہے۔

۴۔ ہم مشینری اور اسلحہ خریدتے ہیں لیکن ٹیکنالوجی کے حصول اور سائنسی وٹیکنیکی میدان میں اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

۵۔ مسلم ممالک کا آپس میں اتحاد نہیں ہے اور اسرائیل اور مشرق وسطیٰ جیسے اہم اشوز پر بھی متفقہ لائحہ عمل نہیں۔

۶۔ مشترکہ دفاعی نظام نہیں۔ نیٹو کی طرح کا کوئی معاہدہ نہیں جس سے دفاعی قوت اور طاقت کا اظہار ہو سکے۔

۷۔ یورپین یونین، آسیان (Asean) اور NAFTA کی طرح مسلم ممالک کا کوئی تجارتی محاذ یا مشترکہ تجارتی و مالی معاہدہ نہیں جس کی وجہ سے آپس میں تجارت کو فروغ مل سکے۔ اس وقت مسلم ممالک کے درمیان آپس کی تجارت 13% ہے اور دوسرے ممالک کے ساتھ 80% سے زائد۔ مسلم ممالک کی آپس کی تجارت 80% ہونی چاہیے۔

۸۔ او۔آئی۔سی ایک مفلوج ادارہ ہے۔ سربراہی اجلاس بھی ہوتے ہیں۔ وزراء خارجہ بھی اکٹھے بیٹھے ہیں۔ مختلف معاملات زیر بحث آتے ہیں۔ مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ بس اجلاس ہوتے ہیں اور اجلاس برخواست ہوتے ہیں۔ او۔آئی۔سی کو عالم اسلام کا طاقتور اور سپریم ادارہ ہونا چاہیے۔

۹۔ آپس میں بھائی چارے اور تعاون کا فقدان ہے۔ حتیٰ کہ عرب لیگ کا آپس میں اتفاق وتعاون نہیں جس میں ایک ہی نسل اور ایک ہی زبان بولنے والے 22 ممالک شامل ہیں۔

۱۰۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں کی تعداد نہایت ہی کم ہے۔ موجودہ اداروں میں اعلیٰ معیار کے تعلیمی نصاب اور نظام کا فقدان ہے۔

۱۱۔ مسلم ممالک میں انڈسٹری نہ ہونے کے برابر ہے۔ جو انڈسٹری موجود ہے وہ بین الاقوامی معیار کی نہیں۔ نتیجتاً پیداوار غیر معیاری ہے اور بین الاقوامی سطح پر زرمبادلہ کمانے کے قابل نہیں۔ زرعی پیداوار میں بھی تحقیق وریسرچ کا فقدان ہے۔ پیداوار کم ہے اور بہت سارے مسلم ممالک، زرعی ہونے کے باوجود، زرعی پیداوار میں دوسرے ممالک کے محتاج ہیں اور

کھانے پینے والی اشیاء پر بھی اربوں ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ان میں پاکستان بھی شامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کا GDP عالمی GDP کا صرف 5% یعنی 2300/45000 ہے۔

۱۲۔ ہم نے خدا اور خدا کے رسول کے بتائے ہوئے اصولوں کو چھوڑ دیا ہے۔اسلامی تعلیمات سے منہ موڑ کر ہم در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔مذکورہ مسائل اور خامیوں کو دور کئے بغیر ہم معاشی پسماندگی کو دور نہیں کر سکیں گے۔لہٰذا عالم اسلام کو عام طور پر اور ذمہ دار ممالک اور مسلم دانشور طبقے (Intelligentsia) کو خاص طور پر ان مسائل کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور ان کے حل کیلئے سنجیدگی سے کوشش کرنی چاہیے۔اس کیلئے مسلم ممالک کو انفرادی طور پر بھی کوشش کرنی چاہیے اور اجتماعی طور پر بھی بھرپور کوشش ہونی چاہیے جس کیلئے OIC کا پلیٹ فارم بہت مناسب ہے۔لیکن OIC کو ایک مضبوط اور ذمہ دار ادارہ بنانا چاہیے جس کیلئے تمام ممالک اپنے GDP کا کم از کم 1% ضرور وقف کریں اور اُس کے فیصلوں کے پابند ہوں۔ اس کیلئے ملکی سطح پر بھی اور عالم اسلام کے پلیٹ فارم (OIC) پر بھی، دانشوروں کو ڈھونڈ کر اکٹھا کیا جائے جو مختلف شعبوں میں اعلیٰ قسم کے تجربہ کار ہوں۔اور پھر تھنک ٹینک قسم کے باقاعدہ ادارے قائم کیے جائیں جن کا کام ہی دن رات غور فکر کرنا اور منصوبہ بندی کرنا ہو۔پھر ان منصوبہ کو مشترکہ طور پر عملی شکل دینی چاہیے اور مسلم ممالک کو قانونی طور پر اس کے ہر فیصلے کا پابند بنانا چاہیے۔

سفارشات

(SUGGESTIONS)

۱۔ مسلم ممالک میں یونیورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیمی و تحقیقی اداروں کا جال بچھایا جائے۔

۲۔ موجودہ تعلیمی اداروں کو ترقی دی جائے اور اُن میں موجود غیر معیاری تعلیمی نظام اور غیر تعمیری اور بوسیدہ نصاب کو یکسر ختم کر کے بین الاقوامی معیار کے مطابق بنایا جائے۔

۳۔ اس مقصد کیلئے یورپ اور امریکہ میں موجود ہزاروں پاکستانی ڈاکٹرز، انجینئرز، سکالرز، سائنسدان اعلیٰ پائے کے تعلیم یافتہ پروفیسروں اور پی ایچ ڈی حضرات کی خدمات حاصل کی جائیں اور انہیں بین الاقوامی سطح کا معاوضہ اور سہولتیں دی جائیں جس طرح 1980ء کی دھائی میں سنگاپور اور ملائشیا کی حکومتوں نے کیا تھا۔

۴۔ مسلم ممالک مل کر متفقہ طور پر 10 سالہ تعلیمی منصوبہ بندی کریں جس کیلئے ہر مسلم ملک اپنے GDP کا کم از کم 15% مخصوص کرے۔ یہ وقتی تکلیف ہوگی لیکن 5 سال کے اندر اس کا کئی گناہ فائدہ نظر آنے لگ جائے گا۔

۵۔ مسلم ممالک مغربی بنکوں سے اپنے سینکڑوں ارب ڈالر نکالیں اور انہیں مسلم ممالک میں تعلیم و تحقیق اور صنعتی و تجارتی مقاصد کیلئے سرمایہ کاری کریں۔ مسلم ممالک اپنے حکمرانوں اور سیاستدانوں، بیوروکریٹوں اور اعلیٰ افسروں کی لوٹی ہوئی دولت کو مغربی بنکوں سے واپس لینے کی منصوبہ بندی کریں اور اسے تعمیری اور ترقی کے شعبوں میں Invest کریں۔

او آئی سی کو ایک مضبوط اور با اختیار ادارہ بنایا جائے اور مسلم ممالک کو اس کے فیصلوں کا پابند بنایا جائے۔ مہاتیر محمد اور نجم الدین اربکان وغیرہ کو اس میں اہم حیثیت دی جائے۔

۷۔ او آئی سی تنظیم کا از سر نو ڈھانچہ تشکیل دیا جائے اور اس تنظیم کو مغربی ممالک اور اُن کی ایجنسیوں کے اثرات سے پاک کیا جائے۔ اس کے پلیٹ فارم پر مشترکہ دفاع، مشترکہ کرنسی، مشترکہ تجارت، مشترکہ سائنسی، تحقیقی اور اعلیٰ تعلیمی ادارے، مشترکہ نیوز ایجنسی اور مشترکہ ٹی وی چینل وغیرہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۸۔ مغرب اور امریکہ کی طرح حالات کا جائزہ لینے کیلئے تھنک ٹینک (Think Tank) کا وجود ہونا چاہیے۔ عالم اسلام میں اس قسم کی منظم سوچ اور مستقل ادارے مفقود ہیں۔ اس کیلئے مسلم تھنک ٹینک (Muslim Think Tank) کے نام سے بین الاقوامی معیار کا ادارہ قائم ہونا چاہیے جو مسلم امہ کی معاشی، تعلیمی، سیاسی، اخلاقی اور روحانی پسماندگی کا

جائزہ لے۔ اس کی نشاۃ ثانیہ اور ترقی کے طریقوں کا جائزہ لے اور مسلم امہ کی رہنمائی کرتے ہوئے اس کے عروج اور غلبے کیلئے لائحہ عمل پیش کرے۔

۹۔ امریکہ (USA) دنیا کی سب سے بڑی اور کامیاب کنفیڈریشن ہے۔ یورپین یونین (European Union) 25 ممالک پر مشتمل تجارتی اتحاد ہے۔ نیٹو ایک مضبوط دفاعی کنفیڈریشن (Defence Confederation) ہے۔ امریکی ممالک کی NAFTA کے نام سے مشترکہ منڈی ہے، مشرق بعید کے ممالک کی ASEAN اور حتی کہ افریقی ممالک نے COMESA کے نام سے ایک مشترکہ منڈی بنائی ہوئی ہے۔
اس طرح کی مشترکہ منڈی اور دفاعی کنفیڈریشن عالم اسلام کی بھی ہونی چاہیے۔

۱۰۔ مغرب اور امریکہ سے تصادم کی بجائے مفاہمت کا راستہ اختیار کیا جائے۔ موجودہ جہادی سرگرمیوں کا مشترکہ طور پر از سر نو جائزہ لیا جائے۔ اپنے آپ کو تعلیمی، تحقیقی، صنعتی اور دفاعی طور پر مضبوط کیا جائے۔ تاکہ تصادم کے ذریعے اپنی صلاحیتوں کو تباہ نہ کیا جائے جب عالم اسلام ان میدانوں میں مضبوط ہو جائے گا تو کسی دشمن کی جرأت نہیں ہوگی کہ میلی آنکھ سے دیکھے
۔

۱۱۔ دوسرے ممالک سے اسلحہ اور مشینری درآمد کرنے کی بجائے ٹیکنالوجی حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

۱۲۔ ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت ترقی یافتہ ممالک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اپنے ذہین طلبہ کو داخلہ دلوایا جائے اور سائنس ٹیکنالوجی اور ایٹمی میدان میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد اُن کی واپسی کو یقینی بنایا جائے اور انہیں بھاری تنخواہیں اور سہولتیں دی جائیں۔

۱۳۔ ہر اسلامی ملک میں بین الاقوامی معیار کی کم از کم پانچ یونیورسٹیاں قائم کی جائیں۔ جہاں ہر ملک کے ذہین ترین طلبہ کو میرٹ پر داخلہ دیا جائے اور بین الاقوامی معیار کی سہولتیں دی جائیں۔ اُن کے ہر قسم کے اخراجات حکومت برداشت کرے۔ جدید لیب ہو۔ اُن میں بین الاقوامی سطح کے اساتذہ ہوں۔ ان یونیورسٹیوں کے اخراجات کیلئے امیر عرب ممالک خصوصی تعاون کریں۔

۱۴۔ مسلم ممالک اپنی صنعتی اور عام اشیاء کی پیداوار (Products and Commodities) کا معیار انٹرنیشنل لیول کا بنائیں۔ جو اشیاء مسلم ممالک میں تیار ہوں وہ غیر مسلم ممالک سے نہ خریدی جائیں اور آپس کی تجارت کو 13% سے بڑھا کر 80% کریں۔

۱۵۔ مسلمان ممالک اپنی ٹیکنالوجی، تعلیم، ہنر (Skill) اور تجربات دوسرے مسلم ممالک کو منتقل کریں۔ایک دوسرے کی ہر میدان (Field) میں مدد کریں۔ترقی یافتہ ممالک سے کسی نہ کسی طریقے سے ٹیکنالوجی منتقل کی جائے اور اسلحہ اور دوسری پیداوار خریدنے کی بجائے ہر چیز اپنے ملکوں میں پیدا کرنے کی استطاعت پیدا کی جائے۔

۱۶۔ چین، ہانگ کانگ، سنگاپور، جنوبی کوریا اور تائیوان جیسے تیزی سے ترقی کرنے والے ممالک سے سبق سیکھا جائے، اُن کے سیاسی، معاشی، تجارتی اور پیداواری صلاحیتوں اور کاروباری رویوں کا مطالعہ کیا جائے اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کیا جائے۔

۱۷۔ OIC کو مسلم اقوام متحدہ اور سپریم کونسل کا درجہ دیا جائے۔سارے مسلم ممالک کو اس کے فیصلوں کا پابند کیا جائے۔تمام مسلم ممالک اپنی GDP کا 1% او آئی سی کو بطور لازمی فنڈ دے۔

اس کے مختلف شعبے قائم کیے جائیں۔ جو سیاسی، معاشی، سائنسی، تعلیمی و تحقیقی، باہمی تعاون، بین الاقوامی تعلقات، باہمی اور بین الاقوامی تجارت کے فروغ اور اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا جائزہ لیں۔اس کے لئے عالم اسلام کے مخلص اور اپنے اپنے فیلڈ میں اعلیٰ پائے کے تجربہ کار جرنلوں، دانشوروں، قانون دانوں، معیشت دانوں اور سائنسدانوں کی خدمات حاصل کیں جائیں۔مثلاً ڈاکٹر عبدالقدیر خان، ڈاکٹر ثمر مبارک مند، جنرل جہانگیر کرامت، جنرل حمید گل، جرل کے ایم عارف، ایران کے سابق صدر خاتمی، ملائشیا کے سابق وزیر اعظم مہاتیر محمد، بنگلہ دیش کے ماہر معیشت محمد یونس بوسنیا کے سابق صدر علی جا عزت بیگووچ اور ترکی کے سابق وزیر اعظم پروفیسر نجم الدین اربکان اور اس طرح کے بہت سے اہلِ دانش کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

☆......☆......☆

الفهارس

فهرست آیات قرآنیہ

⊙ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص وَّاتَّقُوااللّٰهَ الَّذِیٓ اَنْتُمْ بِهٖ	المائدہ: ۸۸	۷
⊙ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ز وَّ لَاتَتَّبِعُوْا	البقرہ: ۱۶۸	۷
⊙ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ	الاعراف: ۳۱	۸
⊙ وَرَهْبَانِیَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ	الحدید: ۲۷	۸
⊙ یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُواالرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص	آل عمران: ۱۳۰	۸
⊙ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَی الْحُكَّامِ	البقرہ: ۱۸۸	۸
⊙ وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ج ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا	آل عمران ۱۶۱	۹
⊙ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا	المائدہ: ۳۸	۹
⊙ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ	النساء: ۱۰	۹
⊙ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ	المطففین: ۱ تا ۳	۹
⊙ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَی الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ	النور: ۳۳	۹
⊙ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ	المائدہ:۹۰	۹
⊙ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا	البقرہ: ۲۷۵	۹
⊙ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	التوبہ: ۳۴	۹
⊙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةً م بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ	الحشر: ۷	۱۰
⊙ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَاوَالْمُؤَلَّفَةِ	التوبہ: ۶۰	۱۰
⊙ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُواالزَّكٰوةَ	البقرہ:۲/۴۳	۱۰
⊙ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ	المنافقون: ۱۰	۱۰
⊙ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ......	البقرہ: ۱۹۵	۱۰

آیت	حوالہ	صفحہ
⊙ وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۨ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحۡسَبُ	الھمزہ: ۱ تا ۳	۱۰
⊙ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ	الحجرات: ۴۹/۱۳	۱۰
⊙ اَلۡهٰٮكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ	التکاثر: ۱ تا ۴	۱۰
⊙ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ ۭ بَطِرَتۡ مَعِيۡشَتَهَا	القصص: ۵۸	۱۱
⊙ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَا ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ	سبا: ۳۴ تا ۳۵	۱۱
⊙ وَلَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ	الانعام: ۱۴۱	۱۱
⊙ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا ۙ اِنَّ الۡمُبَذِّرِيۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّيٰطِيۡنِ ؕ وَكَانَ	الاسراء: ۲۶ـ۲۷	۱۱
⊙ وَّكُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ	الاعراف: ۳۱	۱۱
⊙ وَابۡتَغِ فِيۡمَاۤ اٰتٰٮكَ اللّٰهُ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ وَلَا تَنۡسَ نَصِيۡبَكَ مِنَ الدُّنۡيَا	القصص: ۷۷	۱۱
⊙ وَيَسۡـئَلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ	البقرہ: ۲۱۹	۱۲
⊙ لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ	البقرہ: ۱۷۷	۱۲
⊙ وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى	النساء: ۳۶ تا ۳۸	۱۲
⊙ وَيُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسۡكِيۡنًا وَّ يَتِيۡمًا وَّاَسِيۡرًا......	الدھر: ۸ تا ۹	۱۲
⊙ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰهِ	الحج: ۷۸	۱۲
⊙ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ	البقرہ: ۳	۱۲
⊙ وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ	الانبیاء: ۷۳	۱۳
⊙ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيۡمُوا	البینۃ: ۵	۱۳
⊙ وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِسۡمٰعِيۡلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَكَانَ	مریم: ۵۴تا۵۵	۱۳

◉ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ	آل عمران : ۱۵۹	۶۳۶
◉ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ	الاعراف : ۸۵	۶۳۷
◉ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا	الاعراف : ۵۶	۶۳۷
◉ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ	المائدہ:۳۳	۶۳۷
◉ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ	اسرائیل:۳۴	۶۳۸
◉ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ	التوبہ:۴۱	۶۳۸
◉ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا	الانفال:۴۲	۶۳۸
◉ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًام بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ م بَعْدَ ثُبُوْتِهَا	النحل: ۹۴	۶۳۸
◉ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ	المائدہ : ۲	۶۳۸
◉ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ	الانفال : ۶۱	۶۳۸
◉ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ	الرحمٰن : ۶۰	۶۳۹
◉ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا لا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ	النساء : ۵۸	۶۴۰
◉ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ	القصص : ۸۳	۶۴۱
◉ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ	المائدہ : ۰۳	

......☆......☆......☆......

فهرست احادیث

ہجرت سے قبل حضور ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ دارالجرہ ایک پر باغ و بہار مقام ہے۔خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا	۷۳
وکان من سیاته النبی ﷺ ان لا یو خر تقسیم الا موال او انفاقها لوجها............	۷۸
بخاری کی حدیث ہے: وفی الرکاز الخمس رسول اللہ سے کسی نے پوچھا: ماالرکاز یارسول اللہ ﷺ ؟ فقال الذھب والفضة الذی خلق اللہ فی الارض یوم خلقت	۸۲
آپ ﷺ نے فرمایا جس زمین کی آب پاشی بارش، چشموں یا ندیوں سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جس کسی کی پانی کو کھینچ کر (یعنی کنویں وغیرہ کے ذریعے) آبپاشی کی گئی ہو اس کا بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔	۸۴
طلب العلم فریضة علی کل مسلم	۹۹
حضور علیہ السلام نے فرمایا: لوگوں میں درجہ نبوت کے قریب تر اہل علم اور اہل جہاد ہیں	۹۷
حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: بعثت معلماً میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔	۱۰۰
فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم	۱۰۰
کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین باقی رہتے ہیں۔ ۱۔ صدقہ جاریہ ۲۔ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں ۳۔ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے	۱۰۰
من سُئِل عن علم فکتمه الجمه اللّٰه یوم القیامة بلجام من النار	۱۰۰
العلم خزائن و مفتاحها السوال فاسئلوا یرحمکم اللّٰه	۱۰۱
انا مدینة العلم وعلی بابها	۱۲۲
من کتم سرّہ بَلَغَ مرادہ	۲۱۳
جب ایک صحابی حضرت حاطبؓ نے حضور علیہ السلام کی مکہ پر حملے کی تیاری کا حال لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ مکہ بھیج دیا کہ سرداران قریش کو قبل از وقت حال معلوم ہو سکے۔آپؐ کو پتہ چلا تو آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیر کو حکم دیا کہ عورت کا پیچھا کرو اور وہ فلاں جگہ پر تمہیں ملے گی اُس سے خط لے آؤ	۲۱۴
آپ نے اپنے ایک قرابت دار کی قیادت میں 12 آدمیوں پر مشتمل جاسوسی کا ایک قافلہ ترتیب دیا جس کو حکم دیا گیا "نخلہ تک چلے جاؤ وہاں پہنچ کر مخفی طور پر اُن (قریش) کے حالات معلوم کرو اور ہمارے پاس اُن کی خبر لاؤ" اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اپنا آپ ظاہر نہ کرنا	۲۱۴

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

الف) فہرست اردو کتب

نام مصنف	نام کتاب	مطبوعہ
ابوداؤد	سنن ابی داؤد	اسلامی اکاڈمی
ابن کثیر، علامہ ابوالفد اعماد الدین	تفسیر ابن کثیر	نفیس اکیڈیمی کراچی
ابن کثیر،	البدایہ والنہایہ	نفس اکیڈیمی کراچی
ابن ابی الحدید	شرح نہج البلاغہ	دارالکتب العربیہ، مصر 1329ھ
ابن ماجہ	سنن ابن ماجہ	اہل حدیث اکادمی لاہور
ابن ہشام	سیرت ابن ہشام (ترجمہ محمد علی)	کارخانہ اسلامی کتب کراچی
ابن رشید	علامہ کتاب العمدہ	
ابویوسف	کتاب الخراج	
ابوالحسن بن حسین، بن علی، المسعودی	تاریخ المسعودی	نفیس اکیڈمی کراچی
ابوعبید القاسم بن سلام	کتاب الاموال (ترجمہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی)	
ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن	تاریخ ابن خلدون	نفیس اکیڈمی، کراچی
ابن ابی اصیبعہ	عیون الانباء فی طبقات الاطباء (ترجمہ حکیم عبدالمجید اصلاحی)	الفیصل ناشران وتاجران لاہور
ابن سینا	القانون، ترجمہ خواجہ رضوان احمد	دارالتالیفات کراچی
ابن کثیر، علامہ ابوالفد اعماد الدین	البدایہ والنہایہ	نفیس اکیڈمی کراچی
ابوالحسن علی ندوی	تاریخ دعوت وعزیمت	مجلس نشریات کراچی
ابن سعد، علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد	طبقات (اردو ترجمہ)	نفیس اکیڈمی کراچی
ابوسعید بزمی	تاریخ انقلاب	
ابن سعد	الطبقات الکبریٰ	القاہرہ، 1379ھ

ابن جوزی	سیرۃ العمرین	
ابن عبدربہ	العقد الفرید	قاہرہ
ابن ابی عصیبیہ	عیون الانباء فی طبقات الاطباء	
ابن جریر الطبری، علامہ	تاریخ طبری (اردو)	نفیس اکیڈمی کراچی
ابن عبدربہ	العقد الفرید	قاہرہ, 1302ھ
ابوعبید القاسم بن سلام	کتاب الاموال (اردو ترجمہ)	
الثعالبی	لطائف المعارف	بیروت
الطبری	فردوس الحکمت (ترجمہ حکیم رشید اشرف ندوی)	شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور
البیرونی	تحقیق معالی الہند	بیروت
امام نووی	تہذیب الاسماء	
امام غزالی	احیاء علوم الدین	
اصبہانی، ابوالفرج	کتاب الاغانی	قاہرہ، مصر
انیس الرحمان	در پردہ حقائق	آفتاب پبلیکیشنز لاہور
ایضاً	اسلام اور صیہونی نیٹ ورک	
اکبر آبادی، سعید احمد، مولانا	مسلمانوں کا عروج وزوال	ادارہ اسلامیات لاہور، 1983
ابن عبدربہ	العقد الفرید	قاہرہ، 1302ھ
ازھرمنیر	بین الاقوامی واقعات	
البیرونی	تحقیق معالی الہند	مطبوعہ مصر
برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر	یورپ پر اسلام کے احسان	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
برناڈلیوس	ایمرجنسی آف ماڈرن ترکی	
بلاذری	فتوح البلدان	
بھگریت لال داس	WTO کیا ہے؟	دارالشعور لاہور 2004
پال ٹوڈ، جوناتھن	گلوبل انٹیلی جنس اردو	صبیح پبلیکیشنز لاہور, 2005

مصنف	کتاب	ناشر
پیٹر ہارکلیروڈ	سی آئی کی خفیہ جنگیں	نگارشات لاہور, 2005
دیناوری، ابوحنیفہ،	اخبار الطوال	
ترمزی، سید احمد ارشاد (بریگیڈیئر) اردو ترجمہ	حساس ادارے	فکشن ہاؤس لاہور 2004
تونیہ	پولیٹیکل پارٹیز ان ترکی	
تقی عثمانی، مفتی	اسلام اور جدید معیشت و تجارت	مکتبہ معارف القرآن کراچی، 2003
تجمل حسین ہاشمی	ہمارا معاشرہ	ابلاغ پبلشرز لاہور، 2001
تنزیل الرحمٰن الصدیقی الحسینی	اسلام اور عصر جدید	مکتبہ نور حرم کراچی
تقی امینی، مولانا	اسلام اور جدید دور کے مسائل	قدیمی کتب خانہ کراچی، 1988
ٹیری جونز۔ الین اریرا	صلیبی جنگیں۔ (اردو ترجمہ، قریشی)	تخلیقات لاہور، 2004
جاحظ	البیان والتبیین	مطبوعہ مصر
جاحظ	کتاب الحیوان	مطبوعہ مصر
چومسکی، نوم	بدمعاش ریاستیں، (Rogue States)	یو پبلشرز لاہور، 2003
ایضاً	عراق، امریکا اور عالم اسلام (اردو ترجمہ)	یو پبلشرز لاہور، 2003
حمید الدین، ڈاکٹر	تاریخ اسلام	فیروز سنز لاہور، 1978
حمید اللہ، ڈاکٹر	اسلامی ریاست	الفیصل ناشران و تاجران لاہور 2005
حنیف اسلم	نظریہ معاشیات	پولیمر پبلیکیشنز لاہور، 1993
حامدی، خلیل احمد	بوسنیا	ادارہ معارف اسلامی لاہور
خورشید احمد، پروفیسر	اسلامی نظریہ حیات	کراچی یونیورسٹی
خورشید احمد، پروفیسر	امریکہ: مسلم دنیا کی بے اطمینانی	منشورات لاہور، 2003
خورشید احمد، پروفیسر	ترقیاتی پالیسی کی اسلامی تشکیل	انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، 1996
خرم مراد	مغرب اور عالم اسلام	منشورات لاہور, 2006
خالد منہاس	امریکہ، اسرائیل اور اسلام	آفتاب لاہور
ڈیوڈ وائس، تھامس بی راس	سی آئی اے کی سیاہ کاریاں	فکشن ہاؤس لاہور، 2005

مصنف	کتاب	ناشر
ڈوزی(Dozy)	اسپین میں مسلمانوں کی تاریخ (اردو ترجمہ)	
ذھبی، علامہ	تذکرۃ الحفاظ	بیروت
ایضاً	میزان الاعتدال	بیروت
رونلڈ پائن	موساد (اردو ترجمہ)	لاہور
رفیق انجم	امریکہ پر حملہ	دارالشعور لاہور، 2001
رشید اختر ندوی	مسلمان حکمران	
زاہد حسین انجم	عالم اسلام کے مسائل و وسائل	ایورنیو بک پیلس لاہور
سلمان منصور پوری	رحمۃ اللعالمین	الفیصل ناشران و تاجران لاہور 1991
سوہاروی	اسلام کا اقتصادی نظام	
سٹاک ہوم انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی رپورٹ 2003		
شبلی نعمانی	سیرت النبی	شیخ مبارک علی لاہور
ایضاً	الفاروق	مکتبہ رحمانیہ لاہور
شاطبی، امام	الموافقات	
شاہزام اکبرزادہ، اکبر سعید	اسلامی ریاست جواز کی تلاش میں	مشعل بکس لاہور، 2006
شاہ ولی اللہ	حجۃ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ مولوی خلیل احمد)	کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور
سید عظیم	ملٹی نیشنل کمپنیاں	دارالشعور لاہور، 2004
عبدالرحمٰن ابن جوزی	الوفا با احوال المصطفٰی	فرید بکسٹال لاہور
غزالی، حجۃ السلام	احیاء العلوم	مکتبہ رحمانیہ لاہور
	تاریخ فلاسفۃ السلام	نفیس اکیڈمی کراچی
قفطی	تاریخ الحکماء (اردو ترجمہ)	
علوی، سید الرحمٰن مولانا	اسلامی حکومت کا فلاحی تصور	مکتبہ جمال لاہور، 2003
سیف اللہ خالد	میں نے کابل جلتے دیکھا	رابعہ بک ہاؤس لاہور
ایضاً	اب امریکہ کی باری ہے	علم و عرفان لاہور

ایس ایم شاہد	اسلام اور جدید معاشی تصورات اور تحریکیں	نیو بک پیلس لاہور
سید اُمّ فاروق	اسلام اور عائلی ثقافت	نیو ایج پبلیشرز لاہور، 1989
سعید ابن احمد القاضی الاندلسی	طبقات الامم	بیروت 1912
مبارکپوری، صفی الرحمان	الرحیق المختوم	مکتبہ سلفیہ لاہور، 1988
صبحی محمصانی	فلسفہ شریعت	
محمد صغیر قمر	سفر بلاد غرب کے	منشورات لاہور، 2004
طبری، علامہ	تاریخ طبری	
طفیل ڈھانہ، پروفیسر	مسلم دنیا اور سامراجی یلغار	دار الشعور لاہور، 2004
ساغر، طارق اسماعیل	خفیہ ایجنسیوں کی دہشت گردی	طاہر سنز لاہور
ندوی عبدالحلیم	عربی ادب کی تاریخ	مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، 1988
صدیقی، عبدالحمید	انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، 1976
عباسی مدنی، ڈاکٹر (صدر، FIS، الجزائر)	اسلامی نظام کی ضرورت (ترجمہ حامدی)	معارف اسلامی لاہور، 1999
عبیداللہ فہد فلاحی، ڈاکٹر	جدید ترکی میں اسلامی بیداری	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، 1999
علی جاعزت بیگووچ	تہذیبی کشمکش (ترجمہ ایوب منیر)	ادارہ معارف اسلامی لاہور، 2004
عبدالسلام، ڈاکٹر	پاکستان: سائنس تعلیم اور معیشت	تخلیقات لاہور، 2003
علی جاوید نقوی	پاکستان میں امریکی سازشیں	صبیح پبلشر لاہور، 2002
	عیون الاخبار	قاہرہ، 1930
عبدالصبور	عثمانی ترکوں کی مختصر تاریخ	
عالم فقری	مضامین قرآن مجید	شبیر برادرز لاہور
فریڈرک شلوسہ	التاریخ العالم	
فیض احمد شہابی	مسلم دنیا 1997 تا 2002ء	ادارہ معرف اسلامی لاہور، 2004
	فتوح البلدان	نفیس اکیڈمی کراچی
ایضاً	مقبوضات اور بیرونی اڈے	ایضاً

ایضاً	استحصال اور جارحیت	ایضاً
ایضاً	عالمی تنظیمیں	ایضاً
فہمی النجار	اسلام اور ذرائع ابلاغ	ادارہ معارف اسلامی لاہور، 1997
محمد انور بن اختر	دنیا عیسائیت کی زد میں	مکتبہ ارسلان کراچی 2003
محمد ارسلان بن اختر، مولانا	یہود و نصاریٰ کی اسلام کے خلاف سازشیں	مکتبہ ارسلان کراچی 2004
محمد امین، ڈاکٹر	مسلم نشأۃ ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل	کتاب سرائے لاہور 2004
مرزا محمد الیاس	بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش	حرا پبلیکیشنز لاہور 1994
محمد شیخ قیوم	امریکہ میں دہشت گردی اور افغانستان	لاہور،
مودودی	اسلامی ریاست	اسلامک پبلیکیشنز لاہور
حسین احمد، قاضی	پاکستان حال و مستقبل	منشورات لاہور، 2002
فضل الرحمٰن، ڈاکٹر	اسلام اور جدیت	مشعل لاہور، 1998
شیخ محمد قیوم	امریکا میں دہشت گردی اور افغانستان	جی ایف ایچ پبلشرز لاہور، 2001
قدامہ	خراج	
کیلس اگرام	تاریخ معاشیات	جامعہ عثمانیہ دکن (ترمیم شدہ)
گب	ماڈرن ٹرینڈ ان اسلام	
ندوی، معین الدین	تاریخ اسلام	دارالاشاعت کراچی، 1986۔
محمد ممتاز، ڈاکٹر	تہذیبی تصادم یا بقائے باہمی	منشورات لاہور، 2006
محمد شفیع، مفتی	مسئلہ سود	
مودودی، مولانا	سود	اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 2005
ایضاً	یہودیت اور نصرانیت	ایضاً
ایضاً	امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل	ادارہ معارف اسلامی لاہور، 1998
ایضاً	اسلام اور جدید معاشی نظریات	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، 1998
ایضاً	خلافت و ملوکیت	ادارہ ترجمان القرآن لاہور

مصنف	کتاب	ناشر
محمد رفیق، شیخ	تاریخ پاکستان	اسٹینڈرڈ بک ہاؤس لاہور
مزمل یٰسین	سلطنت عثمانیہ کی انقلابی تحریکیں	
موسیٰ خان جلال زئی	مغرب اور عالم اسلام کے مسائل	دعا پبلی کیشنز لاہور، 2002
مہاتیر محمد	ایشیا کا مقدمہ (اردو)	جمہوری پبلی کیشنز لاہور، 2005
مارماڈیوک ولیم پکتھال	اسلامی ثقافت اور دور جدید	منشورات لاہور، 2003
معین الدین خٹک	اسلام اور عصر حاضر کا چیلنج	معارف اسلامی لاہور، 2001
معاذ حسن	سی ٹی بی ٹی اور اسلام بم	دار الشعور لاہور، 2001
محمود احمد غازی	حرمت ربا اور غیر سعودی مالیاتی نظام	انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹیڈیز اسلام آباد 1996
نور الحق صدیقی	بین الاقوامی خفیہ ایجنسیوں کی خفیہ جنگیں	طاہر سنز لاہور
نظام الدین نظیف	سلطان عبد الحمید اور اعلان آزادی	
وسیم شیخ	ان سائیڈ القاعدہ	فیکٹ پبلیکیشنز لاہور
ول ڈیورنٹ	اسلامی تہذیب کی داستان	نگارشات لاہور
ولیم بیلم	بدمعاش امریکہ، مترجم ناصر علی	صبح پبلشرز لاہور، 2003
نور الحسن فدا	مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی پابندی	میر پور آزاد کشمیر
عالمی بنک	ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ 2003,05,07	ورلڈ بنک
ھنٹنگٹن	تہذیبوں کا تصادم	
گواریہ، یوسف، ڈاکٹر	اجتہاد	جمہوری پبلیکیشنز لاہور، 2004
یوسف ظفر	یہودیت	جنگ پبلیکیشنز لاہور
محمد یحییٰ (مترجم اردو)	یہودی پروٹوکولز	المطبعۃ العربیۃ لاہور، 2006
یعقوبی	تاریخ الیعقوبی (اردو ترجمہ)	نفیس اکیڈمی کراچی
یاقوت	معجم الادباء	
یہودیوں کا جدید ترین ترجمہ کتب مقدمہ	(The Holy Scriptures)	جیوئش پبلیکیشنز سوسائٹی، امریکہ 1954

ب) فہرست انگلش کتب

	Aurthor's Name	Book's Name	Publisher
1.	Arif Muhammad	Moetary and Fiscal Economics of Islam	(Jadd, Icrie,1982)
2.	Ahmed Zia-ul-Din	Fiscal Policy and resource allocation in Islam	(IPS Islambad, 1983)
3.	As Tritten	The caliphs and their non Muslim Subjects	Oxford, 1930
4.	llen Nevins	A Pocket History of the United States	WSP Publications, USA, 1992
5.	Ameer Ali	The Spirit of Islam.	
6.	Arnold J.Toynbee	The World and the West.	
7.	Arnold J.Toynbee	The World and the West.	
8.	Arnold J.Toynbee	A Study of History.	
9.	Ameer Shakir	Our, Decline and its Causes	Lahore 1982
10.	Bury	A History of the Later Roman Empire	London 1999
11.	Carrel	Man the Unknown.	
12.	Common Wealth Universities	Year Book 2000	
13.	David I Dallin	Forced Labour in Russia	
14.	Dr. Bezzly	Russian under soviet rule.	
15.	D.D Lucken Bill	Ancient Records of Assyria and Baby lonia	Chicago, 1927
16.	Edward G. Brown	Arabian Medicine	Cambridge, 1921
17.	Edward Gibben	The Decline and Fall of the Roman Empire	
18.	Edward Crazy	History of the Ottoman Turks	
19.	Fenner Brock Way	Worker's Front.	
20.	Hugo Winkler	The history of Baby lonia and Assyria	New York 1907
21.	Islam, Poverty & Income Distribution	The Islamic foundation U.K 1991	
22.	Jode	The philosophy of our time.	
23.	Khurshid Ahmad	Islam and Simple Living	Karachi 1970
24.	Lin Yutong	Between Tears and laughter	
25.	Mazhar-ul-Haq	A Short History of Islam.	
26.	P.K. Hitti	The Origins of the Islamic State	Beirut, 1966
27.	P.K. Hitti	History of the Arabs	Macmillan 1992
28.	Ronald Regan	An American Life	
29.	Ramzay Clark	The Fire this Time	New York 1996
30.	Sorokin	The Crisis of Our Age	
31.	Sherein Hunter	The Future of Islam and the West	
32.		Secret Doctrine in Israel	London
33.	Stephan	The rise of Nationality in Balkan	
34.	Stanley Lane	Poole	Turkey
35.	Will Durant	The story of Civilization	
36.	World Bank	World Development Report 2003, 2005, 2007	
37.	William Muir	The Caliphate, its Rise, Fall and Down Fall	

38.		World of learning, 1998, 48th Edition.	
39.	William Osler	The Evolution of Modern Medicine	1922
40.	William L. Langer	World History	
41.		The Origins of Islamic State	Reprint Beirut 1966
42.	Huntington	Clash of Civilization	Siman & Shoster, N.Y 1996
43.	Mrs. Tanveer Khalid	Education	National Book Foundation Islamabad
44.	K.K.Devit	Modern Economic Theory	India
45.	Saeed Nasir	Economics of Pakistan	2006-07
46.		The Economic impact on under-Developed Countries	
47.	E.D Doner	Economic Growth on Economic Approach	May, 1958
48.	Ambrose	Duties of the Clergy	
49.	Lenin & Silvadori	The Rise of Communism	
50.		Encyclopedia of Religion and Ethics	
51.	Longman Dictionary		
52.	Oxford dictionary		
53.	Encyclopedia of Britannica		USA, University of Chicago

ج) اخبارات کے کالم

1۔ ڈاکٹر اختیار بیگ، روزنامہ جنگ لاہور، 17 ستمبر 2004۔

2۔ ڈاکٹر اختیار بیگ، روزنامہ جنگ لاہور، 1 ستمبر 2004۔

3۔ انور سید، ڈان کراچی، 16 اکتوبر 2005۔

4۔ انور سید، جنگ لاہور، 3,6 جولائی 2006۔

5۔ جاوید چوہدری، جنگ لاہور، 24 مارچ 2005۔

6۔ جاوید چوہدری، روزنامہ جنگ لاہور، 17 دسمبر 2005۔

7۔ پروفیسر خورشید احمد، ڈان کراچی، 30 ستمبر 2003۔

8۔ خالد محمود ہاشمی، نوائے وقت، لاہور، 19 جون 2006۔

9۔ ایضاً، 17 جون 2002۔

10۔ خورشید احمد، امریکی عزائم اور اُن کا مقابلہ (آرٹیکل، شائع شدہ)۔

11۔ رشید پٹیل، جنگ لاہور، 23 جولائی 2004۔

12۔ ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی، جنگ لاہور، 15 دسمبر 2005۔

13۔ ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی، جنگ لاہور 11 جنوری 2006۔

14۔ سرور جمال اصمعی، جنگ لاہور، 22 ستمبر 2005۔

15۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان، جنگ لاہور، 18 دسمبر 2003۔

16۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان، ڈیلی ڈان، 15 اپریل 1998۔

17۔ ڈاکٹر عطاء الرحمان، ڈان کراچی، 23 اکتوبر 2000۔

18۔ عبدالمجید ساجد، جنگ لاہور، 30 دسمبر 2005۔

19۔ عنائیت اللہ، دی نیوز، 28 اگست 1995۔

20۔ جنگ لاہور، 9 ستمبر 2006۔

21۔ ایضاً، 25 دسمبر 2005۔

22۔ سنڈے میگزین، جنگ لاہور، 18 اپریل 2004۔
23۔ وقار یوسف عظیمی، جنگ لاہور، 29 جولائی 2006۔
24۔ سنڈے میگزین، جنگ لاہور، 6 اگست 2006۔
25۔ ایضاً، 24 اپریل 2005۔
26۔ ایضاً، 3 اپریل 2005۔
27۔ ایضاً، 20 اگست 2004۔
28۔ The Nation، 18 اگست 1995۔
29۔ ایضاً، 28 اگست 1995۔
30۔ جنگ لاہور، 7 اکتوبر 2005۔
31۔ ڈان کراچی، 22 مئی 2003۔
32۔ ڈان کراچی، 7,8,12,14,16 ستمبر 2003۔
33۔ ایضاً، 26 جولائی، 4 نومبر 2002۔
34۔ ڈان کراچی، 2 مئی 2003۔
35۔ دی نیوز، اداریہ، 10 مئی 2002۔
36۔ ڈان 13,23,27 ستمبر 2004۔
37۔ ایضاً، 11,14 اکتوبر 2004۔
38۔ ڈان کراچی، 23 اکتوبر 2000۔
39۔ ڈیلی گزٹ کراچی، 5,6 جون 1934۔
40۔ ماہنامہ الدعوۃ، جنوری 2006۔
41۔ ماہنامہ ترجمان القرآن، مارچ 2005۔
42۔ دی گارڈین، لندن، 18 فروری 2005۔
43۔ کرسٹینا روکا (امریکہ) کا بیان، خبر و نظر، شمارہ، جولائی 2004۔
44۔ نیوز ویک، خصوصی ایڈیشن، ڈاؤس ایڈیشن، دسمبر 2001۔

Transparency International Report, 2003,2004,2005. -45

Economist, September 19, 1998. -46

Fortune, August 18, 1998. -47

A Decade of American Foreign Policy 1941-1949, Columbia encyclopaedia Vol: 6th Year 2001 -48

DAWN,December 4-8, 1999. -49

Economist, June 7, 1997 -50

Economist, June 4, 1999 -51

The news Sep. 11, 1998. -52

The Nation August 28, 1995. -53

Dawn August 2, 2002. -54

Washington Post May 26, 1991. -55

Survival International Institute for Stretegic Studies, London May, June 1991. -56

The news, weekend Magazine, August 1991. -57

Charles William Maynese, Foreign Policy No.28, Spring 1992. -58

Huntington "Survival, London, January/February 1991 P:6,8. -59

Guardian Sep. 20,26, 2001. -60

Guardian Sep. 12, 2002. -61

The news Oct. 16, 2004. -62

The news July, 25, 2004 -63

May 10, 2002 -64

The news weekend Aug. 1991. -65

The news February 11, 2001. -66

Stock home international peace research institute report 2003 -67

Base Structure Report, 2003, 22 U.S. Defence Department. -68

International Herald Tribune, Oct. 15, 1998. -69

USA Today June 3, 2003. -70

United States Census Bureau, Censes 2000. -71

☆ ☆ ☆